آزاد کشمیر کی ادبی انجمنیں

تحقیقی و تنقیدی جائزہ

مقالہ برائے ایم فل اُردو

مقالہ نگار:

سعدیہ برجیس ملک

رولنمبر N739357

رجسٹریشن نمبر 03-KKI-0329

رہائش نزد مدینہ مارکیٹ/شاہی مسجد
مین بازار کوٹلی، تحصیل و ضلع کوٹلی آزاد کشمیر

نگران:

ڈاکٹر صابر آفاقی

شعبہ اُردو

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

۲۰۰۸ء

صابر آفاقی

باسمہ

پروفیسر سعدیہ تبسم ملک نے اپنا مقالہ
(برائے ایم۔ فل) بعنوان "آزاد کشمیر کی
ادبی انجمنیں" میری نگرانی میں محنت
لگن اور ذمہ داری سے مکمل کر لیا ہے
میں اس مقالہ کو ایم۔ فل کی
ڈگری کے لیے پیش کرنے کی سفارش
کرتا ہوں

از
صابر آفاقی
۹-۲-۲۰۰۸

رابطہ
۰۵۸۸۱۰-۴۳۱۵۹
۰۳۰۱-۵۲۰۹۹۳۵
Email: sabir_afaqi@yahoo.com

ادرس۔ پوسٹ بکس 9 مظفرآباد (آزاد کشمیر)

چٹھی نمبر F.NO. 6-1/2005-DR بتاریخ 22.08.2005 کے تحت موضوع کی منظوری ہوئی۔

قہر سے بچنے کے لیے ان قیمتی کتابوں کو جلا جلا کر آگ تاپتے رہے۔ باقی بچ جانے والی کتابیں میاں محمد بخش لائبریری میرپور میں منتقل کر دی گئیں جو آج تک بوریوں میں بند ہیں۔ لائبریری کی تباہی کے باعث مجھے افتخار آباد سے تاؤ بٹ تک آزاد کشمیر کے اہل قلم حضرات سے رابطے کر کے ان کی ادبی تخلیقات اور انجمنوں کے بارے میں استفادہ کرنا پڑا۔ جن اہل قلم حضرات نے اس مقالہ سے متعلق مواد فراہم کرنے میں مجھ سے بھرپور تعاون کیا ان میں جناب مخلص وجدانی، ڈاکٹر افتخار حسین مغل، سیدہ آمنہ بہار رونا، عبدالرشید ملک، سلیم گردیزی، ساجدہ بہار، زاہد کلیم، ابراہیم گل، ڈاکٹر سید نثار ہمدانی، پروفیسر اعجاز نعمانی، ناز مظفر آبادی، میاں محمد اسحاق سوز، جواد جعفری، ڈاکٹر نصر اللہ خان ناصر، پروفیسر شفیق راجہ، سید شہباز گردیزی، عمران حمید گیلانی، چودھری محمد بشیر، خواجہ خورشید احمد، پروفیسر منیر احمد یزدانی، رانا فضل حسین، مسعود اعجاز بخاری، مظہر جاوید حسن، وجیہہ الحسن صفدر شفق، عبدالمنان گوہر، محمد اسحاق علوی، ڈاکٹر محمد صغیر خان، اقبال میر، الطاف شاکر (مرحوم)، محمد افضل صابری، خالد کاشمیری، ڈاکٹر محمد عالم چودھری، چودھری محمد اکرم، سید قیوم شاہ، پروفیسر عبدالعلیم صدیقی، پروفیسر سردار مسعود احمد اور پروفیسر کوثر سلیمان وغیرہ شامل ہیں۔

مقالہ کی تکمیل کے سلسلہ میں جس شخصیت نے میری قدم قدم پر رہنمائی کی وہ محترم جناب ڈاکٹر صابر آفاقی ہیں۔ ان کی حوصلہ افزائی اور رہنمائی کے باعث ہی میں اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے قابل ہو سکی ہوں۔ آج جب میں مقالہ مکمل کر چکی ہوں تو مجھے پروفیسر ڈاکٹر نثار قریشی (مرحوم) کی بہت یاد آ رہی ہے۔ وہ ایک بے لوث اور اصول پرست استاد تھے۔ وہ شعبہ اردو کے سربراہ ہونے کے باعث ہمیشہ ہمیں معیاری کام کرنے کے اصول اپنانے کی تلقین کرتے۔ میں ان کے تعاون پر ہمیشہ ان کی شکر گزار رہوں گی۔ میں ڈاکٹر انعام الحق جاوید، محترمہ نورینہ تحریم اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، محسنہ نقوی اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو اور ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو کی خاص طور پر شکر گزار ہوں کہ موضوع کے انتخاب سے مقالہ کی تکمیل تک ان کا تعاون بھی شامل حال رہا۔

آزاد کشمیر کے ۵۱۳۴ مربع میل پر مشتمل علاقہ دشوار گزار پہاڑی سلسلوں، ان میں پھیلی وادیوں، برف پوش چوٹیوں اور ڈھلوانوں پر مشتمل ہے۔ اس کا بیشتر علاقہ ہر وقت بھارتی فوج کی فائرنگ کی زد میں رہتا تھا۔ یہ علاقہ علمی و ادبی مراکز سے بھی دور ہے۔ یہاں کوئی قابل ذکر لائبریری بھی نہیں ہے۔ یہ سب حالات تو علمی و ادبی سرگرمیوں کے لیے موزوں نہیں لیکن ان کٹھن حالات کا سامنا کرنے کے باوجود اہل کشمیر کے دل سے جینے کی امنگ نہیں گئی۔ یہاں کے اہل قلم نے تحریک آزادی کشمیر کے پس منظر میں کشمیری تہذیب و تمدن کو اپنے رشحات قلم سے اجاگر کرنے کے لیے ادبی انجمنیں قائم کیں۔ اس تحقیقی مقالہ میں ان انجمنوں اور ان سے وابستہ فنکاروں کی کاوشوں کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ آزاد کشمیر کی نوجوان نسل اپنے ان محسنوں کو ذہنوں اور تاریخ کے اوراق میں محفوظ کر کے مستقبل میں ان سے رہنمائی حاصل کر سکے۔ آزاد کشمیر کی ادبی انجمنوں کی ادبی خدمات پر ابھی تک تحقیقی کام آزاد کشمیر کے اندر نہ ہونے کے برابر ہے اور اگر کسی سطح یا نوعیت کا کام ہوا بھی ہے

تو وہ آزاد کشمیر کی تمام ادبی انجمنوں، ان کی کارکردگی اور تخلیق ادب میں ان کے کردار کا احاطہ نہیں کرتا۔ میں نے اس موضوع کے تحت نصف صدی سے زائد عرصہ کی ادبی انجمنوں کی ادبی سرگرمیوں کو اس مقالہ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

میں محترم چودھری غلام یٰسین (سینئر چیف آفیسر بلدیہ میرپور) کی بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات سے وقت نکال کر میرپور کے اہل قلم حضرات سے مجھے ملوایا اور تحقیقی مواد بہم پہنچانے میں میری مدد کی۔

میں اپنے والد محترم ملک عبدالرشید سیکرٹری قانون اور والدہ محترمہ سلطان بیگم منہاس (ر) پرنسپل گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج کوٹلی کی بے حد احسان مند ہوں کہ ان عظیم ہستیوں کی محبت، شفقت اور رہنمائی نے مجھے اپنے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے قابل بنایا۔ ان کا ایثار اور حوصلہ افزائی میرے لیے ہمیشہ ناقابل فراموش رہے گی۔ میں خدا تعالیٰ کے حضور ان کی صحت اور درازیٔ عمر کے لیے دعا گو ہوں۔

سعدیہ برجیس ملک
لیکچرر ماڈل سائنس کالج
کوٹلی آزاد کشمیر
۱۰ جنوری ۲۰۰۸ء

مندرجات

باب اول

کشمیر میں اُردو زبان کا فروغ

اور

اس کی ترویج کا پس منظر

کشمیر کی وجہ تسمیہ:

مورخین و محققین کے نزدیک لفظ کشمیر ہمیشہ سے موضوع بحث رہا ہے۔ کشمیر کو کشمیر کیوں کہا جاتا ہے؟ اس ضمن میں بے شمار توجیہات اور تشریحات ملتی ہیں۔ کشمیر کی وجہ تسمیہ کے بارے میں چند روایات حسب ذیل ہیں:

پنڈت کلہن کے مطابق قدیم زمانے میں ساری وادی کشمیر پانی میں ڈوب کر ایک جھیل بن گئی تھی اور اس جھیل میں ایک دیو رہتا تھا جس کا نام جل دیو تھا وہ جھیل سے نکل کر انسانوں کو کھا جاتا تھا۔ ایک بزرگ ''کشپ رشی'' ادھر آئے اور انھوں نے اپنی روحانی طاقت سے بارہ مولا کا پہاڑ کاٹ کر پانی کا اخراج کر دیا۔ دیو باہر آیا تو اسے انھوں نے ہلاک کر دیا اور پانی کی تہہ سے ایک خوبصورت وادی سامنے آئی جو کشپ میر، (کشب بزرگ کی خالی کی ہوئی زمین) کہلائی۔ گویا کشمیر کا قدیم نام کشپ میر تھا جو بدل کر کشمیر ہو گیا۔ [۱]

کشمیر کی وجہ تسمیہ کے بارے میں پنڈت کلہن کی یہ رائے پہلی رائے سے زیادہ دلچسپ ہے وہ لکھتے ہیں:

> ''زمانہ سابق میں ابتدائے کلپ سے لے کر وہ زمین جو ہمالہ کے دامن میں واقع ہے۔ ابتدائی چھ منوں کے عہد میں پانی سے ڈھکی ہوئی تھی اور یہاں ستی سرنامی جھیل واقع تھی۔ اس کے بعد جب موجودہ ساتویں منو کا زمانہ آیا تو پرجاپتی کشپ نے برہما، وشنو اور شیو کی رہبری میں دیوتاؤں کی مدد حاصل کر کے جلود بھو راکھش کو جو اس جھیل میں رہتا تھا مروا ڈالا اور اس زمین کو جو جھیل کے باعث رکی ہوئی تھی کشمیر کے نام سے آباد کیا۔'' [۲]

سلیم خان گمی نے بھی پنڈت کلہن کے نظریے کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''ساری وادی پرانے زمانے میں ایک بڑی جھیل تھی اور کشمیریوں کے جنم داتا کشپ رشی نے بارہ مولا کے قریب بند توڑ کر پانی کے نکل جانے کا راستہ بنایا اور اس طرح کشپ رشی کے نام پر اس وادی کا نام کشپ میر یا کشمیر پڑ گیا۔'' [۳]

مگر اس کے برعکس محمد دین فوق نے لفظ کشمیر کی وجہ یہ پیش کی ہے کہ:

> ''زبان شاستری میں 'کم' پانی کو اور شمیر باہر نکالنے کو کہتے ہیں۔ چونکہ ستی سر کا پانی باہر نکالا گیا تھا اس لئے اس کا نام کشمیر قرار پایا جس سے اب کشمیر ہو گیا۔'' [۴]

لفظ 'کشمیر' کی وجہ تسمیہ کے سلسلے میں اور بھی بہت سی روایات موجود ہیں۔ چارلس ایلی سن ہیٹس نے اپنی کتاب A Gezetter of Kashmir میں لکھا ہے کہ برہموں کے خیال کے مطابق کس یا کش کے معنی ''روشنی'' اور میر کے معنی سمندر کے ہیں اسی بناء پر اسے ''روشنی کا سمندر'' کہا جاتا ہے۔

ماہرین جغرافیہ کے نزدیک لفظ کشمیر کو مروج ہوئے تقریباً اڑھائی ہزار سال ہو چکے ہیں۔ پراکرت میں 'کا' پانی کو اور 'سمیرا' ہوا کو کہتے ہیں۔ ان دونوں لفظوں کے باہم ملاپ سے کاسمیرا یا کشمیرا کی ترکیب وجود میں آئی اور اس سے مراد وہ زمین ہے جہاں سے ہوا کے ذریعہ پانی نکالا گیا ہو۔ [۵]

ڈاکٹر محی الدین صوفی کے مطابق وادی کشمیر جو زمانہ قدیم میں ستی سر جھیل کہلاتی تھی۔ اس کا پانی خارج کر

کے اس کا نام 'کاس میرا' رکھا گیا۔ 'کا' سے مراد پانی اور 'سمیرا' ایسی جگہ جہاں سے پانی نکال دیا گیا ہو۔ اس طرح کاس میرا سے مراد وہ جگہ ہے جہاں سے پانی خارج کر دیا گیا ہو۔

لفظ 'کشمیر' کی توضیح یوں بھی کی جاتی ہے کہ یہ 'کس' اور 'میر' کا مرکب ہے۔ 'کس' سے مراد نالہ اور 'میر' سے مراد پہاڑ ہے۔ اس طرح یہ نالوں اور پہاڑوں کا ملک قرار پاتا ہے۔

راج ترنگنی کے انگریزی مترجم سر آریئل سٹین کے مطابق اس کے قطعی معانی ماہرین لسانیات اب تک تلاش نہیں کر سکے اور اس لئے لفظ کشمیر کی حقیقی وجہ تسمیہ محض توضیحات، مفروضات اور روایات پر مبنی ہے۔ تاہم ماہرین علم الارض اور علم اللسانیات میں عام طور پر اس بات سے اتفاق پایا جاتا ہے کہ تقریباً کروڑوں سال پہلے وادی کشمیر پانی سے بھری ہوئی تھی۔ یہ پانی وادی کے نشیبی علاقے بارہ مولا کی طرف بہتا رہا۔ پانی کے اخراج اور کٹاؤ کے عمل کے باعث سرینگر کی وادی ظاہر ہوئی۔

بقول محمد سعید اسعد:

> ''علوم ارضیات کے ماہرین کی تحقیق کے مطابق سرزمین کشمیر آج سے دس کروڑ سال پہلے معرضِ وجود میں آئی۔ اس سے پہلے یہ علاقہ ایک وسیع و عریض سمندر کی تہہ پر مشتمل تھا۔ طاقت ور آتش فشاں پھٹنے اور زیر زمین تبدیلیاں رونما ہونے کے سبب لاکھوں سال کے مسلسل عمل سے اس سمندر کی تہہ سے پہاڑ ابھرنا شروع ہوئے۔ ہمالیہ اور قراقرم کی چوٹیاں نمودار ہوتی گئیں اور پانی کناروں کی طرف نکھرتا گیا حتیٰ کہ سمندر کی ساری تہہ سے پہاڑ ابھر کر منصہ شہود آ گئے۔ قدرتی طور پر وادیاں اور گھاٹیاں بنتی گئیں اور ایک وقت ایسا آیا کہ یہ اولادِ آدم کا مسکن بن کر فردوسِ بریں کہلائیں۔'' ۶

عباس احمد آزاد نے کشمیر کی وادی کا پانی میں ڈوبے ہونے کے بارے میں میجر رافیل (ماہر ارضیات اور جغرافیہ داں جنہوں نے کشمیر میں رہ کر کشمیر کی جغرافیائی ہیت کا بغور مطالعہ کیا) کی رائے کی تائید کی ہے وہ کہتے ہیں کہ:

> ''وادی کشمیر قدیم جغرافیائی عہد میں پوری جھیل میں ڈوبی ہوئی تھی اور سینہ بہ سینہ چلی آنے والی قدیم روایات اور تاریخی روایات اس کی تصدیق کرتی تھی کچھ اسی قسم کا نتیجہ ان لوگوں نے بھی اخذ کیا ہے جو یہاں سالہا سال رہے اور مظاہر قدرت کا مطالعہ کیا۔ لہٰذا میں بھی (رافیل) اس نتیجہ سے اتفاق کرنے پر مجبور ہوں کہ عہد ماضی میں یہ حسین خطہ موجود نہیں تھا بلکہ اس کی جگہ پانی کی ایک وسیع جھیل تھی۔'' ۷

کشمیر کی وادی سے پانی کے اخراج نے میدانی علاقوں میں یقیناً تباہی مچائی ہو گی اور کئی آبادیاں زیر آب آ کر صفحہ ہستی سے مٹ گئی ہوں گی۔ بقول پریم ناتھ بزاز:

> ''چنانچہ یہ بات امکان سے باہر نہیں ہے کہ کشمیر میں پہاڑوں کے پھٹنے اور اس کے نتیجہ میں ایک عظیم سیلاب کے وقوع میں آنے کی وجہ سے ہی ہڑپہ اور موہنجو ڈارو کی تہذیبیں ناپید ہو گئیں ہوں۔'' ۸

کشمیر کی وادی کے خشک ہونے کے بعد جھیل کے اردگرد پہاڑوں پر بسنے والے لوگ اس وادی میں آباد ہونا

شروع ہو گئے۔ اب لفظ کشمیر اس وادی کے لئے مخصوص ہے جس کی لمبائی اسی میل اور چوڑائی چونتیس میل ہے۔ جبکہ عام طور پر لفظ کشمیر ان تمام علاقوں کے لئے مستعمل ہے جو ۸۴۴۷۱ مربع میل پر مشتمل علاقے ہیں جن پر ۱۹۴۷ء سے پہلے ڈوگروں کی حکومت تھی۔

پروفیسر ڈاکٹر سرور عباسی لکھتے ہیں:

"ریاست کا کل رقبہ ۸۴۴۷۱ مربع میل ہے۔ اس میں صرف دو میدانی علاقے ہیں ایک وادی کشمیر جس کی لمبائی ۸۴ میل اور چوڑائی ۳۵ میل ہے۔ دنیا کا یہ حسین اور دلآویز خطہ جو کوہ ہمالیہ کے دامن میں پھیلا ہوا ہے حسن فطرت کا شاہکار ہے۔ اسے جنت نظیر بھی کہتے ہیں... سری نگر جو ریاست کا سب سے بڑا شہر ہے دریائے جہلم کے دونوں کناروں پر وادی کے تقریباً وسط میں واقع ہے دوسرا جموں کا میدانی علاقہ ہے جو پنجاب کے میدانوں کا ہی ایک حصہ ہے۔ اس میں ضلع جموں کے علاقہ کٹھوعہ، جسیمر گڑھ، بھمبر اور میر پور کی تحصیلیں شامل ہیں۔" ۹

رقبہ اور حدود اربعہ

دورِ قدیم میں ریاست جموں و کشمیر کا رقبہ مختلف علاقوں پر مشتمل رہا ہے اور اس کی حدود میں کمی بیشی ہوتی رہی ہے۔ کبھی اس کی سرحدیں ایک طرف کابل، سمرقند اور بخارا تک اور دوسری طرف دکن تک پھیل جاتی رہی ہیں اور کبھی سکڑ کر وادی کشمیر اور جموں تک محدود ہو جاتی رہی ہیں۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم برصغیر کے وقت جموں و کشمیر کی ریاست کی حدود کا وہ رقبہ تسلیم کیا گیا ہے جو مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت کے زیرِ انتظام تھا۔ یہ رقبہ ۸۴۴۷۱ مربع میل ہے اور اس میں تین صوبے جموں، کشمیر اور لداخ و گلگت شامل تھے۔

محمد امین پنڈت نے لکھا ہے کہ:

"کشمیر کی سلطنت بعض اوقات اتنی وسیع بن گئی کہ راجہ جلوک کے زمانے میں اس کی عمل داری قندھار اور باختر تک وسیع ہو گئی اور بعض اوقات تاریخ کے حوادث کی وجہ سے اس سلطنت کی حدود سکڑ کر صرف وادی تک محدود ہو کر رہ گئیں۔ کسی وقت کشمیر کی الگ سلطنت بالکل نیست و نابود ہو گئی اور کسی وقت یہ خطہ زمین چین کی حکومت کے تابع نگین بن گیا... جہاں تک جموں و کشمیر سٹیٹ کا تعلق ہے یہ نام اس وقت ظہور میں آیا جب ۱۸۴۶ء میں ریاست موجودہ شکل و صورت میں عالم وجود میں آئی۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ وادئ کشمیر سکھوں کی حکومت (دربار خالصہ لاہور) کے زیرِ نگیں تھی۔ لداخ، بلتستان اور کشمیر کے شمال میں گلگت اور اسی طرح کے کئی چھوٹے چھوٹے راجاؤں کی حکومت تھی۔" ۱۰

ریاست جموں و کشمیر کی حدود مختلف اوقات میں بدلتی رہیں۔ البتہ ١٨٤٦ء میں اسے ایک وحدت کی شکل حاصل ہوئی۔ ریاست کی سرحدیں دنیا کے چار ممالک چین، افغانستان، پاکستان اور بھارت سے ملتی ہیں۔ ڈاکٹر یوسف بخاری لکھتے ہیں:

> "کشمیر ہندوستان کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ کشمیر سے تین بڑی سلطنتوں روس، چین اور ہندوستان کی سرحدیں ملتی ہیں۔" [١]

جنوبی اور وسطی ایشیاء کے مرکز میں ہونے کی وجہ سے کشمیر فوجی اہمیت کا حامل ملک ہے۔ کشمیر براعظم کے تقریباً وسط اور برصغیر ہندوپاک کے عین شمال میں واقع ہے۔ اسی باعث یہ ایشیاء کا دل اور برصغیر کا تاج کہلاتا ہے اور بقول جی ایم میر:

> "ریاست جموں و کشمیر براعظم ایشیاء کے تقریباً وسط میں واقع ہے۔ اس لحاظ سے اسے "ایشیاء کا دل" کہا جاتا ہے۔" [٢]

ریاست کشمیر جغرافیائی، ثقافتی اور مذہبی اعتبار سے بھارت کے مقابلے میں پاکستان سے قریب تر ہے۔ اس کا تین چوتھائی حصہ پاکستان کے ساتھ ملحق ہے اور ہندوستان سے صرف ایک تنگ اور دشوار گزار راستے پٹھانکوٹ سے آمدورفت ہوتی ہے۔ شدید برف باری کے دوران اس کا ہندوستان سے رابطہ منقطع ہو جاتا ہے۔ ایم۔ اے خان کشمیر اور پاکستان کے قدرتی علاقائی اتصال کے بارے میں بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "بھارت کے ساتھ (مشرق اور جنوب میں) ساڑھے تین سو میل سرحد ملتی ہے۔ مگر زیادہ تر ناقابل عبور پہاڑوں پر مشتمل ہے صرف پنجاب کی جانب سے قابل عبور راستہ ملتا ہے۔" [٣]

رقبہ کے لحاظ سے ریاست دنیا کے ١١٠ ممالک سے اور آبادی تقریباً ڈیڑھ کروڑ ہونے کی وجہ سے ١٣١ ممالک سے بڑی ہے۔

تقسیم برصغیر ١٩٤٧ء کے بعد ریاست جموں و کشمیر مختلف حصوں میں تقسیم ہوگئی جس کی تفصیل اس طرح ہے:

١۔ **بھارت کے زیر قبضہ:**

صوبہ لداخ:	٢٤٥٦٩ مربع میل
صوبہ کشمیر:	٦٨٩٣ مربع میل
صوبہ جموں:	٩٨٨٠ مربع میل
کل بھارتی مقبوضہ علاقہ:	٤١٣٤٢ مربع میل ہے۔

٢۔ **پاکستان کے زیر کنٹرول:**

گلگت وبلتستان:	٢٩٨١٤ مربع میل
آزاد کشمیر:	٤١٤٤ مربع میل
کل پاکستان زیر کنٹرول علاقہ:	٣٣٩٥٨ مربع میل

٣۔ **چین کے زیر کنٹرول:**

١٩٦٢ء کی بھارت چین جنگ کے نتیجے میں چین نے بھارت کے زیر قبضہ صوبہ لداخ کا ٩١٧١ مربع میل علاقہ اپنے قبضے میں لے لیا اسے "اقصائی چن" کہتے ہیں۔

پاکستان کے صدر ایوب خان نے گلگت بلتستان کی شمالی سرحد پر چین کو ۱۸۶۸ مربع میل کا علاقہ خیر سگالی کے جذبہ کے اظہار کے طور پر دے دیا۔[۱۴]

احیائے اسلام

ریاست جموں و کشمیر کا برصغیر سے لسانی، ثقافتی اور مذہبی تعلق استوار رہا ہے۔ کشمیر میں اسلام کی اشاعت کا آغاز محمد بن قاسم کی سندھ آمد کے ساتھ ہی ہوا کیونکہ جس زمانے میں مسلمانوں کی حکومت مراکش سے لے کر کاشغر تک پھیلی ہوئی تھی۔ بصرہ کے گورنر نے عربی اور شامی سپاہیوں پر مشتمل اسلامی لشکر کئی بار سندھ بھیجا تاکہ وہاں کے ہندو راجاؤں کو شکست دے کر اسلامی حکومت قائم کی جائے۔

حمیم بن سامہ، محمد بن قاسم سے تقریباً دو سال پہلے مسلمان سپاہیوں کے ہمراہ سندھ آیا۔ اس زمانے میں سعید بن اسلم مکران کا گورنر تھا۔ اسے خلیفہ ولید نے گورنر مقرر کیا تھا۔ حمیم بن سامہ اور اس کے ساتھیوں معاویہ اور محمد بن حارث علافی نے سعید بن اسلم کو قتل کر دیا اور خود مکران پر قبضہ کر لیا۔

۷۱۲ء میں بصرہ کے گورنر حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کو سندھ کے راجہ داہر سے بے گناہ مسلمان قیدیوں کو چھڑانے بھیجا۔ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں راجہ داہر کو شکست ہوئی۔ حمیم بن سامہ راجہ داہر کے ساتھ تھا۔ راجہ کی شکست اور موت کے بعد حمیم بن سامہ راجہ داہر کے بیٹے جے سیا کے ہمراہ بھاگ کر کشمیر چلا گیا۔ اس وقت کشمیر میں درلا بھک (۶۶۳ء تا ۷۱۳ء) کا راج تھا جے سیا نے اس سے امداد چاہی۔ درلا بھک نے جے سیا اور اس کے ساتھیوں کو کشمیر میں آباد کیا۔ حمیم بن سامہ نے وادی جہلم شاہ کلہ کی جاگیر میں مسجدیں تعمیر کرائیں۔ جے سیا اور بہت سے کشمیری اس کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔ گویا کشمیر میں اشاعت اسلام کا باقاعدہ آغاز حمیم بن سامہ کے ہاتھوں ہی ہوا۔[۱۵]

کشمیر میں اشاعت اسلام کے سلسلے میں محمود غزنوی کے ۱۷ حملوں نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ کشمیر کا راجہ سنگرام محمود غزنوی کے خلاف باقی ہندو راجاؤں کو اکثر فوجی امداد مہیا کرتا رہتا تھا۔ اس لئے محمود غزنوی نے ضروری سمجھا کہ اسے ٹھکانے لگایا جائے۔ چنانچہ محمود غزنوی نے کشمیر پر ۱۰۱۵ء میں پہلا اور ۱۰۲۱ء میں دوسرا حملہ کیا مگر دشوار گذار راستوں اور برف باری کے باعث محمود غزنوی اور اس کی فوج کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس کے یہ حملے کشمیر میں اشاعت اسلام کا راستہ ہموار کر گئے۔ فوج کے ساتھ آئے مسلمان عالم اور مبلغ کوہستان نمک، پوٹھوہار، پونچھ، میرپور، مظفرآباد اور ہزارہ میں جا کر آباد ہو گئے اور وہاں انہوں نے بلا کسی روک ٹوک کے اشاعت اسلام کا کام گرم جوشی سے شروع کر دیا۔[۱۶]

سندھ، پنجاب، سرحد، گلگت، بلتستان اور ملحقہ علاقوں میں اسلام کی اشاعت پہلے ہوئی اس کے بعد کشمیر میں اسلام کا چرچا ہوا۔ ان علاقوں میں چودھویں صدی کے آغاز میں اسلام پھیل چکا تھا اور ان کے بعد کشمیر میں اسلام پھیلنا شروع ہوا۔ کشمیر میں اسلام نے زبردست فتح حاصل کی بلکہ سلیم خان گمی اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> ''ہندو حکومت کے آخری سالوں میں کشمیر کی کشمیری آبادی نے اسلام کو قبول کیا اور چودھویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں اسلام کشمیر میں ایک حقیقت بن کر ابھرا۔''[۱۷]

کشمیر میں احیائے اسلام کا باقاعدہ آغاز چودھویں صدی عیسوی میں وسط ایشیاء کی ریاستوں سے مبلغین اسلام کی آمد سے ہوا۔ ان صوفیائے کرام نے کشمیر میں مذہب اسلام کی اشاعت کر کے مسلم کلچر کی داغ بیل ڈالی۔

یہاں اسلام کے فروغ نے توہمات و بت پرستی کو ختم کر دیا۔ اس نے عوام کی طاقت اور ان کے کردار کی ایک علیحدہ وحدت کے طور پر تعمیر کی۔ اہل کشمیر نے اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہو کر ان سے اخلاقی و مادی طاقت حاصل کی نیز اسلام نے کشمیری عوام کے اذواق و اطوار کی اصلاح کی اور ان کی اخلاقی معاشرتی اور مادی سوچ کو رفعت عطا کی۔ ۱۸

مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ، سید تاج الدینؒ، سید حسینؒ سمنانی اور پیر سید علیؒ ہمدانی المعروف شاہ ہمدان جیسے صوفیہ نے خطہ کشمیر کی مقامی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔ مگر زمانی اعتبار سے بلبلؒ شاہ پہلے صوفی ہیں جو کشمیر آئے اور بقول شیخ محمد اکرام:

> ''اس خطہ جنت نظیر میں اسلام کے پہلے کامیاب مبلغ حضرت بلالؒ شاہ یا بلبلؒ شاہ تھے خزینۃ الاصفیا میں لکھا ہے کہ حضرت بلبلؒ شاہ کا اصلی نام شرف الدین تھا اور اسلام کشمیر میں ان کی بدولت پھیلا وہ شاہ نعمتؒ اللہ فارسی کے مرید اور سہروردی سلسلے کے بزرگ تھے ۱۳۲۴ء میں رنچن شاہ حاکم کشمیر کے عہد میں وہ کشمیر آئے اور راجا اور اس کے بہت سے امراء کو مسلمان کیا۔'' ۱۹

رنچن شاہ کے بعد ۱۳۳۸ء میں شاہ میر خاندان نے ریاست کا اقتدار سنبھالا اور اس خاندان نے ۲۱۹ برس تک کشمیر پر حکمرانی کی۔ سلطان علاؤ الدین اور سلطان شہاب الدین کے ادوار میں ریاست کی حدود وسیع ہوئیں وہیں اس خاندان کے ایک بادشاہ بڈ شاہ (سلطان زین العابدین) نے اپنے پچاس سالہ (۱۴۲۰ء-۱۴۷۰ء) دورِ اقتدار میں علوم وفنون، شعر و ادب، صنعت وحرفت، تجارت، مذہبی رواداری، امن و امان اور عدل و انصاف کا چلن عام کیا۔ اس کا دورِ حکومت کشمیر کا سنہری دور کہلاتا ہے۔ بڈ شاہ نے جس دور میں پتھر کو جلا دینے، پتھر تراشنے، بوتل سازی، تابدان تراشی، طلائی ورق بنانے، غالیچہ سازی، کاغذ سازی، جلد سازی، پیپر ماشی، تلوار اور بندوق بنانے کی صنعتوں کو ملک میں فروغ دیا۔ اس وقت شمالی ہند علوم وفنون اور صنعت وحرفت کی ترقی اور ملکی امن و امان کا مرکز ہونا تو دور کسی مستحکم حکومت سے بھی محروم تھا۔ ۲۰

شاہ میری خاندان کے زوال کے بعد چک خاندان اقتدار پر قابض ہوا اور ۱۵۵۵ء تا ۱۵۸۶ء یعنی ۳۱ برس تک کشمیر پر حکمران رہا۔ چک شعیہ مذہب کے پیروکار تھے۔ اس دور میں کشمیر ایک مکمل خودمختار و خوشحال ملک تھا۔ لیکن چک حکمران شعیہ نواز تھے۔ اس لئے انھوں نے سنی فرقہ کے لوگوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا اور ایک سنی عالم قاضی موسیٰ کو شہید کرا دیا جس سے ملک میں فرقہ وارانہ فسادات کا آغاز ہو گیا۔ محمد امین پنڈت اس بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> ''چک خاندان سے کشمیر میں شعیہ سنی فسادات کا ایک خطرناک دور شروع ہوتا ہے جس کے اثرات زمانہ حال تک پائے جاتے ہیں۔'' ۲۱

ان کے مذہبی تعصب سے تنگ آ کر کشمیری علماء کا ایک وفد شہنشاہ اکبر کے دربار میں پہنچا۔ ان علماء نے اکبر کو کشمیر پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ ۱۵۸۶ء میں مغل فوج کشمیر میں داخل ہوئی۔ اس نے یعقوب چک کو شکست دے کر کشمیر میں مغل فرمانروائی قائم کر دی اور اس طرح ۱۵۸۶ء میں کشمیر اپنی طویل ترین تاریخ میں پہلی مرتبہ اپنی خودمختاری سے محروم ہو گیا جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ ۲۲

ریاست جموں و کشمیر کی ہزاروں برسوں پر محیط شاندار تاریخ اس کے خوبصورت اور قابل فخر ماضی کی نشاندہی کرتی ہے۔ آزادی کی طویل بہاریں دیکھنے کے بعد ریاست اغیار کی غلامی میں ایسی گرفتار ہوئی کہ اب تک یہ منحوس

زمانہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتا۔ یہ باہمی رقابت اور غلامی سامراجی قوتوں کی سازش ہے۔ پروفیسر محی الدین حاجنی رقمطراز ہیں:

> ''لیکن چار سو سال قبل اندرونی انتشار، خلفشار، فرقہ پرستی اور بیرونی مداخلت کے نتیجہ میں یہ ''قوم نجیب و چرب دست و تر دماغ'' اپنی آزادی اور خودمختاری کھو بیٹھی اور یہیں سے ریاست کی طویل غلامی کے بدترین دور کا آغاز ہوتا ہے۔'' ۲۳

ہندوستان میں مغلوں کے زوال کے اثرات کشمیر پر بھی ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ کشمیری مغل حکمرانوں سے بیزار ہو چکے تھے اس لئے ۱۷۵۲ء میں کشمیر کے ممتاز امراء نے نادر شاہ کے وارث احمد شاہ درانی کو تحریری طور پر کشمیر پر قابض ہونے کی دعوت دی۔ یوں کشمیر ۱۷۵۲ء سے ۱۸۱۹ء تک افغانوں کے زیر تسلط رہا۔ افغانوں نے ظلم، جبر، معاشی استحصال اور لوٹ کھسوٹ سے اس دور کو کشمیر کی تاریخ کے تاریک ادوار میں شامل کر دیا۔ ۲۴

افغانوں نے کشمیر پر اپنے گورنروں اور صوبیداروں کے ذریعے ۱۷۵۲ء سے ۱۸۱۹ء تک براہ راست حکومت کی اور ۱۸۱۹ء میں افغانوں کے جانشین کے طور پر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے تسلط حاصل کیا۔ غلامی کا یہ دور ۶۷ سال بعد ختم ہوا۔ جی ایم میر لکھتے ہیں:

> ''افغانوں نے ۱۷۵۳ء میں اسے تسخیر کر کے ۶۷ سال تک اپنا غلام بنائے رکھا۔ افغانوں کے زوال کے بعد پنجاب کے سکھ فرمانروا رنجیت سنگھ نے افغانوں کو شکست دے کر اس پر اپنا قبضہ قائم کر لیا جو کہ ۱۸۴۶ء تک ۲۷ سال تک قائم رہا اور جب انھوں نے انگریزوں سے جنگ میں شکست کھائی تو تاوان جنگ کے طور پر اس خطہ کو انگریزوں کے سپرد کر دیا۔'' ۲۵

انگریزوں نے اس جنت ارضی کو ڈوگرہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ معاہدہ امرتسر کے ذریعہ انگریزوں نے گلاب سنگھ سے ۷۵ لاکھ نانک شاہی وصول کر کے اسے کشمیر کا مہاراجہ بنا دیا۔ ڈوگرہ حکمران ایک صدی تک کشمیر پر حکومت کرتے رہے۔ ان کے دورِ حکومت میں کشمیر میں لوٹ کھسوٹ اور غارت گری اپنے عروج پر رہی۔ اسی کے تسلسل میں آخری ڈوگرہ حکمران مہاراجہ ہری سنگھ ۱۹۴۷ء میں بھاگ گیا اور ہندوستان نے جابرانہ قبضہ کر لیا جس سے کشمیر میں غلامی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا جو نہ جانے کب تک جاری رہے گا۔

ریاست جموں و کشمیر میں اردو زبان کی ابتداء

ریاست جموں و کشمیر کو پنجاب کے علاقائی، سیاسی، معاشی، معاشرتی، تعلیمی اور لسانی اثرات متاثر کرتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب پنجاب میں ایک نئی زبان اردو نے جنم لیا تو اس کا اثر جموں تک پھیلنا شروع ہوا۔ فارسی زبان ایک طویل عرصے تک کشمیر کی علمی و ادبی زبان رہی لیکن طویل عرصہ تک جاہ وجلال دیکھنے کے بعد ایک وقت ایسا آیا کہ باقی ہندوستان کی طرح یہاں بھی فارسی کا چراغ ٹمٹمانے لگا۔ ڈاکٹر ممتاز صادق لکھتے ہیں:

> ''فارسی اور یہاں کی مقامی بولیوں کے ساتھ تال میل اور مماثلت کے باعث یہ زبان اہل کشمیر کے لئے اجنبی تھی نہ بعید از فہم۔ اہل کشمیر کو اسے فارسی کے متبادل کے طور پر اپنانے میں کوئی تردد ہوا نہ دقت۔ چنانچہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ کشمیر میں اردو فارسی کی تہذیبی پرورش کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے۔'' ۲۶

ریاست کا اردو سے تعلق تقریباً ڈیڑھ سو سال پر محیط ہے۔ یہ تعلق پرانا ہونے کے باوجود مضبوط اور مستحکم ہے۔ اہل کشمیر اردو کے ادبی مراکز سے دور ہونے کے باوجود اردو بولتے ہیں۔

ریاست کی اسمبلی میں زیادہ تر تقریریں اردو میں کی جاتی تھیں اور وہ اتنی عمدہ ہوتیں کہ انھیں سن کر بابائے اردو مولوی عبدالحق بے ساختہ کہہ اٹھے:

> ''کشمیر کا حال دیکھ کر مجھے خاص مسرت ہوئی شاید ہندوستان کے کسی صوبے میں اردو اس قدر مقبول اور رائج نہیں جس قدر کشمیر میں ہے... ذریعہ تعلیم اردو ہے۔ دفاتر کی زبان بھی اردو ہے اور بہت اچھے اردو کے ادیب اور شاعر موجود ہیں۔ وہاں کی اسمبلی کے اجلاس کو بھی جا کر دیکھا ہے۔ سب ممبر بلا استثناء اردو میں بلا تکلف تقریریں کرتے تھے۔ یہ سن کر آپ کو تعجب ہو گا کہ پنجاب اسمبلی میں ایسی اچھی اردو کی تقریریں نہیں ہوتیں جیسی کشمیر اسمبلی میں۔'' ۲۷

چونکہ زبانوں کے اثر و نفوذ کا عمل غیر شعوری سطح پر جاری رہتا ہے۔ اس لئے اردو کے کئی الفاظ کشمیری عوام کی زبان کا حصہ بنتے گئے۔ ریاست جموں و کشمیر کے پنجاب سے مذہبی، تہذیبی و ثقافتی روابط تھے اس لئے ریاست میں اردو کی ابتدائی ترویج و ترقی کا عمل جن عوامل کے باعث تیزی سے ممکن ہوا ان میں چند عوامل جو زیادہ قابل ذکر ہیں درج ذیل ہیں:

مہاراجہ کشمیر کا محافظ دستہ:

مہاراجہ کشمیر رنبیر سنگھ کا خاص محافظ دستہ رام پور کے روہیلوں پر مشتمل تھا جو اردو زبان بولتے تھے۔ مہاراجہ کی قربت میں رہنے کے باعث ان کو خاصی اہمیت حاصل تھی۔ مقامی لوگ ان سے تعلق رکھنے میں فخر محسوس کرتے۔ ان

محافظ روہیلوں اور مقامی لوگوں کے میل ملاپ نے کشمیر میں اردو کے فروغ کی راہ ہموار کی۔

ڈاکٹر چودھری محمد عالم رقمطراز ہیں:

> ''یہ لوگ اردو زبان بولتے تھے۔ مہاراجہ سے قربت کے باعث خاصے صاحب توقیر جانے جاتے تھے۔ یہ مقامی افراد سے اردو میں ہی بات چیت کرتے یوں ان کی یہاں آمد، رہائش اور میل ملاپ بھی ریاست میں اردو کی ترویج کا سبب ہے۔'' ۲۸

اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جموں و کشمیر میں اردو زبان کا ابتدائی بیج بونے اور وہاں اردو کی سدھ بدھ پیدا کرنے میں مہاراجہ کے ہندوستانی ملازمین کا قابل ذکر حصہ ہے۔

کشمیر میں ہندوؤں کے مقدس مقامات ... ایک سبب:

کشمیر میں اننت ناگ اور اسی طرح کئی دیگر مقامات ایسے ہیں جنہیں ہندو مقدس سمجھتے ہیں اور اس عقیدت کی بناء پر وہ ان علاقوں کی یاترا کے لیے کشمیر آتے رہتے تھے۔ ان کی آمد کے سبب اہل ہندوستان کی زبان اردو کے اثرات کشمیری زبان پر پڑتے رہے اور کشمیری ان سے اردو الفاظ سیکھتے رہے۔ ڈاکٹر سید محمد یوسف بخاری اس بارے میں لکھتے ہیں:

> ''وہ لوگ کچھ سیاحت کی غرض سے اور کچھ زیارت کی خاطر کشمیر آتے ہیں۔ اس میں جغرافیائی عوامل یہ ہیں کہ کشمیر ایک صحت افزا مقام ہے۔ اکثر امیر لوگ سیاحت کی غرض سے آتے ہیں۔ کچھ امیر اور غریب لوگ انہیں، مہینوں میں چشموں کی زیارت کرتے ہیں۔ ہندو لوگ چشموں کو دیوتاؤں کی جگہ سمجھتے ہیں وہاں پوجا پاٹ کرتے ہیں چنانچہ کشمیر میں ایسے چشمے مثلاً امر ناتھ، شیش ناگ، نلہ ناگ وغیرہ ہیں جہاں ہندو اشنان کی غرض سے پہنچ جاتے ہیں۔'' ۲۹

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی:

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے ہمہ گیر اثرات سے جہاں برصغیر میں زندگی کا ہر شعبہ متاثر ہوا وہاں یہ جنگ کشمیر میں اردو کی ترویج کے لئے بھی موثر ثابت ہوئی۔ کیونکہ بقول حبیب کیفوی:

> '' انگریزوں نے تحریک آزادی کو کچلنے کے لئے گلاب سنگھ سے فوجی امدا طلب کی... گلاب سنگھ نے انگریزوں کا حق نمک ادا کرنے کے لئے ڈوگرہ فوجوں کو انگریزوں کی امداد کے لئے دہلی بھیج دیا جنہوں نے آزادی پسندوں کو کچلنے میں اپنی پوری سفاکی اور درندگی کا ثبوت دیا۔ جنگ آزادی ختم ہونے کے باوجود ڈوگرہ فوجیں کچھ عرصہ دہلی میں مقیم رہیں اور جب

ریاست میں واپس آئیں تو اپنے ساتھ اردو کے بے شمار الفاظ بھی لائیں
جس سے کشمیر میں اردو کے رائج ہونے میں مدد ملی۔'' ۳۹؎

فوجی دربار:

فوجی درباروں نے بھی ریاست کشمیر میں اردو زبان کی ترویج اور مقبولیت میں اضافہ کیا۔ مثال کے طور پر سابق صوبہ جموں کی تحصیل بھمبر (موجودہ آزاد کشمیر) میں ۹ فروری ۱۹۱۸ء تا ۱۱ فروری ۱۹۱۸ء ایک فوجی دربار منعقد ہوا۔ جس کا مقصد لوگوں کو فوج میں بھرتی ہونے کی ترغیب دلانا تھا۔ اس دربار میں اعلیٰ فوجی وسول حکام نے اردو میں تقاریر کیں۔ ان حکام میں انگریز ریکروٹنگ افسر میجر ٹنکرڈ، ریکروٹنگ سیکرٹری ڈاکٹر دیوان بدری ناتھ، مشیر مال چوہدری خوشی محمد ناظر اور رائے بہادر اودھے چند گورنر صوبہ جموں شامل تھے۔

اس نوع کے فوجی درباروں میں حاکم (انگریز) اور محکوم (ہندوستان کے باشندے) اردو میں تقاریر کرتے جس سے ریاست میں اردو زبان کی مقبولیت میں اضافہ ہوا۔

علاقائی اتصال:

برصغیر بالخصوص پنجاب سے کشمیر کی طویل سرحد متصل ہے۔ اس لئے پنجاب اور کشمیر کے لوگوں کے باہمی تعلقات عہد قدیم سے قائم ہیں۔ ان علاقوں کے رہنے والوں کی آپس میں رشتہ داریاں بھی ہیں۔ لہذا جب پنجاب میں اردو کے قدم مستحکم ہوئے اور یہاں کے رہنے والے لوگ اردو زبان بولنے لگے تو علاقائی اتصال کے باعث اس کے اثرات کشمیر پر بھی مرتسم ہونے لگے اور پھر ریاست کشمیر میں اردو کے فروغ کا سلسلہ تیز تر ہو گیا۔ ریاست میں اردو کا بیج سب سے پہلے جموں میں ہی بویا گیا۔ جموں اور پنجاب کے علاقائی اتصال کے باعث مہاراجہ رنبیر سنگھ نے پنجاب کی طرز پر مکتبوں اور مدرسوں میں فارسی اور اردو کا نصاب جاری کرایا اور سرکاری حکم کے ذریعے بچوں کو تعلیم دلوانے کا سلسلہ شروع کیا۔ ۴۱؎

اس عمل سے غیر محسوس طریقے سے اردو کے اثرات وادی میں پھیلنا شروع ہوئے اور اندازہ ہی نہ ہوا کہ کب اردو زبان لوگوں کے دلوں میں گھر کر کے وہاں راج کرنے لگی۔

دربار کشمیر میں دہلی کے نقیبوں کی آمد:

کشمیر میں اردو کی ترویج کا ایک دلچسپ سبب دربار کشمیر میں دہلی کے نقیبوں کی آمد ہے جب ڈوگرہ حکومت کو استحکام حاصل ہوا تو انھوں نے اپنی شان و شوکت میں اضافہ کرنے کے لئے مغل درباروں کا ساطور طریقہ اپنانے کی کوشش کی۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے ہندوستان سے نقیب منگوائے اور ان کو اپنے دربار میں ملازمتیں دیں۔ یہ نقیب مہاراجہ کے دربار میں آمد کے موقع پر مغلیہ دربار کے انداز میں اس کا اعلان کرتے اور وہی الفاظ استعمال کرتے جو وہ مغل درباروں میں استعمال کرتے تھے۔ ان نقیبوں کے ساتھ اور ان کے عزیز و اقارب بھی کشمیر چلے آئے۔ ان سب لوگوں کی زبان اردو تھی۔ دربار سے وابستہ ہونے کے باعث مقامی لوگوں

نے ان کے ساتھ ربط و تعلق قائم کرنا شروع کیا۔ یہ مقامی لوگوں سے اردو میں گفتگو کرتے اور اس طرح مقامی لوگوں کو اردو کی سدھ بدھ حاصل ہونے لگی۔ یوں ان لوگوں کی کشمیر میں آمد اردو کے فروغ کا سبب بنی۔ ڈاکٹر ممتاز صادق کشمیر میں اردو کے فروغ کا سبب بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> ''مہاراجہ نے اپنے دربار کی شان و شوکت بڑھانے کے لئے درباری نقیب بھی ہندوستان سے منگوائے تھے۔ یہ نقیب روایتی انداز میں باادب با ملاحظہ ہوشیار! جیسے الفاظ کے ذریعے بادشاہ کی دربار میں آمد کا اعلان کرتے۔'' ۳۲

مذہبی تحریکوں کا کردار:

انیسویں صدی کے آخر میں ہندوستان میں وہابی تحریک کا آغاز ہوا۔ وہابی تحریک کی صدائے بازگشت باقی ہندوستان کی طرح کشمیر تک بھی پہنچی وہابی تحریک سے وابستہ لٹریچر بھی یہاں آیا۔ اس تحریک کو فروغ دینے کے لئے وہابی علماء نے بھی کشمیر کا رخ کیا ان علماء کی گفتگو اور وعظ اردو میں ہوتا تھا۔ مقامی لوگ ان علماء کے وعظ سے متاثر ہوتے اور لاشعوری طور پر ان کی گفتگو میں اردو کے الفاظ شامل ہوتے گئے۔ اس طرح اس مذہبی تحریک نے بھی اردو کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا۔ عبدالقادر سروری لکھتے ہیں:

> ''اس تحریک (وہابی تحریک) کے اثرات کشمیر تک بھی پہنچے اور ساتھ ہی وہابی تحریک سے وابستہ لٹریچر بھی یہاں آیا۔ کشمیر میں اردو کے ابتدائی دور کے حوالے سے وہابی تحریک کا حصہ بھی قابل ذکر ہے۔'' ۳۳

محرم کی مجلسیں:

ریاست میں اردو کے فروغ میں جہاں کئی دوسرے عوامل کا عمل دخل ہے وہاں محرم کی مجلسوں نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ ان مجلسوں میں لکھنوء سے ذاکر بلوائے جاتے پیر مٹھا کی خانقاہ میں محرم کی مجلسوں کا انتظام ہوتا جن میں ہندو اور مسلمان بڑی تعداد میں شامل ہوکر مرثیے اور سلام سنتے۔ ذاکروں سے سنے گئے مرثیوں کے کئی مصرعے عوام کی زبانوں پر چڑھ جاتے اور ان کو وہ اپنی روزمرہ بولی میں استعمال کرنا شروع کر دیتے۔ اس طرح سے بھی کشمیر میں اردو کو فروغ حاصل ہوا۔ ۳۴

ان مذہبی تحریکوں نے ریاست میں نخلِ اردو کی آبیاری کی اور اسے مضبوط بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

ناٹک کمپنیاں:

ہندوستان میں بمبئی میں سب سے پہلے تھیٹر تعمیر کیا گیا اور وہاں پر سٹیج ڈرامے دکھائے جانے لگے۔ یہ ڈرامے اردو زبان میں پیش کیے جاتے تھے۔ آہستہ آہستہ سارے ہندوستان میں ان سٹیج ڈراموں کا رواج عام ہوگیا۔ ہندوستان کی کچھ ڈرامہ کمپنیاں اکثر ریاست کا رخ کرتیں اور وہاں اپنے کھیل اسٹیج کرتی تھیں۔ ریاست کے عوام ان تفریحی کھیلوں کو بڑی رغبت سے دیکھتے۔ عوامی ذوق کو دیکھتے ہوئے جموں میں بھی ناٹک کمپنی تشکیل دی

گئی جس کے اداکار کچھ تو ہندوستان کی مشہور کمپنیوں سے لائے گئے اور کچھ مقامی طور پر جموں کے خوش گلو نوجوانوں کو تیار کیا گیا۔ اس کے علاوہ اس کمپنی نے آغا حشر کے مشہور ڈرامہ ہملیٹ، خوبصورت بلا اور الہٰ دین کا چراغ وغیرہ سٹیج کر کے عوام میں مقبولیت حاصل کر لی۔ یہ ڈرامے اردو زبان میں ہوتے نوجوان ڈرامہ دیکھنے کے بعد ان ایکٹروں کے لب و لہجہ میں مکالمے ادا کرنے کی کوشش کرتے۔ اس طرح لاشعوری طور پر اردو کی اشاعت کا کام ہوتا رہا اور اردو کی ہر دلعزیزی روز بروز بڑھتی رہی۔ مقامی ڈرامہ نویسوں نے بھی اردو میں کئی ڈرامے لکھے اور وہ ڈرامے کامیاب ہوئے۔ ان ناٹک کمپنیوں نے غیر محسوس طریقے سے اردو کی ترویج کا کام کیا۔

برصغیر سے اہل علم کی آمد:

ڈوگرہ حکمرانوں کو حکومت کے معاملات چلانے اور تیزی سے بدلتے حالات کے باعث تعلیم یافتہ اور ہنر مند لوگوں کی ضرورت تھی۔ ریاست میں پڑھے لکھے لوگوں کی کمی تھی۔ اس کمی کو دور کرنے کے لئے ہندوستان کے باشندوں کو ریاست میں نوکری دی گئی۔ جن لوگوں نے ریاست کشمیر میں ملازمت اختیار کی ان کی زبان اردو تھی۔ مقامی لوگوں سے ان کے میل جول نے اردو کی ترقی میں بڑی مدد دی۔

ان لوگوں میں چوہدری خوشی محمد ناظرؔ، مولوی عبدالصمد، مولوی نذیر احمد، ملک شیر محمد اور لالہ کنور سین جیسے علم دوست لوگ شامل تھے جو کشمیر میں ملازمت اختیار کر کے اعلیٰ مناسب پر پہنچے یہ سب حضرات علی گڑھ کے تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ اردو ادب و زبان سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کی نجی محفلوں میں شعر و ادب موضوع بحث ہوتا۔ یہ شعری مجلسیں بھی منعقد کراتے تھے۔ ان مجلسوں نے مقامی نوجوانوں میں ادبی ذوق پیدا کیا اور یہی ذوق کشمیر میں اردو کے فروغ کا سبب بنا۔

سیاحوں کی آمد:

ہندوستانی سیاح کشمیر میں آتے جاتے رہتے تھے۔ مقامی لوگوں اور سیاحوں کے آپس میں لین دین اور تعلق کے سبب اہل کشمیر اردو سے مانوس ہوتے گئے۔ اس بارے میں ڈاکٹر ممتاز صادق لکھتے ہیں:

> ''یہ سارا سامان یا تو کشمیر میں آنے والے سیاح خریدتے تھے یا خود کشمیری تاجر اس مال کو ہندوستان کی منڈیوں تک پہنچاتے تھے۔ اس طرح ہندوستان کے ساتھ کشمیر کے دیرینہ تجارتی تعلقات قائم تھے۔ اس کے علاوہ کشمیر میں پیدا ہونے والے انواع و اقسام کے پھل، عمارتی لکڑی، زعفران اور جڑی بوٹیاں بھی ہندوستان کی منڈیوں میں فروخت ہوتی تھیں۔ تجارت اور لین دین کا یہ سلسلہ آج بھی کسی نہ کسی صورت میں جاری ہے۔ ظاہر ہے اس لین دین میں رابطے کی زبان کا کردار اردو ہی ادا کر سکتی تھی۔ چنانچہ اردو زبان کی آگہی اور سدھ بدھ حاصل کرنا کشمیری تاجروں کی مجبوری تھی۔'' ۵ ؎

عیسائی مشنریوں کی تبلیغی کاوشیں:

ریاست میں اردو کی ترویج کا ایک محرک ہندوستان میں عیسائی مشنریوں کی آمد ہے۔ جب ہندوستان میں عیسائی مشنریوں نے عیسائیت کی تبلیغ شروع کی تو کچھ عیسائی مشنریوں نے کشمیر کا رخ کیا۔ ان مشنریوں نے عیسائیت کی تبلیغ کے لئے اردو میں باتصویر پمفلٹ اور کتابچے شائع کر کے اہل کشمیر میں تقسیم کرنا شروع کیے۔

اس کے علاوہ ان مشنریوں نے جموں اور سری نگر میں سکول اور شفاخانے بھی کھولے تاکہ وہ مقامی لوگوں سے رابطہ قائم کر کے اپنی تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھ سکیں۔ ان انگریز مشنریوں کی گفتگو اور وعظ اردو میں ہوتا تھا۔ عیسائیوں کے اس مشن نے ریاست میں اردو کی ترویج و اشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔

کشمیر میں ان مشنریوں کی تبلیغی کوششوں میں کامیابی کے ثبوت کم ملتے ہیں لیکن ان کی یہ کوششیں کشمیر میں اردو کے فروغ کا سبب بنیں۔ ۳۶

ریاست جموں و کشمیر سے اہل کشمیر کی نقل مکانی:

مہاراجہ گلاب سنگھ نے ۱۸۴۶ء میں انگریزوں سے کشمیر کو ۷۵ لاکھ نانک شاہی میں خریدا اسی بیع نامہ کی رو سے گلاب سنگھ نے انگریزوں سے مل کر ۹ نومبر ۱۸۴۶ء کو کشمیر پر مکمل قبضہ کر لیا۔ علامہ اقبال نے اس سودے کے متعلق فرمایا:

دہقان و کشت و جوے و خیابان فروختند
قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند ۳۷

ڈوگروں نے کشمیر پر ۱۸۴۶ء سے ۱۹۴۷ء تک تقریباً ۱۰۱ سال تک حکمرانی کی۔ اس دوران گلاب سنگھ، رنبیر سنگھ، پرتاب سنگھ اور ہری سنگھ یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ ان ڈوگرہ حکمرانوں نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا ہوا تھا جس کے باعث کئی کشمیری کشمیر سے ہجرت کر کے لاہور، سیالکوٹ، امرتسر اور جہلم جا کر آباد ہو گئے اور وہاں کے مقامی لوگوں سے گھل مل گئے۔ ان سے روابط کی بناء پر وہ اردو سیکھ گئے۔ جب یہ واپس اپنے وطن آتے تو ان سے اہل کشمیر بھی نئی زبان سیکھتے۔ اس بارے میں سلیم خان گمی رقمطراز ہیں:

> ''کشمیر نے جب اہل کشمیر کے لئے سکھوں اور ڈوگروں کے عہد میں
> ایک عقوبت خانہ کا روپ دھارا تو ہزاروں کشمیری کنبے کشمیر چھوڑ کر سیالکوٹ،
> لاہور، امرتسر، گوجرانوالہ، راولپنڈی اور دوسرے شہروں میں آباد ہو گئے۔
> ظاہر ہے ان کی دلچسپیاں کشمیر سے ہی وابستہ تھیں۔'' ۳۸

اس نقل مکانی نے کشمیر میں اردو کی راہ ہموار کرنے میں بہت مدد کی۔

اس کے علاوہ کشمیر کے مزدور سردیوں کے آغاز کے ساتھ ہی ہندوستان کے مختلف حصوں خصوصاً پنجاب میں جا کر مزدوری کرتے اور موسم گرما میں وہ واپس اپنے وطن آ جاتے۔ بقول قدرت اللہ شہاب:

> ''حضرت آدم تو دانۂ گندم کی پاداش میں خلد سے نکلے تھے لیکن
> ڈوگرہ راج میں کشمیری مسلمان دانۂ گندم کی تلاش میں اپنی جنت ارضی سے

نکلنے پر مجبور تھا۔ سردیاں آتے ہی گلمرگ، گاندھربل، اچھا بل، باٹڈی پورا اور کانپور کے کوہساروں اور مرغزاروں سے نکل کر پنجاب کی دور دراز منڈیوں میں پھیل جاتے تھے۔ دن بھر غلے، لوہے، بسوں اور تانگوں کے اڈوں پر سامان ڈھوتے تھے۔ لکڑی کے ٹالوں پر لکڑیاں پھاڑتے تھے اور شام کو مرغی کے بچوں کی طرح چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بیٹھ کر چاول ابال لیتے تھے۔'' ۳۹

یہ کشمیری مزدور واپسی پر کمائی کے علاوہ اردو الفاظ اور جملے بھی ساتھ لاتے۔

موسیقی اور شاعری:

ریاست جموں و کشمیر میں اردو زبان کو پھیلانے اور عام کرنے کا مؤثر ذریعہ شاعری اور موسیقی بھی ہے۔ اردو غزلیں اور گیت جنھیں ہندوستان میں مقبولیت حاصل ہوتی کشمیری پہاڑی سارنگی نواز جگہ جگہ لوگوں کو یہ گیت سناتے۔ کشمیر میں کسی دوسری تفریح کی عدم موجودگی کے باعث عوام اس میں دلچسپی لیتے۔ پروفیسر عبدالقادر سروری اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

''پہاڑی سارنگی نواز جن تک اردو غزلوں اور گیتوں کی لے پہنچ چکی تھی وہ گھوم گھوم کر عوام کو سناتے پھرتے عوام ان گیتوں اور غزلوں کو سننے کے بعد انہیں ذوق و شوق سے گنگناتے رہتے تھے... جموں اور کسی حد تک کشمیر میں اس لیلا اور رام لیلا کے تماشے مقبول ہونے لگے۔ یہ تماشا کرنے والے ہندوستان کے مختلف شہروں میں گھومتے ہوئے جموں اور کشمیر میں آتے تھے اور تماشے دکھاتے تھے۔ یہ تماشے بھی مقبول تھے اور ان کے گانے خاص طور پر لوگوں کے زبان زد ہو جاتے تھے۔'' ۴۰

دونوں صوبوں میں باہمی رابطہ زبان کی ضرورت:

ریاست میں اردو کا محرک یہ بھی تھا کہ جموں میں ڈوگری بولی جاتی اور وادی کشمیر (سرینگر) میں کشمیری بولی جاتی تھی۔ دونوں حصوں کے لوگ ایک دوسرے کی زبان سے ناآشنا تھے۔ دونوں طرف کے لوگوں کے درمیان باہمی رابطے کے لئے ایک زبان کا ہونا ضروری تھا اور اس مقصد کے لئے اردو سے بہتر کوئی زبان نہیں تھی کیونکہ کشمیری اور ڈوگری دونوں زبانوں میں اردو کے الفاظ موجود تھے اور دونوں خطوں کے رہنے والے اسے باآسانی سمجھ لیتے تھے۔ اس کے علاوہ مہاراجہ پرتاب سنگھ کے زمانے میں برطانوی حکومت کے دباؤ پر مہاراجہ نے ریاست میں پرائمری سکول قائم کیے۔ ان سکولوں میں اردو زبان میں تعلیم دی جانے لگی۔ مہاراجہ نے اردو میں تدریس کے لئے راولپنڈی، جہلم، گجرات اور لاہور سے اساتذہ منگوائے۔ ان اساتذہ نے ریاست میں تعلیم کو فروغ دینے کے علاوہ اردو زبان کو بھی فروغ دیا۔

دارالترجمہ کا قیام:

مہاراجہ رنبیر سنگھ کے بے شمار اقدامات غیر محسوس انداز میں اردو کا ذوق پیدا کرنے اور اس کی ترقی میں معاون ثابت ہوئے۔ لیکن مہاراجہ کا سب سے زیادہ شاندار کارنامہ دارالترجمہ اور محکمہ تالیف و ترجمہ کا قیام تھا۔ جس کا بنیادی مقصد مغربی علوم کو ریاست کی زبانوں بالخصوص اردو میں منتقل کرنا تھا۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے ''بدیا بلاس سبھا'' قائم کر کے سنسکرت، ہندی، ڈوگری اور فارسی کے ساتھ اردو زبان و ادب کے فروغ کے لئے کام کرایا اور عربی، فارسی اور سنسکرت کی کتابوں کے ترجے اردو، ہندی اور ڈوگری میں کرائے۔ ۴۱

غیر ریاستی طالب علموں کی کشمیر آمد:

۱۹۲۵ء میں جموں اور سری نگر کے کالجوں کے علاوہ دوسرے اضلاع میں بھی ہائی سکول اور کالج کھولے گئے جن میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے پنجاب سے بڑی تعداد میں طالب علم ریاست میں آنے لگے۔ عوام میں تعلیم عام ہونے اور غیر ریاستی طالب علموں کی آمد کے باعث اردو کا کشمیر میں عام رواج ہوتا گیا۔ بقول ڈاکٹر محمد صغیر خان:

> ''تعلیم کا فروغ، تعلیمی اداروں کا قیام اور اردو نصاب تعلیم نے اردو کے قدم بہت مضبوطی سے یہاں گاڑھ دیئے۔'' ۴۲

اہل کشمیر کا حصول علم کے لیے ہندوستان جانا:

کچھ متمول کشمیریوں نے حصول علم کے لیے ہندوستان کے تعلیمی اداروں خاص طور پر علی گڑھ کا رخ کرنا شروع کر دیا تو بقول محمد یوسف ٹینگ:

> ''کشمیر سے جو تاجر اور طلباء پنجاب وغیرہ جاتے وہ بھی اس زبان کی سدھ بدھ حاصل کرنے کے لئے مجبور ہو گئے کہ اب اس خطے میں رابطے کی زبان یہی تھی حد تو یہ ہے کہ وہ مزدور جو کشمیر کے ستم شعار جاڑے سے بدک کر میدانوں میں تلاش رزق کے لئے جاتے وہ بھی یہ زبان سمجھنے اور ٹوٹی پھوٹی اردو بولنے لگے۔'' ۴۳

علی گڑھ جیسے عظیم ادارے کے تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے کشمیری علمی و ادبی مراکز سے دور ہونے کے باوجود درست لب و لہجہ میں اردو بولتے اور لکھتے ہیں۔

برطانوی ہند کے اخبارات کا کردار:

کشمیر میں اردو کی ترویج میں برطانوی ہند کے اخبارات نے اہم کردار ادا کیا۔ لاہور کا مشہور اخبار ''زمیندار'' جس کے ایڈیٹر مولانا ظفر علی خان تھے اور ابوالکلام آزاد کا اخبار ''الہلال'' اپنی خوبصورت طرز تحریر کے باعث پورے ہندوستان میں مقبول تھا۔ لاہور کے اخبارات ''انقلاب'' اور ''احسان'' بھی کشمیر میں آتے تھے۔ ان اخباروں میں معلوماتی اور حریت آموز مضامین درج ہوتے جن کا باقی اہل ہند کی طرح کشمیری عوام بھی بے صبری سے انتظار کرتے۔ مقامی ان پڑھ لوگ پڑھے لکھے لوگوں سے یہ خبریں اور مضامین شوق سے سنتے تو ان کے اندر

خود ان اخبارات کو پڑھنے کا جذبہ پیدا ہوتا گیا اور آہستہ آہستہ کشمیر میں ان اخبارات کی مانگ بڑھنے لگی۔ لوگ اردو پڑھنا سیکھنے لگے۔ ان اخبارات نے جہاں کشمیر میں سیاسی شعور اجاگر کیا وہیں اردو کی ترویج و اشاعت میں مدد دی۔ ۴۴

سیاسی جماعتوں کا کردار:

ریاست میں اردو کے فروغ میں جہاں اور بہت سے عوامل کارفرما رہے وہاں جموں و کشمیر کی دو بڑی سیاسی جماعتوں نے بھی اردو کے فروغ کے لئے بڑا کام کیا اور مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس کے علاوہ دیگر سیاسی جماعتوں کا لٹریچر بھی اردو میں شائع ہوتا رہا۔ نیشنل کانفرنس کے صدر شیخ محمد عبداللہ نے ایک موقع پر اردو کے بارے میں کہا تھا:

> "نیشنل کانفرنس اس بات پر یقین رکھتی ہے اور واقعات چمکتے ہوئے سورج کی طرح اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اردو ہی ایک ایسی زبان ہے جس پر ریاست کے تمام لوگ سالہا سال سے تعلیمی و درباری ضروریات کے لئے اتفاق کر چکے ہیں۔ آئندہ بھی یہی زبان ان کی ترقی کا وسیلہ بننے کی اہلیت رکھتی ہے۔" ۴۵

تحریک آزادیٔ کشمیر:

ڈوگرہ حکومت کے مظالم سے تنگ آئے ہوئے مسلمان آزادی حاصل کرنے کے لئے کوششیں کر رہے تھے۔ ان کوششوں نے ۱۹۳۱ء میں ایک سیاسی شکل اختیار کر لی تو پنجاب کے مسلمانوں نے کشمیری مسلمانوں کی حمایت میں جو ذریعۂ اظہار اختیار کیا وہ اردو زبان تھی۔ پنجاب کے مختلف اردو اخبارات میں ڈوگرہ حکومت کے مظالم کی داستانیں لکھی ہوتیں اور پنجاب کے روزانہ، ہفتہ وار، پندرہ روزہ اور ماہانہ اردو اخبارات، رسالے اور مجلّے دھڑا دھڑ ریاست جموں و کشمیر میں آنے لگے ان اخبارات اور رسائل میں ریاست جموں و کشمیر کے شاعروں اور نثرنگاروں کی ہزاروں چیزیں بھی چھپی ہوتی تھیں۔ کشمیری مسلمان ان کو پڑھنے کے لئے اردو زبان سیکھتے اس طرح ریاست جموں و کشمیر میں اردو کی بے پناہ مقبولیت کی وجہ تحریک آزادیٔ کشمیر ہے۔ ۴۶

ڈوگرہ دور میں اردو کی مقبولیت دیکھتے ہوئے اردو کو دفتری زبان کی حیثیت دے دی گئی۔ اس کے ساتھ ہی اسے عدالتی اور درسی زبان کا درجہ بھی حاصل ہوگیا کیونکہ بقول ڈاکٹر محمد اسد اللہ وانی:

> "مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دور حکومت (۱۸۵۷ء تا ۱۸۸۵ء) میں ریاست میں اردو نے اپنے قدم جمانے شروع کر دیئے تھے۔ ۱۸۷۷ء تک اس کا چلن صرف بازاروں تک محدود تھا۔ اسے رائج کرنے، فروغ دینے اور درباری زبان کا درجہ عطا کرنے میں مہاراجہ پرتاب سنگھ (۱۸۸۵ء تا ۱۹۲۵ء) کا سب سے زیادہ ہاتھ ہے۔ مہاراجہ پرتاب سنگھ کے بعد

مہاراجہ ہری سنگھ (۱۹۲۵ء تا ۱۹۴۷ء) نے بھی اردو کی سرپرستی کی اور اسے عوام میں مقبول بنانے کے لئے ہر ممکن اقدامات کیے۔" ۲۷

جس طرح اردو نے تمام برصغیر میں اپنا مقام پیدا کر لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے عام بول چال کے ساتھ ادب میں بھی اپنی جگہ بنا لی اس بارے میں ڈاکٹر صابر آفاقی نے لکھا ہے:

"اردو ایک مخلوط زبان ہے اس کے ترکیب اور تشکیل میں مختلف زبانوں کے الفاظ کام آئے اور بعد میں بھی اس نے دوسری زبانوں اور بولیوں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے مطلب کے الفاظ لئے اور پھر ان کو اپنا کر سکہ رواں بنا دیا۔ یہ فراخ دلی آپ کو دنیا کی اور زبانوں میں بہت کم نظر آئے گی۔ اردو نے ہر بولی اور ہر مذہب کو سینے سے لگایا۔ ایسی لسانی رواداری و بے تعصبی کی مثال بھی آپ کو شاید کہیں اور نہ مل سکے... اردو برصغیر کے جس جس علاقے میں پہنچی وہاں کی بولی پر اثرانداز ہو کر اسے بدلتی سنوارتی رہی اور اس بولی سے متاثر ہو کر خود بھی جامع تر اور وسیع تر ہوتی چلی گئی۔" ۲۸

ان تمام اسباب کے ساتھ کشمیر میں اردو کے فروغ کے لئے اس ہمہ گیر رجحان اور ماحول کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا جس نے سارے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے کر اردو کو ایک مقبول عام زبان کا درجہ دیا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ زبان از خود اپنے اندر وسعت، تاثیر اور بلاغت رکھتی ہے جہاں جاتی ہے لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیتی ہے۔ اسی لئے آج اردو دنیا کی بڑی زبانوں میں شمار ہوتی ہے۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

"اردو اس وقت دنیا کی چند بڑی زبانوں میں سے ایک ہے۔ اقوام متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق عام طور پر سمجھی اور بولی جانے والی زبانوں میں چینی اور انگریزی کے بعد یہ دنیا کی تیسری بڑی زبان ہے۔ اس کے بولنے اور سمجھنے والے دنیا کے ہر علاقے اور ملک میں موجود ہیں اور اس کے حلقۂ اثر کو دیکھتے ہوئے اسے انگریزی کے بعد دنیا کی دوسری بڑی زبان کہنا مبالغہ نہ ہو گا... دنیا کی بیشتر یونیورسٹیوں میں اس کے تدریسی اور تعلیمی شعبے قائم ہیں اور ان میں اردو سیکھنے والوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس وقت دنیا میں اردو جاننے والوں کی مجموعی تعداد ۸۰ کروڑ سے کم نہیں جو کہ اس کی مقبولیت کا ثبوت ہے۔" ۲۹

اردو زبان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں دنیا کی ساری بڑی زبانوں کی آوازیں موجود ہیں۔ عربی، فارسی، انگریزی اور ہندی وغیرہ کے سارے حرف اس میں موجود ہیں اور اردو بولنے والے ان سب کو آسانی سے ادا کر سکتے ہیں جبکہ انگریزی بولنے والے خ، ذ، ق، بھ، چھ وغیرہ کی آوازیں ادا نہیں کر سکتے اور فارسی والے ٹ، ڈ، ڑ، بھ، تھ، کھ وغیرہ کی آوازیں ادا کرنے پر قادر نہیں۔ اسی طرح عربی بولنے والے پ، ٹ، ڈ، ڑ، چ، گ، کھ، گھ، چھ وغیرہ کی آوازیں ادا کرنے سے قاصر ہیں اور ہندی والے ع، غ، ف، ق، ک، ذ، ظ، ز، ض وغیرہ کی آوازیں نہیں نکال سکتے۔ انہیں خصوصیات کی بناء پر اردو ایک مخلوط زبان کہلاتی ہے جس میں بہت سی زبانوں کے الفاظ موجود ہیں۔

جموں و کشمیر میں اردو زبان کے ابتدائی اہل قلم

کشمیر میں اسلام چوتھی صدی ہجری میں پھیلنا شروع ہوا۔ ساتویں صدی ہجری میں حاکمانہ حیثیت سے چھا گیا۔ کشمیر میں اسلام کی مقبولیت کے ساتھ ہی یہاں فارسی زبان بھی پھیلنے لگی۔ فارسی کشمیر کی ادبی، سیاسی، تہذیبی اور درباری زندگی پر کم و بیش چھ سو سال تک حکمرانی کرتی رہی۔ کشمیر نے فارسی کے جن نامور شاعروں کو جنم دیا ان میں ملا طاہر غنیؔ ، یعقوب صرفی، ملا شاہ محمد شاہ آبادی، اسلم سالمؔ اور محسن فانیؔ شامل ہیں۔ اس عہد میں یہاں ہزاروں کی تعداد میں فارسی شعر و ادب اور فکر و فلسفہ کی کتابیں لکھی گئیں لیکن جب مغلیہ دورِ حکومت کے آخری عہد یعنی ۱۷۰۷ء کے بعد ہندوستان میں فارسی کا چراغ ٹمٹمانے لگا اور وہاں فارسی کی بجائے اردو اپنے قدم جمانے لگی تو کشمیر میں بھی فارسی کو زوال آ گیا اور اردو کو فروغ حاصل ہونا شروع ہو گیا۔ اردو میں فارسی کے بے شمار الفاظ، تراکیب، ضرب الامثال، محاورے، تلمیحات اور تشبیہات موجود ہیں۔ دونوں زبانوں کی صرف و نحو اور تذکیر و تانیث بھی مشترک ہیں۔ اس لئے اہل کشمیر کو فارسی کی بجائے اردو کو اپنانے میں کوئی تردد نہ ہوا۔ چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کشمیر میں اردو کی تہذیبی پرورش فارسی کے ذریعے ہوئی۔ اردو نے ریاست جموں و کشمیر میں غیر محسوس انداز میں قدم رکھا اور پھر وقت آیا کہ یہ زبان فارسی کے متبادل کے طور پر یہاں کی سیاسی، علمی اور سماجی زندگی پر راج کرنے لگی۔

کشمیر میں اردو کی باقاعدہ نثری تحریر کے ابتدائی نمونے کب منظر عام پر آئے اس کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر عبدالقادر سروری لکھتے ہیں کہ:

> ”قدیم ترین تحریری آثار جو ہم کو کشمیر میں دستیاب ہوئے ہیں وہ سترہویں صدی کے اواخر سے تعلق رکھتے ہیں اور عموماً ریختہ کا انداز رکھتے ہیں۔ اس زمانے تک مغل فوجوں کا رابطہ کشمیر سے قائم ہو چکا تھا۔ سلطان یوسف شاہ چک فارسی کا خوش گو شاعر تھا لیکن اس کے بارے میں مورخین نے لکھا ہے کہ وہ ہندی میں بھی شعر کہتا تھا۔“ ۵۰

ڈاکٹر عبدالقادر سروری اردو نثر کے ابتدائی نمونے کے بارے میں مزید کہتے ہیں کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد کے آخری ایام میں ریاست جموں و کشمیر کے ایک ملازم کے ایک مخطوطے کی زبان اردو ہے جو گلاب سنگھ اور کانگڑہ کے برطانوی آفیسروں مسٹر بٹلر اور مسٹر جاکسن کے درمیان ہونے والی مراسلت پر مشتمل ہے۔ اسی طرح گلاب سنگھ کے دور حکومت میں لالہ بوٹا مل نے چائے کی کاشت اور طریقہ ہائے کاشت سے متعلق ایک رسالہ جو سنسکرت زبان میں تھا کو اردو کے قالب میں ڈھالا۔ اس رسالے کے ابتدائی باب کا عنوان ہے”زمین کا بیان جو چائے بونے کے لائق ہو“ رسالے پر سن تحریر (۱۸۵۷ء) درج ہے اور ڈاکٹر عبدالقادر سروری اس کو ریاست میں

اردو کی پہلی با قاعدہ تحریر قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:

"اردو کا ابتدائی نمونہ ہونے کے دوران زمانے کے لحاظ سے اور اس اعتبار سے کہ یہ اردو میں اس موضوع پر غالباً پہلا رسالہ ہے اس کی بہت اہمیت ہے۔" ۵۱

مگر حبیب کیفوی "کشمیر میں اردو" میں لکھتے ہیں کہ ریاست جموں و کشمیر کے ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک کے ساتھ تجارتی تعلقات تھے چین، سمرقند اور بخارا کے تاجر تجارت کی غرض سے ہندوستان آتے تھے ان کے تجارتی روابط اہل کشمیر سے بھی قائم ہو گئے تھے۔ یہ تاجر سرینگر بھی آتے رہتے تھے۔ اس لئے مہاراجہ رنبیر سنگھ نے ۶۵۔۱۸۶۴ء میں رام پور راجوری کے ایک شخص چوہدری شیر سنگھ کو تجارتی و سیاسی تعلقات کا جائزہ لینے کے لئے بخارا بھیجا۔ اس نے واپس آ کر اردو میں ۱۵۰ صفحات پر مشتمل اپنے سفر کے کوائف اور جائزہ کے نتائج مرتب کر کے پیش کیے۔ یہ رپورٹ ریاست کے سرکاری ریکارڈ میں اردو کی پہلی تحریر ہے جو مسودے کی شکل میں ڈوگرہ حکمرانوں کے توشہ خانے میں موجود ہے۔ ۵۲

حبیب کیفوی شیر سنگھ کی اس رپورٹ کو اردو کی ابتدائی تحریر قرار دیتے ہیں جبکہ ڈاکٹر عبدالقادر سروری کے مطابق اس سفر کا سن ۱۸۶۶ء ہے۔ ڈاکٹر عبدالقادر سروری لالہ بوٹا مل کے رسالے کو اردو کی پہلی تحریر قرار دیتے ہیں چونکہ ڈاکٹر عبدالقادر سروری آزادی کے بعد بھی مقبوضہ کشمیر میں ہی رہے اور ان کو کرن سنگھ کے محفوظ ریکارڈ تک رسائی حاصل تھی۔ اس لئے غالب گمان یہی ہے کہ لالہ بوٹا مل کی تحریر ہی ریاست جموں و کشمیر میں اردو کی پہلی نثری تحریر ہے۔

کشمیر میں اردو کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد کے زمانے میں صوبہ جموں اور موجودہ آزاد کشمیر کے ضلع میرپور کے ایک نامور شاعر غلام محی الدین میرپوری نے ۱۱۳۱ھ بمطابق ۱۷۱۷ء میں "گلزارِ فقیر" کے نام سے اردو میں ایک مثنوی لکھی۔ یہ مثنوی چالیس صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ پر تیرہ اشعار ہیں۔ اس مثنوی کا ذکر "پنجاب میں اردو" میں حافظ محمود شیرانی نے بھی کیا ہے:

"گجرات اور دکن میں موجود اگرچہ اردو تالیف دسویں صدی ہجری سے شروع ہو جاتی ہیں لیکن شمالی ہندوستان میں دو صدی بعد تک ان کا پتا نہیں چلتا۔ دہلی میں ابھی اردو دبستان قائم بھی نہیں ہو سکا تھا کہ پنجاب میں لوگ اردو زبان میں مثنویاں لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ میرپور (کشمیر) کے شیخ غلام محی الدین مثنوی "گلزارِ فقیر" ۱۱۳۱ھ میں ختم کرتے ہیں۔" ۵۳

حافظ محمود شیرانی نے اس مثنوی کا جس انداز سے ذکر کیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ اردو زبان میں یہ مثنوی پورے پنجاب بلکہ پورے شمالی ہندوستان کا اولین شاہکار ہے جس کا انھوں نے شمالی ہندوستان کی اولین شعری تخلیق کے طور پر ذکر کیا ہے۔

مثنوی کے آخری صفحہ کی نقل:

کلمہ پاک پر ختم کلام
نیک مبارک سعد تمام
غلام محی الدین ایک فقیر
جس کا حضرت آپ ہے پیر
قطب عالم شاہ میرا باپ
جنھو نیں دیا اپنا آپ
حق کی راہ میں سب کچھ دیا
سب کچھ دے کر حق کوں لیا
شیخ اجل اور عارف کامل
قطب دین مکمل اکمل
شیخ محمد یوسف نام
ہر کمال میں ہیے امام
حق تعالیٰ ہو ان سیں راضی
آپ اور جس دن ہو گا قاضی
. . . خاندان بڈا ہے ککھر
اصیل نجیب اور نیکو گوہر
سید سلطان دیواں اور خاں
متشرع ہوئے با ایمان
آپ کے شہر میں رہن ہمارا
مولد مسکن اور پیارا
میرپور نام ہے بیچ پنجاب
حق راکھے اس کے دائم آب
یہ نسخہ جب تھیا تمام
"گلزار فقیر" کا ہو یا نام
تخمیناً یہ نیک کلام
چار پہر میں ہوئی تمام
اکتیس برس اور یاراں سو
ہجرت سیں ہوئی تھی
پیغمبر پر اور آل کرام
لاکھ درود اور لاکھ سلام ۵۴

اسی طرح کشمیر میں اردو کی پہلی غزل جو دستیاب ہوئی ہے وہ محمود گامی کی ہے۔ محمود گامی ۱۷۶۵ء میں پیدا ہوئے اور ان کی تاریخ وفات ۱۸۵۵ء ہے۔ محمود گامی کی اردو غزل کے چند شعر درج ذیل ہیں:

المنتہ للّٰہ کہ مرا یار اچھا ہے
وزماہ رخان ماہ من بسیار اچھا ہے
جانانہ زلیخانہ چو مستانہ برآمد
اکھیاں کو جو دیکھوں تو خمار اچھا ہے
صد پارہ کند خارہ زہے تیر نگاہش
مژگان و دو ابروے کمان دار اچھا ہے
ہر برگ گل تازہ عرق دانہ شبنم
در لعل بش گوہر شہوار اچھا ہے
شیریں دو انارش بکنار سمن او
پروردہ پے عاشق بیمار اچھا ہے
مستانہ ز احوال اسیران بہ تغافل
درکار خود ہشیار وہ سرکار اچھا ہے
از پیر خرد دوش شنیدیم بصد ہوش
محمود بگو شعر شکر یار اچھا ہے ۵۵

ڈاکٹر عبدالقادر سروری نے ریاست جموں وکشمیر کے ابتدائی نقوش کا جائزہ لیتے ہوئے یوسف شاہ چک کے ہندی کلام کو کشمیر میں اردو شاعری ''ریختہ'' کا ابتدائی نمونہ قرار دیا ہے۔ یوسف شاہ چک فارسی اور کشمیری کا معروف شاعر تھا۔ یوسف شاہ چک کے اردو کلام کا نمونہ دستاب نہیں مگر اس کے دربار سے وابستہ خواجہ القاسم جبّل کے فرزند خواجہ محمد مومن جبّل کا ریختہ کلام دستیاب ہوا ہے۔ ریختہ کلام میں سے ایک رباعی دستیاب ہے جو انہوں نے اپنے ایک دوست کو لکھ کر بھیجی تھی:

اے بار اوتر گر گزری دیوہ سر
از من خبری نیز بہ آن دلبر بر
کشمیری و فارسی اگر گوش فکرد
ہندش بگوی کہ اوتر مھارتر ۵۶

میر کمال حسین اندرابی رسواؔ، اورنگ زیب عالمگیر کے آخری عہد کے کشمیری انشا پردازوں اور شاعروں میں

اہم مقام رکھتے تھے۔ رسوا شمالی ہند کے ابتدائی دور کے شاعروں جعفر زٹلی، افضل اور فضلی کے معاصر تھے۔ وہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اب ان کے فارسی اور اردو کلام کو ایک ساتھ رقعات ''خاتم الکمال'' کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ ان کی ایک ریختہ نظم کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

از دیدہ خونبار من و زنالیائے زادمن
اندر سرائے تار من سب خوش ہے سب رنگ ہے
کوباش اصدر عاشقاں مجھ سا بلا گرداں ہے
ہر چند از عشق چومن تجھ بے وفا کوننگ ہے ۵۷

رسوا کی غزل کا رنگ:

محبت پیت معشوقوں میں کم ہے
زاز عشاق پرواہ ہے نہ غم ہے
بہت مشتاق ہیں تیرے و لیکن
ٹھکانے سے محبت دو ٹوک کم ہے ۵۸

افغان عہد کے شاعر پنڈت دیارام خوش دل کا نام ادبی حوالے سے کافی اہم ہے۔ وہ ایک اچھے انشا پرداز اور مثنوی گو تھے۔ وہ قصیدہ و غزل بھی کہتے تھے۔ ''بہار سخن'' اور ''گلزار سخن'' ان کے یادگار رسالے ہیں۔ نمونہ کلام:

خود فنا ہو کے ذات سوں ملنا
یہ تماشا حباب میں دیکھا
آپ کوں سوز اور کوں لذت
یہ صفت کوں کباب میں دیکھنا ۵۹

مرزا محمد جان بیگ ساقی افغان دورِ حکومت کے ایک صاحب طرز شاعر تھے۔ نمونہ کلام یوں ہے:

افسوس کہ اغیار ہوئے یار تمھارے
غماز ہے محرم اسرار تمھارے
مرغانِ قفس دن کو تڑپتے ہیں و لیکن
دن رات تڑپتے ہیں گرفتار تمھارے ۶۰

کشمیر کے حسن اور اس کی سیاحتی اہمیت کی بناء پر شعراء و ادباء کشاں کشاں وادی میں آتے جاتے رہتے۔ اس عمل نے کشمیر کی سرزمین کو اردو شعر و ادب کی فضا کے لئے نہایت زرخیز اور ہموار بنا دیا اور یہاں اردو زبان و ادب کو بے پناہ ترقی ملی۔ تقسیم کشمیر (۱۹۴۷ء) سے پہلے اور بعد ریاست میں رابطے کی زبان بن چکی تھی۔

ریاست جموں و کشمیر کے جن ادباء نے اپنے خونِ جگر سے اردو ادب کو سینچا اور اس کی آبیاری کی ان کے نام درج ذیل ہیں:

(1)	ہرگوپال خستہ	(2)	منشی محمد دین فوق
(3)	پنڈت پریم ناتھ بزاز	(4)	ڈاکٹر صابر آفاقی
(5)	نرسنگھ داس نرگس	(6)	پروفیسر سدیشور ورما
(7)	مولوی حشمت اللہ خان	(8)	حنیف ہاشمی
(9)	غلام احمد کشفی	(10)	غلام حسن شاہ کاظمی
(11)	چوہدری فضل الدین	(12)	کاہن سنگھ بلوریہ
(13)	کشمیری لعل ذاکر	(14)	محمود ہاشمی
(15)	پروفیسر شیخ محمد عثمان	(16)	اکبر امامی
(17)	پروفیسر صاجزادہ حسن شاہ	(18)	صاجزادہ محمد عمر
(19)	چوہدری غلام عباس	(20)	سردار محمد ابراہیم خان
(21)	کلیم اختر	(22)	بشیر حسین جعفری
(23)	ڈاکٹر محمد رفیع الدین	(24)	قدرت اللہ شہاب
(25)	عبدالحمید نظامی	(26)	ڈاکٹر غلام حسین اظہر

کشمیر میں شعر گوئی ایک عام رواج بن چکی تھی اس لئے عام اور صوفی لوگ بھی شعر کہتے تھے۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے ریاست جموں و کشمیر میں درج ذیل استادانِ فن نے اردو شاعری کو معراج کمال تک پہنچایا۔ ماضی کے ان آئمہ ادب پر کشمیر کو ہمیشہ ناز رہے گا۔

(1) محمد دین فوق (2) غلام محمد خادم (3) منشی غلام نبی مسکین (4) مرزا مبارک بیگ (5) سردار محمد عبداللہ خان (6) پنڈت رام کشن غافل (7) عبدالسیع پال اثر صہبائی (8) لالہ پریم داس پریم (9) عبدالحکیم اختر (10) درگا سہائے شوق (11) منشی غلام نبی قریشی (12) محی الدین قمر رازی (13) ڈاکٹر عماد الدین سوز (14) پنڈت نند لعل طالب (15) دینا ناتھ مست (16) دینا ناتھ ماہ (17) غلام جیلانی آثر (18) مرزا کمال الدین شیدا (19) غلام علی بلبل کاشمیری (20) کیف اسرائیلی (21) دیا کشن گردش (22) نسیم رضوی (23) غلام رسول نازکی (24) قیس شروانی (25) فتح محمد آزر عسکری (26) غلام حیدر چشتی (27) حسین علی انصاری (28) ڈاکٹر صابر آفاقی (29) غلام حیدر خان انور (30) منشی غلام علی حسرت (31) سید غلام حسین بیتاب وغیرہ شامل ہیں۔

ریاست جموں و کشمیر میں ادبی انجمنوں کے قیام کے مقاصد

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مشرقی علوم کی وقعت کم ہوگئی اور مغربی تہذیب و تمدن کے اثرات ہر طرف سرایت کرنے لگے۔ فرنگی حکمران اپنے اقتدار کو دوام بخشنا اور ہندوستانی معاشرے کی روح کو سمجھنا چاہتے تھے۔ اس لئے انھوں نے مقامی امراء اور روساء کے ذریعے نئے اداروں کی داغ بیل ڈلوائی۔

۱۸۵۷ء کے بعد دس سال کے اندر اندر پورے ہندوستان میں سینکڑوں مذہبی، اصلاحی، تعلیمی اور ادبی انجمنوں کا قیام عمل میں آیا۔ انجمنوں کی ابتداء میں تو انگریزوں نے حصہ لیا۔ لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد بننے والی انجمنوں کی تفصیلات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں ہندوستان کے عوام میں اتنا شعور پیدا ہوگیا تھا کہ انھوں نے اپنی مدد آپ کے تحت انجمنوں کے قیام میں دلچسپی لی اور اپنے مسائل کے حل کے لئے ان میں نیا تحرک پیدا ہوا۔

ریاست جموں و کشمیر اور ہندوستان کے درمیان علاقائی اتصال کے ساتھ ساتھ گہرے سیاسی، سماجی اور مذہبی روابط بھی تھے۔ اس لئے برصغیر کے حالات اور تبدیلیوں کا ریاست پر اثر پڑنا فطری امر تھا۔ جب ہندوستان میں اردو کی ترویج کے لئے ادبی انجمنیں قائم کی گئیں تو اہل کشمیر نے اور کشمیر میں مقیم ہندوستان کے باشندوں نے بھی متاثر ہوکر ایسی تنظیمیں اور ادارے قائم کیے۔ ان ادبی انجمنوں کے ذریعے کشمیری مسلمانوں نے جہاں کشمیر کے سیاسی و سماجی مسائل کو حل کرنے کی کوششیں کیں وہیں تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے کے لئے تعلیمی ادارے قائم کیے۔ ان انجمنوں کے ذریعے کشمیری مسلمانوں نے اپنی تہذیب و ثقافت کے احیاء کا علم بلند کیا۔ ان انجمنوں نے ممبران انجمن کو ایک پلیٹ فارم مہیا کیا جہاں بیٹھ کر وہ اپنے مسائل کے حل کے لئے سوچ بچار کرتے۔ حکومت سے مذاکرات کے لئے ایک لائحہ عمل مرتب کرتے اور حکومتی ایوانوں تک اپنا نقطۂ نظر پہنچا کر اپنی قوم کے لئے مفادات حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ ریاست جموں و کشمیر کی انجمنوں نے اپنے مقاصد کی ترویج کے لئے رسائل، جرائد اور پمفلٹ شائع کیے۔

ان انجمنوں نے ریاست کے مسلمانوں کو سماجی، معاشرتی اور سیاسی شعور عطا کیا۔ ان سے وابستہ اہل علم نے ریاست میں اردو کو مجلسی اور ادبی زبان بنایا۔ انہوں نے ہندی کی جگہ عربی و فارسی اور مقامی الفاظ کو جگہ دی اور بہت سے نئے الفاظ اردو میں متعارف کرائے۔ ریاست میں اردو کی ادبی انجمنوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

انجمن اسلامیہ جموں:

۱۸۹۲ء میں ریاستی مسلمانوں کی سیاسی، تعلیمی اور معاشی بدحالی کو دور کرنے کے لئے جموں کے مسلمانوں نے انجمن اسلامیہ جموں کی بنیاد رکھی۔ انجمن نے مکتب اور یتیم خانے بنوائے۔

اس کے پہلے صدر راجہ فرمان علی (مرحوم) تھے اور سیکرٹری سید اسد اللہ شاہ تھے۔ بعد میں ۱۹۰۲ء میں سردار محمد اکبر خان کو صدر بنایا گیا اور شیخ عبدالعزیز ایڈووکیٹ انجمن کے سیکرٹری مقرر کیے گئے۔ اس انجمن نے ابتدائی مکتبوں کو مڈل اور پھر ہائی سکولوں کا درجہ دلوایا۔ لڑکیوں کے لئے بھی سکول کھلوائے اس طرح ہزاروں لڑکیاں اور لڑکے تعلیم سے فیض یاب ہوئے۔ عوام نے دل کھول کر انجمن کی مالی مدد کی۔ انجمن کے اہم ارکان کے نام درج ذیل ہیں:

جنرل سردار سندر خان، شیخ امام الدین، شیخ کریم اللہ، بابو محمد عبداللہ، شیخ عبدالحمید، کرنل پیر محمد، کیپٹن نصیر الدین، ملک غلام حیدر، حضرت شاہ، ملک غلام نبی، مرزا فیروز الدین اور منشی محمد یعقوب۔

انجمن نے ۱۹۲۰ء میں شالا مار باغ میں پہلا سالانہ جلسہ منعقد کروایا۔ اس کے بعد ہر سال انجمن کا سالانہ جلسہ بڑے اہتمام سے ہوتا اور تعلیمی اخراجات کے لئے شرکائے جلسہ سے چندہ وصول کیا جاتا۔ انجمن کے اجلاس میں ہندوستان کی نامور شخصیات کو بھی مدعو کیا جاتا رہا جن میں مولوی نذیر احمد، مولانا شبلی، عبدالماجد دریا آبادی، مولانا شرر، مولانا عبدالحی فرنگی محلی اور غلام بھیک نیرنگ نے شرکت کی۔ اس انجمن کے باعث کشمیری اردو زبان کی ان نامور شخصیات سے متعارف ہوئے۔ انھیں ان کے خیالات اور پُر تاثیر نظموں سے استفادہ کا موقع ملا جس کے باعث اہل کشمیر میں سیکھنے کا ذوق پیدا ہوا۔

انجمن نصرت الاسلام سرینگر:

۱۸۹۷ء میں میر واعظ رسول شاہ نے انجمن ''نصرت الاسلام'' کی بنیاد رکھی۔ اس انجمن نے انھیں خطوط پر کام کیا جن پر جموں کی انجمن کام کر رہی تھی۔ اس انجمن کے قیام کا مقصد وادی کے مسلمانوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا تھا۔ حکومت کشمیر کے مشیر مال منشی غلام احمد نے مہاراجہ پرتاب سنگھ سے انجمن کو /۵۰ روپے ماہوار امداد دلوائی۔ ۶۱

''انجمن نصرت الاسلام'' نے ایک پرائمری سکول جاری کیا جسے بعد میں مڈل کا درجہ دے کر شہر کے مختلف حصوں میں اس کی شاخیں کھولی گئیں۔ ۱۹۰۸ء میں انجمن نے ثانوی کلاسوں کا اجراء کیا تو حکومت نے اس کی سالانہ امداد /۲۴۰۰ روپے کر دی۔ مولانا رسول شاہ نے وادی میں تعلیم پھیلانے کی جو مساعی کی اس کی وجہ سے وہ کشمیر کے ''سرسید'' مشہور ہوئے۔ پچاس سال کی عمر میں انہوں نے ۳۰ جولائی ۱۹۰۹ء کو وفات پائی ۶۲۔ ان کے بعد ان کے بھائیوں مولوی عتیق اللہ اور میر واعظ احمد اللہ نے انجمن کی ترقی میں گہری دلچسپی لی۔ بعد میں یہ ذمہ داری مولانا رسول شاہ کے فرزند میر واعظ مولوی محمد یوسف شاہ نے سنبھالی۔ انجمن نے وادی میں علم کی روشنی پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ انجمن نے وادی میں کئی سکول اور مکتب کھولے جہاں ذریعہ تعلیم اردو تھا۔ انجمن کا سب سے بڑا کارنامہ اسلامیہ ہائی سکول کا قیام ہے جس نے بعد میں کشمیریوں کی ترقی اور بیداری میں اہم کردار ادا کیا۔ اس انجمن نے ریاست کے مسلمانوں میں تعلیم حاصل کرنے کا شوق پیدا کر کے ان کی سیاسی جدوجہد کے لئے راہ ہموار کی۔ انجمن نصرت الاسلام نے غیر محسوس طریقے سے کشمیر میں اردو کی ترویج و اشاعت کا فریضہ انجام دیا۔ ان مدارس کے ذریعے عوام میں اردو خوانی کا جذبہ پیدا ہوا۔

ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن جموں کا قیام:

یہ انجمن ۱۹۰۹ء میں جموں میں قائم کی گئی۔ اس کے بانیوں میں ملک مقبول احمد، قاضی شمس الدین اور محمد بشارت شامل ہیں۔ یہ تمام لوگ نوجوان تھے۔ نوجوانوں کی اس تنظیم کے پیش نظر معاشرے میں رسموں کی اصلاح، تعلیم اور فروغ اردو کا پروگرام تھا۔ بعد میں منشی غلام حیدر، مسٹر اے آر ساغر، منشی غلام علی، شیخ غلام غوث، مستری یعقوب علی،

شیخ غلام قادر، غلام حیدر غوری اور منشی معراج الدین وغیرہ بھی اس میں شامل ہو گئے۔ ان اراکین کی شمولیت نے جماعت کے رگ و پے میں ایک تازہ روح پھونک دی۔ ۶۳

ان اراکین انجمن نے یہ اصول بنایا ہوا تھا کہ نہ صرف خود اردو میں بات کریں گے بلکہ عام لوگوں سے بھی اردو میں گفتگو کریں گے اور اس پر انھوں نے عمل بھی کیا۔ انجمن کی کوششوں کے بارے میں حبیب کیفوی لکھتے ہیں:

''ایسوی ایشن نے عوام میں مزید شوق پیدا کرنے کے لئے پیر مٹھا بازار میں ایک دارالمطالعہ بھی کھولا جس کے لئے اچھی اچھی کتابیں مہیا کیں اور ہندوستان کے اردو روزنامے،ہفت روزہ اخبار اور ادبی رسالے بھی جاری کرائے'' ۶۴

اس انجمن کے بنیادی نوجوان اراکین نے جب سرکاری ملازمتیں اختیار کرلیں تو وقتی طور پر انجمن کی کارکردگی میں تعطل پیدا ہوا لیکن کچھ عرصہ کے تعطل کے بعد نئے تعلیم یافتہ نوجوان جن میں چوہدری غلام عباس، اے آر ساغر اور سردار گوہر رحمان شامل تھے نے اس انجمن کو پھر سے نئی زندگی بخشی۔

ایسوی ایشن نے جموں میں عظیم الشان جلسے منعقد کرائے جن میں سید عطا شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی اور مولانا ظفر علی خان جیسے خطیبوں کو بلوایا جاتا اور اہل کشمیر ان کی خوبصورت اردو شاعری اور خطابت سے متاثر ہوتے۔

مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے ''بہادر یار جنگ'' دارالمطالعہ کھولا ہوا تھا جہاں ان کے ہفتہ وار اجلاس ہوتے اور عوام کے لئے اردو لٹریچر مہیا کیا جاتا۔ یہ دارالمطالعہ چار پانچ سال تک کامیابی سے چلتا رہا۔

۱۹۲۳ء میں ایسوی ایشن کا احیاء ہوا اور ۱۹۲۴ء میں اس نے اپنا سالانہ اجلاس منعقد کر کے اپنے وجود کا ثبوت دیا۔ بعد میں ایسوی ایشن کی شاخیں سرینگر، میرپور اور پونچھ میں بھی قائم کی گئیں لیکن اس کی مرکزی تنظیم جموں میں ہی رہی۔ اس انجمن نے عوام میں اردو خوانی کے ذوق کو ابھارا اور انھیں اردو لکھنے اور پڑھنے کی طرف راغب کیا۔ انجمن نے مسلمانانِ کشمیر کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ انجمن کے اس کارنامے کے بارے میں ڈاکٹر سلام الدین نیاز لکھتے ہیں:

''اس کے وجود میں آنے سے قبل جموں میں فرقہ بندی کی لعنت زوروں پر تھی اور مسلمان آپس میں مناظروں اور مجادلوں کی صورت میں دست و گریباں رہتے تھے لیکن اس ایسوی ایشن کی انتھک اور لگاتار کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ دو تین سال کے اندر اندر اسلامی اتحاد اور سیاسی یگانگت کے روح پرور مناظر سے ہندوؤں کے دل بیٹھنے لگے'' ۶۵

بزمِ سخن جموں:

۱۹۰۹ء میں بزم سخن کے نام سے جموں میں ایک انجمن بنائی گئی جس کے بانیوں میں غلام حیدر چشتی، مرزا مبارک بیگ مبارک جالندھری، عبدالحکیم، قاضی شمس الدین اور منشی بشارت احمد شامل ہیں۔

یہ سب سے پہلی ادبی تنظیم تھی جس نے باقاعدہ ہفتہ وار طرحی مشاعروں کی بنیاد رکھی۔ اہل شہر کے پڑھے لکھے طبقے نے بڑی گرم جوشی سے ان مشاعروں کا خیر مقدم کیا۔ مشاعروں کا یہ سلسلہ ۱۹۴۷ء کے وسط تک جاری رہا اس انجمن کو قیس شروانیؔ، جمیل نظامی، حبیب اللہ کوثرؔ، منوہر لعل دلؔ، آذر عسکریؔ اور شیخ غلام حسین رساؔ جیسے شعراء و ادباء کا تعاون حاصل رہا۔ اس بزم کی روح رواں قیس شروانیؔ تھے جو نوجوان ساتھیوں کے تعاون سے شمع ادب کو فروزاں کیے رہے۔

بزم نے ہفتہ وار مشاعروں کے علاوہ سالانہ مشاعروں کی بھی ابتداء کی۔ جس میں ہندوستان کے ممتاز شعراء شرکت کرتے رہے جو شعراء ان میں شرکت کرتے رہے ان کے اسماء یہ ہیں:

رچھپال سنگھ شیداؔ، خوشی محمد ناظرؔ، پنڈت برجوہن دتا تریہ کیفیؔ دہلوی، سیماب اکبر آبادی، ساغرؔ نظامی، یاس یگانہؔ چنگیزی، میلا رام وفاؔ، سہاؔ مجددی، حفیظؔ جالندھریؔ، جگرؔ مراد آبادی، اختر شیرانیؔ، سید عابد علی عابدؔ، عندلیبؔ شادانی، سید عبدالحمید عدمؔ، خلیفہ عبدالحکیمؔ، اثرؔ لکھنوی اور جلال الدین اکبر۔

۱۹۲۴ء میں پہلا سالانہ مشاعرہ رچھپال سنگھ شیداؔ کی صدارت میں ہوا اور کیفیؔ دہلوی اس مشاعرے کے سٹیج سیکرٹری تھے۔ مشاعرے میں عوام نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ پنڈال میں ہجوم کے باعث تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں نے بھی اس مشاعرے میں شرکت کی۔

اس مشاعرے میں شامل چند شعراء کا نمونہ کلام درج ذیل ہے:

عندلیبؔ شادانی نے چاند پر نظم پڑھی جس کا پہلا بند یہ ہے:

یاد ہے چاند تجھے وہ نقشا
اک دن میں اور وہ بتِ ترسا
محرمِ راز ہمارا تو ہے
اس لئے ہم کو پیارا تو ہے ۶۶

اس مشاعرے میں ساغرؔ نے جو نظم پڑھی اس کا ایک بند یہ تھا:

آخر ختم ہوا یہ عالم
شان سے نکلا نیرِ اعظم
روشن تر اک نورِ مجسم
ہاتھوں میں کرنوں کا پرچم
ذروں کو چمکاتا نکلا
بھیروں راگ سناتا نکلا ۶۷

کیفیؔ صاحب نے مشاعرے میں سٹیج سیکرٹری کے فرائض انجام دیتے ہوئے ایک طرحی غزل بھی پڑھی

جس کے چند اشعار یہ ہیں:

کہاں تم رہ سکو گے ہم سے پردہ میں نہاں ہو کر
یہ چھپنا آنکھ سے ممکن نہیں دل میں نہاں ہو کر
کہیں تھک کر بھی بیٹھو گے تم اے پائے طلب آخر
بڑے پیچھے پڑے ہو میرے دورِ آسماں ہو کر
ہوا ہوں بے کسی میں اس قدر بیزار جینے سے
تمنا ہے کوئی آجائے مرگِ ناگہاں ہو کر ۴۸

اس انجمن نے اہل کشمیر میں اردو شاعری کا ذوق پیدا کیا ان شعراء کی پیروی میں کشمیری نوجوان بھی اردو زبان میں شاعری کرنے لگے۔

انجمن اسلامیہ پونچھ:

۱۹۱۱ء میں سردار محمد اکرم خان عباسی اور پیر حسام الدین شاہ نے مقامی اکابرین کی امداد سے ''انجمن اسلامیہ پونچھ'' قائم کی ۴۹۔ سردار محمد اکرم خان عباسی کو انجمن کا پہلا صدر منتخب کیا گیا۔ انجمن نے پونچھ کے مسلمانوں کی تعلیمی پس ماندگی کو دور کرنے کے لئے پرائمری سکول جاری کیا بعد میں سکول کو مڈل کا درجہ دے دیا گیا۔ پھر یہی سکول اسلامیہ ہائی سکول کے نام سے مشہور ہوا۔ راجہ بلدیو سنگھ نے انجمن کی ۱۸۰۰ روپے سالانہ امداد مقرر کی وہ انجمن کے سالانہ جلسوں میں شریک ہو کر چندہ دیا کرتا تھا۔ انجمن کی تعلیمی سرگرمیوں میں جن افراد نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ان میں خواجہ حبیب جو، خواجہ عبداللہ جو، خواجہ محمد جو، خانصاب کیپٹن خان محمد خان، کیپٹن عطاء محمد خان عباسی اور سردار محمد ایوب خان عباسی کے نام سے قابل ذکر ہیں۔

انجمن کے اراکین زیادہ تر سرکاری ملازم، تاجر اور حکومت کے مراعات یافتہ لوگ تھے اس لئے وہ ذاتی مجبوریوں اور مفادات کی بناء پر حکومت کے خلاف اپنے پلیٹ فارم سے ایک لفظ بھی نہیں کہتے تھے لیکن ان اراکین نے انجمن بنا کر اپنے فکر و نظر سے مسلمانان ریاست کی بیداری کا بنیادی پتھر رکھ کر اہم ملی خدمت سرانجام دی۔ انجمن کے سالانہ جلسوں میں برطانوی ہند سے جید علمائے کرام کو اظہار خیال کے لئے خصوصیت سے مدعو کیا جاتا تھا۔ ان موقعوں پر عام لوگ علماء کے ساتھ مل بیٹھتے اور قومی مسائل پر ایک دوسرے کے خیالات سے مستفید ہوتے۔ ان نامور مشاہیر کی تقاریر اور گفتگو اردو زبان میں ہوتی تھی۔ وہ مقامی زبان سے ناآشنا تھے اس لئے مقامی لوگوں کو ان سے گفتگو کرنے کے لئے مادری زبان کی بجائے اردو بولنا پڑتی اس رجحان نے پونچھ کے عوام میں اردو بولنے اور پڑھنے کا شوق پیدا کیا۔ اس طرح انجمن اسلامیہ پونچھ نے غیر محسوس طریقے سے پونچھ میں اردو کی ترویج و اشاعت کا کام کیا۔

بزم مشاعرہ:

۱۹۱۴ء میں بزم مشاعرہ کے نام سے جموں میں ایک اور جماعت بنائی گئی اس کے بانیوں میں سردار وزیر محمد خان،

غلام علی حسرت، صاحبزادہ محمد عمر، سردار محمد عالم، شیخ غلام نقشبند اور غلام حیدر خان غوری شامل ہیں۔ یہ بزم پندرہ روزہ مشاعرے جموں کے عجائب گھر میں منعقد کراتی۔ ان میں صاحب ذوق حضرات کے علاوہ حکومت کے اعلیٰ عہدے دار بھی شرکت کرتے۔ بزم مشاعرہ مشاعروں میں پڑھا جانے والا کلام کتابچوں میں شائع کرتی اور بزم کے اراکین کتابچوں پر تنقیدی پمفلٹ شائع کرتے۔ اس طرح بڑی دلچسپ ادبی بحثیں شروع ہو جاتیں۔ ان ادبی بحثوں نے کشمیری عوام میں ادب و شاعری کا ذوق ابھارنے میں اہم کردار ادا کیا۔

استاد غوث محمد خان کے ہندوستان کے ممتاز اردو شاعر اظہر ہاپوڑی سے مراسم تھے اور وہ جب جموں آتے تو شعر وسخن کی مجلسوں میں ایک نئی زندگی پیدا ہو جاتی لیکن یہ بزم دو تین سال تک ہی قائم رہ سکی کیونکہ بزم کے اراکین سرکاری ملازمتوں سے وابستہ ہوئے تو اس کا شیرازہ بکھر گیا لیکن بزم مشاعرہ کے اراکین بکھرنے سے پہلے کشمیر میں گیسوئے اردو کو سنوار گئے۔

ریڈنگ روم کا قیام:

ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم کشمیری نوجوان فارغ التحصیل ہونے کے بعد کشمیر لوٹے تو انھوں نے ۱۹۳۰ء میں سرینگر میں سید علی اکبر صاحب کے حجرے میں ایک خفیہ دارالمطالعہ (ریڈنگ روم) قائم کیا۔ جن لوگوں نے ریڈنگ روم کی ابتداء کی ان میں ماسٹر محمد رجب بٹ اور مولوی بشیر احمد کے نام قابل ذکر ہیں۔ ۴۰؎

شیخ محمد عبداللہ کو اس کا صدر اور خواجہ غلام نبی گلکار کو سیکرٹری منتخب کیا گیا مفتی ضیا الدین کے بیٹے مفتی جلال الدین اس کے منتظم بنائے گئے۔ شروع شروع میں ریڈنگ روم کی سرگرمیاں خفیہ طور پر جاری رہیں بعد میں ریڈنگ روم کے ممبران آپس میں باقاعدہ اجلاس وغیرہ کرنے لگے اور ''ریڈنگ روم'' آہستہ آہستہ ''ریڈنگ روم پارٹی'' کی شکل اختیار کرتا چلا گیا۔ چنانچہ بعد میں ''ریڈنگ روم'' کا مرکز سرینگر سے فتح کدل میں مفتی جلال الدین کے ہاں منتقل کر دیا گیا۔

انجمن میں بہت سے غیر ریاستی اخبارات منگوائے جاتے تھے۔ ان میں لاہور کے روزنامہ ''انقلاب'' اور ''زمیندار'' عوام میں زیادہ مقبول تھے۔ عوام انھیں پڑھتے ان جرائد کے ذریعے ان میں اردو سیکھنے کا ذوق پیدا ہوتا۔ اردو کے جرائد نے غفلت میں پڑے کشمیریوں کو سیاسی شعور عطا کیا۔ اس تنظیم نے پڑھے لکھے نوجوانوں کو سرکاری ملازمت دلوانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ریڈنگ روم کمیٹی کے قیام کا مقصد سلیم خان گمی یہ بیان کرتے ہیں:

> ''سرینگر میں چند تعلیم یافتہ نوجوانوں نے ایک جماعت قائم کی جسے ''ریڈنگ روم پارٹی'' کا نام دیا گیا۔ اس کی تنظیم کی تمام تر ذمہ داری خواجہ محمد مقبول پنڈت نے لی جو محکمہ مال ریاست جموں وکشمیر کے جنرل سپرنٹنڈنٹ تھے۔ خواجہ غلام احمد عشائی، میر ہدایت اللہ اور میاں نظام الدین ان کے رفقائے کار میں سے تھے۔ اس جماعت کا مقصد کتاب گھروں کی مدد سے مسلمانوں کو تعلیم دلانا تھا تاکہ وہ اپنی ناگفتہ بہ حالت کا احساس

کریں اور سیاسی و معاشی غلامی کو دور کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔'' اے

بے شک اس جماعت کے قیام کا مقصد سیاسی شعور اجاگر کرنا تھا لیکن اس کمیٹی نے غیر محسوس طریقے سے اردو کی ترویج کی کیونکہ اس کے دارالمطالعہ نے کشمیری عوام کو اردو پڑھنے لکھنے کا شوق پیدا کیا۔ اس کمیٹی نے کشمیر میں بڑے نامور اہل قلم پیدا کیے۔

بزم اردو جموں و کشمیر:

۱۹۳۷ء کے آخر میں مولانا علم الدین سالک نے بزم سخن کو محدود دائرے سے نکال کر اسے دونوں صوبوں کا نمائندہ بنا دیا اور اس کا نام بدل کر بزم اردو جموں و کشمیر رکھ دیا۔ اس کا پہلا مشاعرہ مشن ہائی سکول کے صحن میں منعقد کیا گیا۔ بزم اردو کے پہلے صدر پنڈت دینا ناتھ مست کو منتخب کیا گیا بعد میں صدرات پنڈت وشوا ناتھ ماہ کو منتقل کر دی گئی۔ جو اردو کے صاحب فکر شاعر تھے۔

بزم اردو میں ہندوؤں کی بڑی تعداد شامل تھی۔ ان میں پنڈت پریم ناتھ سادھوؔ، پنڈت وشوا ناتھ ماہ، پنڈت جانکی ناتھ درؔ، گروھاری لعل نندؔ، پنڈت رے کشؔ، کشمیری لعل ذاکرؔ، کشن چند کشنؔ اور منوہر لعل دلؔ نمایاں تھے۔

اس انجمن نے تعلیم بالغاں کے مراکز کھولے اور ماہنامہ ''فردوس'' کا اجرا کیا۔ انجمن گرمیوں میں سرینگر میں مشاعرے کراتی۔ بزم اردو نے کل ہند انجمن ترقی اردو سے الحاق کر لیا تو اس کے پروگرام میں وسعت پیدا ہو گئی۔ انجمن ترقی ادو کے زیر اثر بزم اردو جموں و کشمیر نے اردو زبان کی اصلاح، ترویج و ترقی میں اہم کردار ادا کیا اس نے نہ صرف نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی بلکہ کشمیر کے اردو شعراء و ادباء کو ایک مرکز فراہم کیا جہاں مل بیٹھ کر وہ ادبی مسائل کے حل کے لئے کوششیں کر سکیں۔

حفیظ جالندھری ۱۹۴۷ء سے قبل اکثر کشمیر جاتے رہتے تھے۔ وہ جموں و کشمیر کے مشاعروں اور جلسوں میں بھی شرکت کرتے رہتے تھے۔ ۱۹۳۶ء میں سری نگر میں ہونے والے مشاعرے میں انھوں نے ''تصویر کشمیر'' کے عنوان سے ایک لا جواب نظم سنائی اس نظم میں کشمیر کے حسن و زیبائی کی مکمل تصویر موجود ہے۔ ساتھ ہی یہ نظم اہل کشمیر کی زبوں حالی کی آئینہ دار بھی ہے:

عام شاعر کہہ گئے کشمیر کو جنت نظیر
ورنہ جنت میں یہ حسن و رنگ شادابی کہاں
کیا ہے جنت چند حوریں، اک چمن دو ندیاں
خیر زاہد کی رعایت سے یہ کہتا ہوں کہ ہاں
عالم بالا یہ ہے پرتو اسی کشمیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا
خوبصورت کھیت بھی گلزار بھی کہسار بھی
خوبصورت پھول بھی، اشجار بھی اثمار بھی
خوبصورت ہر بشر مفلس بھی اور زر دار بھی
ظاہر کشمیر رنگیں بھی ہے اور پرکار بھی

باطن کشمیر لیکن پیٹ ہے انجیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

حسن کی افراط خوبی کی فراوانی یہاں
ہے نظر کو اعتراف تنگ دامانی یہاں
بہر جان و جسم ہر نعمت کی ارزانی یہاں
بے کس و محتاج لیکن نوع انسانی یہاں
نقش فریادی ہے یہ تقدیر کی تحریر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

وادی و کہسار پر ایسی بہار آئی ہوئی
نخلِ آدم زاد پر لیکن خزاں چھائی ہوئی
اس قدر خوش رنگ کلیاں اور مرجھائی ہوئی
راکھ میں چنگاریاں جیسے ہوں کجلائی ہوئی
حسرت آلودہ ہے چہرہ ہر جوان و پیر ہے
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا ۲ے

۱۹۳۹ء میں بزم اردو جموں وکشمیر کا سالانہ جلسہ سرینگر میں میاں بشیر احمد کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ پنڈت وشوا ناتھ ماہ نے ہندی اور اردو کے مسلۂ پر فاضلانہ مقالہ پڑھا۔ یہ مقالہ ماہنامہ ''ہمایوں'' کے ستمبر ۱۹۳۹ء کے شمارہ میں شائع ہوا۔ ان کے اس مقالے کی ابتدائی سطور سے پتہ چلتا ہے کہ انھیں اردو سے کس قدر محبت تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو ریاست میں رہنے والے ہر مذہب و مسلک کے افراد کو متاثر کر رہی تھی۔

آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس:

۱۹۳۹ء میں آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس نے اپنا سالانہ اجلاس سرینگر میں منعقد کیا جو کئی دن ایس۔پی۔کالج کے ہال میں ہوتا رہا۔ اس میں ڈاکٹر ذاکر حسین، امرناتھ جھا، ڈاکٹر ہادی حسین اور ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں بزم اردو نے ایک مشاعرے کا اہتمام کر رکھا تھا۔ جس میں ہندوستان کے صف اول کے اردو شعراء نے حصہ لیا۔ اس مشاعرے کی صدارت سر سپرو نے کی۔ حبیب کیفوی لکھتے ہیں کہ:

''سر سپرو نے اس موقع پر اردو کی اہمیت کے موضوع پر ایک تاریخی تقریر کی جو اردو کے لئے ہمیشہ ایک دستاویز کا کام دیتی رہے گی۔'' ۳ے

۱۱ جولائی ۱۹۳۹ء کو جھیل ڈل میں تیرتے شکاروں میں ایک مشاعرہ منعقد کیا گیا۔ اس مشاعرے میں میاں بشیر احمد، منشی سراج الدین احمد، پنڈت وشوا ناتھ ماہ، محمود علی خان، اثر صہبائی، مہر شکوہ آبادی، نواب فرخ آبادی، خواجہ سعید احمد قتیلؔ، محمد شفیع کلیمؔ، ملک مقبول احمد اور قیس شروانیؔ جیسے شعراء شریک ہوئے۔

ہانجیوں نے شکاروں کو اس طرح ترتیب دیا تھا کہ شکاروں کا ایک حلقہ سا بن گیا تھا۔ شعراء کے لئے ضروری

شرط تھی کہ وہ ترنم سے اپنا کلام سنائیں۔ چاندنی رات کا سحر، ڈل کا خوشنما منظر، اس کے آس پاس کا دلفریب سماں اور پھر اس پر آواز کا جادو شرکائے محفل پر کیفیت کا عالم طاری ہو گیا جس کی یاد شرکائے مشاعرہ کے لئے ہمیشہ سرور انگیز رہی۔ شرکائے محفل شعراء کے کلام کا نمونہ درج ذیل ہے:

میاں بشیر احمد:

پہلگام

حسن کے جلوے ہیں تیری وادیوں میں پہلگام
عشق کی سطوت ہے تیری چوٹیوں میں پہلگام
یاد آ جاتی ہے کوئی زندگی بھولی ہوئی
کیسی موسیقی ہے تیرے پانیوں میں پہلگام
بھاگ کر ہنگامۂ دنیا سے روح عافیت
ہو گئی روپوش تیری گھاٹیوں میں پہلگام
برف زریں، جوئے سیمیں، قوس رنگیں، حوریں
لطف جنت ہے تیری رعنائیوں میں پہلگام
اس چمن میں ڈھونڈتا پھرتا ہوں کس کو جا بجا
چھپ رہا ہے کون تیری پتیوں میں پہلگام
خفتگان خاک کو دیتی ہے پیغام حیات
نعرہ زن ہے برق تیری وادیوں میں پہلگام
رہ گیا تھا اک بشیر خستہ دل آشفتہ جاں
وہ بھی شامل ہے ترے شیدائیوں میں پہلگام ۴۷

محمود علی خان نے ''بہار کشمیر'' کے عنوان سے نظم پڑھی:

بہار کشمیر

یہ سچ ہے کیف دل کہاں حریم روزگار میں
کہ جس کا ذرہ ذرہ ہو دیار غمگسار میں
مگر نظر اٹھا تو اب کہ اس بہشت زار میں
مچل رہی ہیں فطرتیں، نسیم خوشگوار میں
مسرتوں کا جوش ہے شباب نو بہار میں
گھٹائیں اپنی گود میں ہیں مستیاں لئے ہوئے
ہوا کے نرم دوش پر صراحیاں لیے ہوئے
چمن کے ذرے ذرے کی جوانیاں لئے ہوئے
گلوں کے حسن و عشق کی کہانیاں لئے ہوئے

چمک رہی ہیں بجلیاں تبسم بہار میں
لرز رہی تھی بزمِ گل عتاب برشگال میں
وہ ٹپکیں اس کی بوندیاں حجاب برشگال میں
برس پڑی وہ مستیاں شرابِ برشگال میں
ابل پڑیں جوانیاں شبابِ برشگال میں
مچل رہے ہیں زمزمے صدائے آبشار میں
زمینِ صحنِ باغ کو نئی ملی ہیں لذتیں
فضائے حسن و عشق میں چل رہی ہیں الفتیں
چمن کے رہنے والوں کی بدل رہی ہیں قسمتیں
جہانِ آب و گل سے وہ ابھر رہی ہیں راحتیں
خوشی کی لہر آ گئی چمن کے قلب زار میں
ہے ضوفگن یہ عکس گلِ حسین آبشار میں
نہا رہی ہے یا پری اتر کے جوئبار میں
کچھ اتنا کیف بڑھ گیا تھا میرے قلب زار میں
نگاہ جم کے رہ گئی فضائے کوہسار میں
اتر رہی تھیں دیویاں بہار کی بہار میں ۵ بجے

پنڈت وشواناتھ ماہ نے یہ غزل سنائی:

گرانا بجلیاں تجھ کو رخ جانانہ آتا ہے
مسیحائی کہاں کی جب نظر ویرانہ آتا ہے
وہ صور بے صدا پنہاں ہے تیرے اک تبسم میں
کہ اسرافیل محشر میں نظر دیوانہ آتا ہے
ضیائے حسن ہے لاکھوں میں شمع حسن واحد ہے
ضیا کو چھوڑتا ہے شمع پر پروانہ آتا ہے
جو پھیلاؤ میں الجھا رازِ ہستی کب ملا اس کو
تلاشِ حق میں مرکز پر دل دیوانہ آتا ہے
جو مٹتے آپ ہیں ان پر فدا ہوتا ہے ہر کوئی
تڑپ کر شمعِ سوزاں پر ہر اک پروانہ آتا ہے

سکونِ دل اگر مل جاتا رہبر، تو جبیں میری
دکھا دیتی کہاں تک سجدۂ شکرانہ آتا ہے
ترے اعمال عقبیٰ میں پتہ دیں گے تجھے اے ماہ
کسی کے کام کون اے ہمدم فرزانہ آتا ہے ۷۶

نواب خورشید علی خان نے یہ غزل مشاعرے میں سنائی:

نہ کریوں حشر برپا بلبل ناشاد رہنے دے
قفس میں کون سنتا ہے تری فریاد رہنے دے
نہ چھیڑ افسانہ اے صیاد تو برق و نشیمن کا
خیال آشیاں سے اب مجھے آزاد رہنے دے
مری بربادیوں پہ اے فلک ان کو مسرت ہے
تو میں برباد ہی اچھا مجھے برباد رہنے دے
مرے ناشاد رہنے میں اگر وہ شاد ہوتے ہیں
تو ان کو شاد رہنے دے مجھے ناشاد رہنے دے
ترے رحم و کرم پر ہے ترے نواب کی قسمت
اسے برباد کر دے یا اسے آباد رہنے دے ۷۷

قیس شروانی نے بھی ایک خوبصورت غزل سنائی:

ہماری دسترس سے دور جس دلبر کی بستی ہے
نہ جانے روح اس کو دیکھنے کو کیوں ترستی ہے
یہ مانا کارگاہ دہر رنج و غم کی بستی ہے
خیالِ ترکِ دنیا بھی مگر ہمت کی پستی ہے
شباب آنے پہ فردوس نظر اس بت کی ہستی ہے
سراپا حسن میں ڈوبا ہوا آنکھوں میں مستی ہے
مجھے ڈر ہے کہ حسنِ کج ادا رسوا نہ ہو جائے
وہ سمجھے ہیں کہ اب جنس وفا دنیا میں سستی ہے
ادا میں دلکشی ہے چال ہے کافر کی مستانہ
نگاہوں میں شراب حسن کی اک گونہ مستی ہے
الٰہی رہ گئیں گھٹ گھٹ کے دل کی حسرتیں دل میں
مری جولانیوں کو تنگ کیوں میدان ہستی ہے

جوانی اور عزم اتقا و زہد ناممکن
ابھی تو قیس تیری آنکھ میں الفت کی مستی ہے ۸ے

مفرح القلوب کشمیر کی ایک ادبی اور ثقافتی انجمن:

انیسویں صدی میں قائم ہونے والی اس انجمن کے قیام کا مقصد تھکے ہوئے دماغوں کے لئے راحت و سکون کی دولت مہیا کرنا، کشمیر کے زعفران زاروں میں ربع صدی تک مسرت و فرحت کے پھول بکھیرنا، روتوں کو ہنسانا اور سنجیدگی کو قہقہوں پر ابھارنا تھا۔ اس ادبی اور ثقافتی ادارے میں ریذیڈنسی کے ملازمتوں کے علاوہ ریاست کے دوسرے مسلمان اعلیٰ عہدہ دار بھی شامل ہو گئے۔ ریذیڈنسی کے میر منشی خان، منشی سراج الدین احمد اس کے روحِ رواں تھے۔ اس انجمن نے نوجوانوں میں شعر و شاعری کا ذوق بیدار کیا۔

ہفتہ کو اراکین سامانِ خورد و نوش لے کر ڈل کی طرف نکل جاتے رات ڈونگوں میں ڈل کے کنارے بسر کرتے، صبح کو نشاط، شالامار، نسیم باغ یا چشمہ شاہی میں ڈیرے لگا لیتے اور تمام دن ہنسی خوشی اور شعر خوانی میں بسر کرتے۔ ہندوستان سے گئے سیاح بھی ان مجلسوں میں شرکت کرتے۔ ان مہمانوں کی فہرست میں جسٹس شاہدین ہمایوںؔ، سر شفیع، شیخ عبدالقادر، علامہ اقبالؔ اور پروفیسر محمد اکبر منیرؔ شامل ہیں جو ''مفرح القلوب'' کی مجلسوں میں شرکت کرتے رہے۔

اگرچہ یہ ایک تفریحی ادارہ تھا تاہم اس کی تربیت سے ہونہار فرزند شعلہ جوالہ بن گئے۔ مفرح القلوب کشمیر کے شعراء کا نمونہ کلام یہ ہے:

شمشادِ کشمیر

راست روہیں، رسم و راہِ داستاں رکھتے ہیں ہم
سروقد ہیں، شیوۂ آزادگاں رکھتے ہیں ہم
اپنے دم سے ہے بہار جوئبار و سبزہ زار
سر پہ باغ و راغ کے چتر و نشاں رکھتے ہیں ہم
ڈھانک لیتے اپنی شاخوں سے ہیں دیوارِ چمن
چشمِ گل چیں سے جمالِ گل نہاں رکھتے ہیں ہم
سربلندی سے نہیں آتا کبھی سر میں غرور
سربراہِ خاکسارانِ جہاں رکھتے ہیں ہم
دیکھ کر بزمِ چمن میں حسن کا بازار گرم
غنچہ و گل سے الگ اپنی دکاں رکھتے ہیں ہم
زاہدانِ خشک ہیں دامن کو تر کرتے نہیں
گو مکاں اپنا لب جوئے رواں رکھتے ہیں ہم
بارِ احساں سے زمین کے اپنا سر جھکتا نہیں
اس لئے دستِ دعا پر آسماں رکھتے ہیں ہم
خم نہیں ہوتی ہے ضعف و ناتوانی سے کمر
موسمِ پیری میں بھی ہمت جواں رکھتے ہیں ہم ۹ے

جسٹس ہمایوں نے کشمیر کے مناظرِ حسن سے متاثر ہو کر نظم ''شالامار کشمیر'' کہی اور یہ نظم انھوں نے مشاعرے میں پڑھی شالامار پر ان کی نظم کے چند اشعار یہ ہیں:

شالامار کشمیر

اے باغ لوگ کہتے ہیں تم شالا مار ہو
اور عظمتِ گزشتہ کی اک یادگار ہو
کیا تم ہی زندہ ناموں کے باعث ہو نامور
کیا تم ہی مردہ سلطنتوں کا مزار ہو
کہتے ہیں تم سے کھلتے ہیں رازِ دروں کے پیچ
تم اک کلیدِ قفلِ درِ روزگار ہو
ہاں کچھ بتاؤ اگلے زمانے کی کیفیت
تم واقعاتِ دہر کے نامہ نگار ہو
خاموش کیوں ہو کچھ تو کہو اپنی داستاں
کس سرِ سربہ مہر کے تم راز دار ہو
فوارہ کی زباں سے کہو کچھ تو اپنا حال
کیوں روتے زار زار تم اے آبشار ہو
اور تم بتاؤ پانی کی لہرو کہ کس لئے
مضطر ہو، پیچ کھاتی ہو اور بیقرار ہو
کب سے جلا رہا ہے یہ سوزِ دروں تمہیں
دل دادہ کس کی یاد میں تم اے چنار ہو
ہاں اے مسافر ایسے سوالوں سے فائدہ
زخموں پہ کیوں چھڑکتے نمک بار بار ہو
واقف ہو حالِ زار سے پھر پوچھتے ہو حال
تم بھی عجب طرح کے تجاہل شعار ہو
کیا کہے آہ! اپنی جو حالت ہے پوچھ لے
پیر فلک سے گر نہ تجھے اعتبار ہو
وہ دن بھی تھے کہ تازہ ہی رہتے تھے یہ چمن
کشمیر میں خزاں ہو کہ فصلِ بہار ہو
نور جہاں جو حسن میں پتلی تھی نور کی
اور قد میں جیسے سروِ لبِ جوئبار ہو

آ کر یہاں جماتی تھی وہ دلفریب رنگ
قربان جس پہ جان سے سو لالہ زار ہو
اور آتا اس کے ساتھ شہ مے پرست کا
جس کی نگاہ سے چشم طرب میں خمار ہو
سامانِ عیش اور وہ عشرت کی محفلیں
وہ راتیں جن پہ روزِ درخشاں نثار ہو
کہہ دو تمھیں کہ جس نے گزارے ہوں ایسے دن
اب کیوں نہ ان کی یاد میں وہ دلفگار ہو
یہ گل جو دیکھتے ہو وہ سینے کے داغ ہیں
دل کی بتائیں ہم جو کوئی غمگسار ہو
اس انقلاب دہر نے پامال کر دیا
خاک اپنی اب تو کاش فنا کا غبار ہو
بے تاب کیوں ہے سن کے ہمایوں یہ داستاں
جنت میں آ کے کیوں کوئی یوں اشکبار ہو
محوِ خیال کیوں ہے ذرا آنکھ تو اٹھا
دیکھ اور محوِ صنعتِ پروردگار ہو
منظر نہیں یہ شانِ خدا کا ظہور ہے
پانی کو چوم کوہ سے لے ہمکنار ہو
لہروں میں بادلوں میں ہوا میں پہاڑ میں
وہ روح ہے کہ جان تیری اس پر نثار ہو
دل چاہتا ہے اپنا ہو مسکن نسیم باغ
مر جایئے تو ڈل کے کنارے مزار ہو
سو جائیں ایک پتے کے سینے پہ رکھ کے ہاتھ
مدفن دلِ تپاں کا جو زیرِ چنار ہو
ناظر ! بڑا مزا ہو جو اقبال ساتھ دے
ہر سال ہم ہوں، شیخ ہو اور شالا مار ہو

نظم کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ شالا مار پر نظم لکھتے وقت ان کی محفل میں چوہدری خوشی محمد ناظرؔ اور شیخ عبدالقادر موجود تھے اور میاں صاحب کی خواہش تھی کہ ان کے دوست علامہ اقبال بھی اس محفل میں شریک

ہوتے۔ پروفیسر محمد اکبر منیر نے مشاعرے میں نظم ''سرود نشاط مستانہ'' یا ''ترانہ مستانہ'' بطرز ساقی نامہ سنائی ملاحظہ ہو:

مرے دوست ساقی ! صراحیٔ مے لا
پیالوں میں بھر بھر کے مے پے بہ پے لا
مئے پاکِ شیراز و تبریز و رے لا
بکوریٔ جمشید و کاؤس و کے لا
بہانگ نشاط آور و چنگ و نے لا
کہ تازہ ہوا سر میں سودائے لیلا
مرے دوست ساقی ! صراحیٔ مے لا
پیالوں میں بھر بھر کے مے پے بہ پے لا
دلاویز کشمیر کی سرزمین ہے
بساطِ گل و لالہ و یاسمیں ہے
یہ الماس خاتم زمرد نگیں ہے
بہار آشنا ہے بہار آفریں ہے
سزاوار غلمان و حورانِ عیں ہے
بہشتِ بریں ہے بہشتِ بریں ہے
مرے دوست ساقی ! صراحیٔ مے لا
پیالوں میں بھر بھر کے مے پے بہ پے لا
اٹھیں کوہساروں سے کالی گھٹائیں
ہوئیں مست و مخمور ڈل کی فضائیں
فلک جھک کے لیتا ہے کس کی بلائیں
ادھر آبشاروں کی دلکش صدائیں
ادھر گلعذاروں کی شیریں ادائیں
ہے خوب انجمن، آ پئیں اور پلائیں
مرے دوست ساقی ! صراحیٔ مے لا
پیالوں میں بھر بھر کے مے پے بہ پے لا
اتر آئے گردوں سے ڈل کے کنارے
بہشتی بہاریں بہشتی نظارے
انھیں دیکھ کر جھومتے ہیں ستارے
لگی آگ سینے میں اٹھے شرارے
بیا نشیلیم زیرِ چنارے
بجامے و سازے، بزیبا نگارے
مرے دوست ساقی ! صراحیٔ مے لا
پیالوں میں بھر بھر کے مے پے بہ پے لا

چھلکتے ہیں ڈل میں کنول کے پیالے
نرالے چمن ہیں نرالے ہیں تھالے
کنول نین، خورشید رو، بھولے بھالے
شکاروں میں آئے ہیں ڈیرے ہیں ڈالے
میں بے مے ہوا مست کوئی سنبھالے
مجھے ایسے فتنوں سے ساقی بچالے
مرے دوست ساقی! صراحیِ مے لا
پیالوں میں بھر بھر کے مے پے بہ پے لا

خراماں خراماں حسین آ رہے ہیں
حسین نازنیں مہ جبیں آ رہے ہیں
گل و لالہ و یاسمیں آ رہے ہیں
ہے غوغا غزالانِ چیں آ رہے ہیں
حریفانِ حورانِ عیں آ رہے ہیں
حسینانِ خلدِ بریں آ رہے ہیں
مرے دوست! صراحیِ مے لا
پیالوں میں بھر بھر کے مے پے بہ پے لا

حسینانِ کشمیر آئینہ رو ہیں
بہار آفرینِ گلِ آرزو ہیں
نہ پیکار خو ہیں نہ پیکار جو ہیں
دلآویز رو ہیں، دلآویز خو ہیں
ہمہ مستِ میخانہ رنگ و بو ہیں
ہمہ چشم بر راہِ جام و سبو ہیں
مرے دوست ساقی! صراحیِ مے لا
پیالوں میں بھر بھر کے مے پے بہ پے لا

پلا ساغر بادۂ ارغوانی
بڑھے جس کی تابش سے سوزِ نہانی
وہ بادہ جو ہے قدسی و آسمانی
جو فانی کو دے زندگی جاودانی
مٹا دیتی ہے جس کی شعلہ فشانی
قیودِ زمانی، قیودِ مکانی
مرے دوست ساقی! صراحیِ مے لا
پیالوں میں بھر بھر کے مے پے بہ پے لا

ترانہ مرا دلکش و دلستاں ہے
چمن زارِ کشمیر کا ارمغاں ہے
گل و لالہ و سبزہ کا کارواں ہے
چناروں کے سائے ہیں جوئے رواں ہے
شرار جنوں ہے بہار جناں ہے
ترا جامِ گلرنگ آتش فشاں ہے
مرے دوست ساقی ! صراحی مے لا
پیالوں میں بھر بھر کے مے پے بہ پے لا ۱؎

انجمن مفرح القلوب برسوں کشمیر کے باغات میں مفرحات بکھیرتی رہی۔ انجمن کے اراکین صاحب ذوق حضرات تھے۔ وہ کشمیر کے باغوں میں جاتے وہاں راگ رنگ کی محفلیں جماتے ساتھ ساتھ شعر و سخن پر بھی طبع آزمائی کرتے ہندوستان سے جو نامور اہل قلم کشمیر کی سیاحت کے لئے آتے۔ وہ انجمن کی مجلسوں میں ضرور شرکت کرتے اور واپسی پر انجمن کی دلفریب یادوں کو ساتھ لے جاتے۔

اس انجمن نے کشمیر کے لوگوں میں سخن فہمی، اور شعر گوئی کا رجحان پیدا کیا۔ انجمن کے مشاعروں نے ایسے نئے شعراء بھی متعارف کرائے جو بعد میں اردو ادب کے آسمان پر درخشاں ستارے بن کر چمکے۔

حواشی

۱۔ محمد سعید اسعد، جموں و کشمیر بک آف نالج، نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف کشمیر سٹڈیز، میرپور، طبع چہارم، ۲۰۰۲، ص ۱۴

۲۔ اچھر چند شاہپوریہ، ٹھاکر (مترجم)، راج ترنگنی (حصہ اول) از پنڈت کلہن، ویری ناگ پبلشرز میرپور، سن ندارد، ص ۸

۳۔ سلیم خان گمی، اقبال اور کشمیر، یونیورسل بکس اردو بازار لاہور، طبع دوم، ۱۹۸۵، ص ۱۴

۴۔ محمد دین فوق، مکمل تاریخ کشمیر (حصہ اول)، ویری ناگ پبلشرز میرپور، طبع دوم، ۱۹۹۱، ص ۱۴

۵۔ ایم ایس ناز (ڈاکٹر)، تصویر کشمیر، مقبول اکیڈمی لاہور، ۱۹۹۵، ص ۱۰۳

۶۔ محمد سعید اسعد، جموں و کشمیر بک آف نالج، محولہ بالا، ص ۱۴

۷۔ عباس احمد آزاد، عالمی سامراج اور کشمیر، کشمیر لٹریری اینڈ کلچر سوسائٹی، باراول، ۱۹۸۹، ص ۴۴ تا ۴۷

۸۔ پریم ناتھ بزاز، تاریخ جدوجہد آزادی کشمیر، ندیم بک ہاؤس لاہور، ۱۹۹۴، ص ۳۹

۹۔ محمد سرور عباسی، پروفیسر، کشمیری مسلمانوں کی جدوجہد آزادی (۱۸۹۲ء۔۱۹۴۷)، انسٹی ٹیوٹ آف کشمیر سٹڈیز مظفرآباد، طبع اول، ۱۹۹۲، ص ۲

۱۰۔ محمد امین پنڈت، مختصر تاریخ کشمیر، کراس لائن مظفرآباد، ۱۹۹۰، ص ۲۶، ۲۷

۱۱۔ محمد یوسف بخاری (ڈاکٹر)، مضمون مطبوعہ سنگر مال، شعبہ کشمیریات پنجاب یونیورسٹی لاہور، شمارہ نمبر ۱، ۱۹۹۰، ص ۲۳

۱۲۔ جی ایم میر، جہلم اور کشمیر، مکتبہ رضوان میرپور، طبع اول، ۲۰۰۲، ص ۹

۱۳۔ ایم۔اے خان، کشمیر تاریخ کے آئینے میں، لالہ زار پبلشرز میرپور، طبع دوم، ۱۹۹۹، ص ۲۳

۱۴۔ محمد سعید اسعد، جموں و کشمیر بک آف نالج، محولہ بالا، ص ۱۶

۱۵۔ سلیم خان گمی، کشمیر میں اشاعت اسلام، یونیورسل بکس لاہور، ۱۹۸۶، ص ۲۹ تا ۳۱

۱۶۔ ایضاً، ص ۳۲ تا ۳۵

۱۷۔ سلیم خان گمی، اقبال اور کشمیر، محولہ بالا، ص ۳۸

۱۸۔ صابر آفاقی، ڈاکٹر، تاریخ کشمیر اسلامی عہد میں، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور، باراول، ۱۹۸۲، ص ۳۴۷

۱۹۔ محمد اکرام شیخ، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۲۰۰۰، ص ۳۷۵

۲۰۔ محمد دین فوق، شباب کشمیر، ویری ناگ پبلشرز میرپور، طبع دوم، ۱۹۸۷، ص ۲۰۸

۲۱۔ محمد امین پنڈت، مختصر تاریخ کشمیر، محولہ بالا، ص ۱۲۹

۲۲۔ عباس احمد آزاد، عالمی سامراج اور کشمیر، محولا بالا، ص ۱۰۱

۲۳۔ جی۔ایم میر (مترجم) کشمیر پر مغلوں کی جارحیت از پروفیسر محی الدین حاجنی، ۱۹۸۲، ص ۳

۲۴۔ زاہد چودھری، پاکستان کی سیاسی تاریخ (جلد سوم)، ادارہ مطالعہ تاریخ پاکستان، ۱۹۹۰، ص ۱۱۱

۲۵۔ جی۔ایم میر، کشور کشمیر کی پانچ ہزار سالہ تاریخ، رضوان پبلشرز میرپور، طبع اول، ۲۰۰۴، ص ۲۷۱

۲۶۔ ممتاز صادق (ڈاکٹر) مضمون مطبوعہ ماہنامہ ''ماہ نو'' جلد ۵۸، شمارہ ۱۲ دسمبر ۲۰۰۵، ص ۲۰

۲۷۔ عبدالحق مولوی، خطبات مولوی عبدالحق (جلد دوم)، سن ندارد، ص ۱۱

۲۸۔ محمد عالم چودھری (ڈاکٹر)، آزاد کشمیر میں اردو زبان و ادب کا فروغ، تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی، جامعہ کراچی، ۲۰۰۱، ص ۴۵

۲۹۔ محمد یوسف بخاری، سید (ڈاکٹر)، کشمیری اور اردو زبان کا تقابلی مطالعہ، مرکزی اردو بورڈ لاہور، طبع اول، ۱۹۸۲، ص ۷۸

۳۰۔ حبیب کیفوی، کشمیر میں اردو، مرکزی اردو بورڈ لاہور، طبع اول، ۱۹۷۹، ص ۱۲۰

۳۱۔ عبدالغنی، خواجہ، کشمیر میں اردو زبان کی ترویج، مضمون مطبوعہ ''رہبر'' ۸۳۔۱۹۸۴، ص ۲۰۴

۳۲۔ مطبوعہ ماہ نو، محولہ بالا، ص ۲۲

۳۳۔ عبدالقادر سروری، پروفیسر (ڈاکٹر)، کشمیر میں اردو، کشمیر اکیڈمی سرینگر، ۱۹۸۱، ص ٦٦

۳۴۔ حبیب کیفوی، کشمیر میں اردو، محولہ بالا، ص ۲۵

۳۵۔ مطبوعہ ماہ نو، محولہ بالا، ص ۲۲

۳۶۔ ایضاً، ص ۲۴

۳۷۔ محمد اقبال، علامہ، جاوید نامہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور، طبع ششم، ۱۹۷۴، ص ۱۶۲

۳۸۔ سلیم خان گمی، اقبال اور کشمیر، محولہ بالا، ص ۲۷

۳۹۔ قدرت اللہ شہاب، شہاب نامہ، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۸۹، ص ۱۸۳

۴۰۔ عبدالقادر سروری پروفیسر (ڈاکٹر)، کشمیر میں اردو محولہ بالا، ص ۱۸

۴۱۔ ظہور الدین، (مرتب) جواد حسین جعفری، شاہ ہمدان میر سید علی ہمدانی، کشمیر اکیڈمی مظفر آباد، ۲۰۰۴، ص ۳۱

۴۲۔ محمد صغیر خان (ڈاکٹر)، پونچھ میں اردو کا ارتقاء، مضمون مطبوعہ ''اخبار اردو'' جلد ۳۱ شمارہ ۲۰ فروری ۲۰۰۵، ص ۱۴

۴۳۔ محمد یوسف ٹینگ، بحوالہ کشمیر میں اردو، از پروفیسر ڈاکٹر عبدالقادر سروری، محولہ بالا، ص ۱۸

۴۴۔ حبیب کیفوی، کشمیر میں اردو، محولہ بالا، ص ۱۳۰

۴۵۔ محمد عبداللہ شیخ، آتش چنار، مکتب شعروادب لاہور، سن ندارد، ص ۱۱۵

۴۶۔ سلیم خان گمی، کشمیر ادب و ثقافت، ادارۂ مطبوعات پاکستان کراچی، ۱۹٦۳، ص ۱۹

۴۷۔ اسد اللہ وانی (ڈاکٹر)، مقبوضہ کشمیر میں اردو مشمولہ بیرونی ممالک میں اردو، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۹٦، ص ۱۵۱

۴۸۔ صابر آفاقی (ڈاکٹر)، جلوۂ کشمیر، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۰۴، ص ۲۲۵، ۲۲٦

۴۹۔ فرمان فتح پوری (ڈاکٹر)، ادب اور ادب کی افادیت، الوقار پبلیکیشنز لاہور، سندارد، ص ٦۳

۵۰۔ عبدالقادر سروری پروفیسر (ڈاکٹر)، کشمیر میں اردو، محولہ بالا، ص ۱۲

۵۱۔ ایضاً، ص ۲۰

۵۲۔ حبیب کیفوی، کشمیر میں اردو، محولہ بالا، ص ۱۸

۵۳۔ محمود شیرانی، حافظ، مقالات محمود شیرانی (جلد دوم)، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۹، ص ۲۸

۵۴۔ ایضاً۔ ص ۲۸، ۲۹

۵۵۔ حبیب کیفوی، کشمیر میں اردو، محولہ بالا، ص ۷، ۸

۵۶۔ عبدالقادر سروری، پروفیسر (ڈاکٹر)، کشمیر میں اردو، محولہ بالا، ص ۳۱

۵۷۔ محمد عالم چوہدری، (ڈاکٹر)، آزاد کشمیر میں اردو زبان کا فروغ، محولہ بالا۔ ص ۵۲

۵۸۔ ایضاً۔ ص ۵۲

۵۹۔ ایضاً۔ ص ۵۳

۶۰۔ ایضاً۔ ص ۵۳

۶۱۔ محمد دین فوق، مشاہیر کشمیر، ظفر برادرز تاجران کتب لاہور، ۱۹۳۶، ص ۱۳۱، ۱۳۲

۶۲۔ روزنامہ پیسہ اخبار، لاہور، ۱۹ اگست ۱۹۰۹

۶۳۔ غلام احمد پنڈت، (خواجہ)، کشمیر آزادی کی دہلیز پر، جنگ پبلشرز لاہور، طبع دوم، ۱۹۹۵، ص ۸۵

۶۴۔ حبیب کیفوی، کشمیر میں اردو، محولہ بالا، ص ۵۰

۶۵۔ سلام الدین نیاز (ڈاکٹر)، ان کہی داستان کشمیر، کلاسیک لاہور، بار اول، ۱۹۹۲، ص ۱۴۵

۶۶۔ حبیب کیفوی، کشمیر میں اردو، محولہ بالا، ص ۵۳

۶۷۔ ایضاً۔ ص ۵۴

۶۸۔ ایضاً۔ ص ۶۲

۶۹۔ محمد دین فوق، تاریخ اقوام پونچھ، ظفر برادرز تاجران کتب لاہور، ۱۹۳۶، ص ۴۷

۷۰۔ شفیق حسین مرزا، کشمیری مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد، ۱۹۸۵، ص ۱۰

۷۱۔ سلیم خان گمی، اقبال اور کشمیر، محولہ بالا، ص ۶۰

۷۲۔ حبیب کیفوی، کشمیر میں اردو، محولہ بالا، ص ۱۱۵، ۱۱۶

۷۳۔ ایضاً۔ ص ۷۵

۷۴۔ ایضاً۔ ص ۷۶

۷۵۔ ایضاً۔ ص ۷۷، ۷۸

۷۶۔ مطبوعہ ماہنامہ ہمایوں، لاہور، ستمبر ۱۹۳۹

۷۷۔ ایضاً۔

۷۸۔ ایضاً۔

۷۹۔ ایضاً۔

۸۰۔ مطبوعہ ماہنامہ مخزن، لاہور، جون ۱۹۰۳

۸۱۔ مطبوعہ ماہنامہ ہمایوں، لاہور، جنوری ۱۹۴۰

باب دوم

آزاد کشمیر میں قائم ادبی انجمنوں کا مختصر تعارف

ریاست جموں کشمیر کی تقسیم

ریاست جموں و کشمیر کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے پتا چلتا ہے کہ اس کی سرحدیں مختلف ادوار میں حالات اور انقلاباتِ زمانہ کے ہاتھوں سکڑتی اور پھیلتی رہی ہیں۔ راجہ للتا دتیہ اور شہاب الدین جیسے حکمرانوں کے دورِ حکومت میں اس کی سرحدیں اگر ایک طرف بحیرہ عرب سے لے کر کابل اور قندھار تک پھیلی ہوئی تھیں تو دوسری طرف مشرق میں دریائے ستلج کے پار پہنچ چکی تھیں۔ شہاب الدین کے بارے میں محمد دین فوق لکھتے ہیں:

> ''مسلمانوں بادشاہوں میں سلطان شہاب الدین کشمیر میں نہایت نامور بادشاہ گزرا ہے اپنی فتوحات عظیمہ اور شجاعت بے نظیر کے لحاظ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شہاب الدین غوری کی غیور فاتح روح اس کے اندر تڑپ رہی ہے۔'' [۱]

ان عظیم حکمرانوں کی نااہل اولاد کے ہاتھوں کشمیر کی سرحدیں سکڑ کر محدود ہو گئیں۔ ۱۹۴۷ء میں پہلی بار ریاست جموں کشمیر کے پورے وجود کو تین حصوں میں تقسیم ہونا پڑا ریاست کے لیے یہ ایک عظیم سانحہ تھا۔ جس کی اب تک تلافی نہیں ہو سکی۔ بے شک منصوبہ تقسیم ہند کی رو سے کوئی ایسی صورت یا جواز نہ تھا جو اس کی تقسیم کا باعث بنتا۔ ایم۔اے۔خان لکھتے ہیں:

> ''گویا اس قانونِ ہند کی رو سے بھی ریاستوں کو نہیں چھیڑا گیا اور نہ ہی پاکستان یا ہندوستان میں شامل کیے گئے علاقوں میں کشمیر یا کسی دوسری ریاست کا ذکر ہے بلکہ جو بات مزید واضح ہے وہ یہ کہ تقسیم برطانوی ہند کی ہوئی نہ کہ تقسیم برطانوی ریاستی ہند کی اور ساتھ ہی ریاستوں کے بارے میں وضاحت کر دی گئی کہ ریاستوں کے بارے میں تاج برطانیہ کے سارے اختیارات ختم کر دے گئے۔'' [۲]

۳ جون ۱۹۴۷ء کو تقسیم ہند کا اعلان کرنے کے بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے یہ کہا تھا کہ ہندوستان کی ۵۶۲ ریاستوں کو آزاد اور خود مختار رہنے کا حق ہو گا اور وہ عوام کی مرضی کے مطابق جس حکومت کے ساتھ چاہیں الحاق کرنے میں خود مختار ہوں گی۔'' [۳]

مگر پاکستان اور ہندوستان کی سرحدوں کا تعین کرنے کے لیے برطانوی حکومت کی طرف سے مقرر کردہ ریڈکلف ایوارڈ کمیٹی نے بے ایمانی کرتے ہوئے گورداسپور کا علاقہ ہندوستان کو سونپ دیا جبکہ وہ مسلم اکثریتی علاقہ ہونے کے باعث پاکستان کو ملنا چاہیے تھا۔ بھارتی علاقہ کا کشمیر سے زمینی رابطہ صرف گورداسپور کے ذریعے ممکن تھا اور اس زمینی راستے کے ملنے کے بعد بھارت کی کشمیر تک پہنچنے کی راہ ہموار ہو گئی دوسری جانب مہاراجہ ہری سنگھ نے ہندوستان کے وزیراعظم پنڈت نہرو کے ساتھ مل کر ریاست کے عوام کی مرضی کے خلاف ریاست کا الحاق ہندوستان سے کر دیا اور بقول ڈاکٹر سرفراز حسین مرزا:

> ''۲۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو بھارت سے فوجی امداد طلب کرتے ہوئے ریاست کا بھارت سے الحاق کر دیا بھارتی افواج ۲۷ اکتوبر کو ریاست میں داخل ہو گئیں جنہوں نے مسلمانوں پر مظالم ڈھانا شروع کر دیئے۔'' [۴]

بھارتی فوج کے داخلے اور جارحانہ اقدام کے خلاف کشمیری عوام اٹھ کھڑے ہوئے اور تقریباً ۳۴ ہزار مربع میل علاقہ بزور شمشیر چھین لیا۔ جس میں تقریباً ۵۱۳۴ مربع میل رقبہ پر آزاد حکومت قائم ہوئی اور تقریباً ۲۹ ہزار مربع میل رقبہ شمالی علاقہ جات کے نام سے براہ راست حکومت پاکستان کے کنٹرول میں ہے اور باقی رقبے پر بھارت قابض ہے اس طرح ریاست جموں و کشمیر کا طاقت ور جسم تین حصوں میں بٹ کر مسئلہ کشمیر کی شکل اختیار کر گیا (مقبوضہ کشمیر، آزاد کشمیر اور پاکستان کے زیر کنٹرول علاقہ) یہ مسئلہ حکومت برطانیہ اور بھارت کی ملی بھگت سے پیدا کیا گیا ہے۔ حسن ریاض لکھتے ہیں:

> ''برطانوی پاک و ہند کی تقسیم کے ساتھ ہی پاکستان اور ہندوستان کے درمیان کشمیر کا خطرناک تنازع پیدا ہوا یہ آپ سے آپ پیدا نہیں ہوا اور نہ تقسیم ہند کا لازمی نتیجہ تھا بلکہ پیدا کیا گیا۔'' ۵؎

مقبوضہ کشمیر:

تقسیم ہند کے وقت کشمیر کے درج ذیل تین صوبے تھے۔

۱۔ صوبہ جموں ۲۔ صوبہ کشمیر

۳۔ سرحدی صوبہ جو لداخ، گلگت اور بلتستان پر مشتمل ہے۔

متحدہ ریاست جموں کشمیر کے تینوں صوبوں کا رقبہ ۸۴۴۷۱ مربع میل تھا۔ صوبہ جموں کا کل رقبہ ۱۲۳۷۸ مربع میل ہے تقسیم کے وقت اس کے اضلاع میں ضلع جموں، ضلع ادھم پور، ضلع ریاسی، اور ضلع میرپور شامل تھے۔ جبکہ پونچھ ایک جاگیر تھی۔ صوبہ جموں کا ۹۸۸۰ مربع میل علاقہ بھارت کے پاس ہے۔ جس میں جموں، ادھم پور، ضلع پونچھ اور ریاسی کے علاوہ ضلع کٹھوعہ، ضلع راجوری اور ضلع ڈوڈہ (تقسیم کے بعد نئے اضلاع بنائے گئے ہیں) شامل ہیں۔

صوبہ کشمیر کا کل رقبہ ۸۵۳۹ مربع میل ہے جو دوسرے دونوں صوبوں سے رقبے میں کم ہے مگر اپنی قدرتی خوبصورتی کے باعث جنت نظیر کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کا ۶۸۹۳ مربع میل علاقہ بھارت کے قبضہ میں ہے۔ تقسیم کے وقت یہ تین ضلعوں پر مشتمل تھا۔ اب اس کے چار اضلاع سری نگر، اسلام آباد (اننت ناگ) بارہ مولا، اور پلوامہ مقبوضہ کشمیر میں ہیں۔ سرحدی صوبہ گلگت اور بلتستان جس کی سرحدیں چین اور افغانستان سے ملتی ہیں کا کل رقبہ ۶۳۵۵۴ مربع میل ہے۔ اس کا ۲۴۵۶۹ مربع میل علاقہ مقبوضہ کشمیر کی شکل میں بھارت کے پاس ہے۔ لداخ کا سارا علاقہ مقبوضہ کشمیر میں ہے۔

آزاد کشمیر:

صوبہ جموں کے ۱۲۳۷۸ مربع میل رقبہ میں سے ۲۴۹۸ مربع میل علاقہ آزاد کشمیر میں ہے۔ جس میں میرپور، بھمبر اور کوٹلی کے اضلاع شامل ہیں۔ جبکہ پونچھ کے تین اضلاع راولاکوٹ، باغ اور پلندری آزاد کشمیر میں ہیں۔ صوبہ کشمیر سے ۲۶۳۶ مربع میل علاقہ آزاد کشمیر میں ہے۔ اس کا ضلع مظفرآباد آزاد کشمیر میں ہے۔ مظفرآباد آزاد کشمیر کا صدر مقام ہے۔ اس طرح مجموعی طور پر آزاد کشمیر کا رقبہ ۵۱۳۴ مربع میل ہے جس پر اکتوبر ۱۹۴۷ء میں آزاد حکومت قائم ہوئی۔

پاکستان کے زیر کنٹرول علاقہ :

گلگت، لداخ، اوربلتستان کے ۶۳۵۵۴ مربع میل رقبہ میں سے ۲۹۸۱۴ مربع میل علاقہ پاکستان کے کنٹرول میں ہے جو وزارتِ امور کشمیر اور شمالی علاقہ جات کے زیر انتظام ہے۔

اس طرح تقسیمِ برصغیر کے بعد مہاراجہ ہری سنگھ کے کشمیر کے الحاقِ ہندوستان کے اقدام سے ریاست جموں و کشمیر تقسیم ہو کر ٹکڑوں کی شکل میں دنیا کے نقشے پر موجود ہے۔ اقوام متحدہ کی قراردادوں میں رائے شماری کے وعدوں کے باوجود اب تک اس مسئلہ کا کوئی پائیدار حل جو کشمیریوں کی خواہشات کے مطابق ہو تلاش نہیں کیا گیا اور یوں یہ مسئلہ اقوام متحدہ کے ایجنڈا پر ہونے کے باوجود منطقی حل کی منزل سے کوسوں دور ہے۔ بھارت کا رویہ اس مسئلہ کے حل کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

آزاد کشمیر کا قیام اور اردو کی تشکیل جدید :

اگست ۱۹۴۷ء میں برطانیہ کے زیر کنٹرول متحدہ ہندوستان تقسیم ہو کر دو الگ الگ ملکوں میں بٹ گیا۔ مسلم اکثریت والے علاقے کا نام پاکستان تجویز کیا گیا اور ہندو اکثریت والے خطے کا نام بھارت رکھا گیا۔ ریاست جموں وکشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اس لیے یہاں کے عوام پاکستان کے ساتھ الحاق کرنا چاہتے تھے۔ مگر کشمیر کے مہاراجہ ہری سنگھ نے نہرو کی خواہش کے مطابق اس کا الحاق بھارت سے کر دیا۔

مہاراجہ ہری سنگھ کے اس اقدام سے ضلع پونچھ شعلۂ جوالہ بن گیا۔ پونچھ کے مسلمانوں نے ۲۲ اگست ۱۹۴۷ء کو نیلا بٹ (تحصیل دھیر کوٹ) کے مقام پر ایک جلسہ کر کے مہاراجہ کشمیر کے خلاف اعلان بغاوت کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے بغاوت خود اختیاری کی یہ تحریک راولاکوٹ، باغ، پلندری، کوٹلی، میرپور، اور مظفرآباد تک پھیل گئی اور عوام نے مسلح جہاد کا آغاز کر کے ریاست کا ۳/۱ حصہ ڈوگرہ حکومت اور ہندوستانی فوجیوں سے آزاد کر لیا۔ ۲۶ تو ۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو آزاد کشمیر کے نام سے ایک عارضی اور انقلابی حکومت قائم کرنے کا اعلان کیا گیا جس کا مقصد ڈوگرہ مظالم کا خاتمہ حکومت خود اختیاری کے حق کا حصول، آزادانہ اظہار رائے کے ذریعے نمائندہ و متفقہ حکومت کا قیام اور دو نوزائیدہ مملکتوں میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کرنا تھا۔ ڈاکٹر عبدالغنی اصغر ملک لکھتے ہیں:

> ''انھیں حالات میں ۱۹۴۷ء میں اہل ریاست نے ڈوگرہ حکومت کے خلاف جو مسلح جنگ آزادی شروع کی تھی اس کے نتیجہ میں ریاست کے ایک حصہ کو آزاد کرایا تھا۔ اس آزاد حصہ میں اہل ریاست نے اپنی ایک متوازی حکومت قائم کی تھی یہ حکومت ۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو عارضی جمہوریہ'' آزاد جموں و کشمیر'' کے نام سے وجود میں آئی۔'' ۲۷

یہ اعلان انگریزی روزنامہ سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور کی ۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔ اس انقلابی حکومت نے مہاراجہ ہری سنگھ کی حکمرانی کے تمام اختیارات سلب کر لیے اور اسے عہد نامہ امرتسر کے تحت حاصل شدہ اختیارات سے محروم کر کے اس کے نافذ کردہ تمام قوانین منسوخ کر دیئے۔

چونکہ ریاست کے لوگوں نے صدیوں کی غلامی کے بعد ایک آزاد حکومت قائم کی تھی اس لیے پاکستان اور دنیا کے اخبارات نے ۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کے اس اعلان کو شائع کیا۔ برطانیہ کے مشہور اخبار روزنامہ'' لندن ٹائمز'' نے بھی اس خبر کو شائع کیا۔ پھر ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو آزاد خطہ میں حکومت کو نئے سرے سے ترتیب دیا گیا تو اس کا صدر مقام پلندری (پونچھ) بنایا گیا اور سردار محمد ابراہیم خان اس کے صدر بنے۔ روزنامہ 'پاکستان ٹائمز لاہور' نے ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں اس اعلان کو یوں شائع کیا:

> ''ریاست جموں وکشمیر کے باشندوں نے چند ہفتے ہوئے ایک عارضی حکومت قائم کی تھی جس کا مقصد ناقابل برداشت ڈوگرہ راج کی چیرہ دستیوں کا خاتمہ کرنا تھا اور ریاستی باشندوں جن میں مسلمان، ہندو سب شامل ہیں کا مقصد حق خود اختیاری حاصل کرنا تھا۔ اس حکومت ریاست جموں وکشمیر نے بیشتر علاقہ پر قبضہ کر لیا ہے اور اسے توقع ہے کہ باقی علاقوں کو بھی ڈوگروں کے پنجہ استبداد سے چھڑائے گی۔ حالات کے پیش نظر اسے دوبارہ مرتب کیا

گیا ہے اور سردار محمد ابراہیم خان اس عارضی حکومت کے سربراہ ہوں گے اس کا
صدر مقام مظفرآباد سے تبدیل کر کے پلندری ضلع پونچھ رکھا گیا ہے۔''۸

آزاد کشمیر کا رقبہ ۵۱۳۴ مربع میل یا ۱۳۲۹ کلو میٹر ہے۔ یہ خطہ ۷۳ ڈگری سے ۷۵ ڈگری طول بلد اور ۳۳ ڈگری سے ۳۶ ڈگری عرض بلد پر واقع ہے۔ یہ آٹھ اضلاع باغ، پونچھ، سدھنوتی، کوٹلی، میرپور، بھمبر، مظفرآباد اور نیلم پر مشتمل ہے۔ ریاست کی اپنی مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ ہے۔ ریاست میں پارلیمانی طرزِ حکومت رائج ہے۔ اس کا اپنا قومی پرچم و ترانہ ہے۔ ریاست کے تمام امور کی نگہداشت وزیرِ امورِ کشمیر (جو پاکستان حکومت کے مقرر کردہ ہیں) کرتے ہیں۔

آزاد کشمیر اپنی اساس کے اعتبار سے ایک عبوری انتظامی نظم تھا۔ جس کا مقصد ایک عبوری انتظامیہ کے ذریعے تحریک آزادی کشمیر کو ''بیس کیمپ'' فراہم کرنا تھا۔ لیکن طالع آزما اور اقتدار پرست حکمرانوں نے اس نظام کی آڑ میں اقتدار اور حکومت کو زراندوزی کا ایک مستقل ذریعہ بنا لیا۔ پاکستان کی سیاسی تاریخ میں زاہد چوہدری ''آزاد کشمیر میں شرمناک کشمکشِ اقتدار'' کے عنوان سے یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

> ''۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو سردار محمد ابراہیم خان کی زیر صدارت آزاد کشمیر کی حکومت کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد جو لوگ جنگ آزادی کی سیاسی رہنمائی کے ذمہ دار بنے تھے ان میں اکثر نہایت ہی غیر ذمہ دار ثابت ہوئے انہوں نے جنگ آزادی کی فتح کے لیے بھرپور مساعی کرنے کی بجائے اپنی بیشتر توجہ متروکہ جائیدادوں پر قبضہ کرنے کی طرف مبذول رکھی وہ نہ صرف آزاد کشمیر کے علاقے میں غیر مسلموں کی منقولہ وغیر منقولہ جائیدادوں کو غصب کرنے میں مصروف رہے بلکہ انہوں نے راولپنڈی مری، ایبٹ آباد، سیالکوٹ، لاہور اور پنجاب کے دوسرے شہری اور دیہاتی علاقوں میں کروڑوں روپے کی متروکہ جائیدادوں پر قبضہ کر لیا۔''۹

نام نہاد پارلیمانی جمہوری نظام کی آڑ میں معاشی لوٹ کھسوٹ اور سیاسی اقرباء پروری کا وہ بازار گرم کیا گیا کہ ''بیس کیمپ'' کے قیام کے مقاصد اور ذمہ داریوں کو یکسر فراموش کر دیا گیا۔

دوسری طرف ۱۹۳۰ء کے خطبہ الٰہ آباد میں علامہ اقبال نے جس الگ وطن کا تصور دیا اور ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو قرارداد لاہور (بعد میں قرارداد پاکستان) پاس کر کے برصغیر کے مسلمانوں نے اپنی جس منزل کا تعین کر لیا وہ ایک خونریز انقلاب سے گزرنے کے بعد بنا۔ مولانا ماہر القادری مدیر ''فاران کراچی'' لکھتے ہیں:

> ''بڑی سخت آئینی کشمکش کے بعد اس جدوجہد میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی۔ متحدہ ہندوستان تقسیم ہوا اور پاکستان وجود میں آ گیا۔ مگر یہ تقسیم یوں ہی خاموشی کے ساتھ نہیں ہوگئی۔ مسلمانوں کو سچ مچ آگ اور لہو کے دریاؤں سے گزرنا پڑا۔ یہ داستان بڑی المناک ہے۔''۱۰

جس طرح ہر زبان کسی تمدن اور معاشرت کی آئینہ دار ہوتی ہے اسی طرح اردو برصغیر پاک و ہند کی اس مخلوط تہذیب کی عکاس ہے جو عربوں، ایرانیوں، ترکوں اور مقامی باشندوں کے مدت دراز کے میل جول اور خلط ملط

ہونے سے وجود میں آئی۔ لفظ ''اردو'' برصغیر میں مسلم تہذیب و ثقافت کا آئینہ دار ہے۔ اردو کو مسلمانوں کی زبان سمجھتے ہوئے۔ ہندو اور انگریز اسے ختم کرنے کے درپے تھے۔ اسی لیے انگریزوں نے برصغیر کے عوام پر زور دیا کہ وہ انگریزی زبان سیکھیں اور عملی زندگی میں بھی اسے اپنائیں۔ لارڈ میکالے اپنے ایک نوٹ میں لکھتا ہے:

> " We must at present do our best to form a class of persons, Indian in blood and colour but English in taste, in opinions, in morals and in intellect." [۱]

یعنی ایسی تعلیم جس کے فارغ التحصیل لوگ نسل اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہوں مگر ذوق خیالات، عقائد، اخلاقیات اور جملہ ذہنی میلانات کے اعتبار سے انگریز ہوں۔ لیکن مسلم قوم متفق تھی کہ اردو مسلمانانِ ہند کی قومی زبان ہے۔ پاکستان جب اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا اور اسلام پاکستان کا مقصدِ وجود قرار پایا تو ظاہر ہے اس ملک کی قومی زبان اردو ہونی چاہیے۔ کیونکہ اردو زبان اسلامی مقاصد کی ترجمان اور آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کی ترجمان بھی ہے۔ اسی لیے پاکستان کے قیام سے پہلے ہی قائداعظم نے ڈھاکہ میں تقریر کے دوران اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ پاکستان کی قومی زبان اردو ہو گی کیونکہ ان کے خیال میں:

> ''ایک مشترکہ سرکاری زبان کے بغیر کوئی قوم باہم متحد نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی کام کر سکتی ہے۔'' [۲]

فرمان قائد کی تقلید میں پاکستانی قوم سے اتحاد و یکجہتی برقرار رکھنے کے لیے آزاد کشمیر میں اردو کو قومی زبان کا درجہ دیا گیا۔ اور بقول خواجہ غلام احمد پنڈت:

> ''یہ زبان مذہبی و تمدنی اور علاقائی امتیاز کے بغیر عوام کا مشترکہ ذریعہ اظہار، علمی زبان اور ثقافتی ورثہ بن گئی اس طرح اس نے نہ صرف شعری بلکہ نثری سرمائے میں بھی اضافہ کر لیا بلکہ تنقید و تمثیل اور افسانے و ناول وغیرہ میں بھی ایک گراں قدر ادبی ذخیرہ پیدا کر لیا۔ اس میں مسلمانوں نے ہی نہیں بلکہ ہندوؤں نے بھی بھرپور حصہ لیا چنانچہ ۱۹۴۷ء تک جموں و کشمیر اپنے ذخیرہ ادب کے لحاظ سے ایک ممتاز مقام حاصل کر چکا تھا۔'' [۳]

آزادی کے بعد آزاد کشمیر نے اردو کی سرپرستی کرتے ہوئے اسے ۱۹۵۳ء میں دفتری زبان اور ۱۹۶۷ء میں سرکاری زبان کا درجہ دیا۔ ڈاکٹر صابر آفاقی کی رائے میں:

> ''جہاں ماضی میں لسانی وحدت آزاد کشمیر اور پاکستان کے اتحاد کا سبب بنتی رہی ہے۔ مستقبل میں بھی زبان کا یہی اشتراک آزاد کشمیر کے تحفظ اور ارتقاء کا ذریعہ بنتا رہے گا۔'' [۴]

آزاد کشمیر میں اردو زبان کے روز افزوں توسیع کے ساتھ ساتھ یہاں کے اردو کے اہل قلم بھی تیزی کے ساتھ ابھرنے لگے اس کے علاوہ مشرقی پنجاب اور مقبوضہ کشمیر سے شعراء وادباء کی بڑی تعداد نقل مکانی کر کے آزاد کشمیر آ گئی۔ جس سے یہاں شعر و ادب کی روایت کو مزید جلا ملی۔

۱۹۴۷ء کے بعد آزاد حکومت نے کشمیری ادیبوں سے مدارس کی درسی کتابیں لکھوائیں۔ جس نے

اردو کے فروغ میں خاطر خواہ اضافہ کیا اس کے علاوہ آزاد کشمیر کا ریڈیو اسٹیشن بھی اردو زبان کی خدمت کر رہا ہے۔ آج آزاد کشمیر کے سینکڑوں مدرسوں، اسکولوں اور کالجوں میں اردو زبان لکھی، پڑھی اور بولی جاتی ہے۔ اس وقت کشمیر کے کئی سپوت اپنے اپنے حلقۂ اثر میں شاعری، تمثیل نگاری، افسانہ نویسی، اور صحافت کے میدان میں اردو زبان کی قابل قدر خدمات سر انجام دے رہے ہیں۔15

آزاد کشمیر میں اردو کے فروغ و ترقی میں درج ذیل عوامل نے اہم کردار ادا کیا:

۱۔ وادیٔ کشمیر، پونچھ اور جموں کے اہل قلم ہجرت کر کے آزاد کشمیر میں آباد ہوئے اور یہاں آ کر بھی انھوں نے شعر و ادب کے تخلیقی کام کو برقرار رکھا۔

۲۔ اس کے علاوہ اعلیٰ ملازمت کے سلسلے میں پاکستان سے جو حضرات آزاد کشمیر تعینات ہوتے رہے ان میں کچھ ایسے شعراء اور ادباء بھی تھے جن کو ملک گیر شہرت حاصل تھی۔ ان میں فضل احمد کریم فضلی، قدرت اللہ شہاب، علامہ حسین میر کاشمیری، یوسف ظفر، ن۔م۔ راشدؔ، محمود نظامی، سلیم خان گمی اور خاور لدھیانوی شامل ہیں۔

۳۔ آزاد کشمیر کے تعلیمی اداروں میں اردو زبان و ادب کی تدریس کے لیے اردو کا نصاب رائج ہوا۔

۴۔ تعلیم عام ہونے کے باعث اردو ادبیات کا مطالعہ کیا جانے لگا جس نے اردو کی مقبولیت میں مزید اضافہ کیا۔

۵۔ پاکستان سے اردو اخبارات و جرائد آزاد کشمیر میں آنے لگے۔

۶۔ مظفر آباد اور میرپور اردو کے مراکز ہونے کے باعث یہاں آل پاکستان مشاعرے اور ادبی تقریبات ہونے لگیں۔

۷۔ ریڈیو تراڑکھل اور ریڈیو مظفر آباد نے اردو میں پروگرام نشر کرنے شروع کیے۔

۸۔ کشمیری طلباء پاکستان کی یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کے باعث اردو کے زیادہ قریب ہوگئے اور کئی حضرات مختلف یونیورسٹیوں سے ایم۔ اے اردو کر کے آزاد کشمیر کے تعلیمی اداروں میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

۹۔ ۱۹۴۷ء کے بعد آزاد کشمیر میں بہت سے اردو ہفت روزہ اخبارات جاری ہوئے جنھوں نے عوام میں مقبولیت حاصل کی۔

۱۰۔ آزاد کشمیر میں ادبی انجمنیں قائم ہوئیں۔ سکولوں اور کالجوں نے اردو میگزین نکالنا شروع کیے۔

ان اسباب نے آزاد کشمیر کے تمام اضلاع میں اردو کو فروغ دیا۔ اس طرح یہ علاقہ پاکستان کے بڑے ادبی دھارے میں شامل ہو کر اپنے خدوخال نمایاں کر کے رہا ہے۔''16

پاکستان کے آزاد کشمیر سے ثقافتی مذہبی اور لسانی روابط ... ایک تبصرہ

پاکستان اور آزاد کشمیر کے آپس میں گہرے مذہبی، ثقافتی اور لسانی تعلقات ہیں۔ کیونکہ نہ صرف ان دونوں علاقوں کی سرحدیں آپس میں ملتی ہیں بلکہ بقول ڈاکٹر صابر آفاقی:

> ''آزاد کشمیر جغرافیائی، ثقافتی، سیاسی، اقتصادی، مذہبی، اور لسانی، لحاظ سے پاکستان کے ساتھ بالکل اسی طرح وابستہ ہے جس طرح گوشت کے ساتھ ناخن اور بدن کے ساتھ روح ہوتی ہے۔''[۷]

قیام پاکستان سے پہلے قائداعظم نے واشگاف الفاظ میں فرمایا تھا کہ کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے۔ ان کا یہ فرمانا بالکل بجا تھا۔ کیونکہ کسی بھی زاویۂ نظر سے دیکھا جائے تو پاکستان اور آزاد کشمیر قدرتی طور پر ایک ہی خطہ ہیں۔ اس خطے کے نقشے پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر سر کی حیثیت رکھتا ہے اور پاکستان جسم کی۔ اسی لیے ریاست جموں و کشمیر پاکستان کا ایک لازمی حصہ ہونے کے ساتھ ساتھ پاکستان کی شہ رگ بھی ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے؟ اس کا جواب مجملاً درج ذیل ہے۔

جغرافیائی وحدت:

پاکستان اور کشمیر میں جغرافیائی وحدت ہے اس کے بہت سے ثبوت ہیں:

۱۔ پہلا ثبوت وہ دریا ہیں جو ریاست جموں و کشمیر سے ابلتے ہوئے بلندو بالا پہاڑوں کے درمیان اپنا راستہ بناتے ہوئے پاکستان میں داخل ہو کر اس کی سرزمین کو سیراب کرتے ہیں۔ ان دریاؤں میں دریائے سندھ، جہلم، گلگت، نیلم، پونچھ، چناب، اور راوی شامل ہیں۔

بقول پروفیسر محمد سرور عباسی:

> ''یہ دریا کشمیر کے مختلف مقامات سے نکلتے ہیں اور پاکستان کے سمت بہتے ہیں۔ پاکستان میں تربیلا اور منگلا جیسے بڑے بڑے آبی ذخائر اور آب پاشی کے دوسرے نظام انہی دریاؤں پر تعمیر کیے گئے ہیں۔ انہی پر زیادہ تر پاکستان کی زراعت کا دارومدار ہے اور انہی سے بجلی حاصل ہوتی ہے۔''[۸]

۲۔ دونوں علاقوں کے درمیان جغرافیائی یگانگت کا دوسرا ثبوت وہ راستے ہیں جو کشمیر اور پاکستان کو یکجا کرتے ہیں۔ ان راستوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ پنجاب کشمیر مغل روڈ:

یہ سرینگر کو براستہ راجوری بھمبر پنجاب سے ملاتی ہے۔ اس کا پرانا نام نمک روڈ تھا۔ مغلوں نے اسے دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔ اس لیے اب اسے مغل روڈ کہتے ہیں۔

۲۔ سہالہ پونچھ روڈ:

یہ سڑک سرینگر کو براستہ پونچھ راولپنڈی سے ملاتی ہے۔

۳۔ جہلم ویلی روڈ:

یہ سڑک سری نگر کو براستہ مظفر آباد مری پاکستان سے ملاتی ہے۔ کوہالہ سے سری نگر تک یہ سڑک دریائے جہلم کے کنارے کنارے جاتی ہے۔ اسی لیے اسے جہلم ویلی روڈ کہا جاتا ہے۔

۴۔ کشمیر ہزارہ روڈ:

یہ سڑک کشمیر کو پاکستان کے صوبہ، سرحد سے ملاتی ہے۔

۵۔ شاہراہ ریشم:

یہ سڑک شمالی علاقہ جات کو ایک طرف پاکستان سے اور دوسری طرف چین سے ملاتی ہے۔ اسے شاہراہ قراقرم بھی کہتے ہیں۔ ماضی میں چین اور ترکستان کے شہروں بخارا، تاشقند، کاشغر اور سمرقند وغیرہ سے تجارتی قافلے اسی راستے سے کشمیر آیا کرتے تھے۔ ۷جنوری ۱۹۵۹ء میں چین اور پاکستان نے باہمی تعاون سے اس شاہراہ کو از سر نو تعمیر کرانا شروع کیا اور جب یہ سڑک مکمل ہوئی اس کا افتتاح ۱۸ جنوری ۱۹۷۸ء میں صدر پاکستان (صدر ضیاء الحق) نے کیا۔ اب یہ چین پاکستان اور وسطِ ایشیاء کی مسلم ریاستوں کے درمیان زمینی تجارت اور رابطے کا اہم ذریعہ ہے۔

۶۔ سیالکوٹ جموں روڈ:

مگر اس کے برعکس ریاست جموں و کشمیر کا ہندوستان کے درمیان صرف ایک طویل تکلیف دہ، غیرافادی اور غیر قدرتی راستہ ہے۔ جو ہندوستان کو پٹھانکوٹ کے ذریعہ جموں سے ملاتا ہے۔ یہ راستہ بانہال کارٹ روڈ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ سردیوں میں شدید برف باری میں یہ راستہ بند ہو جاتا ہے۔ جس کے باعث ہندوستان کا کشمیر سے زمینی رابطہ منقطع ہو جاتا ہے۔ [۱۹]

ان اہم ترین سڑکوں کے علاوہ دیگر اور راستے بھی ہیں جو آزاد کشمیر کو پاکستان سے ملاتے ہیں۔

۱۔ روالپنڈی سے براستہ کہوٹہ آزاد پتن، پلندری، ہجیرہ اور پونچھ۔

۲۔ راولپنڈی کہوٹہ سے براستہ گل پور، کوٹلی، مدارپور اور پونچھ۔

۳۔ جہلم سے میرپور اور وہاں سے کوٹلی اور پونچھ۔

۴۔ جہلم سے میرپور اور وہاں سے براستہ دھرم سال، جھلنگر، کوٹلی، پونچھ۔

۵۔ جہلم سے براستہ قاضی باقر، بھمبر اور بھمبر سے براستہ نوشہرہ، راجوری۔

ان قدرتی راستوں اور دریاؤں کے بہاؤ کے رخ کو دیکھ کر یہ بات آسانی سے سمجھ میں آتی ہے کہ کشمیر پاکستان کا اٹوٹ انگ ہے۔ پاکستان اور کشمیر ایک ہی علاقے کے دو نام ہیں۔

اقتصادی ضروریات کا لین دین:

اقتصادی اعتبار سے بھی کشمیر اور پاکستان کی حیثیت ایک وحدت کی سی ہے۔ کشمیری عوام پاکستان کے بغیر اور پاکستانی عوام کشمیر کے بغیر اقتصادی اور معاشی طور پر کبھی خوش حال نہیں ہو سکتے۔

خطۂ کشمیر کو خدا تعالیٰ نے دھاتوں، جنگلوں، قیمتی جڑی بوٹیوں، پانی اور پھلوں کی دولت سے نواز ہے۔ اہل پاکستان کو جڑی بوٹیاں دھاتیں، پانی اور جنگلوں کی لکڑی کشمیر مہیا کرتا ہے۔ جبکہ پاکستان اپنی تیار کردہ مصنوعات، خوراک اور دیگر ضرویات زندگی کی اشیاء کشمیر کو مہیا کرتا ہے۔ جو زمینی راستوں (سڑکوں) کے ذریعے آسانی سے پہنچائی جاسکتی ہیں۔

ریاست کے جنگلات کی سب سے بڑی پیداوار یعنی عمارتی لکڑی دریاؤں کے ذریعے پاکستان کے شہروں میں پہنچائی جاتی ہے۔ [۲۰] دریائے توی کی مچھلی خصوصاً مہا شیر بہت لذیذ ہوتی ہے۔ یہ مچھلی اور اس دریا سے

حاصل ہونے والی ریت، پتھر، چونے کا پتھر، اور کنکر تعمیراتی سامان کی طور پر پنجاب بھیجے جاتے ہیں۔ اسی طرح کشمیر میں پاکستانی نمک کی بے حد مانگ ہے۔

اس اقتصادی لین دین نے دونوں ملکوں کو ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم بنا دیا ہے۔ بقول ڈاکٹر محمد صغیر خان:

> ''علاقائی تعلق اور باہمی رابطوں کے نتیجے میں لوگوں کے درمیان معاشی احتیاجات کی یکسانیت کا عمل بھی خود بخود شروع ہو جاتا ہے۔ اہل پنجاب و جموں اور پونچھ کے درمیان بھی متذکرہ روابط کی وجہ سے معاشی ضرورتوں کی ہم آہنگی کا پیدا ہونا قدرتی عمل ہے۔''[۲۱]

سفارتی تعلقات:

زمانہ قدیم سے پاکستان اور کشمیر کے درمیان ہمیشہ خوشگوار سفارتی تعلقات قائم رہے ہیں۔ پاکستان و کشمیر کے درمیان خوشگوار تعلقات کا جائزہ لینے کے لیے جب تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ محمد بن قاسم کے سندھ پر حملے سے لے کر آج تک دونوں ملک قریبی دوست رہے ہیں۔

چودھویں صدی عیسوی میں پنجاب اور سندھ کا علاقہ ریاست کشمیر کے حکمران سلطان شہاب الدین غازی کے زیرِ نگین تھا اور ان کے بعد جب شہزادہ شاہی خان یعنی سلطان زین العابدین بڈشاہ کو تختِ کشمیر حاصل کرنے کے لیے کوشش کرنی پڑی تو علاقہ پوٹھوہار کے دلاور اور بہادر مسلمانوں نے ان کی مالی اعانت کی یہ خوشگوار سفارتی تعلقات آج بھی قائم ہیں۔

ثقافتی یگانگت:

دونوں خطوں کے درمیان ثقافتی اور معاشرتی نقطہ نظر سے بھی وحدت ہے۔ اس وحدت کی بنیاد سلطان محمود غزنوی کے دور میں پڑی۔ بہت سے مسلم علماء وفضلا محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان آئے۔ انھوں نے پنجاب میں اسلامی تعلیمات، رسم و رواج اور اقدار کی اشاعت اور توسیع کا کام کرنے کے بعد کشمیر کا رخ کیا پھر وہاں بھی اسلامی تعلیمات اور اسلامی ثقافت کو فروغ دیا۔ اسی لیے آج پنجاب اور پاکستان کی تہذیب و ثقافت آزاد کشمیر کی تہذیب و ثقافت سے ملتی جلتی ہے۔ جس کے اثرات واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

سب سے بڑا ثقافتی اثر لباس پر نظر آتا ہے۔ اسی وجہ سے پاکستان اور آزاد کشمیر کے مرد و زن کے لباس میں یکسانیت ہے۔ یہ لباس اسلامی اقدار کا مکمل نمونہ ہے۔ اسی طرح فن تعمیر میں بھی مماثلت نظر آتی ہے۔ دونوں خطوں کا فن تعمیر اسلام کی کشادگی، فراخی، وسعت اور عظمت کا مظہر ہے۔ بقول عبدالمجید سالک:

> ''مسلمانوں کی مسجد فراخی، روشنی، وسعت، عظمت، بلندی، ہواداری کے محاسن رکھتی ہے جن سے توحید پرست قوم کے خصائص طبعی واضح ہوتے ہیں... مسلمانوں کے مکانات اور ان کے حکمرانوں کے محلات میں بھی یہی کیفیت نظر آئے گی۔''[۲۲]

شادی بیاہ کے رسم و رواج کے علاوہ مذہبی تہواروں اور رسومات کی ادائیگی کا انداز بھی دونوں علاقوں کی وحدت اور یکسانیت کا ثبوت ہے۔ دونوں خطوں کے باشندے دین اسلام کے پیروکار ہیں اس لیے ان کے رسوم و

رواج، تہذیب وتمدن، رہن سہن اور معاشرت بھی ایک جیسی ہے۔ لوگ ایک دوسرے کے دکھ درد وخوشی میں شریک ہوتے ہیں شادی بیاہ کا کام ہو یا قبر کاٹھ کا انتظام سب کام مل بانٹ کر کیے جاتے ہیں۔

یہ وہ تمام ثقافتی وحدتیں ہیں جو ان دونوں خطوں کو یکسانیت عطا کرتی ہیں۔

مشترکہ لوک ورثہ:

دونوں خطوں کا لوک ورثہ بھی مشترک ہے۔ کشمیری لوک کہانیوں، لوک ناچوں اور لوک گیتوں کے موضوعات زیادہ تر وہی ہیں جو فارسی، پنجابی اور پشتو لوک کہانیوں، لوک ناچوں اور لوک گیتوں کے ہیں۔ اسی طرح دیہاتی کھیلوں مثلاً کبڈی اور کشتی وغیرہ اور تفریحی مشغلوں مثلاً میلے، بزرگانِ دین کے عرس، میلہ مویشیاں اور تماشے دکھانا وغیرہ دونوں خطوں میں مشترک ہیں۔ یہ باہمی ارتباط اہل کشمیر اور اہل پاکستان کو فکری طور پر قریب تر لانے میں معاون ثابت ہوا۔ ڈاکٹر صابر آفاقی لکھتے ہیں:

> ''ان خوبصورت وادیوں کی زبان اور لوک ادب بھی مشترک ہے۔
> مثال کے طور پر مشہور لوک گیت قینچی وادی نیلم کے درشی بن کی پیداوار ہے
> لیکن اسے وادی کاغان میں بھی ذوق شوق سے گایا جاتا ہے۔ اسی طرح
> قینچی نے آزاد کشمیر اور پاکستان کو ملا دیا ہے۔''۲۳

آزاد کشمیر کے علاوہ پاکستان کے صوبہ سرحد میں تلفظ کے معمولی فرق سے قینچی کے ساتھ ساتھ دوسرے لوک گیت یعنی ماہیا، بالو، ڈریا وغیرہ بھی گائے جاتے ہیں۔ اسی طرح لوک موسیقی کا انداز اور اوزاروں کی بناوٹ میں بھی یکسانیت پائی جاتی ہے۔ پاکستان کی طرح آزاد کشمیر میں بھی ونجلی، بانسری، چنگ، ٹھمری، سرنائی، باجا، ڈھول، بین، گھڑا اور چمٹا وغیرہ فنکارانہ مہارت سے بجائے جاتے ہیں۔ جس سے سننے والے مسحور ہو جاتے ہیں۔ کشمیری عوام بھی پاکستانیوں کی طرح موسیقی کے ذریعے روح کو غذا فراہم کرتے آئے ہیں اور یہ عمل آج بھی جاری ہے۔

مذہبی رشتہ:

مذہبی اعتبار سے کشمیری اور پاکستانی عوام ایک ہی اکائی کے دو نام ہیں سرزمین پاکستان میں اسلام کا آغاز ۹۷ ہجری (۷۱۱ عیسوی) میں اس وقت ہوا جب محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کر کے وہاں عربوں کی حکومت قائم کی تھی۔ اس کے بعد آنے والے دنوں میں اسلام ہندوستان کے طول وعرض میں پھیلنا شروع ہوا۔ تو اس کے اثرات کشمیر تک بھی پہنچنے لگے سب سے پہلے جس مسلمان نے کشمیر میں اسلام کی روشنی پہنچانے کا فیصلہ کیا وہ راجہ داہر کے بیٹے جے سیا کا مسلمان ساتھی حمیم بن سامہ تھا جو کشمیر میں جے سیا کے ساتھ پناہ طلب کرنے آیا اور سرینگر کے قریب شاہ کل کے مقام پر آباد ہوا۔ اس کی تبلیغ سے جے سیا بھی مسلمان ہوا۔ کشمیر کا راجہ حمیم بن سامہ کا بے حد احترام کرتا تھا۔ حمیم بن سامہ نے کشمیر میں اشاعتِ اسلام کا کام بخوشی انجام دیا اور اس کام کے لیے اپنی ساری زندگی وقف کر دی۔ ڈاکٹر سید محمد یوسف بخاری لکھتے ہیں:

> ''عرب مبلغ حمیم بن سامہ پہلے مبلغ تھے۔ جنھوں نے اسلام کی تبلیغ
> کی اور یہ زمانہ آٹھویں صدی عیسوی کا زمانہ تھا۔''۲۴

اس کے علاوہ ملتان یا سندھ کے ساحلی علاقوں میں جو عرب مسلمان تاجر تجارت کی غرض سے آتے وہ

وہاں سے تجارت اور اشاعتِ اسلام کے لیے ہندوستان کے باقی علاقوں کا رخ بھی کرتے۔ وہ اپنے سفر کے دوران کشمیر کے زرخیز خطے میں بھی جاتے اور وہاں سے وہ کپڑے، پھل اور جڑی بوٹیوں کے علاوہ زعفران خریدتے۔ عرب مسلمان مقامی لوگوں سے تجارتی لین دین کے روابط کو اسلامی عقائد پھیلانے کا ذریعہ بناتے رہے۔ اس امر کی شہادت میں سید محمود آزاد لکھتے ہیں:

> ''کشمیر کی وادی میں محمد بن قاسم کے حملۂ سندھ سے پہلے اسلامی عقائد و اثرات پہنچ چکے تھے اور ان اثرات کے بانی وہ عرب تاجرو سیاح تھے جن کی تجارت کا سلسلہ چین تک پھیلا ہوا تھا۔ عرب سیاح جب تجارت کی غرض سے روانہ ہوتے تھے تو مختلف ممالک میں رہ کر تجارت کے ساتھ ساتھ اسلامی عقائد کا بھی پرچار کرتے تھے۔'' ۲۵

یہ عرب فاتحین کے اثر و نفوذ کا نتیجہ تھا کہ اسلام آٹھویں صدی عیسوی میں کشمیر میں پھیلنا شروع ہوا اور یہ عرب تاجر موجودہ پاکستانی علاقے کے ذریعے کشمیر کا رخ کرتے رہے۔ اسی لیے پاکستان کے ساتھ ساتھ کشمیر میں بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے اور یہ دینِ اسلام ہے جو پاکستان اور کشمیر کے درمیان ایک مضبوط پل اور قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو ان کا خدا ایک، قرآن ایک، کعبہ ایک اور رسول ﷺ ایک ہیں۔

آزادیٔ کشمیر اور پاکستان:

جب کشمیری مسلمانوں نے ڈوگرہ حکومت کے خلاف بغاوت کا پرچم بلند کیا تو اس تحریک کی کامیابی و کامرانی کے لیے ریاست جموں و کشمیر کے عوام کے علاوہ پاکستانی مسلمانوں نے بھی قربانیاں دیں۔ تحریک آزادیٔ کشمیر کے سلسلے میں ایک غیر ریاستی نوجوان عبدالقدیر کا نام ہمیشہ سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔ جس نے ۲۱ جون ۱۹۳۱ء میں سرینگر میں ایک جلسۂ عام میں ڈوگرہ ظلم و تشدد کو ختم کرنے کے لیے کشمیری مسلمانوں کو اٹھ کھڑا ہونے کے لیے کہا تھا۔ ڈوگرہ حکومت نے ۲۵ جون ۱۹۳۱ء کو عبدالقدیر کو نسیم باغ میں مقیم بوٹ ہاؤس سے گرفتار کر لیا اور جب ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کے دن جو اس کی پیشی کا دن تھا مسلمانانِ کشمیر جیل کے باہر جمع ہو کر مظاہرہ کرنے لگے۔ ڈوگرہ پولیس نے مشتعل ہو کر ان مظاہرین پر فائرنگ شروع کر دی۔ جس کے باعث ۲۲ مسلمان شہید ہوئے اور بے شمار زخمی ہو گئے۔

جب ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کے خونچکاں واقعات کی خبریں ہندوستان میں پہنچیں تو وہاں کے مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ اور انھوں نے کشمیری مسلمانوں کے قتل عام کے خلاف احتجاج کرنا شروع کر دیا۔

اکتوبر ۱۹۳۱ء میں مجلسِ احرار کشمیری مسلمانوں کی امداد کے لیے آگے بڑھی ان کے جوش و خروش کو دیکھتے ہوئے حکومتِ کشمیر نے ان کے لیڈروں کو گفت و شنید کے لیے سری نگر بلایا۔ مگر اس ملاقات سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ لہٰذا مجلس احرار کے رضاکار ''کشمیر چلو'' کے فلک شگاف نعرے بلند کرتے ہوئے سر پر کفن باندھ کر سیالکوٹ، جہلم اور کوہالہ کے راستے سے ریاستی حدود میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ ان رضاکاروں کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ ڈوگرہ حکومت نے ان رضاکاروں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ریاستی جیلوں میں تل دھرنے کی جگہ باقی نہ رہی۔ ریاست کشمیر میں احرار نے تین ماہ کے عرصے میں پچاس ہزار گرفتاریاں دے کر سول نافرمانی کا نیا ریکارڈ قائم کر کے ڈوگرہ حکومت کی قوتِ مدافعت کو ختم کرنے میں اہم کردار

ادا کیا۔ ۲۶ے

اس تحریک نے غفلت میں پڑے کشمیریوں کو جگا دیا اور وہ کشمیری جو مہاراجہ ہری سنگھ کے ڈر سے سیاسی تحریکات سے دور رہتے تھے اب بڑھ چڑھ کر آزادی کی تحریکوں میں زور شور سے حصہ لینے لگے۔

۱۳ جولائی کے یادگار دن کے بارے میں حبیب کیفوی رقمطراز ہیں:

"۱۳جولائی کا دن تاریخ سے کبھی محو نہیں ہو سکتا تاریخ حریت کشمیر میں اس دن کی اہمیت تھی اس لیے نہیں کہ اس دن کشمیر کے بچوں، جوانوں، اور بوڑھوں نے ہری پربت جیل کے سامنے جام شہادت نوش کیا اور اپنے خون جگر سے ہری پربت کی خاک کو سیراب کیا بلکہ اس دن عملی طور پر جدوجہد آزادیٔ کشمیر کی بنیاد رکھی گئی۔ حکومت کا وہ خوف جو ایک صدی سے مسلمانوں کی روحوں پر طاری تھا اس دن نکل گیا اور آئندہ برسوں میں بے دھڑک میدانِ عمل میں اتر آئے۔" ۲۷ے

ریاست کشمیر کے مسلمانوں کو جگانے میں سے سب سے بڑا ہاتھ موجودہ پاکستانی علاقے کے مسلمانوں کا ہے۔ پاکستانی حکومت اور عوام نے کشمیریوں کی جدوجہد آزادی میں ہمیشہ ان کی مالی، اخلاقی اور عملی مدد کی اور پاکستان مسئلہ کشمیر کو عالمی سطح پر بھی حل کرنے کے لیے کوشاں رہا۔

اسی طرح تقسیم ہند یعنی ۱۹۴۷ء کے بعد جب مہاراجہ ہری سنگھ نے کشمیر کا الحاق ہندوستان کے ساتھ کر دیا۔ کشمیری مسلمانوں اس ناانصافی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے مسلح بغاوت کر دی تو سرحد کے غیور مسلمانوں نے کشمیری بھائیوں کی مدد کے لیے کشمیر کا رخ کیا۔ ان مجاہدین کی مدد سے کشمیری عوام ریاست کے کچھ علاقے پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے جو آج آزاد کشمیر کے نام سے جانا جاتا ہے۔

آزاد کشمیر کی حکومت قائم ہونے کے بعد بھارت ۱۹۴۸ء میں مسئلہ کشمیر کے معاملے کو اقوام متحدہ میں لے گیا تو پاکستانی حکومت نے کشمیریوں کے موقف کی حمایت کرتے ہوئے۔ سر ظفر اللہ چوہدری کو مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں پر سیکورٹی کونسل میں نمائندہ بنا کر بھیجا۔ ۱۵ جنوری ۱۹۴۸ء کو نیویارک LAKESUSSEX میں کونسل نے بحث کا آغاز کیا۔ جس میں پاکستان اور بھارت کے درمیان مسئلہ کشمیر پر بات کی گئی۔ دوسری نشست میں چوہدری ظفر اللہ نے تین گھنٹے تک پاکستان کے موقف پر مدلل تقریر کی۔ ۲۸ے

بھارت کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے یہ مسئلہ آج تک حل نہ ہو سکا لیکن پاکستان حکومت نے بین الاقوامی سطح پر مسئلہ کشمیر کو حل کرنے اور اجاگر کرنے کی ہمیشہ کوشش کی ہے۔

آزاد کشمیر اور پاکستان کا لسانی رشتہ:

آزاد کشمیر کا علاقہ افتخار آباد سے شروع ہو کر تاؤ بٹ تک پھیلا ہوا ہے۔ آزاد کشمیر میں چار بڑی زبانیں اردو، گوجری، پہاڑی اور کشمیری بولی جاتی ہیں۔ اردو پاکستان کی قومی زبان ہے اسی لیے آزاد کشمیر نے ۱۹۶۴ء میں اردو کو قومی زبان بنا کر سرکاری و دفتری زبان قرار دیا۔

کشمیری زبان کا اردو کے ساتھ گہرا تعلق ہے اردو کی طرح کشمیری بھی مسلمانوں بادشاہوں کا دیا ہوا تحفہ ہے۔ ریاست کشمیر پر اردو اور فارسی بولنے والے حکمران حکومت کرتے رہے۔ مقامی لوگوں اور حکمرانوں کے میل

جول کے باعث کشمیری زبان متاثر ہوتی رہی اور اسی لیے کشمیری زبان کا رسم الخط بھی اردو کی طرح ہے۔ اس کے علاوہ کشمیری زبان میں اردو کے محاورات، تلمیحات، استعارات، الفاظ اور تراکیب شامل ہیں۔ اردو شاعری کی بحریں، قافیہ و ردیف، اور مضامین کا اچھوتا پن سب کشمیری شاعری میں موجود ہے۔ اس بارے میں ڈاکٹر سید محمد یوسف بخاری لکھتے ہیں:

> ''جب ہم موجودہ کشمیری شاعری اور زبان پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اس میں وہی رنگ نظر آتا ہے جو اردو شاعری پر چڑھا ہوا ہے اور اسی طرح جب ہم نثر کو دیکھتے ہیں تو ہمیں نثر کا بھی وہی رنگ کشمیری نثر میں رچا نظر آتا ہے جو اردو زبان میں رچا ہوا ہے۔''۲۹

اردو کے علاوہ آزاد کشمیر میں بولی جانی والی علاقائی زبانیں پہاڑی اور گوجری پاکستان کے علاقے وادی کاغان اور گڑھی حبیب اللہ سے لے کر گلگت تک بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔ آزاد کشمیر میں کوہالہ سے لے کر دریائے جہلم کے بائیں کنارے کوٹلی تک پہاڑی بولی جاتی ہے۔ ان علاقوں سے ملحقہ پاکستانی علاقے کوہستان مری اور پوٹھوہار کی زبان بھی یہی ہے۔ اسی طرح آزاد کشمیر میں پاکستان کی علاقائی زبان پنجابی خوب اچھی طرح بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ ماضی کی طرح حال اور مستقبل میں آزاد کشمیر اور پاکستان کے اتحاد کا سبب یہ لسانی وحدت ہی ہوگی۔

آزاد کشمیر کی ادبی سرگرمیاں:

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی حکومت اور ان کے گیارہ سو سالہ تاریخ نے اردو زبان کی ابتداء، ارتقا اور ترویج و اشاعت میں انتہائی اہم کردار ادا کیا ہے۔ جہاں جہاں مسلمان فاتحین اپنے قدم جماتے رہے وہیں ان کی مادری زبان فارسی اور ہندوستان کی مقامی زبانوں کے میل ملاپ سے ایک نئی زبان وجود میں آتی رہی۔ اس نئی زبان کو مختلف جگہوں پر مختلف نام ملے۔ آہستہ آہستہ یہ اپنے خط و خال درست کرتی رہی اور آخر کار اردو کے نام سے جانی گئی۔ پھر یہ زبان مسلم حکمرانوں کے ساتھ ساتھ برصغیر کے طول و عرض میں پھیل گئی۔

ریاست جموں و کشمیر کا برصغیر بالخصوص پنجاب سے علاقائی، معاشرتی، سماجی اور تہذیبی تعلق ہے۔ جموں اور مغربی پنجاب کے مسلمانوں کے درمیان مذہبی، تہذیبی اور ثقافتی روابط صدیوں سے قائم ہیں۔ انھی علاقائی، تہذیبی، سماجی، اور تجارتی تعلقات کے سبب جموں کے لوگ نئی زبان اردو سے کسی حد تک آشنا ہوئے تو یہاں اردو کے اثر و نفوذ کا سلسلہ شروع ہوا۔ پھر اردو سے شغف رکھنے والے لوگوں نے اپنی کاوشوں کے ذریعے ادبی انجمنیں بنا کر جموں و کشمیر کے طول و عرض میں اردو کو رابطے کی زبان بنا دیا۔ اسی لیے کشمیر میں اردو شاعری کی ابتدائی شکل کشمیری اور دیگر زبانوں کے زیر اثر دکھائی دیتی ہے۔ بعد میں جب اردو شاعری ترقی یافتہ دور میں داخل ہوئی تو اسے شیخ نصیرالدین، خواجہ شیداؔ، پنڈت کیفی دہلوی، علم الدین سالک، شاہ دین ہمایوںؔ اور خوشی محمد ناظرؔ جیسے شعراء نے چار چاند لگا دیئے۔

تقسیم ہند اور تحریک آزادی کے عروج کے وقت (۱۹۴۷ء) اردو جموں و کشمیر میں رابطے کی واحد زبان تھی۔ اس کا اپنا ادب اور حلقۂ اثر تھا۔ ریاست کے وجود کا دو حصوں میں تقسیم ہونا بھی اس پر اثر انداز نہ ہو سکا۔ ابھی تک نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد بھی عوامی سطح پر ریاست میں اس کی مقبولیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ تحریک آزادیٔ کشمیر کا لٹریچر ہو یا عام زندگی کے سماجی و معاشرتی معاملات اردو ہی ذریعہ اظہار و بیان ہے۔

تقسیمِ کشمیر کے بعد آزاد کشمیر کی سرحدیں بھمبر سے تاؤ بٹ تک پاکستانی علاقے سے ملی ہوئی ہیں اور اس ملاپ نے جغرافیائی، سیاسی، ثقافتی، اقتصادی، مذہبی، اور لسانی لحاظ سے پاکستان اور آزاد کشمیر کو یک جان دو قالب بنا دیا۔ آزاد کشمیر کے بہت سے علاقوں کا مغربی پنجاب سے ملحق ہونا آزاد کشمیر میں اردو کی ترویج و ارتقا کے لیے نیک فال ثابت ہوا۔ اور پنجاب کے ساتھ ساتھ آزاد کشمیر میں بھی اردو زبان و ادب کو ترقی اور فروغ حاصل ہونے لگا۔

ریاست جموں و کشمیر کی تقسیم سے قبل میرپور (موجودہ آزاد کشمیر) میں ادبی ذوق کی پرورش اور نشو و نما میں غلام محی الدین میرپوری کی مثنوی ''گلزار فقیر'' نے اہم کردار ادا کیا۔ یہ مثنوی ۱۱۳۱ھ میں مکمل ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بارھویں ہجری میں اس علاقے میں شعری و ادبی ذوق اپنے خدوخال بنا چکا تھا۔ اس نے اپنے بعد آنے والے شعراء اور ادبا کے لیے راستے متعین کر دیئے تھے۔ پھر انیسویں صدی کے آخر میں میرپور کے قصبہ کھڑی شریف سے تعلق رکھنے والے عالمی شہرت یافتہ صوفی شاعر میاں محمد بخشؒ نے شہرہ آفاق مثنوی ''سیف الملوک'' پنجابی زبان میں لکھی۔ جو پاکستان اور آزاد کشمیر میں زبان زدِ خاص و عام ہے۔ ان کا کلام حکیمانہ اور

صوفیانہ ہے۔ ان کی مثنوی کا اثر کشمیر کے اردو شعراء پر بھی پڑا اور کشمیری شعراء نے اپنی اردو شاعری میں اس مثنوی سے خوشہ چینی کی۔ بعدازاں بیسویں صدی کے نصف دوم میں آزر عسکری، ڈاکٹر صابر آفاقی، الطاف قریشی، شیخ عبدالعزیز علائی اور محمد خان نشتر وغیرہ نے اردو زبان کے اس پودے کو تناور درخت بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ یہ شعراء کشمیری الاصل تھے کشمیر میں پیدا ہوئے اور وہیں پروان چڑھے۔ انہوں نے اپنی اردو شاعری میں جدت طرازی دکھائی۔ ان کی جودت طبع نے اردو شاعری میں مقامی زبان کے الفاظ تراکیب، تلمیحات، استعارے، اور تشبیہات داخل کیں۔

ریاست جموں و کشمیر کی تقسیم نے نہ صرف گھرانوں کو متاثر کیا بلکہ اہل علم حضرات بھی بکھر گئے۔ بہت سے شعراء و ادباء، پنجاب کی طرف نقل مکانی کر گئے۔ لیکن اس کے باوجود وہ آزاد خطہ میں آتے جاتے رہے جس سے ادبی سرگرمیوں کو فروغ ملتا رہتا تھا۔ ان میں تحسین جعفری، طاؤس بانہالی، میر عبدالعزیز، قیس شروانی، چراغ حسن حسرت، اثر صہبائی اور قمر قمرازی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ پروفیسر عبدالعلیم صدیقی (پ ۱۹۶۵ء) پروفیسر محمد اکرم طاہر (پ ۱۹۳۲ء) اور خمار دہلوی (م ۱۹۸۰ء) وغیرہ نے تقسیم ہند کے وقت برصغیر کے مختلف علاقوں سے ترک وطن کر کے آزاد کشمیر میں مستقل سکونت اختیار کی۔ جس سے شعر و ادب کی روایت کو مزید فروغ ملا۔

اسی طرح مقبوضہ کشمیر کے خطہ سے بھی بہت سے شعراء و ادبا نقل مکانی کر کے آزاد کشمیر آ گئے۔ ان میں میر عبدالعزیز (۱۹۳۴ء تا ۲۰۰۰ء) اسماعیل ذبیح (۱۹۹۴ء تا ۱۹۹۵ء) غلام علی بلبل (پ ۱۹۱۴ء) چراغ حسن حسرت (پ ۱۹۴۰ء تا ۱۹۸۴ء) غلام احمد کشفی (م ۱۹۹۴ء) مسعود کشفی (پ ۱۹۴۰ء)، تحسین جعفری (م ۱۹۹۵ء) رانا فضل حسین راجوری (پ ۱۹۳۱ء) امین طارق قاسمی (۱۹۳۰ء) زید اللہ فہیم (پ ۱۹۴۰ء) احمد شمیم (۱۹۳۰ء تا ۱۹۸۶ء)، بشیر صرفی (م ۱۹۹۴ء) طاؤس بانہالی (پ ۱۹۴۰ء تا ۲۰۰۰ء) اور عماد الدین سوز (م ۱۹۴۱ء) وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان شعراء و ادباء کی کاوشوں کے باعث پاکستان طرح آزاد کشمیر میں بھی اردو کی تشکیل جدید خطوط پر استوار ہوئی۔

آزادی سے پہلے مظفر آباد کے لوگ ادبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے یہ لوگ ادبی مناظروں اور مباحثوں میں حصہ لینے کے لیے سری نگر جایا کرتے تھے مگر آزادی کے بعد آزاد کشمیر "ریڈیو مظفر آباد" کے قیام نے دارالحکومت کی شعری و ادبی سرگرمیوں میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ اس نشرگاہ کو نامور اہل قلم کی قیادت و راہنمائی میسر رہی ہے۔

سلیم خان گمی لکھتے ہیں:

> "۱۶ اپریل ۱۹۴۸ء کو آزاد کشمیر ریڈیو تراڑکھل کا قیام عمل میں آیا جس سے اردو زبان کی خدمت کا کام لیا گیا۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء میں آزاد کشمیر ریڈیو مظفر آباد کا افتتاح ہوا۔ اس وقت سے لے کر اب تک یہ نشری ادارہ بھی اردو زبان کی ترقی کے لیے کام کر رہا ہے۔"[۴۷]

مظفر آباد کے بعد دوسرا بڑا ادبی مرکز میرپور ہے۔ میرپور کی ادبی سرگرمیوں کا بڑا مرکز سری کرن سنگھ گورنمنٹ کالج (اب پوسٹ گریجویٹ کالج) ہے۔ اس کالج نے کئی معروف شعراء و نثر نگار پیدا کیے۔

آزاد کشمیر میں قائم ادبی انجمنوں کا مختصر تعارف:

۱۹۴۷ء کے بعد آزاد کشمیر میں شعراء و ادباء جمع ہونے لگے تو انھوں نے محسوس کیا کہ اردو ادب و زبان کے فروغ، کشمیری عوام میں سیاسی وسماجی اور ثقافتی شعور کی بیداری اور ادبی ذوق پیدا کرنے کے لئے آزاد خطہ میں بھی انجمن سازی کرنی چاہیے تا کہ ان ادبی انجمنوں کے ذریعے اردو زبان و ادب کو نظم و نثر کی نئی اصناف سے متعارف کرانے کے ساتھ ساتھ لوگوں میں مشرقیت ابھارنے کی کوشش کی جائے اور قدیم علمی و ادبی شاہکاروں کو ازسرِ نو شائع کر کے ان کی اہمیت کا احساس پیدا کیا جائے۔

ان انجمنوں نے ادباء و شعراء کو ایک نیا پلیٹ فارم مہیا کیا جہاں ممبران انجمن اکٹھے ہو کر ایک دوسرے کو اپنی فنی تخلیقات سناتے ہیں۔ وہ کشمیر کے برف پوش پہاڑوں، بہتے دریاؤں، گنگناتی آبشاروں، آتشیں چناروں، جوئباروں، نزہت زاروں، نقرئی جھیلوں، سنہری زعفران زاروں اور بنفشہ زاروں کا ذکر اپنی شاعری میں کر کے اپنی قلبی کسک اور تڑپ کا اظہار کرتے ہیں اور وادیٔ کشمیر میں بیتے ہوئے خوشگوار دنوں کو یاد کر کے وہاں دوبارہ لوٹ جانے کی تمنا کرتے ہیں۔ ان ادبی انجمنوں میں تنقیدی مقالات بھی پڑھے جاتے ہیں۔ کشمیری شعراء کی شعری سرگرمیوں کا ایک اہم عنوان تحریک آزادیٔ کشمیر بھی ہے۔ انہوں نے بھارتی سامراجی نظام، بھارتی فوج کے مظالم، کشمیریوں کی پکڑ دھکڑ، کشمیریوں کی نسل کشی، خواتین کے ساتھ ناروا سلوک، کشمیری جنگلات کا بے دریغ کٹاؤ، کشمیریوں کی صنعت وحرفت کی بھارتیوں کے ہاتھوں تباہی اور کشمیر کے حسنِ بے مثال کی پائمالی کو موضوع بنانے کے ساتھ انہوں نے کشمیری عوام کو خواب غفلت سے جگانے کے لیے رزمیہ نغمات و ترانے بھی لکھے ہیں جن کو پڑھ کر دل میں جرأت، بہادری اور جان نثاری کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اس پس منظر میں آزاد خطہ کے شعراء نے بلحاظ مقدار ایک معقول اور وقیع سرمایۂ سخن تخلیق کیا ہے۔

ان ادبی مجالس کے قیام کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ شعر و ادب کے ساتھ عام لوگوں کی دلچسپی بڑھ گئی اور وہ بھی ذوق و شوق سے ان ادبی مجالس میں شرکت کرتے ہیں۔ آزاد کشمیر میں اردو زبان کی ترویج و اشاعت میں ان انجمنوں کا بڑا واضح کردار ہے۔ ان ادبی انجمنوں سے وابستہ اہل علم افراد کی کاوشوں سے اردو زبان مکمل اور جاندار زبان کی حیثیت سے دنیا کے سامنے آرہی ہے۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ آج کے دور کا کشمیر میں تخلیق شدہ تمام ادب اردو پر ہی مشتمل ہے۔

سب سے پہلے آزاد کشمیر کے دارالحکومت مظفرآباد میں ۱۹۴۹ء میں پہلی ادبی انجمن کا قیام "بزم ادب" کے نام سے عمل میں آیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے مختلف علاقوں میں ادبی انجمنیں قائم ہونا شروع ہوگئیں۔ ان انجمنوں نے اردو ادب پر بڑے گہرے اور دور رس اثرات مرتب کیے ہیں۔ ان انجمنوں کے تحت تخلیق ہونے والے ادب نے عوام کو ذہنی وفکری بالیدگی بخشی، حکومت اور عوام کے مابین حائل خلیج کو پاٹنے کی کوشش کی اور اردو نظم ونثر کے نادر و نایاب نمونے پیش کیے ہیں۔ اردو زبان و ادب کو نئے اسالیب، مفاہیم، استعارے، رمزو ایمائیت، قانونی و سائنسی اصطلاحات، مصادر وماخذ، روزمرہ، محاورات، ضرب الامثال اور تراکیب سے روشناس کیا۔

یہ سرمایہ اردو ادب کے لیے گراں بہا اضافہ ثابت ہوا اور اردو ادب حلاوت و شیرینی کے نئے چٹخاروں سے آشنا ہوا۔ اور بقول سائرہ بانو:

''اردو زبان جس نے ایک ننھی منی زبان کی حیثیت سے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا ایک بھرپور تناور درخت بن چکی ہے۔ جس میں ہر موسم کا رنگ نمایاں تھا۔ آج بھی یہ زبان مسلسل تبدیلیوں سے گزر رہی ہے۔ اس میں انگریزی کے مترادفات اپنی ایک مستقل جگہ بنا رہے ہیں اس سے اردو کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ہو رہا ہے۔'' [۳۱]

ان ادبی انجمنوں کی تفصیل ضلع وار درج ذیل ہے۔

ضلع باغ

باغ آزاد کشمیر پونچھ کا ایک اہم تاریخی ضلع ہے۔ یہ ضلع ۱۳۶۸ مربع کلومیٹر پر مشتمل ہے۔ یہ پہلے راولاکوٹ کی تحصیل تھا مگر ۱۹۸۸ء میں اسے ضلع بنا دیا گیا۔ اس کی تین تحصیلیں ہیں۔ باغ، دھیرکوٹ اور حویلی۔ باغ شہر ۳۴،۲۴ عرض بلد اور ۵۰،۳۷ طول بلد پر واقع ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی ۳۹۶۰ فٹ ہے۔ شہر نالہ ماہل اور نالہ ملہوانی کے سنگم پر واقع ہے۔ شہر کے مشرق میں ۹ ہزار فٹ بلند چوٹی تولی پیر واقع ہے۔ اسلام آباد سے اس کا فاصلہ ۲۰۵ کلومیٹر ہے۔ باغ جدید دور کی ضروری سہولتوں سے آراستہ نہ ہونے کے باوجود تعلیمی لحاظ سے پسماندہ نہیں ہے۔ یہاں کئی سکول و کالج ہیں۔ یہاں کی بیشتر آبادی تعلیم یافتہ ہے اردو زبان و ادب کے فروغ کے لئے اہل ذوق حضرات نے ادبی انجمنیں بنائی ہوئی ہیں۔ ۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء کے زلزلے نے اس شہر کو تہ و بالا کر دیا تھا۔ سکول اور کالج جو مادر علمی کہلاتے ہیں۔ ان کی بے رحم سنگلاخ چھتیں طلباء اور اساتذہ کا مدفن بن گئیں۔ مگر یہ تمام حوادث بھی باغ کے لوگوں سے زندہ رہنے کا جذبہ نہیں چھین سکے۔ آج بھی اہل باغ ادبی انجمنوں کے دھارے کو رواں رکھے ہوئے ہیں۔ ان ادبی انجمنوں کی تفصیل مع کارکردگی درج ذیل ہے۔

''بزم احیائے ادب پونچھ'' کھوئی رٹہ، ضلع باغ

ضلع پونچھ (مقبوضہ کشمیر) ماضی میں ریاست جموں وکشمیر کی علمی و ادبی سرگرمیوں کا گہوارہ رہا ہے۔ ۱۹۴۷ء کی تقسیم کشمیر کے نتیجہ میں پونچھ شہر بھارت کے غاصبانہ قبضے کی نذر ہو گیا۔ اس کا سب سے بڑا نقصان کھوئی رٹہ (حویلی) کو ہوا۔ یہ قصبہ کبھی پونچھ شہر سے متصل ہونے کے باعث ترقی یافتہ خیال کیا جاتا تھا مگر آزادیٔ کشمیر کے بعد یہ آزاد کشمیر کے پسماندہ ترین علاقوں میں شامل ہو گیا۔ چونکہ یہ علاقہ کنٹرول لائن پر موجود ہے اس لئے آزاد حکومت نے ذرائع نقل و حمل اور رسل و رسائل کو بہتر بنانے کی طرف توجہ دی۔ ذرائع آمدورفت کی سہولتوں کے باعث اہل کھوئی رٹہ تعلیمی میدان میں بھی ترقی کرنے لگے تو یہاں کے تعلیم یافتہ افراد نے آزاد کشمیر کے دوسرے شہروں کی طرح کھوئی رٹہ میں بھی ادبی انجمنیں بنانے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ ۲۷ جنوری ۱۹۸۷ء میں کھوئی رٹہ آزاد کشمیر کے مقام پر اہل علم و ادب کا ایک نمائندہ اجلاس منعقد ہوا جس میں ''بزم احیائے ادب پونچھ'' کے نام سے ایک بزم کا قیام عمل میں لایا گیا۔ انجمن کے صدر مختار ہاشمی اور جنرل سیکرٹری پروفیسر ڈاکٹر خواجہ عبدالغنی چنے گئے۔ اس بزم ادب کے قیام کے درج ذیل مقاصد تھے:

''۱۔ پونچھ کی علمی و ادبی روایات کو زندہ کرنا۔

۲۔ ایسے ادب کو تخلیق کیا جائے جو موجودہ گروہی، نسلی اور لسانی منافرتوں کی حوصلہ شکنی کرے۔ محبت اور رواداری کی فضا پیدا کرے۔

۳۔ اسلامی اقدارِ حیات کو فروغ دینا۔

۴۔ آزاد کشمیر کی دوسری علمی و ادبی تحریکات کے ساتھ رابطہ و تعاون بڑھانا۔'' ۳۲

انجمن کے جلسوں میں ۳۰ کے قریب مقامی علمی و ادبی شخصیات شرکت کرتی رہی ہیں۔ اس بزم نے ۷ دسمبر ۱۹۸۸ء اور ۱۱ جنوری ۱۹۸۹ء کو ڈگری کالج کھوڑہ میں مشاعرے کرائے جن میں مقامی شعراء نے شرکت کر کے اپنا اپنا کلام سنایا۔ انجمن کے زیر اہتمام چند ایک مشاعروں اور مباحثوں کے پروگرام منعقد ہوئے تھے کہ ۱۹۸۸ء میں تحریک آزادی کشمیر کا آغاز ہو گیا۔ جس کے نتیجے میں بے شمار مہاجرین مقبوضہ کشمیر سے ہجرت کر کے کھوڑہ (حویلی) آ گئے۔ اہل کھوڑہ اپنی تمام سرگرمیاں چھوڑ کر مہاجرین کی آبادکاری کی طرف متوجہ ہو گئے اور اہل علم بھی ادبی سرگرمیوں کو جاری نہ رکھ سکے جس کے باعث انجمن کے اجلاس تعطل کا شکار ہو گئے اور ۱۹۹۴ء میں عملاً انجمن کا وجود ختم ہو گیا۔

''بزم اہل علم و دانش'' کھوڑہ، ضلع باغ

اکتوبر ۱۹۹۴ء میں کھوڑہ میں علمی و ادبی سرگرمیوں کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے ''بزم احیائے ادب پونچھ'' کا از سرِ نو احیاء کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور اس کا نام بدل کر ''بزم اہل علم و دانش'' کھوڑہ رکھ دیا گیا۔ اس کے عہدیداران میں:

چیف آرگنائزر: سردار محمد فاروق خان تبسم، اسسٹنٹ کمشنر حویلی

سرپرست اعلیٰ: سردار محمد کبیر خان، پرنسپل بوائز ڈگری کالج حویلی کھوڑہ

صدر: راجہ محمد فرید خان راٹھور

سیکرٹری جنرل: چوہدری محمد حسین، اسسٹنٹ پروفیسر بوائز ڈگری کالج کھوڑہ حویلی

نائب صدر: پروفیسر ڈاکٹر عبدالغنی

بزم کے مقاصد یہ تھے:

۱۔ اردو ادب کی ترویج و فروغ۔

۲۔ آزاد کشمیر کی ادبی روایت کو مستحکم کرنا۔

۳۔ اہل کشمیر کو ادب کے ذریعے بیدار کرنا۔

۴۔ تحریک آزادی کشمیر کو اردو ادب کا موضوع بنانا۔

انجمن کے زیر اہتمام ۶ نومبر ۱۹۹۴ء کو یوم شہدائے جموں کے موقع پر بوائز ڈگری کالج کھوئی رٹہ میں مشاعرہ منعقد کیا گیا۔ جس کی صدارت محمد کبیر خان چغتائی نے کی۔ مشاعرے کے لئے یہ طرح مصرع دیا گیا۔

ع ''تمہیں سے اے مجاہدو جہاں کو ثبات ہے''

بزم کے زیر اہتمام دوسرا بڑا مشاعرہ ۲۵ مئی ۱۹۹۵ء کو بوائز ڈگری کالج کھوئی رٹہ میں ہی کیا گیا۔ صدارت محمد کبیر خان نے کی۔ اس مشاعرے میں شعراء نے اردو اور گوجری زبان میں اپنا کلام پیش کیا۔ ۲۰۰۰ء تک انجمن باقاعدگی سے ماہانہ اجلاس منعقد کراتی رہی ہے مگر اس کے بعد اس کے جلسوں میں تعطل پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ یہ انجمن تاحال فعال تو ہے مگر اس نے اب تک کوئی قابل ذکر مشاعرہ کرایا اور نہ ہی کوئی ادبی سرگرمی دکھائی ہے۔

''طلوع ادب''، باغ:

۱۹ اگست ۱۹۹۸ء میں باغ کے چند اصحاب پروفیسر شفیق راجہ، محترمہ پروین رمضان، دلشاد احمد فرآز، غلام عباس بانڈے اور شاہد عباس جعفری نے ''طلوع ادب'' کے نام سے ایک ادبی تنظیم کی داغ بیل ڈالی۔ تنظیم کی پہلی صدر نشین محترمہ پروین رمضان اور سیکرٹری جنرل غلام عباس بانڈے تھے۔ ۲۳ جون ۲۰۰۰ء کو تنظیم کے نئے صدر نشین پروفیسر شفیق راجہ اور سیکرٹری جنرل دلشاد احمد فرآز کو بنایا گیا۔ مئی ۲۰۰۲ء میں ''طلوع ادب'' میں عہدوں کی تقسیم بذریعہ ووٹنگ نئے سرے سے کی گئی۔ اس کے مطابق درج ذیل عہدیدار نامزد کئے گئے۔

	نام	عہدیدار
''۱۔	پروفیسر شفیق راجہ	صدر
۲۔	پروفیسر وجاہت گردیزی	نائب صدر اول
۳۔	تسکین اقبال راشدی	نائب صدر دوم
۴۔	سید شہباز گردیزی	جنرل سیکرٹری
۵۔	سردار بشیر چغتائی	سیکرٹری نشر و اشاعت
۶۔	زبیر حسین زبیری	جوائنٹ سیکرٹری
۷۔	دلشاد احمد فراز	سیکرٹری مالیات'' ۳۳

انجمن کے مستقل اراکین کی تعداد ۳۷ ہے۔ ان سب کا تعلق ضلع باغ سے ہے۔ ان میں سے فرہاد شاہ، پروفیسر مجید احمد شیخ، پروفیسر خاور ندیم، غلام حسین وانی، درویش کاشمیری، چوہدری محمد ارشد، طارق کیانی، راجہ صدیق خان، عبدالرزاق بے کل، غلام عباس، ظفر اقبال عباسی، حکیم محمد صدیق، محمد اشرف وانی، افتخار احمد ندیم اور سید مدثر گردیزی انجمن کے سرگرم اراکین ہیں۔ انجمن کا نصب العین اور اغراض و مقاصد درج ذیل ہیں:

نصب العین:

فروغ ادب کے لئے کوشش و کاوش۔

اغراض و مقاصد:

"۱۔ مقامی شعراء ادیبوں، دانشوروں، صحافی حضرات علمی و ادبی شخصیات کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنا۔

۲۔ باغ میں علمی اور ادبی مجالس کا زیادہ سے زیادہ انعقاد کرنا۔

۳۔ اس قبیلے میں نئے آنے والوں کی حوصلہ افزائی اور راہنمائی کرنا۔

۴۔ علاقے میں مختلف مقامات اور تعلیمی اداروں میں مشاعروں اور علمی تقاریب کا انعقاد کرنا تاکہ عام آدمی بھی ان محفلوں میں شرکت کر سکے۔

۵۔ علمی و ادبی اعتبار سے ملک کی قدر آور شخصیات کو اپنی تقریبات میں مدعو کرنا۔

۶۔ مقامی شعراء اور نثر نگاروں کو تحریک آزادیٔ کشمیر میں قلمی جہاد کی ترغیب دلانا۔

۷۔ باغ کا واحد ادبی جریدہ (مطلع) کو تسلسل سے جاری رکھنا۔

۸۔ پندرہ روزہ ادبی نشستوں کا تسلسل کے ساتھ انعقاد اور ان نشستوں میں نوجوان شعراء کو مشاعرہ پڑھنے کا فن، تلفظ کی ادائیگی، علم عروض سے آگاہی سکھانا، طرح مصرع پر طبع آزمائی اور تنقیدی نشستوں کا آغاز کرنا۔

۹۔ اپنے نوجوانوں میں علمی، ادبی، اخلاقی، مذہبی ذوق کی بیداری اور تمام اخلاقی معاشرتی برائیوں سے بیزاری پیدا کرنا۔

۱۰۔ ضلع باغ میں ایک پبلک لائبریری کے قیام کے لئے جدوجہد کرنا بھی طلوع کے مقاصد میں شامل ہے۔" ۴۴

اکتوبر ۲۰۰۰ء کو باغ انٹرنیشنل (ہوٹل) میں انجمن کا اجلاس منعقد کیا گیا۔ جس میں فیصلہ کیا گیا کہ طلوع

ادب کے زیر اہتمام پندرہ روزہ نشستوں کا آغاز کیا جائے گا۔ ۲۰۰۲ء سے لے کر ۲۰۰۷ء تک انجمن کے پلیٹ فارم سے ۱۹۲ پندرروں روزہ نشستوں کا اہتمام تسلسل سے کیا جا چکا ہے۔ انجمن کے اجلاسوں کے بارے میں پروفیسر شفیق راجہ لکھتے ہیں:

"طلوعِ ادب کے جلسوں کے آغاز کا وقت بعد از نماز جمعہ مقرر کیا گیا ہے۔ نشست کی جگہ کا تعین اراکین کی مشاورت سے ایک نشست پہلے کیا جاتا ہے۔ ہر نشست کی ادبی شخصیت کا تعین بھی اسی دن کیا جاتا ہے۔" ۳۵

"طلوعِ ادب" کی پندرہ روزہ نشستوں میں مشاعروں کا بھی انعقاد کیا جاتا ہے۔ مشاعروں میں اراکین کے علاوہ دیگر مقامی اہل ذوق شاعر بھی اپنا کلام سناتے ہیں۔ جلسوں میں تنقیدی نشستوں کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ تنقیدی نشستیں نئے لکھنے والوں کی راہنمائی کا کام کر رہی ہیں۔ ۲۰۰۵ء میں انجمن نے اپنے مرکزی دفتر کے لئے ایک عمارت کرائے پر لے لی ہے۔ انجمن کی زیادہ تر تقریبات کا انعقاد گورنمنٹ بوائز ہائی سکول (باغ) اور النور ہوٹل (باغ) میں کیا جاتا رہا ہے جبکہ کچھ اجلاس دیوان عزیز ہوٹل (باغ) اور باغ انٹرنیشنل ہوٹل میں بھی منعقد کئے گئے ہیں۔ ان نشستوں میں مشاعروں اور کتب کی تعارفی تقریبوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

انجمن نے آزاد کشمیر کے مختلف شعراء کے اعزاز میں شعری نشستوں کا بھی اہتمام کیا ہے۔ جن حضرات کے ساتھ خصوصی شامیں منعقد کی گئیں ان میں ڈاکٹر صابر آفاقی، عباس تابش، مرزا زید اللہ فہیم، اعجاز نعمانی، ڈاکٹر افتخار حسین مغل، ابراہیم گل، اور پروفیسر عبدالعلیم صدیقی شامل ہیں۔ مگر ان سب میں سے ۱۴ مارچ ۲۰۰۵ء میں اسلم ظفر اور ۹ مئی ۲۰۰۷ء میں ڈاکٹر صابر آفاقی کے ساتھ منائی گئی شامیں خصوصیت کی حامل ہیں۔

انجمن کے زیر اہتمام مختلف کتابوں کی تقریب رونمائی بھی منعقد کی گئی ہیں۔ ان میں پروفیسر شفیق راجہ کا شعری مجموعہ "حرف حرف سمیٹوں"، سید شہباز گردیزی کا مجموعہ کلام "حقیقتوں کے عذاب"، دلشاد احمد فراز کا شعری مجموعہ "بساط جاں"، سید امجد گردیزی کا مجموعہ "صدائے نوجواں"، سردار بشیر خان چغتائی کا مجموعہ "راستہ بہت کٹھن ہے"، حکیم محمد صدیق احمد کا "دیوان عشق، گلزار عشق، سی حرفی" اور ایاز عباسی کا مجموعۂ کلام "چھلتے ہیں غزال" شامل ہیں۔ انجمن نے اپنا ادبی جریدہ "مطلع" جاری کیا ہے۔ اس میں ادبی، تاریخی اور ثقافتی موضوعات پر مضامین چھاپے جاتے ہیں۔ شاعری کا حصہ الگ ہے۔ "مطلع" آزاد کشمیر کی ادبی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

"طلوعِ ادب" باغ کی پہلی باقاعدہ ادبی تنظیم ہے۔ جس نے اردو ادب کے فروغ اور ترویج کے لئے ایک ایسا ادارہ قائم کیا جو نئے لکھنے والوں کے لئے ایک سایہ دار درخت کی مانند ہے۔ اس نے پبلک لائبریری بھی قائم کی ہے جس سے علم کا ہر متلاشی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ انجمن کی ادبی نشستوں میں نوجوانوں کے تلفظ کی ادائیگی کی درستی کی جاتی ہے۔ ان کی تخلیقات پر تعمیری تنقید کر کے انھیں مزید اچھا لکھنے کی طرف راغب کیا جاتا ہے۔ طلوعِ ادب کی یہ تمام کوششیں اسے آزاد کشمیر کی دیگر انجمنوں میں منفرد مقام عطا کرتی ہیں۔

"مہر ادب"، ریڑہ، باغ:

۱۶ فروری ۲۰۰۷ء کو ریڑہ باغ کے تشنگانِ ادب نے مل جل کر ایک ادبی انجمن کا قیام عمل میں لایا۔ انجمن کا نام "مہر ادب" تجویز کیا گیا۔ اس کے نگران حافظ محمد انور ساوی، صدر محمد بشارت تشیطؔ، نائب صدور شفیق اے کمال اور لطیف صمیم، جنرل سیکرٹری تقویم طاہرؔ، سیکرٹری اطلاعات سید عمران حمید گیلانی، جائنٹ سیکرٹری خالد اقبال سحرؔ، سیکرٹری مالیات فیاض نور کسانہ اور آرگنائزر اشفاق شادؔ ہیں۔ اس کے ممبران کی تعداد چالیس (۴۰) ہے۔ چند ممبران کے نام درج ذیل ہیں۔

رفاقت عاجزؔ، حقیق پاشاؔ، شمیم اعظمؔ ، امتیاز صدیقی، عاصم سلیم بٹ، عرفان دانشؔ، مسز کمال، ماجد ساگرؔ، نثار بزمیؔ، اقبال انجمؔ، بشارت حسرتؔ، بشیر احمد، غلام اکبر ماگرے، اکسیر کنولؔ، اسماء یونس، نعیم خورشید، دانش منظور، عدالت ماگرے، ضیاء الحق، سعدیہ صدیق، انور سادات، ارم بلوچ، سلطان روم، عبدالقیوم، سلطان اے ذوق، چوہدری محمد اعظم چوہان، عبدالمتین، محمد خلیل، جاوید اقبال نازشؔ، ظفر جمیل ساقیؔ، نزاکت سرفرازی اور محمد یونس۔

انجمن کے اغراض و مقاصد:

> "۱۔ خطے میں ادبی سرگرمیوں کو فروغ دینا (ادبی تقریبات کا انعقاد)۔
> ۲۔ نو آموز شعراء اور ادباء کی حوصلہ افزائی کرنا۔
> ۳۔ ریڑہ میں لائبریری کا قیام۔
> ۴۔ ملکی تہذیب و ثقافت کی حفاظت اور اسے پروان چڑھانا۔
> ۵۔ مہر ادب کا ترجمان سہ ماہی مجلہ "باغ و بہار" کی اشاعت کا اہتمام کرنا۔" ۳۶

"مہر ادب" کے قیام سے لے کر آج تک اس کے زیر اہتمام تسلسل کے ساتھ ہفتہ وار شعری نشستیں تنظیم کے دفتر میں منعقد ہو رہی ہیں۔ اس کے قیام یعنی ۱۶ فروری سے لے کر آج تک تسلسل سے ہر ہفتہ بعد از نماز جمعہ ریڑہ (دفتر مہر ادب) میں شعری نشست کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ جس میں نو آموز شعراء اساتذہ کی موجودگی میں اپنا کلام سنا کر ان سے اصلاح لیتے ہیں۔ دسمبر ۲۰۰۷ء تک انجمن کے ۵۲۸ ہفتہ وار اجلاس ہو چکے ہیں۔ انجمن کے مالی اخراجات کو پورا کرنے کے لیے اراکین سے چندہ وصول کیا جاتا ہے۔ صاحب حیثیت ارکان بھی انجمن کی مالی مدد کرتے رہتے ہیں۔

"مہر ادب" کے قیام کے صرف دو ماہ بعد ۱۵ اپریل ۲۰۰۷ء کو ریڑہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ سہ ماہی مجلہ "باغ و بہار" کی اشاعت ایک تاریخی اور مشکل کام تھا جسے انجمن نے بڑی آسانی سے کر دکھایا۔ "باغ و بہار" کے مدیر اعلیٰ محمد بشارت تشیطؔ، مدیران محمد تقویم طاہرؔ اور سید عمران حمید گیلانی ہیں۔ "مہر ادب" کو قائم ہوئے صرف ایک سال ہوا ہے۔ مگر اس کی کارکردگی اور اس کے اراکین کا خلوص دیکھتے ہوئے یہ بات آسانی سے کہی جا سکتی

ہے کہ اس کا مستقبل تابناک ہے۔ انجمن نے آزاد کشمیر کے دور افتادہ علاقے باغ میں علم و ادب کی جو شمع روشن کی ہے وہ علم و ادب کی بے لوث خدمت ہی نہیں کر رہی بلکہ نئے رکھنے والوں کی تخلیقی کاوشوں کی بھی حوصلہ افزائی کر رہی ہے۔

انجمن نے اپنے قیام کے فوراً بعد ہی جو ادبی مجلے کا اجراء کیا ہے یہ اس کی برق رفتاری کا ثبوت ہے۔ اب باغ کے تخلیق کاروں کو اپنی تخلیقات منصۂ شہود پر لانے میں مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ ان کی تخلیقات ''باغ و بہار'' میں چھپیں گی۔ جس سے ان کی حوصلہ افزائی ہو گی۔ یہ انجمن تاحال فعال ہے اور مستقبل میں بڑا مشاعرہ منعقد کرانا چاہتی ہے۔

ضلع بھمبر

آزاد کشمیر کا یہ تاریخی شہر گجرات سے ۲۸ میل، جموں سے ۷۰ کلومیٹر اور میرپور سے ۵۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ ۱۹۸۸ء میں اسے ضلع کا درجہ دیا گیا۔ یہ شہر ۳۲٫۵۸ عرض بلد اور ۸۲٫۸ طول بلد پر واقع ہے اس کی تین تحصیلیں بھمبر، سماہنی اور برنالہ ہیں۔ شہر کے تین اطراف برساتی نالہ ہے جسے بھمبر نالہ کہتے ہیں۔ بھمبر سے براستہ پیر پنجال ایک قدیم سڑک سرینگر جاتی ہے۔ یہ سڑک اکبر بادشاہ کے انجینئر محمد قاسم نے تعمیر کرائی تھی۔ اس لئے اس شاہراہ کو مغل روڈ کہتے ہیں۔ مغل بادشاہ خاص طور پر بادشاہ جہانگیر بھمبر کے راستے کشمیر جایا کرتا تھا اس لئے وہ بھمبر کو ''باب کشمیر'' کہتے تھے۔

چونکہ بھمبر کا پنجاب سے زمینی اتصال ہے۔ اس لئے پنجاب میں ابھرنے والی علمی و ادبی تحریکات کا بھمبر پر براہ راست اثر پڑتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے علم پرور لوگوں نے اہل پنجاب کی طرح اپنے ہاں ادبی انجمنیں بنائیں تاکہ وہ ادبی انجمنوں کے ذریعے اردو زبان و ادب کی بہتر طریقے سے خدمت انجام دے سکیں۔

بھمبر کی ادبی انجمنوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

''مجلس میاں محمدؒ''، بھمبر

ڈاکٹر غلام حسین اظہر اور پروفیسر وجیہ الحسن صفدر شفق کی کوششوں سے ۱۹۸۶ء میں اس کا آغاز ہوا۔ اس کے صدر ڈاکٹر غلام حسین اظہر اور جنرل سیکرٹری پروفیسر وجیہ الحسن صفدر شفق تھے۔

اغراض و مقاصد:

۱۔ ریاست جموں و کشمیر میں اردو ادب کی ترویج و اشاعت کے کام کو فروغ دینا۔

۲۔ کشمیر کے ثقافتی اور تہذیبی کلچر کا فروغ۔

۳۔ تحریک آزادی کشمیر کو ادب کا موضوع بنانا۔

انجمن کے زیر اہتمام مشاعرے منعقد ہوتے رہے۔ ان مشاعروں کی صدارت کے لیے پاکستان سے

ڈاکٹر وحید قریشی، ضمیر جعفری، کرنل شیر احمد اور سید حسن گردیزی کو مدعو کیا جاتا رہا ہے۔ تقریباً دس سال تک اردو ادب کی خدمت کرنے کے بعد یہ انجمن ۱۹۹۵ء میں غیر فعال ہوگئی۔ اس کا سبب ڈاکٹر غلام حسین اظہر (مرحوم) کی علالت تھی۔ ان کی بیماری کے باعث انجمن کا شیرازہ بکھر گیا۔

"کشمیر تھنکرز فورم"، بھمبر

اس کا قیام ۱۹۹۲ء میں عمل میں لایا گیا۔ اس کے بانی ڈاکٹر غلام حسین اظہر اور کنونیئر وجیہہ الحسن صفدر شفق تھے۔ کشمیر تھنکرز فورم ہر مہینے ادب، نعت اور کشمیر کے موضوع پر مشاعرے کراتی تھی۔ اراکین انجمن اور مقامی شعراء اس کے مشاعروں میں اپنا کلام سناتے تھے۔ اس کے مشاعروں کی صدارت کے لیے کھاریاں، گجرات اور جہلم کے شعراء مدعو کیے جاتے تھے۔ بزم نے کشمیر کے موضوع پر کئی معرکتہ الآرا نظمیں لکھوائیں۔ یہ بزم تھوڑا عرصہ فعال رہنے کے بعد ۱۹۹۵ء میں ختم ہوگئی۔

"بزم اہل ذوق"، (کوٹ جمیل)، بھمبر

بھمبر کے لوگوں نے علمی و ادبی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لیے جنوری ۱۹۹۳ء میں "بزم اہل ذوق" کے نام سے ایک ادبی انجمن قائم کی۔ اس کے پہلے صدر محمد فیضان مرزا اور سیکرٹری جنرل مرزا محمد جمیل اجمل (مرحوم) بنے۔ اس کے قیام کے درج ذیل مقاصد بیان کیے گئے ہیں۔

"۱۔ اردو ادب کے حوالے سے بھمبر اور مضافات کے قلمکاروں کی ادبی کاوشوں کو منظر عام پر لانا۔

۲۔ شاعری کے ذوق کو پروان چڑھانا اور شعراء کو مافی الضمیر کے اظہار کا موقع دینا۔

۳۔ تحریک آزادی میں عوام علاقہ کو بیدار کرتے ہوئے شامل کرنا۔" ۳۷

بزم کے اجلاس ماہانہ ہوتے تھے جس میں مشاعرے کے علاوہ تنقیدی نشستیں بھی منعقد ہوتی ہیں۔ تنقیدی نشست میں کوئی شاعر یا مضمون نگار اپنی ادبی کاوش پیش کرتا ہے اور شرکائے بزم اس پر تنقیدی خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ بزم نے ماہانہ مشاعروں کے علاوہ دو ایسے بڑے مشاعرے کرائے ہیں جن میں معروف شاعر اور صحافی مظہر جاوید حسن نے بھی شرکت کی ہے۔

انجمن نے ایک ادبی مجلّہ "شوق" (سہ ماہی) جاری کیا ہوا ہے۔ شوق کا "الطاف قریشی نمبر" بھی شائع ہو چکا ہے۔ وہ ادبی مجلّہ بزم کی علمی و ادبی کاوشوں کو فروغ دینے میں خاصا مددگار ثابت ہوا ہے۔ انجمن تاحال فعال ہے۔ یہ بڑی جانفشانی اور محنت سے اردو ادب کی خدمت بجا لا رہی ہے۔

ضلع راولاکوٹ

ریاست پونچھ کا علاقہ سرسبز و شاداب پہاڑی خطہ ہے۔ یہ سلسلہ ہمالیہ کے عظیم الشان پہاڑ پیر پنجال کے دامن میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ ۱۶۰۰ مربع میل ہے۔ یہاں عرصہ دراز تک ہندو حکمران رہے پھر جب کشمیر میں مسلمانوں کا عمل دخل ہوا تو یہ ان کے زیر نگیں آ گیا۔ تقریباً پانچ سو سال تک یہاں اسلامی حکومت قائم رہی۔ ۳۸ مگر جب ۱۸۴۶ء میں گلاب سنگھ کشمیر کا حکمران بنا تو اس نے اپنے بھتیجے دھیان سنگھ کے فرزند موتی سنگھ کو ۱۹۰۹ء اب میں پونچھ کی جاگیر عطا کی۔ ۱۹۴۷ء کے وقت پونچھ کا مہاراجہ راجکمار جتر دیو سنگھ تھا۔ تقسیم کشمیر کے نتیجے میں پونچھ کی ریاست بھی تقسیم ہو گئی تو پونچھ شہر بھارت کے غاصبانہ قبضے میں چلا گیا۔ مگر ریاست پونچھ کا زیادہ حصہ آزاد کشمیر کے حصے میں آیا۔ اب آزاد پونچھ کا صدر مقام اور بڑا مرکزی شہر راولاکوٹ ہے۔ اس کی تحصیلیں راولاکوٹ، ہجیرہ اور عباسپور ہیں۔ پونچھ کی سرحدیں ایک طرف راولپنڈی (پنجاب) اور دوسری طرف وادی کشمیر سے ملتی ہیں۔ راولاکوٹ سطح سمندر سے ۱۶۱۵ میٹر بلندی پر واقع ہے۔ اس کا رقبہ ۱۴۲۴ مربع کلومیٹر ہے۔ سارا علاقہ سرسبز و شاداب پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ بے شمار قدرتی جھرنوں کے باعث یہاں پانی کی قلت نہیں۔ راولاکوٹ کی زیادہ تر آبادی فوجی ملازمت کو ترجیح دیتی ہے۔ تعلیمی لحاظ سے راولاکوٹ آزاد کشمیر کے دوسرے تمام اضلاع سے زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ یہاں ایگریکلچرل یونیورسٹی کے علاوہ لڑکیوں اور لڑکوں کے سکول و کالجز بھی موجود ہیں۔

راولاکوٹ کہنے کو تو فوجیوں کی سرزمین ہے مگر یہاں کے زندہ دل لوگ جتنی محبت اپنے وطن اور اس کی مٹی سے کرتے ہیں اتنی ہی محبت وہ اپنی زبان سے بھی کرتے ہیں۔ اسی لیے ادبی ذوق رکھنے والے اہل علم حضرات نے یہاں ادبی انجمنیں قائم کی ہیں جن کے ذریعے وہ اردو علم و ادب کی خدمت کر رہے ہیں۔ ان انجمنوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

''بزم علم و ادب''، راولاکوٹ

راولاکوٹ میں علم و ادب کی ترویج اور فروغ کے لیے اہل ذوق حضرات سردار فیاض شاہد (ایڈووکیٹ)، ڈاکٹر شبیر کیانی، ڈاکٹر طاہر، اکرم سہیل، سلیم بسمل، سردار اسحاق اور پروفیسر محمد سلیم نے ایک ادبی انجمن بنانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے ۱۹۸۰ء میں ''بزم علم و ادب'' کے نام سے ایک ادبی انجمن بنائی۔ انجمن کے پہلے صدر سردار مختار خان (ایڈووکیٹ) اور سیکرٹری محمد کبیر خان (مزاح نگار) تھے۔

مقاصد:

۱۔ آزاد کشمیر میں اردو کی ترویج و اشاعت کرنا۔

۲۔ اردو زبان میں نئے الفاظ، محاورات اور تراکیب کا اضافہ کرنا۔

۳۔ ادب کے ذریعے مسئلۂ کشمیر کے موضوع کو دنیا کے سامنے لانا۔

۴۔ اہل کشمیر کو ادب کے ذریعے بیدار کرنا۔

''بزم علم و ادب'' نے کئی ادبی تقریبات کا انعقاد کیا۔ ان تقریبات میں ممتاز اہل قلم کو مدعو کیا جاتا تھا۔ انجمن ہر سال ایک ایسی ادبی تقریب کا اہتمام بھی کرتی رہی ہے جس میں ملک کی نامور ادبی شخصیات کو مدعو کیا جاتا تھا۔ انجمن نے کتب کی تعارفی تقاریب کا بھی انعقاد کیا۔ ان میں ۱۹۸۱ء میں صابر حسین صابر کے شعری مجموعے ''وشت تنہائی'' اور ۱۹۸۳ء میں شمس کاشمیری کی تصنیف ''سری نگر ۷۵ میل'' کی تعارفی تقاریب اہمیت کی حامل ہیں۔

۱۹۸۲ء میں انجمن نے کل پاکستان ادبی سیمینار منعقد کرانے کا فیصلہ کیا۔ سیمینار کا عنوان تھا ''معاشرے کی تعمیر میں ادب کا کردار''۔ سیمینار کا انعقاد حسین شہید بوائز کالج راولاکوٹ کے ہال میں کیا گیا اور اس کی صدارت صدر آزاد جموں و کشمیر (ر) عبدالرحمان نے کی۔ مہمان خصوصی عطا الحق قاسمی اور امجد اسلام امجد تھے۔ آزاد کشمیر سے ڈاکٹر صابر آفاقی، ڈاکٹر نثار ہمدانی، ڈاکٹر افتخار مغل، مخلص وجدانی (مظفرآباد)، پروفیسر شفیق راجہ (باغ)، اسلم راجا (ارجہ)، ڈاکٹر غلام حسین اظہر (بھمبر)، اکرم طاہر (میرپور)، امین طارق قاسمی (میرپور) اور عبدالعلیم صدیقی (پلندری) جیسے نامور شعراء اور ادباء نے شرکت کی۔ جبکہ پاکستان سے سائنس فاؤنڈیشن کے ڈاکٹر شامی، حافظ یعقوب ہاشمی، انوار فیروز، سید عارف، احمد ہاشمی، زاہد مسعود اور عباس نجمی نے بھی شرکت کی۔ تمام شرکائے محفل نے اپنے قیمتی خیالات سے ثابت کیا کہ معاشرے کی تعمیر میں ادب کا اہم کردار ہے۔

دوسرے روز مشاعرے کا انعقاد کیا گیا۔ جس کی صدارت سید ضمیر جعفری نے کی۔ سیمینار میں شرکت کرنے والے تمام احباب نے مشاعرے میں بھی شرکت کی۔ مشاعرہ اپنی نوعیت اور حاضری کے حوالے سے بلاشبہ ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ انجمن نے راولاکوٹ کے لوگوں میں ادبی احساس پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے مگر بزم کا دائرہ کار صرف راولاکوٹ تک محدود تھا۔ اس لئے محمد کبیر خان نے ضرورت محسوس کی کہ آزاد کشمیر کی سطح پر بھی اہل ادب کی تنظیم قائم کی جائے چنانچہ انھوں نے ''بزم علم و ادب''، راولاکوٹ کو ۱۹۸۵ء میں ''جموں و کشمیر ادبی اکیڈمی'' میں ضم کر دیا۔

''بزم ارباب و دانش''، عباسپور، ضلع راولاکوٹ

بزم کا قیام افتخار حسین بٹ (جو اس وقت سول جج عباسپور تھے) اور سردار عبدالستار گوہر (ایڈووکیٹ) کی تحریک پر جنوری ۱۹۸۱ء میں عمل میں لایا گیا۔ اس کے صدر پروفیسر بشیر احمد چودھری اور جنرل سیکرٹری پروفیسر جان محمد آزاد چنے گئے۔ اس کے مقاصد درج ذیل ہیں:

۱۔ پونچھ کے علمی و ادبی ورثہ کی حفاظت کرنا۔

۲۔ تحریک آزادی کشمیر کے موضوع پر مشاعرے کرانا۔

۳۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کے لیے آزاد کشمیر کے دیگر شہروں کے معروف اہل علم کو اپنے جلسوں میں بلانا۔

''بزم اربابِ دانش'' کے زیر اہتمام ہفتہ وار جلسوں اور ماہانہ مشاعروں کا اہتمام کیا جاتا رہا ہے۔ اکثر

مشاعروں میں طرحی مصرع دیا جاتا ہے۔ جس پر اراکین انجمن اور شرکائے محفل غزل لکھ کر لاتے ہیں۔ انجمن نے بڑے بڑے معرکتہ الآرا مشاعرے بھی کرائے ہیں۔ بزم نے سب سے پہلے ۱۲ فروری ۱۹۸۱ء میں ایک طرحی مشاعرہ کرایا جس میں ۳۵ شعراء نے حصہ لیا۔ طرحی مصرع تھا۔

ع ''اس لیے تصویرِ جاناں ہم نے کھچوائی نہیں''

یہ چراغ حسن حسرت کی غزل کا مصرع ہے۔ دوسرا مشاعرہ یکم اکتوبر ۱۹۸۱ء میں ہوا۔ اس مشاعرے میں طرح مصرع تھا۔

ع ''وفا کے نام پہ ہم نے فریب کھائے ہیں''

تیسرا مشاعرہ ۱۵ ستمبر ۱۹۸۳ء میں ہوا جس میں ۴۰ شعراء نے شرکت کی۔ طرح مصرع تھا۔

ع ''مجھے پھر آج اک بھولی کہانی یاد آتی ہے''

انجمن کے زیرِ اہتمام ۲۸ نومبر ۱۹۸۶ء یعنی ۲۵ ربیع الاول کے دن ایک طرحی نعتیہ مشاعرہ ہوا۔ اس مشاعرے میں افتخار حسین بٹ اور عبدالمنان گوہر شرکت نہ کر سکے۔ لیکن باقی اراکین مشاعرے میں موجود تھے۔ طرح مصرع تھا۔

ع ''ان کا کرم بس ان کا کرم ہے، ان کے کرم کی بات نہ پوچھ''

۲۰ نومبر ۱۹۸۷ء کو نعتیہ طرحی مشاعرہ کرایا گیا۔ اس کا مصرع تھا۔

ع ''سرکار پہ ہونے کو ہیں قربان ہزاروں''

پھر کچھ عرصہ بعد ''بزم اربابِ دانش'' کے مشاعروں میں تعطل پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ اس کی وجہ اراکین کا اِدھر اُدھر ہو جانا ہے لیکن جلد ہی عبدالمنان گوہر اور محمد اقبال میرؔ نے انجمن کے بکھرتے ہوئے وجود کو دوبارہ سمیٹ لیا اور انھوں نے یکم ستمبر ۱۹۹۴ء کو نعتیہ طرحی مشاعرہ کرا کر انجمن کی رونقوں کو بحال کر دیا۔ اس مشاعرے میں طرح مصرع تھا۔

ع ''ہم کو کوئے مصطفیٰ کی چاکری اچھی لگی''

اراکین انجمن نے فیصلہ کیا کہ اب ہر ماہ طرحی مشاعرہ کرانے کی بجائے ایک سال یا دو سال بعد مشاعرہ منعقد کرانا چاہیے۔ چنانچہ بزم نے ۲۱ ستمبر ۱۹۹۵ء میں طرحی مشاعرہ کرایا جس کی صدارت ڈپٹی کمشنر چوہدری خورشید صاحب نے کی۔ طرح مصرع تھا۔

ع ''کون آئے گا غریبِ شہر ناپرساں کے پاس''

پھر انجمن نے یکم جنوری ۱۹۹۷ء کو مشاعرہ کرایا۔ مشاعرے کے مہمان خصوصی صادق ڈار (موجودہ ڈائریکٹر جنرل ماحولیات) تھے۔ طرح مصرع تھا۔

ع ''میرے سامنے اس لب کے بوسے جام لیتا تھا''

انجمن نے ۱۵ اپریل ۱۹۹۹ء میں بیرسٹر سلطان محمود چوہدری (سابق وزیرِاعظم آزاد جموں و کشمیر) کے

اعزاز میں مشاعرہ کیا۔ اس میں بھی حسب روایت طرح مصرع دیا گیا۔

ع ''عمر میری تھی مگر اس کو بسر اس نے کیا''

بزم نے ۷ مئی ۲۰۰۱ء کو پھر ۲۰ مارچ ۲۰۰۵ء کو مشاعرہ کرایا۔ ان دونوں مشاعروں کی صدارت کے لیے پروفیسر عبدالعلیم صدیقی صاحب کو مدعو کیا گیا تھا۔ یہ انجمن تاحال فعال ہے۔ انجمن نے مصرع طرح دینے کا جو رواج شروع کیا اس کی بدولت اردو ادب کا دامن اچھوتے خیالات، خوبصورت انداز بیان اور دلکش تشبیہات و استعارات سے بھر گیا ہے۔

''جموں و کشمیر ادبی اکیڈمی''، راولاکوٹ

محمد کبیر خان ایک ایسی ادبی تنظیم قائم کرنا چاہتے تھے جس کا دائرہ کار آزاد کشمیر کی سطح تک پھیلا ہوا ہو۔ چنانچہ انھوں نے جولائی ۱۹۸۳ء میں ''جموں و کشمیر ادبی اکیڈمی'' کے نام سے نئی ادبی انجمن قائم کی۔

قیام کے مقاصد:

جموں و کشمیر ادبی اکیڈمی کے اغراض و مقاصد یہ تھے:

۱۔ کشمیر کی سطح پر ادبی روایت کو مستحکم کرنا۔

۲۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنا۔

۳۔ نئے لکھنے والوں کی نگارشات کی نوک پلک درست کرنا۔

۴۔ شعراء اور ادباء کی حوصلہ افزائی کے لیے انھیں ادبی ایوارڈ دینا۔

انجمن نے مشاعروں کے علاوہ مختلف ادیبوں (آل کشمیر سطح پر) کی کتابوں کی تعارفی تقریبوں کا بھی انعقاد کرایا۔

انجمن نے ۱۹۸۳ء میں مظفرآباد کی شاعرہ سیدہ آمنہ بہار رونا کے شعری مجموعے ''چناروں کی آگ'' کی تعارفی تقریب گرلز ڈگری کالج راولاکوٹ میں منعقد کی۔ جس کے مہمان خصوصی اشفاق احمد تھے۔ مقامی شعراء کے علاوہ عطاء الحق قاسمی، امجد اسلام امجد، ڈاکٹر اجمل نیازی، انوار فیروز، درشہوار فیروز اور شمیم اکرام الحق جیسے نامور اہل قلم نے شرکت کی۔ اسی شام بلدیہ ہال راولاکوٹ میں ایک عظیم الشان مشاعرہ منعقد کیا گیا۔ جس میں متذکرہ بالا احباب نے شرکت کی۔

محمد کبیر خان کی تصنیف ''ہمہ یاراں دشت'' کی تعارفی تقریب ۱۹۸۶ء میں منعقد کی گئی۔ تقریب کی صدارت پروفیسر پریشان خٹک نے کی۔ مہمان خصوصی احمد ندیم قاسمی تھے۔ دیگر شرکاء میں سید ضمیر جعفری، عطاالحق قاسمی، ڈاکٹر اجمل نیازی، قائم نقوی، شفیق سلیمی، نور ملک، ڈاکٹر صابر آفاقی، ڈاکٹر غلام حسین اظہر سمیت دو درجن سے زائد ممتاز اہل ادب شامل تھے۔ تعارفی تقریب کے اختتام پر ''جموں و کشمیر ادبی اکیڈمی'' کی طرف سے ''حسین شہید'' ادبی ایوارڈ دیئے گئے۔ جن احباب کو یہ ایوارڈ دیئے گئے ان میں پروفیسر پریشان خٹک، احمد ندیم قاسمی، سید ضمیر جعفری، عطاالحق قاسمی، ڈاکٹر اجمل نیازی، قائم نقوی، شفیق سلیمی، نور ملک، ڈاکٹر صابر آفاقی، ڈاکٹر

غلام حسین اظہر شامل ہیں۔

راولاکوٹ میں اردو ادب کے دھارے کو رواں کرنے میں ''جموں وکشمیر ادبی اکیڈمی'' کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ اس اکیڈمی نے اردو ادب کو ایسے شعراء اور ادباء دیئے ہیں جن پر اردو ادب ہمیشہ فخر کرتا رہے گا۔

جب ۱۹۸۸ء میں محمد کبیر خان ملازمت کے سلسلے میں بیرون ملک چلے گئے تو یہ انجمن غیر فعال ہوگئی۔

''بزم فروغ ادب''، راولاکوٹ:

یہ تنظیم ۱۹۹۰ء کی دھائی کے شروع میں پروفیسر سید مقصود راہی نے قائم کی۔ اس تنظیم نے مقامی سطح پر ادب کے فروغ میں اپنا کردار مقدور بھر ادا کیا۔ مگر یہ انجمن کوئی بڑا ادبی کارنامہ انجام نہ دے سکی۔ اراکین کے بکھر جانے کے باعث یہ انجمن جلد ہی ختم ہوگئی۔

''کشمیر گلستانِ ادب''، راولاکوٹ:

یہ انجمن ۱۹۹۶ء میں بنائی گئی۔ انجمن کے بانیوں میں پروفیسر سید حسین، احمد حجازی، اصغر خان اصغر، نثار عادل، نعیم خان و لیاقت شعلان شامل ہیں۔ انجمن کی تمام تر ذمہ داریاں اراکین مل جل کر نبھاتے ہیں۔ عہدوں کی تقسیم سے اجتناب کیا گیا ہے۔

تنظیم کو بنانے کے درج ذیل مقاصد ہیں:

۱۔ اردو ادب کے اسلوب میں تازہ کاری کا ثبوت فراہم کرنا۔

۲۔ ادب میں بالیدگی اور سنجیدگی پیدا کرنا۔

۳۔ ادب میں حقیقت پسندی پیدا کرنا۔

''کشمیر گلستانِ ادب'' پندرہ روزہ شعری نشستوں کا باقاعدگی سے اہتمام کرتی ہے۔ جس سے راولاکوٹ میں شعری ادب کے فروغ میں کافی مدد ملی ہے۔ توصیف ترتل، شوزیب کاشر، حمید شاہد، غزالہ غزل اور شکیلہ انجمن کے متحرک اراکین ہیں۔ یہ انجمن اب تک کوئی بڑا پروگرام نہیں کرا سکی تاہم فعال ہے اور آئندہ بڑے علمی و ادبی پروگرام منعقد کرانے کا ارادہ رکھتی ہے۔

''پہاڑی ادبی سنگت''، راولاکوٹ:

یہ تنظیم پہاڑی کے ساتھ ساتھ اردو ادب کے فروغ کے لیے بھی کام کر رہی ہے۔ اس کی بنیاد ۱۹۹۷ء میں راولاکوٹ میں رکھی گئی۔ انجمن کے بارے میں ڈاکٹر محمد صغیر لکھتے ہیں:

> ''انجمن کا کوئی عہدیدار نہیں یہ دوستوں کا اکٹھ ہے جو مل کر انجمن کے تمام کام انجام دیتا ہے۔ اہم اراکین انجمن میں میں خود، حمید کامران، پرویز یعقوب اور فاروق صابر شامل ہیں۔'' ۹۳

تنظیم کے قیام کے مقاصد درج ذیل ہیں:

۱۔ آزاد کشمیر میں اردو ادب کے فروغ کے لیے کوششیں کرنا۔

۲۔ اردو ادب میں علاقائی زبانوں کے الفاظ اور محاورات کا اضافہ کرنا۔

۳۔ ادب کو زندگی کے ہم آہنگ کرنا۔

''پہاڑی ادبی سنگت'' ماہانہ مشاعروں کا انعقاد کرتی ہے جس میں مقامی شعراء ذوق و شوق سے شرکت کرتے ہیں۔ انجمن نے تعارفی تقریبوں کا انعقاد بھی کیا ہے۔ انجمن کے مشاعروں میں آزاد کشمیر کے دوسرے شہروں کے رہنے والے شعراء بھی شرکت کرتے رہے ہیں۔ انجمن نے مختلف کتابوں کی تعارفی تقریبوں کا بھی انعقاد کیا ہے۔ ان میں ڈاکٹر محمد صغیر خان کی کتاب ''پہاڑی لوک گیت'' کی تقریب رونمائی بہت اہمیت کی حامل ہے۔ تقریب کے مہمان خصوصی ڈاکٹر صابر آفاقی اور نثار ناسک تھے۔ کتاب پر اظہار خیال کرنے والوں میں ڈاکٹر ممتاز صادق، پروفیسر ظفر حسین ظفر اور پروفیسر ظہور احمد شامل تھے۔

سنگت نے جولائی ۲۰۰۱ء میں ڈاکٹر صابر آفاقی کے شعری مجموعے ''نئے موسموں کی بشارت'' کی تقریب رونمائی منعقد کی۔ یہ تقریب میونسپل ہال راولاکوٹ میں منعقد کی گئی۔ تقریب کی صدارت سردار مختار خان (ایڈووکیٹ) نے کی۔ ڈاکٹر صابر آفاقی اس تقریب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''یہ دراصل میرے مجموعہ کلام نئے موسموں کی بشارت کی تقریب رونمائی تھی ۔ جن حضرات نے میری شخصیت اور فن پر مقالات پڑھے اور گفتگو کی ان میں ڈاکٹر محمد صغیر خان، سردار سیاب خالد، سردار محمد اشرف خان، محمد سعید اسعد اور پروفیسر عبدالصبور خان قابل ذکر ہیں۔ یہ بھرپور تقریب تھی اور اس میں ایک سو سے زیادہ لوگوں نے شرکت کی تھی۔'' [۴۰]

بعد ازاں مشاعرہ ہوا جس میں ڈاکٹر صابر آفاقی اور مخلص وجدانی کے علاوہ مقامی شعراء نے اپنا کلام سنایا۔

اسی طرح اکتوبر ۲۰۰۳ء میں انجمن نے افضل ضیائی کے مجموعہ ''میرے خواب زنجیریں'' کی تقریب کونسل ہال راولاکوٹ میں منعقد کی۔ صدارت سپیکر اسمبلی سردار سیاب خالد نے کی۔ مہمانانِ خصوصی کے طور پر ڈاکٹر روؤف امیر اور ڈاکٹر صابر آفاقی شریک ہوئے۔ اظہار خیال کرنے والوں میں پروفیسر شفیق راجہ، ڈاکٹر محمد صغیر خان، احمد حجازی اور فاروق صابر شامل ہیں۔ انجمن کے زیر اہتمام دسمبر ۲۰۰۲ء میں لیاقت لئیق کے پہاڑی شعری مجموعے ''مہاڑیاں بگیاڑاں''، اگست ۲۰۰۳ء میں حمید کامران کے پہاڑی شعری مجموعہ ''خوشیاں سانویں رکھ'' اور جون ۲۰۰۴ء میں سید بشیر حسین کی سوانح عمری ''زندہ باد'' کی تعارفی تقاریب کا انعقاد کیا گیا۔

''پہاڑی ادبی سنگت'' راولاکوٹ کے لوگوں میں ادبی ذوق پیدا کر رہی ہے۔ انجمن نے کئی نوآموز شعراء کی پرداخت کی۔ انجمن کے متحرکین اسے ایک فعال اور مفید انجمن بنانے کا عزم کیے ہوئے ہیں۔ امید ہے کہ ان کا یہ عزم اردو ادب کے لیے مفید ثابت ہو گا۔

''ادبی کاوش''، تھوراڑ، راولاکوٹ:

''ادبی کاوش'' کا قیام ۱۹۹۹ء میں عمل میں آیا۔ اس کے بانیوں میں پروفیسر مظہر، پروفیسر فیاض الحق، مسعود شاؔم، ڈاکٹر لیاقت اور امجد حسین شامل ہیں۔ انجمن کے سرپرست اعلیٰ محمد کبیر خان ہیں۔ اس کے صدر امجد خان اور سیکرٹری جنرل مظہر احمد ہیں۔ انجمن کے مستقل اراکین میں فیاض الحق، ظہور احمد، رشید خان اور محمود شائق شامل ہیں۔

تنظیم کے مقاصد درج ذیل ہیں:

۱۔ لوگوں میں اردو لکھنے، پڑھنے اور بولنے کا شوق پیدا کرنا۔
۲۔ پبلک لائبریری کا قیام۔
۳۔ اردو کی مزاحمتی شاعری میں نیا رنگ و آہنگ پیدا کرنا۔
۴۔ تحریک آزادئ کشمیر کے پس منظر کو اجاگر کرنا۔

''کاوش'' کے عام طور پر اجلاس ماہانہ ہوتے ہیں مگر اہم تاریخی دن کے حوالے سے بھی انجمن کے اجلاس منعقد کیے جاتے ہیں۔ انجمن کو درپیش مسائل کے حل کے لیے بھی اجلاس بلائے جاتے ہیں جس میں تنظیم کی فلاح و بہبود اور زبان و ادب کے فروغ کے سلسلے میں اس کے کردار پر بحث کی جاتی ہے۔ انجمن نے ''گوشۂ علم و ادب پبلک لائبریری'' بھی قائم کی ہوئی ہے۔ جہاں اردو ادب کی کتابوں کے لیے الگ گوشہ مخصوص ہے۔ تعلیم کو فروغ دینے کے لیے انجمن نے پبلک انگلش میڈیم سکول بھی قائم کیا ہے۔

انجمن کے تمام اراکین مخلص اور محنتی ہیں وہ اردو ادب کے فروغ اور ترویج کے لیے کوششیں کر رہے ہیں۔ انجمن کے ماہانہ اجلاسوں میں شعراء اپنا کلام سناتے ہیں۔ کبھی کبھار مباحثے اور تقریری مقابلے کا بھی انعقاد کیا جاتا ہے۔ مگر انجمن کے تحت زیادہ تر مشاعرے ہی کرائے جاتے ہیں۔ اس کے محرکین اور منتظمین کے ولولے کو دیکھتے ہوئے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ خطے میں علم و ادب کی روایت کو پروان چڑھانے اور نوجوان نسل میں ادبی ذوق اور مطالعہ کا جذبہ پیدا کرنے میں مدد و معاون ثابت ہو گی۔ ''ادبی کاوش'' نے ۱۶ ستمبر ۲۰۰۲ء کو تھوراڑ کالج میں ڈاکٹر صابر آفاقی کے اعزاز میں ایک عظیم الشان تقریب منعقد کی تھی جہاں ڈاکٹر صاحب کی شخصیت اور فن پر مقالے پڑھے گئے اور مشاعرہ بھی ہوا۔

''سحر ادب''، راولاکوٹ:

۲۰۰۵ء میں سحر ادب کے نام سے ایک نئی ادبی تنظیم بنائی گئی۔ یہ تنظیم اگرچہ آزاد کشمیر کی سطح پر قائم کی گئی

لیکن اس کی فعالیت تاحال راولاکوٹ تک محدود ہے۔ انجمن میں صدر، سیکرٹری اور جنرل سیکرٹری کے عہدوں کی تقسیم نہیں کی گئی۔ انجمن کی ذمہ داریاں احباب کا ایک حلقہ مل کر سرانجام دیتا ہے۔ اراکین کے حلقے میں شوزیب کاشر، نوشین نین، غزالہ غزل، توصیف ترنل شامل ہیں۔

اغراض و مقاصد:

''سحر ادب'' کے اغراض و مقاصد درج ذیل ہیں:

۱۔ اردو ادب کی ترویج۔

۲۔ ادب اور تنقید ادب کو زندگی کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا۔

۳۔ اردو زبان و ادب کو کشمیر کی علاقائی زبانوں اور ثقافت کے قریب لانا۔

''سحر ادب'' پندرہ روزہ شعری نشستوں کا اہتمام کرتی رہی ہے۔ اس نے آل آزاد کشمیر مشاعرے کا انعقاد بھی کیا جو کونسل ہال راولاکوٹ میں ہوا۔ اس نے ادبی ایوارڈز کی تقریب کا بھی انعقاد کیا۔ انجمن کی طرف سے توصیف ترنل نے مظہر جاوید حسن، محمد صغیر آسی، نثار عادل، مقصود راہی اور حمید کامران کو ادبی ایوارڈ دیئے۔

''سحر ادب'' تاحال فعال ہے مگر ۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء کے زلزلے کے باعث اس کی پندرہ روزہ نشستوں میں تعطل پیدا ہو گیا ہے لیکن امید ہے کہ جلد ہی انجمن فعال ہو کر اردو ادب کی خدمت بجا لانا شروع کر دے گی۔

''تخلیق''، راولاکوٹ:

یہ انجمن مئی ۲۰۰۵ء میں بنائی گئی۔ اس کے صدر احمد بخاری، نائب صدر محمد نعیم خان، سیکرٹری فاروق صابر ہیں۔ تقاریب کے نگران لیاقت شعلان ہیں جبکہ ڈاکٹر محمد صغیر خان انجمن کے سرپرست ہیں۔ مستقل اراکین میں احمد ایاز، حمید شاہد، حمید کامران اور حنیف اثر شامل ہیں۔

انجمن کے مقاصد درج ذیل ہیں:

۱۔ علمی و ادبی مجالس کا انعقاد کرنا۔

۲۔ اردو زبان و ادب کا فروغ۔

۳۔ ماہانہ مشاعروں اور ادبی نشستوں کا اہتمام کرنا۔

۴۔ تحریک آزادیٔ کشمیر کے پس منظر کو اجاگر کرنا۔

انجمن کے زیر اہتمام پندرہ روزہ نشستیں تواتر سے ہو رہی ہیں۔ محفل مشاعرہ میں مقامی شعراء کے علاوہ ریاستی شعراء بھی شرکت کرتے رہے ہیں۔

انجمن نے جون ۲۰۰۵ء میں احمد ایاز کے شعری مجموعے ''تخلیق'' کی تقریب رونمائی منعقد کی۔ تقریب کی صدارت سردار فاروق تبسم ڈپٹی کمشنر پونچھ نے کی۔ تقریب کے مہمان خصوصی پروفیسر شفیق راجہ تھے۔ اظہار خیال

کرنے والوں میں لیاقت شعلانؔ، احمد حجازی، پرویز یعقوب، حنیف آثرؔ، فاروق صابرؔ اور ڈاکٹر محمد صغیر خان شامل تھے۔ بزم ''تخلیق'' تاحال فعال ہے اور اردو زبان و ادب کے فروغ کے سلسلے میں جامع پروگرام رکھتی ہے۔ اس کے پروگراموں سے خطۂ کشمیر میں اردو زبان و ادب کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔

''انجمن فروغِ ادب''، ہجیرہ، ضلع راولاکوٹ:

ہجیرہ ضلع پونچھ کا ایک اہم تجارتی مرکز ہے۔ یہاں ادبی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لیے جولائی ۲۰۰۵ء میں ''انجمن فروغ ادب'' کے نام سے ایک ادبی تنظیم کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس کے سرپرست عبدالمنان گوہرؔ (ایڈووکیٹ) ہیں۔ انجمن میں عہدوں کی تقسیم سے اجتناب کیا گیا ہے۔ انجمن کی تمام ذمہ داریاں اراکین انجمن کا ایک حلقہ مل کر سرانجام دیتا ہے۔ مستقل اراکین انجمن میں نسیم انجم، ذوالفقار نقوی اور اتفاق خالق شامل ہیں۔

اغراض و مقاصد:

۱۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنا۔

۲۔ ادب کی افادیت کو اجاگر کرنا۔

۳۔ اہل کشمیر کو اردو شاعری کے ذریعے بیدار کرنا۔

۴۔ ادب کے ذریعے اصلاح معاشرہ کا فریضہ انجام دینا۔

انجمن باقاعدگی سے ماہانہ اجلاس منعقد کراتی ہے جس میں مقامی ادیب اور شاعر شرکت کرتے ہیں۔ وہ اردو شاعری کو تخیلاتی فضا سے نکال کر زندگی کے معروضی حالات کے روبرو کرنا چاہتے ہیں۔ انجمن نے ہجیرہ کے لوگوں میں علمی و ادبی ذوق بڑھایا ہے۔ اس کے اراکین نئے لکھنے والوں کی بھی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ یہ ''انجمن فروغ ادب'' کی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ علم و ادب سے دور دشوار گزار پہاڑی علاقے (ہجیرہ) میں ادبی فضا پیدا ہوئی ہے۔

انجمن نے جولائی ۲۰۰۵ء میں ذوالفقار نقوی کے شعری مجموعے ''نشاہ مکرر'' کی تقریب رونمائی منعقد کی۔ تقریب کالج ہال ہجیرہ میں منعقد ہوئی۔ کتاب کے محاسن کے بارے میں اظہار خیال دلشاد اریبؔ، صبور شیدائی، ڈاکٹر محمد صغیر خان نے کیا۔ تقریب کے صدر عبدالمنان گوہرؔ تھے۔ مہمانانِ خصوصی ڈاکٹر صابرؔ آفاقی اور پروفیسر شفیق راجہ تھے۔ بعد ازاں مشاعرہ ہوا جس میں تمام متذکرہ بالا احباب نے شرکت کی۔

انجمن کی ادبی خدمات کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ آنے والے دنوں میں انجمن اردو ادب کے فروغ کے لیے مزید کوششیں کرے گی۔

ضلع سدھنوتی

ضلع سدھنوتی کا صدر مقام پلندری ہے جبکہ اس کی تحصیلیں پلندری، منگ اور تھوراڑ ہیں۔ یہ سطح سمندر سے ساڑھے تین ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ اس کا تمام علاقہ پہاڑی ہے۔ قبل کاشت اراضی کم ہونے کی وجہ سے پیداوار بھی کم ہے۔ غلہ پنجاب (پاکستان) سے برآمد کیا جاتا ہے۔ قیام پاکستان سے پہلے بھی سدھنوتی کی زیادہ تر آبادی مسلمان تھی۔ زیادہ تر لوگ فوج میں ملازم ہیں۔ فوج میں شمولیت کے باعث عوام میں تعلیمی شعور و آگاہی موجود ہے۔ انتہائی پسماندہ اور غیر ترقی یافتہ ہونے کے باوجود یہاں کے لوگ تعلیمی لحاظ سے پسماندہ نہیں ہیں۔ اس کا بڑا سبب پروفیسر عبدالعلیم صدیقی جیسی علمی، ادبی اور اقبال شناس شخصیت کا ان کے درمیان موجود ہونا ہے۔ ان کی اس علمی و ادبی کاوش پر ڈاکٹر صابر آفاقی انھیں ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

> ''فرزند کشمیر اقبال کا قرض اہل کشمیر پر چلا آ رہا تھا جو آپ نے چکا دیا۔ اب اقبال کو اس ترجمے کی مدد سے سمجھنا ایک ایسا قرض ہے جو آزاد کشمیر کے ہر پڑھے لکھے مرد و زن کو چکانا ہے۔'' [۱۴]

پروفیسر عبدالعلیم صدیقی نے سینکڑوں شاگردوں کو زیور علم سے آراستہ کیا۔ ان میں شعر و ادب کا ذوق پیدا کیا۔ یہ ان کا ادبی فیض ہے کہ اب سدھنوتی میں ''بزم فکر و سخن'' کے نام سے ایک ادبی انجمن ادب کی پرداخت کر رہی ہے۔ اس انجمن کو پروفیسر صاحب کی سرپرستی بھی حاصل ہے۔

''بزم فکر و سخن''، پلندری:

ضلع پلندری نے اردو زبان و ادب کی ترویج و ترقی میں ہمیشہ اہم کردار ادا کیا ہے۔ پلندری کے اہل علم و ادب حضرات علمی و ادبی سرگرمیوں کو پھیلانے اور سنوارنے میں پیش پیش رہے ہیں۔ انھوں نے علم و ادب کی ان سرگرمیوں کو مزید تقویت دینے کے لیے دسمبر ۱۹۹۵ء میں ''مجلس فکر و سخن'' کے نام سے ایک ادبی انجمن قائم کی۔ جلد ہی اس کا نام بدل کر ''بزم فکر و سخن'' رکھ دیا گیا۔ ''بزم فکر و سخن'' کو بنانے کا مشورہ عبدالعلیم صدیقی (ریٹائرڈ پرنسپل) نے دیا۔ پروفیسر عبدالعلیم صدیقی پلندری کی وہ قد آور ادبی شخصیت ہیں جن کی علمی و ادبی خدمات کی بدولت آزاد کشمیر کا نام ادب میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ پروفیسر عبدالعلیم صدیقی کی علمی و ادبی کاوشوں کے اعتراف میں کشمیر کلچرل اکیڈمی آزاد کشمیر نے انھیں ''کشمیر ادبی ایوارڈ ۲۰۰۰ء'' دیا۔ ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں پاکستان حکومت نے ۲۰۰۷ء میں انھیں ''تمغہ امتیاز'' سے نوازا۔

''بزمِ فکر وسخن'' کے سرپرست اعلیٰ پروفیسر عبدالعلیم صدیقی ہیں۔ انجمن کے صدر سردار محمد رشید خان، جنرل سیکرٹری سردار مسعود احمد خان، سیکرٹری مالیات سردار سہراب کاوش اور سیکرٹری نشر و اشاعت عبدالرزاق ہیں۔

بزمِ فکر وسخن کا آئین درج ذیل ہے:

''اغراض و مقاصد:

''۱۔ فکر و خیال کی بنیادی ضرورت سے معاشرے کو روشناس کرانا۔
۲۔ ادبی وفکری سرگرمیوں کا انعقاد۔
۳۔ علمی وفکری مجالس کا انعقاد۔
۴۔ علمی وفکری اور ادبی تصانیف کے لیے لائبریری کا قیام۔
۵۔ تصنیف و تالیف کی حوصلہ افزائی۔

بنیادی اصول:

۱۔ تنظیم اپنی سرگرمیوں کے حوالے سے غیر سیاسی ہوگی۔
۲۔ تنظیم ارکان کی کسی قسم کی وابستگی (سیاسی و غیر سیاسی) سے لاتعلق رہے گی۔
۳۔ آزادیٔ فکر کو بنیادی اصول کے طور پر تسلیم کیا جائے گا۔
۴۔ مجلسِ عاملہ کے فیصلوں کو جو کثرت رائے سے ہوں گے حتمی تصور کیا جائے گا۔

بنیادی ڈھانچہ:

سرپرست:

بزرگ ترین علمی و ادبی شخصیت کو تنظیم کا سرپرست قرار دیا جائے گا۔ سرپرست راہنمائی و مشاورت کا فریضہ سرانجام دے گا۔ انتظامی امور اس کے ذمہ نہ ہوں گے تاہم بوقت ضرورت راہنمائی کے لیے استفادہ کیا جائے گا۔

صدر:

۱۔ تنظیم کا انتظامی سربراہ ہوگا۔
۲۔ مالی معاملات میں خزانچی کے ساتھ شریک ہوگا۔
۳۔ تمام انتظامی معاملات کی نگرانی کرے گا۔
۴۔ تقاریب کے انعقاد کے لیے انتظامات کرے گا۔
۵۔ تنظیم کا جملہ ریکارڈ رکھے گا۔
۶۔ سرپرست کی عدم موجودگی کی صورت میں اس کے فرائض ادا کرے گا۔

سیکرٹری مالیات:

۱۔ تنظیم کے فنڈز جمع کرنے اور محفوظ رکھنے کا ذمہ دار ہوگا۔

۲۔ تنظیم کی آمدنی و خرچ کا حساب رکھے گا۔

۳۔ تقریبات کے مواقع پر اور دیگر ضروریات کے لئے فنڈز خرچ کر سکے گا۔

۴۔ صدر کے ساتھ مشترکہ اکاؤنٹ میں شریک ہوگا۔

۵۔ جنرل سیکرٹری کی عدم موجودگی میں اس کے فرائض ادا کرے گا۔

مجلس عاملہ:

۱۔ تنظیم کے جملہ انتظامی اور دیگر فیصلوں کی ذمہ دار ہوگی۔

۲۔ مجلس عاملہ کے فیصلے کثرت رائے سے ہوں گے۔

۳۔ صدر اور جنرل سیکرٹری اور دیگر عہدیداروں کے انتخابات کا طریقہ کار وضع کرے گی۔

۴۔ عہدیداروں کے انتخابات کی منظوری دے گی جو ہر دو سال کے بعد ہوں گے۔

۵۔ تقریبات کے انعقاد کی منظوری دے گی۔

۶۔ مجلس عاملہ کے ارکان کی کل تعداد آٹھ ہوگی جنہیں صدر نامزد کرے گا۔
جنرل سیکرٹری اور سیکرٹری مالیات بلحاظ عہدہ اس میں شامل ہوں گے۔'' ۴۲

اس آئین کو بزم فکر وسخن کے اجلاس منعقدہ ۲ ستمبر ۲۰۰۲ء میں باتفاق رائے سے منظور کر لیا گیا۔

سرگرمیاں: بزم کی ماہانہ ادبی وشعری نشست ہر ماہ کی پہلی جمعرات کو منعقد ہوتی ہے جس میں اراکین ادبی تخلیقات پیش کرتے ہیں۔ بزم کے زیر اہتمام مختلف موقعوں پر علمی و ادبی تقاریب کا بھی انعقاد کیا جاتا رہا ہے۔ بزم نے کتب کی تعارفی تقاریب کا بھی انعقاد کیا۔''بزم فکر وسخن'' نے پروفیسر عبدالعلیم صدیقی کے شعری مجموعے ''ارمغان مشرق'' کی اولین تعارفی تقریب منعقد کی۔''ارمغان مشرق'' علامہ اقبال کی فارسی تصنیف ''پیام مشرق'' کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔تقریب کے مہمان خصوصی ممتاز ماہر اقبالیات ڈاکٹر رحیم بخش شاہین تھے۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر طفیل ہاشمی، پروفیسر شاہد اقبال کامران اور ممتاز دانشور سردار مختار خان بھی شریک ہوئے۔

پروفیسر عبدالعلیم صدیقی کا دوسرا مجموعہ کلام ''عرفان بے خودی'' ہے جس کی بزم کے زیر اہتمام تعارفی تقریب منعقد کی گئی۔''عرفان بے خودی'' علامہ اقبال کی فارسی تصنیف ''رموز بے خودی'' کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ اس تقریب میں ماہر اقبالیات ڈاکٹر صدیق خان شبلی نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ بزم مختلف مشاعروں اور مباحثوں کا بھی انعقاد کرتی رہتی ہے جن میں ڈاکٹر بشیر سیفی، ممتاز شاعر ڈاکٹر انعام الحق جاوید اور

سردار مختار خان جیسے نامور شاعر اور ادیب مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شرکت کرتے رہے ہیں۔

''بزمِ فکر وسخن'' پلندری ماہانہ مشاعروں کے علاوہ ادبی تقاریب بھی منعقد کرتی ہے جن میں مقامی اور ریاستی شعراء شرکت کرتے ہیں۔ ایسی ہی ایک تقریب اپریل ۲۰۰۷ء میں منعقد کی گئی۔ جس کے بارے میں ''بزم فکر وسخن'' کے جنرل سیکرٹری مسعود احمد خان لکھتے ہیں:

> ''اس تقریب کا مقصد پروفیسر عبدالعلیم صدیقی کی شاندار علمی و ادبی خدمات پر انھیں خراج تحسین پیش کرنا تھا۔ تقریب کے مہمان خصوصی جنرل (ر) محمد عزیز خان تھے جبکہ مدعوئین میں ڈاکٹر محمد صغیر خان، پروفیسر عبدالحق مرآد، پروفیسر شفیق راجہ، جناب زید اللہ فہیم اور محترمہ سلمیٰ صدیقی شامل تھے۔ تمام شرکائے محفل نے عبدالعلیم صدیقی کی ادبی خدمات کو سراہتے ہوئے انھیں خراجِ تحسین پیش کیا۔'' ۳۴

''بزم فکر وسخن'' کے ماہانہ مشاعروں میں پروفیسر عبدالعلیم صدیقی اپنی نئی تخلیقات (فارسی کلام اقبال کا منظوم اردو ترجمہ) کے علاوہ قدیم اردو و فارسی شعراء کا کلام پیش کرتے ہیں۔ ان ماہانہ مشاعروں میں نوجوان شعراء اپنی تخلیقات پیش کرتے ہیں۔ ان نوآموز شعراء میں ماجد محمود ماجد، جمیل اختر، سہراب کاوش، برکت حسین برق، راشد علی عادل وغیرہ شامل ہیں۔

بزم مشاعروں کے علاوہ ایسی تقاریب کا بھی اہتمام کرتی ہے جن میں صرف نثر نگار اپنی تخلیقات پیش کرتے ہیں۔ پروفیسر عبدالعلیم صدیقی کی شخصیت بزم فکر وسخن کے نوعمر اور نوخیز شعراء کے لیے آغوش مادر کا درجہ رکھتی ہے۔ انھوں نے پلندری کے عوام میں شعر وسخن کا ذوق پیدا کیا۔ یہ عبدالعلیم صدیقی کا ہی فیضان نظر ہے کہ آج پلندری اردو کے علمی و ادبی مراکز سے دور ہونے کے باوجود اردو ادب کی آبیاری میں اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔

''بزم فکر و دانش'' کا حالیہ اجلاس ۴ جولائی ۲۰۰۷ء کو پلندری میں منعقد ہوا جس کی صدارت آزاد کشمیر کے ممتاز شاعر اور گورنمنٹ ماڈل سائنس کالج میرپور کے پروفیسر صغیر آسی نے کی۔ اجلاس کی کارروائی کا آغاز اعجاز بٹ نے کلام پاک کی تلاوت سے کیا۔ کفیل نقیبی نے نعت رسولؐ مقبول پیش کی۔ اس کے بعد راشد علی راشد، ضیاالرحمٰن ضیا، برکت حسین برق، سہراب کاوش نے اپنا کلام سنایا۔ صدر محفل صغیر آسی نے بھی اپنی نظم سنائی۔ آخر میں پروفیسر عبدالعلیم صدیقی نے شیخ سعدی شیرازی کے فارسی کلام کا منظوم اردو ترجمہ پیش کیا۔ ''بزم فکر وسخن'' کی ادبی کاوشوں کو دیکھتے ہوئے یہ بات آسانی سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ بزم آئندہ سالوں میں اردو ادب کی تاریخ میں ایک نیا باب رقم کرے گی۔

ضلع کوٹلی

سرسبز پہاڑوں اور چیڑ کے گھنیرے درختوں میں گھرا ہوا کوٹلی قدرت کی انگوٹھی میں نگینہ کی طرح دمک رہا ہے۔ ضلع کوٹلی کے شمال میں ضلع پونچھ، جنوب میں ضلع میرپور، مشرق میں راجوری (مقبوضہ کشمیر) اور مغرب میں ضلع راولپنڈی (پنجاب) واقع ہے۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد میں یہ صوبہ جموں کا حصہ تھا اور اس دور میں اس کو میرپور کی تحصیل کا درجہ حاصل تھا۔ تقسیم کشمیر کے نتیجے میں یہ علاقہ آزاد کشمیر کا حصہ بن گیا۔ کوٹلی ضلع میرپور کی تحصیل تھی مگر ۱۹۷۶ء میں اسے ضلع کا درجہ دے دیا گیا۔ ضلع کوٹلی کا کل رقبہ ۱۸۶۲ مربع کلومیٹر ہے۔ اس کی تین تحصیلیں ہیں کوٹلی، سہنسہ اور فتح پور تھکیالہ۔ بے شک ضلع کا بیشتر حصہ پہاڑی ہے لیکن پہاڑوں کے دامن میں سرسبز و شاداب وادیاں بھی ہیں۔ ضلع کوٹلی کا صدر مقام کوٹلی ۳۱ء۳۳ درجہ عرض بلد اور ۵۷ء۳ درجہ طول بلد پر دریائے پونچھ کے کنارے پر واقع ہے۔ یہاں سے اسلام آباد ۱۴۱ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ دریائے جہلم پر ہولاڑ کے مقام پر واقع پل کوٹلی اور راولپنڈی کو آپس میں ملاتا ہے۔

قیام پاکستان سے پہلے کوٹلی شہر کی جو حالت تھی اس کے بارے میں غازی کشمیر الحاج شیخ محمد سلیم لکھتے ہیں:

> ''قصبہ کوٹلی تحصیل کا صدر مقام ہے اور دریائے پونچھ کے کنارے ایک پہاڑی پر آباد ہے۔ یہاں پر ہندو ساہوکار آباد تھے یا زیادہ تر مسلمان ملاح جو کشمیری قوم سے تعلق رکھتے ہیں یہاں پر ہائی سکول ہے اور ڈاک بنگلہ بھی تھا۔ آب و ہوا اچھی ہے۔ غلہ اس علاقہ میں ضرورت کے مطابق پیدا نہیں ہوتا۔'' ۴۴

کوٹلی کی وجہ تسمیہ کے بارے میں دو رائے زیادہ مستند ہیں:

اول: مقامی حکمران رائے دیار کے انتقال کے بعد اس کے جانشین بیٹے راجہ شہسوار خان نے پہاڑی ڈھلوان پر کوٹ آباد کے نام سے قصبہ آباد کیا۔ ۱۸۴۹ء میں جب گلاب سنگھ کشمیر کا حکمران بنا تو اس نے راجہ شہسوار خان کو اپنی اطاعت کا پیغام بھیجا۔ راجہ شہسوار خان نے اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا جس پر مشتعل ہو کر مہاراجہ گلاب سنگھ کی فوج نے قصبے کو تباہ کر دیا۔ کوٹ آباد کی تباہی کے بعد راجہ شہسوار خان نے ایک مرتبہ پھر پہاڑوں کے دامن میں نئے شہر کی بنیاد ڈالنے کا ارادہ کیا۔ اس نے قصبے کا نام اور مقام بدل کر کوٹ آباد کے بالمقابل دریائے پونچھ کے جنوبی کنارے پر وسیع و عریض میدان میں نیا قصبہ آباد کیا۔ پہاڑوں کے دامن میں واقع ہونے کی نسبت سے اس کا نام کوہ تلی رکھا جو وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے بدلتے کوٹلی بن گیا۔ ۴۵

دوم: کوٹلی سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ڈیرہ یا رہائش گاہ کے ہیں۔ کیونکہ یہاں منگھرال اور سوہلن قبیلے آباد تھے۔ اس لیے اس قصبے کا نام کوٹلی سوہلناں پڑ گیا جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ صرف کوٹلی رہ گیا۔ ۴۶

کوٹلی شہر کی آبادی تقریباً ۵۰ ہزار افراد پر مشتمل ہے۔ یہاں بے شمار خوبصورت مساجد ہیں۔ زیادہ تر مساجد قبلہ محترم پیر کامل جناب محمد صادق صاحب کی بنوائی ہوئی ہیں۔ ان کے طرز تعمیر میں مغل بادشاہ شاہجہان

کے انداز تعمیر کو اپنایا گیا ہے۔ مساجد کی کثرت کے باعث کوٹلی شہر "مدینۃ المساجد" بھی کہلاتا ہے۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے کوٹلی میں لڑکوں کا ہائی سکول اور لڑکیوں کا پرائمری سکول موجود تھا۔ تعلیمی لحاظ سے کوٹلی کافی پسماندہ تھا لیکن آج کوٹلی میں لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے کئی تعلیمی ادارے قائم ہیں۔ اس علمی ترقی نے کوٹلی کے عوام میں ادبی شعور پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اہل کوٹلی نے اپنی علمی و ادبی پیاس بجھانے کے لیے کئی ادبی انجمنیں بنائی ہوئی ہیں جو فرزندانِ علم و ادب کی پرداخت کر رہی ہیں۔

"بزم ادب"، کوٹلی:

تقسیم کشمیر سے قبل کوٹلی کشمیر کا دور افتادہ اور پس ماندہ قصبہ تھا۔ لیکن اس پسماندگی کے باوجود یہ علم و ادب کے لحاظ سے کبھی بانجھ پن کا شکار نہیں رہا۔ ۱۹۴۷ء سے قبل یہاں شیخ عبدالحی ایڈووکیٹ (والد شیخ بشارت ایڈووکیٹ) اور شیخ فیروز بٹ نے ادبی تنظیم قائم کی تھی جو تحریک آزادی کے ہنگاموں کے باعث ۱۹۴۷ء میں ختم ہوگئی تھی۔ اس لئے قیام پاکستان کے بعد یہاں کوئی ادبی تنظیم کام نہیں کر رہی تھی۔ پھر ۱۹۶۰ء میں عبدالحمید نظامی، یاد کاشمیری اور محمد خالد کاشمیری کی مشترکہ کاوشوں سے "بزم ادب" کا قیام عمل میں لایا گیا۔ بزم کے پہلے صدر عبدالحمید نظامی تھے۔ یہ بزم کے مستقل صدر رہے۔ بزم کے قیام کے مقاصد یہ تھے:

"۱۔ کوٹلی میں علمی و ادبی سرگرمیوں کو فروغ دینا۔

۲۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنا۔

۳۔ نئے لکھنے والوں کی غلطیوں کی اصلاح کرنا۔" ۴۷

بزم کے زیر اہتمام ماہانہ مجالس اور مشاعروں کا انعقاد کیا جاتا تھا۔ زیادہ تر مجالس عبدالحمید نظامی کی رہائش گاہ (محلّہ شاہی مسجد کوٹلی) اور ابریشم کے دفتر میں منعقد کی جاتی تھیں۔ مشاعروں کے تمام اخراجات عبدالحمید نظامی خود برداشت کرتے تھے۔ ماہانہ مجالس میں مشاعروں کے علاوہ علمی و ادبی مضامین پر بھی گفتگو کی جاتی تھی۔ "بزم ادب" کی مجالس میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن قریشی، منظور قریشی، ساگر کشمیری، حکیم حاکم شاہ، فیروز دین قادری، یوسف دیوانہ اور یورش کاشمیری شرکت کرتے تھے۔ ۴۸ یہ انجمن تقریباً ۱۵ سال تک فعال رہی اس کے بعد ۱۹۸۵ء میں اس کا خاتمہ ہوگیا۔ اس کے ختم ہونے کا سبب عبدالحمید نظامی کی وفات ہے وہ انجمن کے صدر ہونے کے علاوہ اس کے کرتا دھرتا بھی تھے۔ جب وہ فوت ہو گئے تو انجمن کا وجود بھی ختم ہوگیا۔

"ایوان قرطاس و قلم"، کوٹلی:

۱۴ اکتوبر ۱۹۷۵ء میں زندہ دلان کوٹلی نے "ایوان قرطاس و قلم" کے نام سے ایک ادبی انجمن کی بنیاد رکھی۔ انجمن کو بنانے والوں میں محمد افضل صابری (شاعر) اور الطاف شاکر (شاعر) شامل تھے۔ مستقل ممبران میں محمد افضل صابری، الطاف شاکر، خواجہ عطا محی الدین قادری (ایڈووکیٹ)، ذاکر نسیم، فرزند علی نفیس اور جاوید اقبال شاہین شامل ہیں۔ انجمن کے تاحیات چیئرمین محمد افضل صابری ہیں اور مستقل جنرل سیکرٹری الطاف شاکر مقرر کیے گئے تھے مگر ان کی وفات جون ۲۰۰۷ء کے بعد انجمن کے جنرل سیکرٹری محمد زاہد بیگ بنے۔

انجمن کے مقاصد یہ ہیں:

"۱۔ اردو زبان کے نفاذ اور فروغ کے لیے کوششیں کرنا۔

۲۔ نئے لکھنے والوں کی نگارشات کی نوک پلک درست کرنا۔

۳۔ اہل قلم حضرات کی علمیت سے مستفید ہونا۔" ۹۴

"ایوان قرطاس وقلم" کوٹلی کی پہلی ایسی باقاعدہ انجمن ہے جو ابھی تک فعال ہے۔ انجمن نے ۱۹۷۸ء سے لے کر ۲۰۰۲ء تک بھرپور علمی و ادبی سرگرمیوں کو فروغ دیا۔ انجمن کے زیر اہتمام ہر ماہ ادبی اجلاس کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ اس کی تقریبات مقامی ہوٹل العرفان اور کونسل ہال میں منعقد کی جاتی ہیں۔

بزم کے زیر اہتمام زیادہ تر مشاعروں کا انعقاد کیا جاتا ہے جن میں اراکین اور مقامی شعراء اپنا تازہ کلام سناتے ہیں۔ انجمن کے مالی اخراجات کو پورا کرنے کے لیے اراکین سے چندہ وصول کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ صاحب حیثیت عہدیداران بھی مدد کرتے رہتے ہیں۔

بزم نے ۱۹۸۷ء میں ہفتہ اردو کی تقریبات منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ العرفان ہوٹل نزد لاری اڈہ میں پورا ہفتہ تقریبات جاری رہیں۔ ان تقریبات میں کوٹلی کے اہل قلم حضرات نے بھرپور شرکت کی۔ پاکستان سے یونس ادیب، نثار ناسک اور خاور ایوب نے شرکت کی۔ تقریبات کی صدارت کے لیے مختلف وزرائے حکومت آزاد کشمیر کو مدعو کیا گیا۔ اہل علم وقلم کی بھرپور شرکت نے ہفتہ اردو تقریبات کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ ان تقریبات کے دوران اردو زبان کی ترویج و فروغ کے حق میں جلوس بھی نکالے گئے۔ ہفتہ اردو کے پروگراموں میں مذاکرے، مباحثے، طرحی مشاعرے، عام مشاعرے اور مضمون نویسی کے مقابلے منعقد کیے گئے۔ اس کے مشاعروں میں ایم یامینؔ، سلیم عادلؔ، عارف علی قلندرؔ (مرحوم) اور زکریا شادؔ شرکت کرتے رہے ہیں۔ یہ تنظیم تاحال فعال ہے۔ بے شک انجمن کا دائرہ کار بہت وسیع تو نہیں مگر کوٹلی کی سطح پر یہ گلشن علم و ادب کی خوب آبیاری کر رہی ہے۔

"ساغر آرٹس کونسل"، کوٹلی:

عرفان صدیقی، افضل ایاز راٹھور، خورشید انجم اور انجم شہزاد آرزوؔ نے باہم مل کر ۱۹۸۶ء میں "ساغر آرٹس کونسل" کی بنیاد رکھی۔ انجمن نے صرف دو پروگرام ہی کرائے ہیں۔ اس میں عہدوں کی تقسیم نہیں کی گئی ہے۔ شروع کے تین سال میں اس نے کچھ ادبی سرگرمیاں دکھائیں مگر اب اس کے اجلاس تعطل کا شکار ہیں۔ بزم فعال تو ہے مگر چند مشاعروں کے علاوہ اس نے کوئی اور ادبی سرگرمی نہیں دکھائی۔

"حسرت اکادمی"، کوٹلی:

چراغ حسن حسرتؔ کے بیٹے ظہیر الحسن جاویدؔ نے چراغ حسن حسرتؔ کی یاد میں "حسرت اکادمی" ۱۹۸۷ء میں بنائی۔ اکادمی کے تمام اختیارات چیئرمین کے سپرد تھے۔ چیئرمین خود ظہیر الحسن جاوید ہی تھے۔

حسرت اکادمی کے درج ذیل مقاصد تھے:

۱۔ عام عوام میں ادبی ذوق پیدا کرنا۔

۲۔ ادب کو زندگی کے ہم آہنگ کرنا۔

۳۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنا۔

انجمن کے مالی اخراجات کو پورا کرنے کے لیے احباب سے مدد لی جاتی تھی۔ حسرت اکادمی نے کوٹلی کی منجمند ادبی ماحول میں ارتعاش پیدا کرنے کے لیے ایک تاریخی مشاعرہ کرانے کا فیصلہ کیا۔ مشاعرہ اپریل ۱۹۸۷ء میں کرایا گیا۔ یہ تین دن تک جاری رہا۔ یہ مشاعرہ کھوئی رٹہ بوائز ڈگری کالج کے گراؤنڈ میں منعقد کیا گیا۔ مشاعرے کی صدارت سید ضمیر جعفری نے کی۔ مقامی شعراء کے علاوہ جن شعراء نے شرکت کی ان میں احسان اکبر، انوار فیروز، جلیل عالی اور ڈاکٹر صابر آفاقی کے نام اہم ہیں۔ اس موقع پر یوم حسرت منایا گیا تھا۔ ڈاکٹر صابر آفاقی نے سید ضمیر جعفری (مرحوم) کی درخواست پر تقریب میں چراغ حسن حسرت پر مقالہ پڑھا تھا۔ مقالہ پڑھ چکے تو انھوں نے وزیراعظم سردار سکندر حیات سے جو صدارت کر رہے تھے درخواست کی کہ کھوئی رٹہ کالج کا نام چراغ حسن حسرت کالج رکھا جائے۔ چنانچہ سردار سکندر حیات خان نے اسی وقت اعلان کیا کہ اس کالج کا نام گورنمنٹ چراغ حسن حسرت کالج ہو گا۔ خواجہ افتخار حسین بٹ (جو اس وقت کوٹلی میں سب جج تھے) اور مشہور شاعر عارف قلندر نے مشاعرے کی نظامت کے فرائض انجام دیئے تھے۔

پھر دوسرے دن ''حسرت اکادمی'' کی طرف سے کونسل ہال کوٹلی میں مشاعرہ ہوا۔ اس کی صدارت بھی سید ضمیر جعفری نے کی۔ تیسرے دن ظہیر الحسن جاوید کے گھر محلہ بلیاہ میں مشاعرہ منعقد کیا گیا۔ اس میں بھی سید ضمیر جعفری، ڈاکٹر صابر آفاقی، انوار فیروز، جلیل عالی، احسان اکبر اور اکرم طاہر کے علاوہ مقامی شعراء نے شرکت کی۔

''حسرت اکادمی'' نے اس مشاعرے کے علاوہ اور کوئی مشاعرہ نہیں کرایا۔ ''حسرت اکادمی'' تقریباً ایک سال تک فعال رہنے کے بعد ۱۹۸۸ء میں ختم ہو گئی۔ خاتمے کا سبب ظہیر الحسن جاوید کا کوٹلی چھوڑ کر راولپنڈی منتقل ہونا تھا۔

''حسرت اکادمی'' تو ختم ہو گئی مگر اس نے جو عظیم الشان مشاعرہ کرایا تھا اس کی یاد اہل کوٹلی کے دلوں سے تاحیات محو نہ ہو سکے گی کیونکہ یہ پہلا اور شاید آخری موقع تھا جب اہل کوٹلی کو ملک کے نامور شعراء کو اتنے قریب سے سننے اور دیکھنے کا موقع ملا۔

''ارمغان ادب''، کوٹلی:

۱۹۹۰ء میں بشیر بیگ نے ''ارمغان ادب'' کے نام سے ایک ادبی تنظیم قائم کی۔ اس انجمن نے چند ایک ماہانہ مشاعرے کرائے مگر زیادہ عرصہ تک فعال نہ رہ سکی اور تقریباً ایک سال کے بعد اس کا وجود ختم ہو گیا۔

''مجلس تحقیق و تصنیف''، کوٹلی:

اس کا قیام مئی ۲۰۰۳ء میں عمل میں لایا گیا۔ محمد افضل صابری اس کے بانی ہیں۔ انجمن کے چیئرمین محمد افضل صابری ہیں۔ جنرل سیکرٹری الطاف شاکر (مرحوم) تھے۔ ان کی وفات کے بعد یہ عہدہ ابھی خالی ہے۔

دیگر مستقل اراکین میں سید ساجد الرب، بشیر بیگ اور جاوید اقبال شاہین شامل ہیں:

اغراض و مقاصد:

''۱۔ آزاد کشمیر میں تحقیق و تصنیف کے فن کو فروغ دینا۔

۲۔ ادب میں حقیقت پسندی پیدا کرنا۔

۳۔ ادب میں بالیدگی اور سنجیدگی پیدا کرنا۔

۴۔ نئے لکھنے والوں کی اصلاح کرنا۔'' ۵۰

''مجلس تحقیق و تصنیف'' کے زیر اہتمام پندرہ روزہ ادبی مجلس کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ کبھی مشاعرے کی محفل منعقد ہوتی ہے تو کبھی علمی و ادبی موضوعات پر مقالات پڑھے جاتے ہیں۔ مجلس نے تنقیدی نشستوں کا بھی اہتمام کیا ہے جس میں کسی ادبی کتاب کے فنی و فکری پہلوؤں پر تعمیری تنقید کی جاتی ہے۔ بزم فعال ہے مگر الطاف شاکر کی وفات کے باعث اس کے اجلاسوں میں تعطل پیدا ہونا شروع ہو گیا ہے۔ امید ہے کہ اراکین جلد ہی اس کے سنہرے ادبی دور کو واپس لے آئیں گے۔

مظفرآباد

مظفرآباد آزاد کشمیر کا دارالحکومت ہے یہ دریائے جہلم اور نیلم کے سنگم کے پر واقع ایک ٹیلے پر آباد ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی ۲۴۷۰ فٹ ہے۔ یہ ۲۲ء۳۴ درجہ عرض بلد اور ۳۱ء۷۳ درجہ طول بلد پر واقع ہے۔ مظفرآباد شہر کو بمبہ راجپوت قبیلے کے حکمران سلطان محمد مظفر خان نے ۱۶۶۲ء میں آباد کیا اسی نسبت سے اس کا نام مظفرآباد رکھا گیا ۵۱۔ سب سے پہلے سلطان محمد مظفر خان نے مظفرآباد کو اپنا دارالحکومت بنایا تھا۔ آزادی سے قبل یہاں علمی اور ادبی سرگرمیاں نہ ہونے کے باعث پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد کم تھی۔ مگر آزادی کے بعد مظفرآباد کو دارالحکومت بنایا گیا تو پونچھ، جموں اور وادیِ کشمیر کے اہل علم اور اہل قلم حضرات کے علاوہ عام پڑھے لکھے لوگ بھی ہجرت کر کے یہاں منتقل ہو گئے۔ ان علماء و شعراء کی مظفرآباد آمد علم و ادب کے لیے نیک فال ثابت ہوئی۔ ان اہل علم حضرات نے مظفرآباد کے عوام میں بھی علم حاصل کرنے کا شوق پیدا کیا۔ ان کی پیروی میں مظفرآباد کے عوام جوق در جوق تعلیمی اداروں کا رخ کرنے لگے۔ ہجرت کر کے آنے والے اہل علم حضرات نے اس تعلیمی و ادبی رجحان کو پیش نظر رکھتے ہوئے ادبی ذوق کی تسکین اور اردو کی ترویج کے لیے مظفرآباد میں ادبی انجمنیں بنانے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ سب سے پہلے ''بزم ادب'' کے نام سے مظفرآباد میں انجمن بنائی گئی۔ اس انجمن کے زیر اثر مزید انجمنیں بنائی گئیں۔ یہ انجمنیں نہ صرف آزاد کشمیر میں اردو کی ترویج و اشاعت کا کام کر رہی ہیں۔ بلکہ اردو ادب کو نئے جذبات، خیالات، تراکیب اور الفاظ سے بھی روشناس کرا رہی ہیں۔ ان انجمنوں نے نئے لکھنے والوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم مہیا کیا ہے جہاں وہ دوسرے اہل قلم حضرات کو اپنے خیالات سے آگاہ کرتے

اور ان کے خیالات سے آگاہ ہوتے ہیں۔

جس طرح ۱۹۴۷ء کے بعد مظفرآباد علمی و ادبی سرگرمیوں کا مرکز بنا۔ اسے دیکھتے ہوئے حبیب کیفوی لکھتے ہیں:

> ''آزاد کشمیر حکومت کا صدر مقام مظفرآباد جو ۱۹۴۷ء سے قبل ہر اعتبار سے ایک پس ماندہ علاقہ تھا مقامی دانشوروں کی مسلسل کوششوں اور ان کے ذوقِ ادب کی بدولت علمی، ادبی اور ثقافتی اعتبار سے کس مقام پر پہنچ گیا ہے۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ پاکستان کے تین بڑے شہروں کراچی، لاہور اور راولپنڈی کے سوا پاکستان کے کسی شہر میں متواتر ایسے قابلِ تعریف اجتماعات نہیں ہوئے ہوں گے۔ جس تسلسل سے مظفرآباد میں ہوئے ہیں۔ اس سے مظفرآباد میں اردو ادب کے تابناک مستقبل کی بشارت ملتی ہے کہ وہ آئندہ برسوں میں علم و ادب کا بڑا مرکز بن جائے گا۔''۵۲

مظفرآباد کی انجمنوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

''بزم ادب''، مظفرآباد:

تقسیم کشمیر سے پہلے سرینگر اور جموں علم و ادب کے دو بڑے مراکز تھے جبکہ مظفرآباد تعلیمی لحاظ سے سرینگر اور جموں کی نسبت پسماندہ تھا۔ اسی لیے جب تقسیم کشمیر کے بعد جموں، پونچھ اور وادیٔ کشمیر سے ترکِ وطن کر کے آنے والے شعراء و ادباء مظفرآباد میں مقیم ہوئے تو انھوں نے اس تعلیمی پسماندگی کو محسوس کرتے ہوئے یہاں اردو کی ترویج و اشاعت کا کام شروع کیا۔ مظفرآباد کے لوگوں میں علم و ادب کا ذوق پیدا کرنے کے لیے ان مہاجر اہلِ علم نے ''بزم ادب'' کے نام سے اولین ادبی انجمن ۱۹۴۹ء میں قائم کی۔ اس کے پہلے صدر یوسف علیگ اور سیکرٹری مظفر احمد ظفر تھے۔

''بزم ادب'' کے دو اہم اراکین کا تعارف درج ذیل ہے:

یوسف علیگ:

کشمیر کے رہنے والے تھے۔ علی گڑھ کے تعلیم یافتہ تھے۔ وہ اپنی مادرِ علمی کی نسبت سے علیگ کہلاتے تھے۔ ۱۹۵۲ء میں مظفرآباد میں ملازمت کرتے تھے۔ وہ عمدہ ادبی ذوق رکھتے تھے۔ یوسف علیگ نے مظفرآباد کی علم و ادب سے عاری فضا میں ادب کی شمع روشن کی۔ نوکری سے ریٹائر ہو کر وہ ایبٹ آباد چلے گئے اور وہیں فوت ہوئے۔

مظفر احمد ظفر:

مظفر احمد ظفر موضع درنگ چناری کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد کا نام منشی غلام حسن خان تھا۔ شروع میں وہ سرکاری ملازمت کرتے تھے مگر بعد میں جب ۱۹۶۰ء میں ریڈیو آزاد کشمیر مظفرآباد قائم ہو تو ظفر اس میں پہاڑی زبان میں پروگرام پیش کرنے لگے۔ وہ ''مقدم'' کے فرضی نام سے پروگرام پیش کرتے تھے۔ چند سال پہلے

ریڈیو آزاد کشمیر کی سروس سے ریٹائر ہو کر درنگ چلے گئے۔ بیوی کی وفات کے صدمے سے ان پر فالج کا حملہ ہوا پھر جوان اکلوتے بیٹے کی وفات نے انھیں بالکل زندہ درگور کر دیا۔ زلزلے کے بعد وہ کہاں ہیں اس کے بارے میں معلوم نہ ہو سکا۔ ان کا ایک مختصر سا مجموعہ پہاڑی لوک گیتوں پر مشتمل ہے جو چھپ چکا ہے۔

''بزم ادب'' کے اراکین کے پیش نظر درج ذیل مقاصد تھے:

۱۔ اردو زبان کی ترویج و اشاعت۔

۲۔ نوجوان لکھنے والوں کی تعلیم و تفریح۔

۳۔ آزاد کشمیر کی ادبی روایت کو مستحکم کرنا۔

۴۔ مشاعروں کا اہتمام کرنا (شعراء کے لیے ضروری تھا کہ وہ صرف اردو زبان میں اپنا کلام پیش کریں)

۵۔ بزم کے جلسوں میں صرف اردو زبان میں مقالات پیش کرنا۔۵۳

بزم کے قیام کے کچھ عرصہ بعد مظفر آباد میں پہلا اردو مشاعرہ کرایا گیا۔

انجمن کے زیر اہتمام ہفتہ وار مشاعرے منعقد ہوتے تھے۔ یہ مشاعرے سلطانی مسجد کے سامنے میونسپلٹی کے آفس میں منعقد کیے جاتے تھے۔ مشاعروں میں کہنہ مشق شعراء کے علاوہ نوآموز شعراء بھی اپنا کلام سنایا کرتے تھے۔ جلسوں میں مختلف موضوعات پر مقالات بھی پڑھے جاتے تھے۔ ''بزم ادب'' کے جلسوں میں غلام احمد پنڈت، امین گیلانی، میر ہدایت اللہ، صبا سلمانی اور ڈاکٹر صابر آفاقی جیسے مشاہیر کے علاوہ دیگر مقامی شعراء بھی باقاعدگی سے شرکت کرتے تھے۔ ''بزم ادب'' نے ۱۹۵۸ء میں چراغ حسن حسرت کی تیسری برسی کے موقع پر یوم حسرت منایا اور ان کی یاد میں ایسی یادگار اور عظیم الشان تقریب منعقد کی کہ اس کی یاد تا دیر دلوں سے محو نہ ہو سکے گی۔ یہ بزم ۱۹۵۹ء تک کام کرتی رہی۔

''حلقہ اربابِ ذوق''، مظفر آباد:

۱۹۵۳ء میں ''حلقہ اربابِ ذوق'' کی بنیاد مظفر آباد میں رکھی گئی۔ یہ انجمن عبدالغنی غنی، ڈاکٹر صابر آفاقی اور خواجہ محمد عثمان کی مساعی کا نتیجہ تھی۔ آمنہ بہار رونا ''حلقہ اربابِ ذوق'' کے بارے میں رقمطراز ہیں:

> ''حلقہ اربابِ ذوق'' (جو مرکزی حلقہ اربابِ ذوق تحریک کا حصہ تھی) میں وہی لوگ شامل تھے جنہوں نے بزم ادب کے قیام میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس کی تنظیم میں ڈاکٹر صابر آفاقی اور عبدالغنی غنی کا کردار سب سے اہم تھا۔ ان کے علاوہ اس کے اراکین میں محمد خان نشتر اور وحید چراغ جیسے لوگ بھی شامل تھے۔ چنانچہ ان کی شاعری اور نظریہ ادب پر حلقہ اربابِ ذوق کی تحریک کا اثر ہونا قدرتی بات ہے۔۵۴

حلقہ اربابِ ذوق کے مستقل اراکین کا تعارف:

عبدالغنی غنیؔ :

غنی پونچھ شہر کے رہنے والے تھے۔ شروع میں کلرک بھرتی ہوئے مگر تعلیم حاصل کرنے کے شوق میں نوکری چھوڑ کر پہلے بی۔اے کیا پھر ایل۔ایل۔بی کرنے کے بعد جرنلزم میں ایم۔ اے کیا۔ جرنلزم میں ایم۔اے کرنے کے بعد وہ آزاد کشمیر حکومت کے محکمہ اطلاعات میں انفارمیشن آفیسر مقرر ہو گئے۔ انہیں شروع ہی سے شعر و شاعری سے دلچسپی تھی۔ انہوں نے نظم و غزل دونوں اصناف میں طبع آزمائی کی۔ ۵۵

ڈاکٹر صابرؔ آفاقی:

ڈاکٹر صابرؔ آفاقی کا اصل نام چوہدری احمد دین/وحید الدین ہے۔ ۱۹۳۳ء میں ضلع مظفرآباد کے گاؤں گوہاڑی میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام مولانا سردار علی محمد ہے۔ ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی۔ والد مشہور عالم دین تھے اور شعرفہمی کا خاص ذوق رکھتے تھے۔ صابرؔ آفاقی کے شعری ذوق کو پروان چڑھانے میں ان کے والد مرحوم کی شعرخوانی کا بڑا ہاتھ ہے۔

صابرؔ آفاقی نے درس نظامی اور علوم مرجہ اسلامیہ کی تحصیل کے بعد معلّمی کا پیشہ اختیار کر لیا۔ انھیں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا شوق تھا۔ اس شوق کو پورا کرنے کے لیے انھوں نے پرائیویٹ ایم۔اے عربی، ایم۔اے فارسی اور ایم۔اے اردو پنجاب یونیورسٹی سے کیا۔ ایم۔اے کرنے کے بعد کچھ عرصہ گورنمنٹ بوائز ڈگری کالج مظفرآباد میں اردو کے لیکچرار کی حیثیت سے کام کرتے رہے پھر تہران چلے گئے جہاں سے فارسی میں پی۔ایچ۔ڈی کر کے واپس مظفرآباد آ گئے ۵۶۔ آج وہ آزاد کشمیر میں ہمہ جہت حیثیتوں یعنی محقق، شاعر (اردو، فارسی اور گوجری)، ادیب، انشا پرداز اور سفر نامہ نگار کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر صابرؔ آفاقی ریاست جموں و کشمیر کے کثیر التصانیف اہل قلم ہیں۔ ان کی ۵۰ سے زیادہ تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ وہ ۲۵ سے زیادہ ممالک کی سیر کر چکے ہیں۔ فارسی میں چار، گوجری میں چھ شاعری کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ اردو میں شہر تمنا، طلوع سحر، زمزمہ روح، ثنائے بہا، نئے موسموں کی بشارت، خندہ ہائے بیجا اور سارے جہاں کا درد ان کے شعری مجموعے ہیں۔ ان کی اہم تصانیف اقبال اور کشمیر، منصور حلاج، جلوۂ کشمیر، کشمیر اسلامی عہد میں، عکس کشمیر، خاتون نجم، کثرت نظارہ (سفر نامہ)، اقبال اور امر بہائی اور ظہور مہدی و مسیح ہیں۔

"حلقہ اربابِ ذوق" مظفرآباد کے قیام کے اغراض و مقاصد وہی تھے جو پاکستان کی تحریک حلقہ ارباب ذوق کے ہیں۔ اور وہ یہ تھے:

۱۔ اردو کی ترویج و اشاعت۔

۲۔ نوجوان لکھنے والوں کی تعلیم و تفریح۔

۳۔ اردو لکھنے والوں کے حقوق کی حفاظت کرنا۔

۴۔ تنقیدی ادب میں خلوص و بے تکلفی پیدا کرنا۔

۵۔ اردو ادب اور صحافت کے ناسازگار ماحول کو صاف کرنا۔

کشمیری علماء و شعراء ''حلقہ اربابِ ذوق'' کی تحریک سے متاثر تھے کیونکہ یہ تحریک ادب میں کسی نظریاتی پابندی کے قائل نہ تھی۔ شعر و ادب کے ساتھ ساتھ حلقے میں ادیبوں اور شاعروں کے مسائل کے بارے میں بھی مضامین پڑھے جاتے تھے۔ سوچ بچار ہوتا، بحث و مباحثہ ہوتا، ان مباحث سے نئے لکھنے والوں نے جو اثرات قبول کیے وہ اثرات قبول کرنے والے کی ہمت و صلاحیت کے مطابق تھے ۵۷۔ حلقہ کی نشستوں میں مشاعروں کے علاوہ افسانے اور تنقیدی مقالات بھی پڑھے جاتے تھے۔ اس انجمن نے بڑے بڑے مشاعرے بھی کرائے مگر جب خواجہ غلام احمد پنڈت جو اس کے سرگرم رکن تھے سرکاری اور صحافتی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے اور انجمن کے روحِ رواں خواجہ عثمان لندن چلے گئے تو انجمن کی سرگرمیاں جمود کا شکار ہو گئیں۔ انجمن تو زوال پذیر ہو گئی۔ مگر اردو ادب و زبان کے فروغ کے لیے اس کی مساعی جلیلہ ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

''بزمِ فروغِ اردو''، کہوڑی (ضلع مظفرآباد):

کہوڑی ضلع مظفرآباد کا ایک پسماندہ علاقہ ہے۔ مگر اہلِ کہوڑی اردو زبان و ادب سے جو محبت کرتے ہیں اس محبت کا ثبوت ''بزمِ فروغِ اردو'' ہے۔ یہاں کے اساتذہ اور دانشورانِ شہر نے ادبی و ثقافتی سرگرمیوں کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے ایک ادبی انجمن بنانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ انھوں نے مل کر ۱۹۵۳ء میں ''بزمِ فروغِ اردو'' کی داغ بیل ڈالی۔ اس کے ممبران کی تعداد دس کے قریب تھی۔

عہدیداران کا انتخاب ووٹ کے ذریعے کیا جاتا تھا اور دو سال کے لیے ہوتا تھا۔ انجمن کے عہدیداروں کی تفصیل درج ذیل ہے:

صدر: ڈاکٹر صابرؔ آفاقی (جو اس وقت صابر کاشمیری کہلاتے تھے، کہوڑی سکول میں معلم کے فرائض سرانجام دیتے تھے)

سیکرٹری: حبیب اللہ نسیم (سکول میں مدرس تھے اور مقبوضہ کشمیر سے ہجرت کر کے آئے تھے)

خزانچی: خواجہ حبیب اللہ (کہوڑی میں تجارت کرتے تھے)

بزم فروغِ ادب کے اغراض و مقاصد یہ تھے:

۱۔ اردو لکھنے والوں کے حقوق کی حفاظت۔

۲۔ اردو زبان و ادب کو علاقائی زبانوں اور ثقافتوں کے قریب لانا۔

۳۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنا۔

بزم کی ادبی کارکردگی کے بارے میں ڈاکٹر صابرؔ آفاقی لکھتے ہیں:

> ''اس بزم نے دو سال تک اردو ادب کی خدمت گہری لگن اور جانفشانی سے کی۔ بزم کے ہفتہ وار اجلاس ہوتے تھے اور ان میں مختلف ادبی مسائل کو زیرِ غور لایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ مشاعرے بھی کرائے جاتے تھے جن میں شعراء اپنا کلام سناتے۔ تمام اجلاسوں کی کارروائی کا ریکارڈ رکھا جاتا

تھا اور رپورٹ روزنامہ ''تعمیر'' راولپنڈی میں شائع ہوا کرتی تھی۔'' ۵۸

بزم نے اہلِ کہوڑی کے اندر ادبی ذوق پیدا کیا۔ بزم کے اجلاسوں اور مشاعروں میں وہ لوگ بھی ذوق و شوق سے شرکت کرتے تھے جو خود لکھنے والے تو نہ تھے۔ مگر ادبی ذوق ضرور رکھتے تھے۔ بزم نے دو سال تک گیسوئے اردو کو خوب سنوارا۔ مگر جب ۱۹۵۶ء میں ڈاکٹر صابر آفاقی کا تبادلہ ہو گیا تو یہ بزم بھی ختم ہو گئی۔ کیونکہ ڈاکٹر صابر آفاقی ہی اس کے روح و رواں تھے۔ انھوں نے بزم کو سرگرم اور فعال بنانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ جب وہی وہاں نہ رہے تو پھر بزم کیسے برقرار رہتی۔

''انجمن ترقی اردو''، مظفر آباد:

''حلقہ اربابِ ذوق'' نے کچھ عرصہ ہی کام کیا تھا کہ خواجہ غلام احمد پنڈت اور خواجہ عثمان کی مصروفیات کی وجہ سے انجمن کی سرگرمیاں تعطل کا شکار ہونے لگیں تو ۱۹۵۵ء میں اس کا احیائے نو کیا گیا۔ اور اسے ''انجمن ترقی اردو'' کے نام سے دوبارہ قائم کیا گیا۔ انجمن کے سرپرست عبدالعزیز میر تھے جو عزیز ہوٹل چلاتے تھے۔ جبکہ محمد خان نشتر انجمن کے جنرل سیکرٹری، عبدالغنی غنی صدر اور مسعود قریشی ڈائریکٹر تھے۔ صدر کا انتخاب تمام احباب مل جل کر کرتے تھے۔ صدر کے عہدے کی مدت تین سال تھی۔ اقبال قریشی اور غلام احمد پنڈت انجمن کا انتظام سنبھالتے تھے ۔ عبدالعزیز میر ، میاں محمد اسحاق سوز، محمد خان نشتر، عبدالغنی غنی ، شیخ محمود، غلام احمد پنڈت اور محمد یعقوب ہاشمی انجمن کے مستقل اراکین تھے۔ ان کے علاوہ انجمن میں غلام حیدر خان، عبدالرحیم افغانی، ڈاکٹر صابر آفاقی، محمد سعید قادری، شیخ غلام محمد، صبا سلمانی، لالہ عبدالقیوم، پروفیسر خالد محمود شیخ، خمار دہلوی، ابن شہید امروہی اور ملک عبدالرشید وغیرہ جیسے نامور اہل قلم حضرات بھی شامل تھے۔

اراکین کا مختصر تعارف:

خواجہ غلام احمد پنڈت:

خواجہ غلام احمد پنڈت مظفر آباد میں پیدا ہوئے۔ پنڈت کی وجہ تسمیہ کے بارے میں محمد دین فوق لکھتے ہیں:

> ''کشمیر میں ظہور اسلام سے قبل سب ہندو ہی ہندو تھے اور ان میں برہمن بھی تھے۔ کشتری بھی اور ان کے دوسرے ورن بھی۔ لیکن برہمنوں میں ایک فرقہ ایسا تھا جس کا پیشہ قدیم سے بید تویسی اور درس و تدریس تھا۔ قبولِ اسلام کے بعد اس فرقہ نے لفظ پنڈت کو امتیازِ خاص کے طور پر برابر قائم رکھا اس لئے یہ گروہ باوجود مسلمان ہو جانے کے اب تک پنڈت کہلاتا ہے'' ۵۹

خواجہ غلام احمد، پنڈت قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ آزاد کشمیر میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ پہلے محکمہ اطلاعات میں ڈائریکٹر رہے پھر سیکرٹری تعلیم بنے۔ وہ آزاد کشمیر یونیورسٹی کے چانسلر کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے۔ مختلف اخباروں اور رسالوں میں بھی ان کے بے شمار علمی و ادبی مضامین چھپتے رہے ہیں۔ ان کی تصانیف ''کشمیر آزادی کی دہلیز پر'' اور اوراق پارینہ زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔

آپ نے مظفرآباد میں وفات پائی۔

میاں محمد اسحاق سوز:

میاں محمد اسحاق سوزؔ ضلع سرینگر کے گاؤں لال پرگنہ میں ۱۹۲۱ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا ۱۹۱۵ء میں ہزارہ سے ہجرت کر کے سرینگر چلے گئے تھے۔ ۱۹۳۱ء میں والد کا لال پرگنہ کے ہندو ٹھاتیدار سے جھگڑا ہوا جس کے باعث وہ اہل خانہ کو لے کر بفہ (موجودہ پاکستان) چلے گئے۔ مگر بعد میں بٹیاں بالا کے علاقے میں منتقل ہوگئے۔ اسحاق سوزؔ نے ۱۹۴۰ء میں مظفرآباد سے میٹرک (پنجاب یونیورسٹی بورڈ) کیا۔ ۱۹۴۳ء میں فوج میں شمولیت اختیار کی۔ ۱۹۵۳ء میں فوج سے ریٹائرمنٹ کے بعد سیکرٹریٹ میں کلرک بھرتی ہوئے۔ ۱۹۸۱ء میں وہاں سے بھی ریٹائر ہوئے۔ ۱۹۶۵ء میں تجوید القرآن ٹرسٹ کے رکن کی حیثیت سے فرائض سرانجام دینے لگے۔ اب وہ تجوید القرآن ٹرسٹ کے نگران ہیں۔ ان کی علمی و ادبی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

محمد خان نشتر:

محمد خان نشترؔ مظفرآباد میں ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد محکمہ تعلیم میں ملازم ہو گئے۔ آزادی کے بعد آزاد کشمیر کے محکمہ جنگلات میں کام کرتے رہے۔ ان کی شاعری پر حالیؔ، علامہ شبلیؔ نعمانی، علامہ اقبالؔ، مولانا مودودی، جگرؔ مرادآبادی، جوشؔ ملیح آبادی، حفیظؔ جالندھری اور ماہرؔ القادری کا اثر نمایاں ہے۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں (عبدالغنی غنیؔ اور عبدالعزیز میر) کے ساتھ مل کر آزاد کشمیر میں اردو کے فروغ کے لیے ''انجمن ترقی اردو'' بنائی۔ ان کی وفات مئی ۱۹۸۵ء میں ہوئی۔ وفات کے بعد ان کے بیٹے زاہد کلیم نے ان کے کلام کو جمع کر کے ''لمحات نشتر'' کے نام سے چھپوایا۔

''انجمن ترقی اردو'' کو خواجہ غلام احمد پنڈت اور محمد یعقوب ہاشمی جیسے سرکاری افسران کی سرپرستی نے مزید فعال بنا دیا۔

انجمن کے درج ذیل مقاصد تھے:

۱۔ عوام میں اردو ادب کا ذوق پیدا کرنا۔

۲۔ لوگوں کو اردو پڑھنے، لکھنے اور بولنے پر راغب کرنا۔

۳۔ اردو کو سرکاری اور دفتری زبان کے طور پر نافذ کرانا۔

انجمن ہر سال خاص خاص موقعوں پر سالانہ اجلاس منعقد کرتی تھی۔ جس کی صدارت کے لیے پاکستان کے نامور اہل علم حضرات کو مدعو کیا جاتا تھا۔ ان میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، آغا شورشؔ کاشمیری، خواجہ محمد شفیع دہلوی، ڈاکٹر سید عبداللہ، ماہرؔ القادری، پروفیسر خورشید احمد، قمرؔ میرٹھی، احسان دانشؔ اور نعیم صدیقی جیسی نامور ادبی شخصیات شامل تھیں۔ انجمن کے مالی اخراجات کو پورا کرنے کے لیے اہل علم و ادب حضرات فراخدلانہ چندہ دیا کرتے تھے۔ ''انجمن ترقی اردو'' کی تنظیم نو کے بعد اس کے زیر اہتمام وسیع پیمانے پر مشاعرے اور مذاکرے کیے جانے لگے۔ ادبی کام کے علاوہ ''انجمن ترقی اردو'' کا ایک اور قابل فخر کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ''انجمن ترقی اردو

پاکستان" کے تتبع میں آزاد کشمیر میں بھی اردو کو دفتری زبان بنائے جانے کا بیڑا اٹھایا اور اپنی کاوشوں سے اسے تکمیل تک بھی پہنچایا۔ ۶۰۔ ڈاکٹر ایوب صابر انجمن کی اس تحریک کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر سید عبداللہ پاکستان میں اردو کو سرکاری حیثیت دلانے کی تحریک چلا رہے تھے۔ "انجمن ترقی اردو" مظفرآباد نے آزاد کشمیر میں اردو کے نفاذ کی مہم شروع کر دی۔ یہ مہم منظم تھی۔ کارکن مخلص اور متحد تھے۔ عوام نے ان کا ساتھ دیا۔ اس وقت آزاد کشمیر کے صدر خان عبدالحمید تھے جو قومی زبان کی اہمیت کا ادراک رکھتے تھے۔ ۶۱

جولائی ۱۹۶۶ء میں آزاد کشمیر میں اردو کے بطور دفتری زبان نفاذ کے سلسلے میں کئی اہم واقعات پیش آئے۔ "انجمن ترقی اردو" مظفرآباد کے اراکین کی کوششوں سے دفاتر میں اردو کے نفاذ کے مطالبے کو عوام کی تائید حاصل ہوئی۔ اس کے علاوہ "انجمن ترقی اردو" مظفرآباد کے زیر اہتمام ۸ جولائی ۱۹۶۶ء کو "یوم اردو" منایا گیا۔ اس دن منعقد ہونے والی تقاریب میں عوام نے جوش و خروش سے شرکت کی۔ مظفرآباد کی آٹھ بڑی مسجدوں میں خطیبوں نے اردو کی اہمیت اور ضرورت کے حوالے سے تقاریر کیں اور آزاد کشمیر میں اردو کو سرکاری زبان بنانے کے لیے قراردادیں منظور کیں۔ ساتھ ہی ایک قرارداد کے ذریعے آزاد کشمیر میں تمام سرکاری و غیر سرکاری اداروں میں اردو زبان کے نفاذ کا مطالبہ کیا۔

یہ "انجمن ترقی اردو" کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ تھا کہ ۱۴ اپریل ۱۹۶۷ء میں آزاد کشمیر میں انگریزی کی جگہ اردو کو سرکاری اور دفتری زبان قرار دیا گیا۔ اردو کے نفاذ کے سلسلے میں اس انجمن کا کردار تاریخ کا حصہ ہے۔ کسی ادبی تنظیم کی مساعی سے اردو کو سرکاری زبان قرار دلوانے کا کارنامہ جہاں ایک تاریخی نوعیت کی کامیابی ہے وہاں اس فیصلے نے آزاد کشمیر میں اردو زبان اور اس کے ادبی سرمائے کے فروغ کے لیے بنیادی کردار ادا کیا جو ادبی انجمن سازی کے حوالے سے باعث فخر واقعہ ہے۔ انجمن کے اس عظیم کارنامے کے حوالے سے میاں اسحاق سوز کہتے ہیں:

"جب آزاد کشمیر کی سرکاری و دفتری زبان اردو قرار دی گئی تو ڈاکٹر سید عبداللہ جو انجمن ترقی اردو پاکستان کے سرپرست تھے۔ انھوں نے فیض الاسلام سکول راولپنڈی میں "انجمن ترقی اردو پاکستان" کا اجلاس منعقد کیا اور اس میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہم اہل کشمیر کو مبارک باد پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے کشمیر میں اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دلوا کر ایسا کام کر دکھایا جو ہم ابھی تک نہ کر سکے۔ ۶۲

انجمن کی ان کوششوں کے نتیجے میں آزاد کشمیر میں سرکاری سطح پر اردو کو جو اہمیت حاصل ہے اس کے بارے میں ڈاکٹر صابر آفاقی لکھتے ہیں:

"آج یہاں کے سرکاری اور نجی اداروں میں خط و کتابت اردو میں ہی ہوتی ہے البتہ پاکستان کے سرکاری دفاتر سے اگر مراسلت کرنا ہو تو انگریزی استعمال کی جاتی ہے کہ انگریزی چٹھی کا جواب انگریزی میں ہی دینا ہوتا ہے۔" ۴۳

انجمن کے مظفرآباد میں تاریخ ساز اجلاس ہوتے رہے ہیں۔ جن میں ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر اشتیاق قریشی، فیض احمد فیض، عبدالحمید عدمؔ، احمد فرازؔ، حبیب جالبؔ، آغا شورش کاشمیری، علامہ علاؤ الدین صدیقی وغیرہ جیسے اہل علم حضرات نے شرکت کی۔ ان شعراء وعلماء کی شرکت نے کشمیری شعراء کو نئے خیالات ورجحانات سے آشنا کرایا۔ انجمن کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے کلاسیکی ادب کو فروغ دیا۔ انجمن ادبی موضوعات پر جو ادبی تقریبات منعقد کراتی رہی ہے ان کی نوعیت قومی ہے ان ادبی تقریبات، کانفرسوں اور سیمیناروں میں ادب سے متعلقہ بنیادی اور قومی سوالات اٹھائے جاتے رہے ہیں۔

آخرکار انجمن اپنی علمی وادبی ذمہ داریوں کو نبھانے کے بعد ۱۹۸۵ء میں ختم ہوگئی۔ انجمن کے خاتمے کا سبب اراکین انجمن کا بکھر جانا ہے۔

"بزم اقبال" مظفرآباد:

آزاد کشمیر حکومت کے بعض افسران جو ادب سے گہری دلچسپی رکھتے تھے وہ ادب کی ترویج و فروغ کے لئے کوشاں رہتے چنانچہ انہوں نے اپنے ذوق کی پرداخت کے لیے ۱۹۶۰ء میں "بزم اقبال" کے نام سے ایک ادبی انجمن قائم کی۔ بانیوں میں ملک عبدالرشید، عبدالمجید سلہریا اور راجہ لال حسین وغیرہ شامل تھے۔ انجمن کے قیام کے مقاصد یہ تھے:

۱۔ ہر سال یوم اقبال منانا۔

۲۔ عوام میں اقبال شناسی کا ذوق پیدا کرنا۔

۳۔ اقبال اور کلام اقبال پر ادبی مقالات لکھنا۔

یوم اقبال کی تقریبات دو دن جاری رہتیں۔ پہلے دن اقبال کے فن اور شخصیت پر مقالات پڑھے جاتے اور دوسرے روز مشاعرہ ہوتا تھا جس میں مقامی و ریاستی شعراء کے علاوہ پاکستان کے ممتاز شعراء مدعو کیے جاتے تھے۔ ان مشاعروں میں فیض احمد فیضؔ، احمد ندیم قاسمیؔ، حفیظؔ جالندھری، قتیلؔ شفائی، قمر جلالوی، عبدالمجید عدمؔ، احمد فرازؔ، ضمیرؔ جعفری، قیسؔ شروانی، ہدایت اللہ اخترؔ اور حبیب کیفویؔ وغیرہ شرکت کر کے ان کی رونق بڑھاتے رہتے تھے۔

بزم اقبال کے زیر اہتمام ہر سال "یوم اقبال" بڑے جوش و خروش اور عقیدت کے ساتھ منایا جاتا تھا۔ اس دن حکیم الامت، شاعر مشرق اور فرزند کشمیر کو خراج تحسین پیش کیا جاتا تھا۔ اس بزم کے تحت اقبالیات کے موضوع پر بڑے موثر اور دل نشین تحقیقی مقالات پیش کیے جاتے تھے۔ "بزم اقبال" ہر سال "یوم اقبال" کی تقریب منعقد کراتی تھی اس کے بارے میں میاں محمد اسحاق سوزؔ کا کہنا ہے:

"بزم اقبال کو حکومت سرکاری فنڈز دیا کرتی تھی جس کے باعث وہ

آسانی سے ہر سال یوم اقبال مناتے تھے'' ۶۴

''بزمِ اقبال'' کے زیرِ اہتمام سال میں صرف ایک بار ایک تقریب منعقد ہوتی تھی۔ وہ بھی صرف اقبال کے حوالے سے اس لیے یہ بزم زیادہ عرصہ تک فعال نہ رہ سکی اور ۱۹۶۵ء میں ختم ہو گئی۔

''بزمِ فکر و دانش''، مظفرآباد:

۳۰ دسمبر ۱۹۶۵ء میں مظفرآباد کے دانشور خواجہ غلام احمد پنڈت، خواجہ محمد شفیع ایڈووکیٹ، شیخ محمد اختر، ڈاکٹر انصر عطا، نثار، ظہور ملک، سرور کمال، الطاف قریشی، خاور لدھیانوی، مظفر احمد، خواجہ عبدالرشید، قاضی عبدالحی، میجر عبدالحمید اور عبدالرشید ملک، محمد یعقوب ہاشمی کے دفتر میں جمع ہو کر ایسے ادارہ کی تشکیل کے لیے غور وفکر کرنے لگے جو فکر و دانش کی روشنی میں علم و ادب اور مجلسی زندگی کے فروغ کا ضامن ہو۔ ان حضرات نے مظفرآباد کی علمی و ادبی سرگرمیوں کا جائزہ لیتے ہوئے محسوس کیا کہ پچھلے اٹھارہ سالوں میں علم و ادب کے فروغ کے لیے کئی ادارے قائم ضرور کیے گئے مگر ان اداروں نے چند ایک بڑی محفلیں اور زیادہ تر مشاعرے کرا کر اپنے ہونے کا ثبوت تو دیا لیکن اس کے بعد وہ انجمنیں پس منظر سے غائب ہو گئیں۔

چنانچہ محمد یعقوب ہاشمی نے مظفرآباد میں ایک ایسے ادارے کے قیام کی ضرورت پر زور دیا جو علمی و ادبی سرگرمیوں کو پروان چڑھانے اور مجلسی زندگی کی رواج دینے کے لیے باقاعدگی اور پوری لگن کے ساتھ کام کرے۔ انہوں نے تجویز دی کہ یہ ادارہ ''حلقہ اربابِ ذوق'' کے خطوط پر کام کرتے ہوئے کم از کم مہینہ میں ایک بار ایک ایسا اجتماع منعقد کرائے جس میں پاکستان کے نامور ادیبوں، صحافیوں اور شاعروں میں سے کسی ایک کو اس اجتماع میں خطاب کرنے یا اپنا کلام سنانے کے لیے مدعو کیا جائے۔ ۶۵ تاکہ یہاں پر مجلسی زندگی کا آغاز ہو سکے۔ اس تجویز پر سب احباب نے لبیک کہا اور مختلف تجاویز پر غور کرنے کے بعد ''بزمِ فکر و دانش'' کا قیام عمل میں لایا گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ جب تک ادارہ کے انتخابات نہیں کرائے جاتے اس وقت تک عبدالرشید ملک اس کے کنوینر کی حیثیت سے کام کریں گے۔

بزمِ فکر و دانش کے مقاصد مندرجہ ذیل تھے:

۱۔ اردو لکھنے والوں کے حقوق کی حفاظت کرنا۔

۲۔ تنقید ادب میں خلوص اور بے تکلفی پیدا کرنا۔

۳۔ مہینے میں کم از کم ایک ایسے اجتماع کا اہتمام کرنا جس میں پاکستان کے نامور ادیبوں اور شاعروں کو مدعو کیا جا سکے۔

بزم نے یکم جنوری ۱۹۶۶ء کو اپنا پہلا تنقیدی اجلاس منعقد کیا۔ بزم اپنے خاتمے تک باقاعدگی سے تنقیدی اجلاس اور خصوصی اجلاس منعقد کراتی رہی ہے۔ تنقیدی نشستوں میں غزلیں، نظمیں اور مقالات پیش کیے جاتے تھے جن پر تعمیری تنقید کی جاتی تھی۔ حکومت آزاد کشمیر کے اعلیٰ افسران بھی ان نشستوں میں شرکت کر کے اپنا کلام سناتے اور مقالات پڑھتے تھے۔ یہ افسران تنقیدی بحث میں بھی حصہ لیتے تھے۔ ان جلسوں کی صدارت

عموماً آزاد کشمیر کے صدر کرتے رہے ہیں۔ ''بزم فکر و دانش'' کے لیے یہ امر باعث اطمینان ہے کہ ادبی تنظیم کے مالی اخراجات کا کثیر سرمایہ حکومت کی جانب سے ادا کیا جاتا رہا تھا۔ خاص طور پر پاکستان سے آنے والے نامور شعراء و ادباء کے خورد و نوش اور طعام و قیام کے اخراجات حکومتی خزانہ سے ادا کیے جاتے رہے تھے۔ اس کے علاوہ اعلیٰ افسران بھی بزم کی مالی اعانت میں پیش پیش رہتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت علمی و ادبی سرگرمیوں کے فروغ کے بارے میں کس قدر سنجیدگی سے سوچتی ہے۔ بزم کے جلسوں کے حوالے سے میاں محمد اسحاق سوز بتاتے ہیں:

> ''بزم کے زیادہ تر اراکین سرکاری ملازم تھے جو بزم کے اخراجات کے لیے سرکاری خزانے سے فنڈز فراہم کرتے تھے۔ اس لئے اس کے اجلاس کبھی تعطل کا شکار نہیں ہوئے'' ۶۶

''بزم فکر و دانش'' کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ کم از کم ایک جلسے میں پاکستان کے نامور شاعر/ادیب کو مدعو کیا جائے گا چنانچہ عبدالرشید ملک اس بارے میں رقمطراز ہیں:

> ''شخصیتوں کو لانے کے لیے یعقوب ہاشمی صاحب فون پر رابطے کرتے اکثر اوقات ان شخصیتوں کو آمادہ کرنے کے لیے راقم الحروف کو خود راولپنڈی، لاہور جانا پڑتا تھا۔ حکومت کی طرف سے ٹرانسپورٹ مل جاتی یا میں اپنی سرکاری گاڑی اجازت لے کر جاتا اور انھیں لاتا۔'' ۶۷

پاکستان سے جن نامور اہل قلم حضرات کو بزم کے جلسوں میں خطاب کرنے کے لیے دعوت دی جاتی رہی ہے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

ڈاکٹر رضی الدین، پروفیسر اشفاق علی، ماہر القادری، آغا شورش کاشمیری، مولانا نصر اللہ خان عزیز، مولانا نعیم صدیقی، اعجاز احمد فاروقی، بشیر احمد اختر، فیض احمد فیض، چوہدری ظفر اللہ خان، جسٹس شیخ عطا اللہ سجاد، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، چوہدری محمد علی، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، زیڈ اے سلہری، سید واجد رضوی، بریگیڈیئر گلزار احمد، پروفیسر حمید احمد خان، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، ڈاکٹر ممتاز حسین، سید شوکت واسطی، ضمیر جعفری، کرنل محمد خان، مولانا عبدالستار نیازی، مولانا عبدالقادر، خان عبدالقیوم خان، علامہ علاؤ الدین صدیقی، جسٹس ایس اے رحمان، جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال، ڈاکٹر سید عبداللہ اور اشفاق احمد۔ ۶۸

ان باکمال شخصیات نے بزم کے اجتماعات میں علم و ادب اور سیاست کے مختلف مکاتیب فکر کے بارے میں خطاب کر کے اہل مظفرآباد کو اپنے ارشادات عالیہ سے مستفید کیا۔ جلسوں میں ان غیر ریاستی اہل علم حضرات کے علاوہ مقامی دانشوروں نے بھی پر مغز مقالے پڑھے جن کے افادیت و علمیت کا پاکستان کی ان ممتاز شخصیات نے اعتراف کرتے ہوئے بزم کی کارگزاریوں کو خراج تحسین پیش کیا۔ بزم کی نشستوں میں ریاستی و غیر ریاستی اہل علم کی شمولیت نے اس کی مقبولیت اور کارکردگی میں اضافہ کیا۔ ''بزم فکر و دانش'' کی علمی و ادبی کاوشوں اور

سرگرمیوں کی جس قدر ستائش کی جائے وہ کم ہے۔ اس نے مظفرآباد میں نہایت تسلسل، اشتیاق اور محبت کے ساتھ مشاعروں اور ادبی مباحثوں کا اہتمام کیا۔ مظفرآباد میں علمی و ادبی اعتبار سے جو بھی ترقی ہوئی اس کا سہرا ''بزم فکر و دانش'' کے سر ہے۔ یہ بزم ۱۹۷۶ء تک سرگرم رہنے کے بعد غیر فعال ہو گئی۔

''مجلسِ ادب''، مظفرآباد:

جولائی ۱۹۷۳ء میں ڈاکٹر صابر آفاقی جب فارسی زبان و ادب میں تہران یونیورسٹی سے پی۔ایچ۔ڈی کی اعلیٰ ڈگری لے کر واپس مظفرآباد آئے تو انھیں یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ پرانی ادبی انجمنیں گزشتہ چار سال کے عرصہ میں غیر فعال ہو چکی تھیں۔ انھوں نے ادیبوں کو اس جمود کا احساس دلایا اور نوجوان ادیب مسعود کشفی، حفیظ سالکؔ، علامہ یعقوب ہاشمی، سید کرامت علی شاہ، پروفیسر خواجہ عبدالصمد اور چند اور دوستوں کے تعاون سے ایک نئی انجمن ''مجلس ادب'' کے نام سے قائم کی۔

''مجلس ادب'' کے صدر الحاج حافظ محمد یعقوب ہاشمی، نائب صدر محمد اکرم خان (ایڈووکیٹ)، جنرل سیکرٹری مسعود کشفی، سیکرٹری نشر و اشاعت خواجہ غلام احمد ترابی اور خزانچی خواجہ غلام نبی مشکور تھے۔

''مجلسِ ادب'' مظفرآباد کا آئین درج ذیل ہے:

''آئین:

ا: مجلسِ ادب کے اغراض و مقاصد کے لئے مندرجہ ذیل آئین فوری طور پر نافذ ہو گا۔

ا۔ اس ادارہ کا نام ''مجلسِ ادب'' ہو گا اور اس کا صدر مقام اور مرکزی دفتر مظفرآباد میں ہوگا۔ اس کی شاخیں آزاد کشمیر کے علاوہ پاکستان میں بھی ہوں گی اور مجلس کے ارکان آزاد کشمیر سے باہر بھی اس کا اجلاس بلا سکیں گے۔

۲۔ اس کے مقاصد میں علم و ادب اور روحانی اقدار کو ترقی دینا۔ اردو کے علاوہ ریاست کی چار مروجہ زبانوں یعنی کشمیری، پہاڑی، پنجابی اور گوجری کی ترویج اور ان زبانوں کے شعراء اور نثر نگاروں کے کلام کو یکجا کر کے اس کی تشہیر کرنا۔ مختلف زبانیں میں ترجمہ کرنا اور کتابی شکل میں عوام تک پہنچانا شامل ہیں۔ اس کے علاوہ نئی پود میں ان زبانوں سے زیادہ شوق پیدا کرنا اور ادبی مجالس کا اہتمام کرانا شامل ہے۔

۳۔ مجلس کے ہر ماہ میں زیادہ سے زیادہ دو اجلاس اور ایک سالانہ تقریب ہوا کرے گی۔ سالانہ اجلاس میں سال بھر کی سرگرمیوں کا جائزہ پیش کیا جائے گا جس میں آزاد کشمیر اور پاکستان کے دانشوروں، ادیبوں اور شعراء کو شمولیت کی دعوت دی جایا کرے گی اور مجلس اپنی ادبی کاوشوں میں ان سے رہنمائی بھی حاصل کیا کرے گی۔

۴۔ مجلس ایک ماہنامہ کا بھی اجراء کرے گی جس میں چاروں زبانوں میں

مضامین اور نظمیں شامل ہوا کریں گی۔

۵۔ یہ مجلس غیر سیاسی ہو گی اور ہر خواندہ شخص اس کا ممبر بن سکے گا جس کے لیے زر رکنیت ایک روپیہ ہو گا اور پھر ماہوار ایک روپیہ چندہ دینا ہو گا۔ جس کا اندراج متعلقہ رجسٹر میں کیا جائے گا۔ ہر ممبر زر رکنیت اور ماہانہ چندہ باقاعدگی سے ادا کرے گا۔ مسلسل تین ماہ تک چندہ ادا نہ کر سکنے کی صورت میں رکنیت ختم ہو جائے گی۔

۶۔ مجلس ذی اثر اشخاص پر مشتمل ایک کمیٹی کی بھی تشکیل کرے گی جو مخیّر حضرات سے اس ادارہ کے لیے چندہ باخذ رسید جمع کیا کرے گی۔ مختلف زبانوں کی ترویج اور ترقی کے لیے الگ الگ کمیٹیاں قائم کرے گی جن کے سربراہ ان زبانوں میں ملکہ رکھنے والے افراد ہوں گے جن کے ذمہ متعلقہ زبانوں کی ترقی کے لیے ذرائع تلاش کرنا ہو گا۔

ب: مجلس کے عہدیدار حسب ذیل ہوا کریں گے:

۱۔ صدر، نائب صدر، جنرل سیکرٹری، سیکرٹری نشر و اشاعت، خزانچی۔

۲۔ صدر جو مجلس کا سربراہ ہو گا، کا چناؤ ہر سال مجلس ادب کے کنونشن میں ہوا کرے گا اور اس چناؤ میں صرف ممبر حضرات ہی حصہ لیں گے۔

۳۔ ممبروں کا کورم ایک تہائی ہوا کرے گا جو دیگر ممبروں کی غیر حاضری کی صورت میں مجلس سے متعلق فیصلہ صادر کرنے کا مجاز ہو گا، چاہیے وہ صدر کے انتخاب کا اہم فیصلہ ہی کیوں نہ ہو۔

۴۔ عام طور پر سیکرٹری مجلس ادب کا اجلاس بلا سکے گا البتہ صدر کسی وقت بھی ہنگامی اجلاس طلب کر سکتا ہے۔

۵۔ صدر مجلسِ عاملہ کے ممبران کی نامزدگی خود کیا کرے گا۔ جس میں عہدیداروں، ذیلی شعبوں کے ناظموں اور اراکین کے علاوہ سات ممبر لیے جائیں گے اور صدر اپنی مرضی سے مجلس عامہ کا اجلاس بلایا کرے گا۔ اور مجلس عامہ کی ایک تہائی ممبروں کے مطالبہ پر مجلس عامہ کا اجلاس بلانے کا پابند بھی ہو گا۔

۶۔ صدر دو سو روپے تک کے اخراجات کی منظوری دے سکتا ہے اس سے زیادہ رقم کے اخراجات کی منظوری کے لیے مجلسِ عامہ کی منظوری لازمی ہو گی۔

۷۔ صدر کی غیر موجودگی میں نائب صدر مجلس کی صدارت کیا کرے گا اور صدر کی عدم موجودگی کی صورت میں صدر کے اختیارات استعمال کرنے کا مجاز ہو گا۔

۸۔ جنرل سیکرٹری کے دائرہ کار میں ریکارڈ کو محفوظ رکھنا، اجلاس کے لیے اراکین

کو نوٹس جاری کرنا، ایجنڈا تیار کرنا، میٹنگ میں کیے گئے فیصلوں کو نوٹ کرنا اور ان پر عملدرآمد کرانا، خط و کتاب کرنا اور صدر کے مشورے سے اجلاس طلب کرنا شامل ہیں۔

۹۔ جنرل سیکرٹری اہم ذمہ داریوں کے پیش نظر بوقت ضرورت -/۵۰ روپے تک خرچ کر سکتا ہے۔

۱۰۔ سیکرٹری نشر و اشاعت کے فرائض میں مجلس ادب کی سرگرمیوں کی تشہیر کرنا اور اخبارات، ریڈیو اور دیگر ذرائع بلاغ کے ذریعے مجلس کی سرگرمیوں سے عوام کو آگاہ کرنا شامل ہے۔

۱۱۔ خزانچی: خزانچی کا کام چندہ وصول کرنا اور اس کا حساب رکھنا ہوگا نیز رقم بنک میں جمع کرنا اور جب کوئی رقم برآمد کرنا مطلوب ہو تو جنرل سیکرٹری اور خزانچی دونوں چیک پر دستخط کرنے کے پابند ہوں گے۔ بنک کا تعین مجلس عاملہ کرے گی۔ خزانچی کسی بھی ممبر کی درخواست پر مالی پوزیشن کی پڑتال کرانے کا پابند ہوگا۔

۱۲۔ خزانچی، کیش بک، ووچر اور رسیدیں محفوظ رکھنے کا ذمہ دار ہوگا۔

۱۳۔ مجلس عاملہ کے اراکین اس بات کے پابند ہوں گے کہ وہ بلاناغہ ہر میٹنگ میں شرکت کریں۔

۱۴۔ مجلس ادب کے اہم فیصلے مجلسِ عامہ کی میٹنگ میں ہی ہوا کریں گے اور کسی اختلاف کی صورت میں فیصلہ اکثریت کی رائے سے ہوگا۔

۱۵۔ مجلسِ ادب کے تین ذیلی لسانی شعبے ہوں گے۔

(۱) شعبہ کشمیری، (۲) شعبہ پہاڑی/پنجابی (۳) شعبہ گوجری

(۱) ہر شعبہ کا ایک ایک ناظم اور دو دو رکن ہوں گے جنہیں مجلس عامہ منتخب کرے گی۔

(ب) ذیلی شعبوں کے ناظم اور اراکین بھی مجلسِ عامہ کے ممبر ہوں گے۔

۱۶۔ مجلس کی دفتری زبان اردو ہوگی۔

۱۷۔ مجلس کا علامتی طغریٰ کتاب، قلم دوات اور شمع کی نصف دائرے میں اَلَّذِی عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ہوگا۔

۱۸۔ اس آئین کی ترمیم کا اختیار مجلسِ عامہ کو ہوگا۔ مجلسِ عامہ کی دو تہائی اکثریت ترمیم کی تجویز دے گی۔ [۷۹]

مجلس ادب نے آزاد کشمیر کی تینوں بڑی علاقائی زبانوں، پنجابی/پہاڑی، کشمیری اور گوجری کا الگ الگ شعبہ قائم کر کے ان کا ایک ایک ناظم مقرر کر دیا۔ شعبہ پہاڑی/پنجابی کا ناظم مظفر احمد ظفرؔ، شعبہ کشمیری کا ناظم عبدالحفیظ سالکؔ اور شعبہ گوجری کا ناظم ڈاکٹر صابرؔ آفاقی کو مقرر کیا گیا۔ اگرچہ ''مجلسِ ادب'' کے اصول و ضوابط

کے مطابق تین علاقائی زبانوں کشمیری، گوجری اور پہاڑی کو نمائندگی دی گئی لیکن مجلس کی سرکاری زبان اردو ہی رکھی گئی۔ علاقائی زبانوں کو فروغ دینے کا مقصد بھی اردو کے ذخیرہ الفاظ میں اضافہ کرنا اور اس کو وسعت دینا ہے۔ اس بزم نے کشمیر کے صوفی شاعر شیخ نورالدین ولیؒ کی شش صد سالہ برسی اور سیف الملوک کے شاعر میاں محمدؒ کی یاد میں دو تقریبات منعقد کیں۔ ان تقریبات میں مقامی و ریاستی شعراء و ادباء کے علاوہ پاکستان کے جانے مانے شعراء نے بھی شرکت کی۔

''شمع ادب سوسائٹی''، مظفرآباد:

اس انجمن کا قیام ۱۹۷۳ء میں عمل میں لایا گیا۔ ''شمع ادب سوسائٹی'' کو بنانے والوں میں آزر عسکریؔ، لطیف انصاری، یعقوب ہاشمی، جوانمرگ منورؔ قریشی اور الطافؔ قرشی شامل تھے۔ بزم کے پہلے جنرل سیکرٹری عارف ادیبؔ کیانی تھے جنہیں بعد میں مستقل صدر بنا دیا گیا۔ سیکرٹری منور شاہ اور جنرل سیکرٹری عبدالطیف کھوکھر تھے۔ بزم کے مستقل اراکین میں عبدالغنی غنیؔ، محمد خان نشترؔ، غلام حسین شاہ بے تابؔ، نذیر خاور لدھیانوی شامل تھے۔ یہ تمام اصحاب اپنے حلقے کی جانی مانی شخصیات تھے۔ ان کے علاوہ کچھ نوآموز شعراء بھی ''شمع ادب سوسائٹی'' کے مستقل ممبر تھے۔ ان میں نعیم اختر نعیمؔ، ابراہیم گل خلف آزرؔ عسکری، زاہد کلیم خلف محمد خان نشترؔ، منور ہاشمی، ظفر الحسن وفاؔ، عارف ادیبؔ کیانی اور عبدالطیف قریشی شامل ہیں۔ بزم کے مستقل اراکین کی تعداد ۱۵ تھی۔

قواعد وضوابط:

انجمن کے قواعد وضوابط یہ تھے:

۱۔ نئے لکھنے والوں کی اصلاح کرنا۔

۲۔ عوام میں ادبی ذوق پیدا کرنا۔

۳۔ نئے شعراء کو فنی رموز اور علم عروض سے واقف کرانا۔

۴۔ آزاد کشمیر میں اردو کی ترویج و اشاعت کرنا۔

چند اہم اراکین کا تعارف درج ذیل ہے:

عارف ادیبؔ کیانی:

عارف ادیبؔ کیانی کشمیری النسل نہیں ہیں۔ وہ چکوال کے رہنے والے ہیں۔ وہ آزاد کشمیر کے محکمہ موسمیات میں ۲۵ برس تک ملازم رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد وہ اپنے آبائی وطن چکوال کے قریب گاؤں سکھو چلے گئے۔ آج کل وہ مقامی مسجد میں امامت کے فرائض ادا کر رہے ہیں۔ عارف ادیبؔ کیانی کو علم عروض پر دسترس حاصل ہے۔ وہ اردو اور پوٹھوہاری کے مایہ ناز شاعر ہیں۔ آج کل وہ اردو کی بجائے صرف پوٹھوہاری زبان میں شاعری کر رہے ہیں۔ ان کے پوٹھوہاری شعری مجموعے کا نام ''سُکا ٹانڈا'' ہے۔

زاہد کلیم:

زاہد کلیم محمد خان نشترؔ کے فرزند ارجمند ہیں۔ یہ ریڈیو آزاد کشمیر میں کام کرتے ہیں۔ انھوں نے ۱۹۷۳ء

میں شاعری شروع کی۔ زاہد کلیمؔ نے شروع میں عارف ادیب کیانی سے اصلاح لی۔ بعد میں اپنے والد محترم سے اصلاح لیتے رہے پھر زاہد کلیم ۱۹۷۲ء سے ۱۹۸۲ء تک جوش ملیح آبادی سے اصلاح لیتے رہے۔ وہ جوشؔ کے ساتھ پہلے کراچی اور پھر اسلام آباد رہے۔ جوشؔ شاگردی کے باعث زاہد کلیم کے کلام میں بھی جوشؔ ملیح آبادی کے کلام جیسی روانی، گھن گرج اور نغمگی ہے۔ ان کے ہاں غزل کا روایتی انداز تغزل موجود ہے۔ ان کا شعری مجموعہ ''نغمہ تارحیات'' ۱۹۸۲ء میں چھپا۔

زاہد کلیم کی شاعری میں جو تاثیر اور پختگی ہے اس کا اعتراف کراچی کے اہل زبان شعراء بھی کرتے ہیں۔ بقول زاہد کلیم:

> ''۱۹۸۴ء میں کراچی کے علاقے عزیز آباد کی ابو تراب امام بارگاہ میں نعتیہ مشاعرہ تھا۔ راغب مراد آبادی نے مجھے بھی شرکت کی دعوت دی۔ رات نو بجے کھانا کھانے کے بعد مرزا فرحت اللہ بیگ کے پوتے مرزا سعادت اللہ بیگ جو میرے دوست ہیں مجھے مشاعرے میں لے گئے۔ مشاعرے میں رات ۲ بجے میری باری آئی۔ جب میں نے اپنا نعتیہ کلام سنایا تو ساری محفل پر سکوت طاری ہوگیا۔ بعد میں اہل محفل نے مجھے خوب داد دی۔'' ۷۰

بزم کے ہفتہ وار اجلاس ہوتے تھے۔ ہر جلسے کے دو ادوار ہوتے تھے۔ پہلے دور میں تنقید ہوتی تھی۔ تنقیدی نشست کے لیے ضروری تھا کہ شاعر اپنی ایک نظم یا ایک غزل اور ادیب ایک افسانہ یا ایک مضمون تنقید کے لیے پیش کرے۔ باقی اراکین بزم غزل/نظم کی لفظی و معنوی خوبیوں، صوتی آہنگ، تخیل و تصور، ہیت و ساخت اور اسلوب بیان پر اظہار خیال کرتے۔ اسی طرح افسانہ پر تنقید کرتے ہوئے اس کی کہانی، کردار نگاری اور افسانہ نگار کا پیش کردہ نظریہ کیا ہے کے بارے میں اظہار خیال کرتے۔ اس کے بعد جلسے کے دوسرے دور میں مشاعرہ ہوتا جس میں بزم کے اراکین کے علاوہ عام شعراء بھی اپنا کلام سناتے۔ انجمن کے مشاعروں میں ہر صنف شاعری پر طبع آزمائی کی جاتی تھی۔

''شمع ادب سوسائٹی'' کے جلسوں کی کارروائی کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جاتا جس کے بارے میں زاہد کلیم بتاتے ہیں:

> ''بزم کی کارروائیوں کا اندراج کرنے کے لیے باقاعدہ رجسٹر ہوتا تھا۔ ہر ہفتے اجلاس شروع ہونے سے پہلے پچھلے اجلاس کی کارروائی سنائی جاتی۔ حاضرین اور صدر انجمن اس سے اتفاق کرتے تو صدر انجمن جلسہ کی کارروائی والے رجسٹر پر دستخط کرتے۔'' ۷۱

''شمع ادب سوسائٹی'' نے وسائل کی کمی کے سبب کوئی بڑا جلسہ نہیں کرایا۔ انجمن نے اپنے جلسوں کی

صدارت کے لیے پاکستانی اہل قلم کو بھی مدعو نہیں کیا۔ اس کے زیادہ تر اجلاس بوائز ڈگری کالج مظفرآباد کے گراؤنڈ کے احاطے میں منعقد کیے جاتے تھے۔ بزم کے اجلاس ہر ہفتے منعقد کیے جاتے تھے۔ اس لیے ہر جلسے کی صدارت کے لیے نئے صدر کا انتخاب کیا جاتا تھا۔ جن نامور اہل قلم حضرات نے شرف صدارت حاصل کیا ان میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ غلام احمد پنڈت

۲۔ الحاج یعقوب ہاشمی

۳۔ عزیز الدین قریشی (پرنسپل ڈگری کالج مظفرآباد)

۴۔ پروفیسر عبدالصمد

۵۔ عطا حسین کلیم (ڈائریکٹر ریڈیو)

۶۔ سید غلام حسین بے تاب۔

انجمن کے اخراجات پورے کرنے کے لیے اراکین سے چندہ جمع کیا جاتا تھا۔ جلسوں کے اخراجات صدر جلسہ خود ادا کیا کرتے تھے۔ ''شمع ادب سوسائٹی'' نے مظفرآباد میں بھرپور علمی و ادبی سرگرمیاں دکھائیں۔ انجمن کی مجالس اور مشاعروں نے مقامی لوگوں میں ادبی ذوق پیدا کیا۔ مشاعروں میں اراکین انجمن کے علاوہ عام مقامی لوگ بھی شرکت کرتے تھے۔ انجمن نے کئی نوآموز شعراء کی آبیاری کر کے انہیں صف اول کا شاعر بنا دیا۔ مگر افسوس ۱۹۷۵ء کے بعد انجمن کے ماہانہ اجلاسوں میں تعطل پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ تعطل کا سبب ابراہیم گل کی زبانی یہ ہے:

> ''انجمن کے تینوں کرتا دھرتا اراکین میں سے زاہد کلیم، جوش ملیح آبادی کی شاگردی اختیار کر کے کراچی چلے گئے۔ میں روزگار کی تلاش میں جرمنی چلا گیا اور عارف ادیب کیانی نوکری کی معیاد پوری ہونے کے بعد اپنے آبائی وطن پوٹھوہار منتقل ہو گئے۔ ہم تینوں کی عدم موجودگی میں باقی اراکین کا دل بھی انجمن کے کاموں سے اچاٹ ہو گیا۔'' ۲۷

اس طرح ایک ادب پرور انجمن اپنے اراکین کے بکھرنے کے باعث ستمبر ۱۹۷۶ء میں مکمل طور پر اپنا وجود کھو بیٹھی۔

''بزم آزر عسکری''، مظفرآباد:

آزاد عسکری کا تعارف:

فتح محمد ملک آزر عسکری ۲۸ اپریل ۱۹۱۱ء کو اسکردو میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد تحصیلدار کے عہدے پر فائز تھے۔ وہیں سابق صدر آزاد کشمیر کے ایچ خورشد کے والد محمد حسن حسن سکردو میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ دونوں کے درمیان گہری دوستی تھی۔ بعد میں یہی دوستی ان کے بچوں میں منتقل ہو گئی۔ آزر عسکری اور کے۔ ایچ خورشید کے

آپس میں گہرے دوستانہ مراسم تھے۔ آزر عسکری کی زیادہ تر پرورش سرینگر اور جموں میں ہوئی۔ وہ کشمیر کے مزاح نگار شاعر تھے۔ ان کا کلام سننے والے کو قہقہے لگانے پر مجبور کر دیتا ہے مگر جب اہل نظر لوگ کلام کی معنوی گہرائی پر غور کرتے ہیں تو انھیں طنز و مزاح کے پردے میں معاشرتی ناہمواریاں اور رستے ناسور دکھائی دیتے ہیں۔۴۳

۱۹۱۷ء سے قبل حفیظ جالندھری اکثر مشاعروں میں شرکت کرنے کے لیے سرینگر جایا کرتے تھے۔ اسی دوران آزر عسکری نے ان سے اصلاح لینا شروع کی۔ آزر عسکری کے نام حفیظ جالندھری کے خطوط بھی ہیں جو اب آزر کے بیٹے کے پاس محفوظ ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد آزر عسکری ہجرت کر کے پہلے سیالکوٹ، لائل پور (فیصل آباد) اور پھر لاہور رہے مگر جب ۲۷ اپریل ۱۹۵۹ء میں کے۔ایچ خورشید صدر بنے تو انھوں نے آزر عسکری کو مظفرآباد مستقل سکونت اختیار کرنے کی دعوت دی۔ ساتھ ہی انھیں کچھ زمین اور مکان الاٹ کر دیے۔ چنانچہ انھوں نے کے۔ایچ خورشید کی دعوت پر مظفرآباد کو اپنا مستقل مسکن بنا لیا۔ آزر ۱۹۸۳ء میں مظفرآباد میں ہی فوت ہو گئے اور وہیں مدفون ہوئے۔ سلیم خان گمی آزر عسکری کی مزاحیہ شاعری کے متعلق لکھتے ہیں:

> ”جو مقاصد اکبر الہ آبادی کے پیش نظر تھے وہی آزر کے سامنے بھی ہیں اور انھوں نے کشمیر کا ”لسان العصر“ ہونے کا حق خوب ادا کیا ہے۔ فارسی و اردو ہی میں نہیں کشمیری و پنجابی میں بھی۔ عرش سے اچانک فرش پر اتر آنے کی جو تکنیک مزاح میں لازم ہے آزر بالعموم اپنی نظموں میں استعمال کرتے ہیں اور بڑی برجستگی سے ان کا مصمم ارادہ ہے کہ ان کے ترکش میں جو بھی تیر ہیں وہ ان کو برابر ملی مقاصد کے لیے کام میں لاتے رہیں اور ان کا سرجن اغیار سے ہی نہیں رگ ملت سے بھی لہو لیتا رہے۔“ ۴۴

ڈاکٹر صابر آفاقی نے آزر عسکری کی وفات کے بعد ان کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا:

> ”آزر عسکری مرحوم اردو، فارسی، کشمیری اور پنجابی کے نامور شاعر تھے۔ ان کا بیشتر کلام طنز و مزاح پر مشتمل ہے اور اب اس حیثیت سے نہ صرف یہ کہ ریاست جموں و کشمیر میں نامور شاعر مانے گئے بلکہ برصغیر پاک و ہند کے ادبی حلقوں میں بھی کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ طنز و مزاح میں آپ نے وہ مقام پیدا کیا کہ آپ ”اکبر کشمیر“ کہلائے۔“ ۴۵

انجمن کا قیام:

جب ۶ مارچ ۱۹۸۳ء میں آزر عسکری صاحب وفات پا گئے تو ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے ابراہیم گل نے ان کی یاد میں ۱۹۸۴ء میں بزم آزر عسکری کے نام سے مظفرآباد میں ادبی انجمن بنائی۔ بزم کے قیام میں ڈاکٹر صابر آفاقی نے ابراہیم گل کی مدد کی۔ اس کے پہلے صدر ڈاکٹر صابر آفاقی، نائب صدر جناب کفایت حسین

نقوی اور جناب مرزا زید اللہ فہیم (ریٹائر جج)، جنرل سیکرٹری ابراہیم گل، سیکرٹری زاہد کلیم، سیکرٹری نشر و اشاعت اور مالی امور کے نگران عارف ادیب کیانی تھے۔ بزم کے مشاعروں میں جو شعراء اکثر شرکت کرتے تھے ان میں مجاہد حسین نقوی (ایڈووکیٹ)، ڈاکٹر سید نثار ہمدانی، (صدر شعبہ اقتصادیات) جواد جعفری (چیئرمین کشمیر کلچرل اکیڈمی)، اور مخلص وجدانی (شاعر) شامل ہیں۔ بزم کے قیام کے مقاصد درج ذیل تھے:۔

۱۔ نوجوانوں میں شاعری کا ذوق پیدا کرنا۔

۲۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنا۔

بزم کے زیر اہتمام پندرہ روزہ اور ماہانہ مشاعروں کا انعقاد کیا جاتا رہا ہے۔ بزم کے زیادہ تر مشاعرے ابراہیم گل اور ڈاکٹر سجاد گیلانی کے گھر منعقد کیے گئے۔ یہ دونوں اصحاب مشاعرے میں شریک شعراء کے رات کے کھانے کا بندوبست کرتے۔ بزم کی دو/تین مجالس کفایت حسین نقوی اور جی ایم لولابی کے گھر پر بھی منعقد کی گئیں۔

بزم کے قیام کے ساتھ ہی ۱۹۸۵ء میں ابراہیم گل نے آذر عسکری (مرحوم) کے یاد میں ایک محفل مشاعرہ منعقد کرائی۔ اس محفل میں مقامی و ریاستی شعراء کے علاوہ پاکستانی شعراء نے بھی شرکت کی۔ اس خصوصی شام میں شرکت کرنے والے تمام شعراء نے آذر عسکری کو منظوم خراج تحسین پیش کیا۔ بعد میں ۱۹۸۶ء میں ابراہیم گل نے مشاعرے کی تمام کارروائی کو "محفل مشاعرہ" کے نام سے چھپوایا۔

ابراہیم گل کو کتاب چھاپنے کے لیے لوکل گورنمنٹ آف آزاد جموں وکشمیر نے ۲ ہزار روپے دیے جبکہ حبیب بینک لمیٹڈ آزاد کشمیر کے سرکل ایگزیکٹو خالد لون (یہ آذر عسکری مرحوم کے دوست تھے) نے ابراہیم گل کو ۲ ہزار روپے بینک سے قرض کے طور پر دلوائے تاکہ وہ آسانی سے کتاب چھپوا سکیں۔

بزم صرف مشاعروں کا انعقاد کراتی رہی ہے تنقیدی نشستوں کا کبھی اہتمام نہیں کیا گیا۔ بزم نے کئی نوآموز شعراء کی تربیت کی۔ اب یہ شعراء کشمیر میں اردو ادب کے درخشاں ستارے ہیں۔ ان میں اعجاز نعمانی، علی عارفین اور ایم یامین شامل ہیں یہ تینوں شعراء ابراہیم گل سے اصلاح لیتے رہے ہیں۔ بقول ابراہیم گل:

> "ان نو آموز شعراء کی اصلاح کے لیے طریقہ اپنایا گیا کہ وہ گھر سے غزل/نظم لکھ لائیں اور مشاعرے کے آغاز سے پہلے مجھ سے اصلاح لے لیں" ۶ے

بزم نے ۱۵ فروری ۱۹۸۴ء کو مرزا غالب کے حوالے سے محفل مشاعرے کا انعقاد کیا۔ شعراء نے مشاعرے میں غالب کی بحروں پر لکھی ہوئی غزلیں سنائیں نیز کچھ شعراء نے غالب کے اشعار کے مصرعوں پر لکھی ہوئی غزلیں بھی سنائیں۔ زید اللہ فہیم بزم کو درپیش مسائل حل کرنے میں ہمیشہ مدد کرتے رہے ہیں۔ بزم کے ایک اور نوجوان رکن شاہد بہار (ایڈووکیٹ) نے بزم آذر کو رجسٹرڈ کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔

بزم کا سالانہ مشاعرہ آذر عسکری کی برسی کے موقع پر ہر سال منعقد کیا جاتا رہا ہے ان میں سے کچھ مشاعروں میں طرح مصرع دیا جاتا رہا ہے۔ جبکہ اکثر مشاعروں میں شعراء کو اجازت تھی کہ وہ جس موضوع پر

جائیں اپنی تخلیقات پیش کریں۔ بزم نے ۱۹۸۶ء میں العباس ہوٹل مظفرآباد کی چھت پر مشاعرہ منعقد کرایا۔ جس میں بزم کے ارکین شعراء سید بشارت، ابراہیم گل، ارشد گیلانی، نعیم اختر نعیم ، عارف ادیب کیانی، زید اللہ فہیم ، زاہد کلیم اور ڈاکٹر صابر آفاقی نے بھرپور انداز سے شرکت کی۔ مشاعرے میں پاکستان سے سید عارف، سید ضمیر جعفری اور راجہ شاہد حسین نے بھی شرکت کی۔

بزم نے ۱۰ اپریل ۲۰۰۵ء میں عبدالعلیم صدیقی کے ساتھ خصوصی شام نیلم ویو ہوٹل مظفرآباد میں منعقد کی یہ تقریب تین گھنٹے تک جاری رہی۔ تقریب کے انتظامات پر ۲ ہزار روپے خرچ ہوئے مشاعرے کی صدارت پروفیسر عبدالعلیم صدیقی نے کی مشاعرے میں مقامی شعراء کی بڑی تعداد نے بھی شرکت کی۔ بزم آزر عسکری نے غزل اور پابند نظم پر توجہ دی۔ بزم ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء میں ہونے والے زلزلے کے باعث تعطل کا شکار ہے۔ کیونکہ زلزلے نے اراکینِ انجمن کو بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ اکثر اراکینِ بزم اپنے پیاروں کو کھو چکے ہیں۔ وقت سب سے بڑا مرہم ہے مگر زخم بھرنے میں ابھی وقت لگے گا۔ امید ہے کہ بزم کے ارکین جلد ہی اپنی اصل ڈگر پر لوٹ آئیں گے اور وہ دن دور نہیں جب بزم پھر زندگی کی طرف لوٹ آئے گی۔

''ینگ مینز لٹریری ایسوسی ایشن''، مظفرآباد:

یہ انجمن ۱۹۸۴ء میں بنائی گئی اس کو بنانے والوں میں خالد جمیل، ڈاکٹر سید نثار حسین ہمدانی، فاروق مغل، طاہر مسعود، شیخ مظفر مقدم اور قاضی امین کاشف شامل تھے۔ انجمن کے پہلے صدر خالد جمیل اور سیکرٹری ڈاکٹر نثار حسین ہمدانی (صدر شعبہ اقتصادیات آزاد جموں وکشمیر یونیورسٹی مظفرآباد) تھے۔ انجمن کے مستقل ممبران کی تعداد ۱۴ تھی۔ مقامی اہلِ علم بھی ذوق وشوق سے اس کے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔

انجمن کے اجلاس ہر ماہ باقاعدگی سے منعقد کیے جاتے تھے۔ زیادہ تر اجلاس یونیورسٹی ہال یا نیلم گیسٹ ہاؤس میں منعقد کیے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ ممبران باری باری اپنے گھروں میں بھی مشاعروں اور اجلاسوں کا اہتمام کرتے تھے۔ انجمن کے زیادہ تر اجلاس ڈاکٹر سجاد گیلانی کے ہاں ہی منعقد کیے جاتے تھے۔ انجمن کے زیرِ اہتمام مشاعروں، مقالوں، مباحثوں اور تنقیدی نشستوں کا اہتمام کیا جاتا رہا ہے۔

مشاعروں میں شعراء کو مخصوص موضوع پر اپنی تخلیقات پیش کرنے کے لیے کہا جاتا تھا۔ خاص نشست کے موقع پر صدر انجمن شرکاء کو طرحی مصرع پر غزل سنانے کے لئے کہتے تھے۔ کبھی کبھار تنقیدی نشست کا بھی باقاعدہ انعقاد کیا جاتا تھا جس کے بارے میں ڈاکٹر سید نثار حسین ہمدانی بتاتے ہیں:

> ''اس کا طریقہ یہ تھا کہ شرکائے محفل کو رکن شاعر یا نثر نگار کی (نثری یا شعری) تخلیق دے دی جاتی جس پر وہ تنقید کرتے۔ اس تنقید میں تخلیق کے فن، فکر، صوتی حسن، تخلیقی جمال اور روانی کو زیرِ بحث لایا جاتا'' ؎۶

''ینگ مینز لٹریری ایسوسی ایشن'' نے مختلف شعراء کے ساتھ خصوصی شام، کتب کی تعارفی تقاریب اور قومی دن کے حوالے سے خصوصی دن منانے کی روایت کو ہمیشہ برقرار رکھا۔ اس کے جلسوں میں غیر ریاستی شعراء اور اہلِ قلم

کو مدعو کیا جاتا رہا ہے جس میں احمد ندیم قاسمی اور احمد فراز وغیرہ شامل ہیں۔

خالد جمیل جو انجمن کے سرگرم رکن اور روح رواں تھے۔ جب ان کا فیصل آباد تبادلہ ہو گیا تو ایسوی ایشن کی سرگرمیاں تعطل کا شکار ہونے لگیں اور وہ انجمن جو ماضی میں شاندار ادبی روایات کی حامل رہی ۱۹۹۰ء میں اپنا وجود کھو بیٹھی مگر مٹنے سے پہلے اردو ادب پر اپنے ان مٹ نقوش چھوڑ گئی۔

"کشمیر سوسائٹی آف سائنٹیفک اینڈ سوشل ریسرچ"، مظفرآباد:

"کشمیر سوسائٹی آف سائنٹیفک اینڈ سوشل ریسرچ" کا قیام ۱۳ جولائی ۱۹۸۴ء کو عمل میں لایا گیا۔ انجمن کے صدر بشیر حسین جعفری اور جنرل سیکرٹری ڈاکٹر نثار حسین ہمدانی ہیں۔ انجمن کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس کے ممبران کے لیے ضروری نہیں کہ وہ ریاست جموں وکشمیر کے باشندے ہوں بلکہ غیر ریاستی اور پاکستانی شہریت رکھنے والے اہل علم اور ادبی ذوق کے مالک بھی اس کے ممبر بن سکتے ہیں۔ پاکستان سے ڈاکٹر محمد ناصر، ڈاکٹر عثمان مصطفیٰ، ایم عزیز تارڑ سوسائٹی کے ممبر ہیں۔ ریاستی ممبران میں کرنل (ر) ڈاکٹر مسعود الحسن (مرکزی چیرمین)، ڈاکٹر افتخار حسین مغل، ڈاکٹر اعجاز، خواجہ خورشید احمد اور مشتاق پیرزادہ کے نام قابل ذکر ہیں سوسائٹی کے زیر اہتمام ماہانہ اجلاس منعقد کیے جاتے رہے ہیں۔ اس کے صدر کا تقرر دو سال کے لیے کیا جاتا ہے۔ صدر کا انتخاب اراکین کی ووٹنگ کے ذریعے ہوتا ہے۔ مختلف ادوار میں منتخب کیے جانے والے صدر کے نام مع سال درج ذیل ہیں۔

	نام	سال
۱۔	سید محمد علی الحسن فاطمی	۱۹۸۵ تا ۱۹۸۷
۲۔	ڈاکٹر فاروق شیخ	۱۹۸۷ تا ۱۹۸۹
۳۔	ڈاکٹر صلاح الدین	۱۹۸۹ تا ۱۹۹۱
۴۔	سردار محمد صدیق خان	۱۹۹۳ تا ۱۹۹۵
۵۔	غلام ربانی خان (اکاؤنٹنٹ جنرل آزاد کشمیر)	۱۹۹۵ تا ۱۹۹۷
۶۔	کرنل (ر) مسعود الحسن	۱۹۹۷ تا ۱۹۹۹
۷۔	کرنل (ر) مسعود الحسن	۱۹۹۹ تا ۲۰۰۱
۸۔	سید بشیر حسین جعفری	۲۰۰۱ تا حال

سوسائٹی تنقیدی نشستوں کا بھی اہتمام کرتی رہی ہے۔ سیدہ آمنہ بہار روناؔ کی کتاب "چناروں کی آگ" اور ڈاکٹر افتخار حسین مغل کی کتاب "لہو لہو کشمیر" بھی ان کتابوں میں شامل ہیں جن پر تنقیدی نشستوں میں ان کی شاعری کے فن و فکر پر بحث و مباحثہ کیا جاتا رہا ہے۔ سوسائٹی کی تنقیدی نشستوں میں اراکین کے علاوہ مقامی اور ریاستی اہل علم و قلم شرکت کر کے دوسروں کو اپنے قیمتی خیالات سے مستفید کرتے رہے ہیں۔ اسی طرح کچھ تنقیدی نشستوں میں رکن شاعر یا ادیب اپنی تخلیقیات سناتا ہے تو دوسرے اراکین انجمن ان تخلیقات کے محاسن پر تخلیقی اور تعمیری تنقید کرتے ہیں جس سے مذکورہ رکن کو اپنی غلطیوں کی اصلاح کا موقع ملتا ہے ساتھ ہی اسے معلوم

ہو جاتا ہے کہ اس کی تخلیق کا معیار کیا ہے اور اس میں مزید کتنی محنت کی ضرورت ہے۔

انجمن کتب کی تعارفی تقاریب کا بھی انعقاد کرتی رہی ہے جن میں جولائی ۱۹۹۳ء میں ڈاکٹر سید نثار حسین ہمدانی کے شعری مجموعے ''چنار چاندنی اور چنبیلی'' کی تقریب اہمیت کی حامل ہے۔ اس تقریب میں سیکرٹری کے فرائض ڈاکٹر افتخار حسین مغل نے ادا کیے۔ صدر محفل پاکستان کے نامور شاعر منیر نیازی تھے۔ یہ واحد تقریب تھی جس میں اس وقت کے صدر آزاد کشمیر سردار سکندر حیات صاحب نے شرکت کی۔ بعدازاں مشاعرہ بھی ہوا جس میں ان تمام احباب نے شرکت کی۔

انجمن کے مالی اخراجات کو پورا کرنے کے سلسلے میں ڈاکٹر سید نثار حسین ہمدانی بتاتے ہیں:

''انجمن کے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے تین طریقے اپنائے گئے:

ا۔ اراکین انجمن سے فیس کی وصولی (انجمن کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے فیس میں کمی بیشی کی جا سکتی ہے)

۲۔ ممبران اپنی طبع شدہ کتابوں کو فروخت کر کے انجمن کے اخراجات پورے کرتے ہیں۔

۳۔ گورنمنٹ سے حاصل ہونے والی گرانٹ (جو مختلف اوقات میں بدلتی رہتی ہے)۔'' ۸؎

''کشمیر سوسائٹی آف سائنٹیفک اینڈ سوشل ریسرچ'' پاکستان اور آزاد کشمیر کے قومی اور ملی دن کے حوالے سے خصوصی تقریبات کا اہتمام کرتی رہی ہے جن میں اراکین خوبصورت غزلیں، نظمیں اور مضامین پیش کرتے رہے ہیں۔ ان تقریبات کی صدارت کے لیے پاکستان کے نامور شعراء اور ادباء کو دعوتِ شرکت دی جاتی رہی ہے۔ ان میں عطا الحق قاسمی، امجد اسلام امجد، منیر نیازی، اور ضمیر جعفری شامل ہیں۔ ان افراد کی رہائش، طعام اور سفر کا خرچ انجمن کے خازن کی طرف سے ادا کیے جاتے تھے۔

انجمن کے اراکین مختلف اصناف شاعری پر طبع آزمائی کرتے رہے ہیں۔ وہ غزل، نظم اور ہائیکو کو اپنے جذبات کی ترجمانی کے لیے استعمال کرتے رہے ہیں۔ ہائیکو (جاپانی صنف شاعری) میں ڈاکٹر سید نثار حسین ہمدانی کے جوہر زیادہ کھلتے ہیں۔ اپنی ہائیکو نگاری کے بارے میں ڈاکٹر سید نثار حسین ہمدانی بتاتے ہیں:

''میں نے آزاد کشمیر میں سب سے پہلے ہائیکو کو متعارف کرایا اور مشاعرے میں میری ہائیکو سننے کے بعد مرزا زید اللہ فہیم اور چند دوسرے اراکین بھی ہائیکو لکھنے کی طرف متوجہ ہوئے۔'' ۹؎

''کشمیر سوسائٹی آف سائنٹیفک اینڈ سوشل ریسرچ'' خصوصی شام کا بھی انعقاد کرتی رہی ہے۔ ان خصوصی شاموں میں الطاف قریشی (مرحوم) کی یاد میں منعقد کی گئی شام خصوصیت کی حامل ہے۔ یہ خصوصی شام ۱۹۸۸ء میں منعقد کی گئی۔ اس موقع پر اراکین انجمن نے الطاف قریشی مرحوم کی فنی خدمات کو سراہتے ہوئے ان کے اعزاز

میں مختلف نظمیں اور مضامین پیش کیے۔ انجمن کے اراکین ریڈیو آزاد کشمیر پر مختلف موقعوں پر اپنا کلام سناتے رہے ہیں۔ ان میں ڈاکٹر سید نثار حسین ہمدانی، ڈاکٹر افتخار حسین مغل، ڈاکٹر صابر آفاقی اور بشیر حسین جعفری شامل ہیں۔

انجمن ۲۰۰۰ء تک تسلسل اور باقاعدگی سے اردو زبان و ادب کی خدمت بجا لاتی رہی مگر پھر اس کے ماہانہ جلسوں میں مختلف وجوہات کی بناء پر تعطل پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ بعد میں ۸ نومبر ۲۰۰۵ء کو آنے والے زلزلے نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ جہاں بے شمار جانی و مالی نقصان ہوا وہیں علم و ادب کو بھی نا قابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا۔ کئی شعراء و ادباء خاک کا رزق بن گئے۔ مکانات کے زمین بوس ہونے کے باعث اہل علم حضرات کی علمی و ادبی کاوشیں اور دستاویزات بھی زمین کی گہرائیوں میں دفن ہو گئیں۔ انجمن کے اراکین کے مکانات بھی زلزلے کی زد سے نہ بچ سکے۔ بہت سے ادبی و علمی تخلیقات و کتب زمین کی وسعتوں میں پنہاں ہو گئیں مگر زندہ رہنے والے کو جینا پڑتا ہے مرنے والے کے ساتھ کوئی مر نہیں سکتا۔

اس نا قابل تلافی نقصان کے باوجود اہل علم حضرات نے اپنے آپ کو سنبھالے رکھا اور انھوں نے ۱۳ نومبر ۲۰۰۶ء کو ''کشمیر سوسائٹی آف سائنٹیفک اینڈ سوشل ریسرچ'' کی سالگرہ منانے کا فیصلہ کیا چنانچہ سالگرہ کے موقع پر ایک خصوصی پروگرام کا اہتمام کیا گیا جس میں مقامی و ریاستی شعراء و ادباء کے علاوہ زندگی کے دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کو بھی مدعو کیا گیا۔ یہ اجلاس خالصتاً ادبی نوعیت کا نہیں تھا۔ اس کا موضوع تھا ''ریسرچ میٹنگ'' یعنی زلزلے کے حوالے سے۔ شرکائے محفل نے نہ صرف اس موضوع پر ادبی انداز سے اظہار خیال کیا بلکہ سائنٹیفک ریسرچ کے حوالے سے زلزلے کے اسباب بیان کیے۔ اس ہولناک تباہی کے باوجود یہ تنظیم آج بھی اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے ہے۔ سائنٹیفک سوسائٹی کے اراکین زلزلے کی تباہ کاریوں کے باعث ذہنی طور پر بکھر چکے ہیں۔ اس لئے تا حال انجمن کے اجلاس تعطل کا شکار ہیں مگر وہ دن دور نہیں جب اراکین انجمن اس کو فعل اور متحرک ادبی انجمن بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔

''بزم ادب اجالا''، چکار، مظفر آباد:

چکار کا قصبہ ضلع مظفر آباد کی تحصیل ہٹیاں بالا میں واقع ہے۔ حسین سبز پوش اور دلکش پہاڑوں میں گھری وادیٔ چکار مظفر آباد شہر سے ۵۰ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ چکار کے ادب پرور طبقے نے ''بزم ادب اجالا'' چکار کے نام سے ۱۹۸۹ء میں ادبی انجمن قائم کی۔

''بزم ادب اجالا'' چکار ڈاکٹر افتخار حسین مغل کی سرپرستی میں قائم ہوئی۔ بزم کے پہلے صدر ڈاکٹر افتخار حسین مغل، نائب صدر ڈاکٹر اشفاق حیدری اور جائنٹ سیکرٹری توصیف خواجہ مقرر کیے گئے۔ ڈاکٹر سید نثار حسین ہمدانی، ایم یامین اور اعجاز نعمانی بزم کے فروغ کے لیے کوشاں رہے۔

''قواعد وضوابط:

۱۔ عوام میں ادبی ذوق پیدا کرنا۔

۲۔ آزاد کشمیر میں سٹیج ڈرامے کی زوال پذیر روایت کو

از سرِ نو زندہ کرنا۔

۳۔ بزم کے زیرِ اہتمام معیاری ڈرامے سٹیج کرانا۔

۴۔ مشاعروں کے ذریعے نئے لکھنے والوں کی تربیت کرنا۔ ۸۰

بزم کے زیرِ اہتمام بہت سے معیاری ڈرامے اور مشاعرے کرائے گئے۔ تمام ڈراموں کا انعقاد بوائز کالج چکار کے گراؤنڈ میں کیا جاتا تھا جبکہ مشاعروں کے لیے بوائز کالج چکار کے ہال کا انتخاب کیا جاتا تھا۔ بزم ہر ماہ باقاعدگی سے مشاعرے یا ڈرامے نہیں کراتی تھی۔ بلکہ کبھی ۲ ماہ بعد اور کبھی ۴ ماہ بعد ڈرامے/مشاعرے کا انعقاد کیا جاتا تھا۔ بزم نے علم و ادب کی ترویج کے ساتھ ساتھ اردو ڈرامے کے فروغ کے لیے جو کوششیں کیں ان کے بارے میں ڈاکٹر افتخار حسین مغل کہتے ہیں:

> ''بزم ادب اجالا چکار نے اپنی مجالس میں ڈراموں کے انعقاد پر توجہ دے کر آزاد کشمیر میں اسٹیج ڈرامہ کی زوال پذیر روایت کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی۔ ڈرامے لکھنے کی ذمہ داری میری تھی۔ ان ڈراموں کا موضوع زندگی کی ٹھوس اور تلخ حقیقتیں تھا۔ ڈرامے میں اداکاری کے جوہر بوائز کالج چکار کے طالب علم دکھاتے تھے'' ۸۱

''بزم ادب اجالا'' کے اراکین نے اردو زبان و ادب کے فروغ اور ترویج کے لیے منصوبہ بنایا کہ ہر سال ۱۴ اگست (یعنی یوم آزادئ پاکستان) کے موقع پر مشاعرے یا ڈرامے کرائے جائیں گے نیز ان مشاعروں کا انعقاد آل پاکستان سطح پر بھی کرایا جائے گا جبکہ ۲۴ اکتوبر (یوم تاسیس کشمیر) کے موقع پر مقامی سطح پر مشاعرہ کرایا جائے گا۔ بزم کے مشاعروں میں مصرع طرح دینے کے رواج کا خاتمہ کر دیا گیا اور شعراء کو اجازت دی گئی کہ وہ جس موضوع پر چاہیں نظمیں/غزلیں سنائیں۔

''بزم ادب اجالا'' چکار کو یہ اہمیت بھی حاصل ہے کہ اتنے دور افتادہ علاقے میں واقع ہونے کے باوجود مشاعروں کی صدارت کے لیے پاکستان کے مشہور اہل قلم حضرات کو دعوت دی جاتی رہی ہے۔ جن نامور اہل قلم نے بزم کے مشاعروں میں شرکت کی ان میں احمد فراز، امجد اسلام امجد اور انوار فیروز شامل ہیں۔

بزم کے بانی وصدر ڈاکٹر افتخار حسین مغل نے اپنی نظموں پر مشتمل کتاب ''لہو لہو کشمیر'' چھپوائی تو بزم نے کتاب کی تقریب رونمائی منعقد کی۔ اس کتاب کی بیشتر نظمیں وہی ہیں جو انھوں نے بزم کے مختلف مشاعروں میں پڑھی تھیں۔ بزم کے بانی اراکین یعنی ایم یامین، ڈاکٹر سید ثمار حسین ہمدانی، اور اعجاز نعمانی مشاعروں میں باقاعدگی سے اپنا کلام پیش کرتے تھے۔ بزم ۱۹۹۶ء تک فعال رہی مگر اس کے بعد اس کے اجلاس تعطل کا شکار ہونے لگے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ڈاکٹر افتخار حسین مغل کی مظفرآباد بوائز کالج میں تعیناتی ہو گئی۔ ایم یامین (زراعت افسر) کا گڑھی دوپٹہ تبادلہ ہو گیا اور ڈاکٹر اشفاق حیدری کینیڈا منتقل ہو گئے۔ اس طرح بزم ۱۹۹۷ء میں ختم ہو گئی لیکن ختم ہونے سے پہلے چکار کی وادی میں اردو کے چراغ کو فروزاں کر گئی۔

''کشمیر لٹریری سرکل''، مظفرآباد:

۱۹۹۱ء میں مظفرآباد میں پاکستان نیشنل سنٹر میں اعجاز نعمانی، ڈاکٹر افتخار حسین مغل اور خواجہ آصف سمیت چند احباب جمع ہو کر ایک ادبی تنظیم کے قیام کے بارے میں گفت و شنید کرنے لگے۔ تاکہ وہ انجمن کے ذریعے آزاد کشمیر میں اردو علم و ادب کے فروغ و ترویج کے کام کو تیز کر سکیں اور ساتھ ہی نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی بھی کر سکیں۔ چنانچہ متفقہ طور پر غور و فکر کے بعد ''کشمیر لٹریری سرکل مظفرآباد'' کے نام سے ایک نئی ادبی تنظیم بنائی گئی۔ اعجاز نعمانی کو ''کشمیر لٹریری سرکل'' کا مستقل سیکرٹری چنا گیا۔ ڈاکٹر صابر آفاقی سرکل کے تاحیات سرپرست مقرر کیے گئے جبکہ صدرات کے فرائض احمد حسین مجاہد کو سونپے گئے نائب صدر کے لیے مرزا زید اللہ فہیم کا انتخاب کیا گیا۔ سرکل کے باقی معاملات کی دیکھ بھال کی ذمہ داری بھی زید اللہ فہیم کے سپرد کی گئی۔ انجمن کے مستقل ممبران کی تعداد ۲۵ ہے۔ کچھ ہی دنوں میں ڈاکٹر صابر آفاقی، مخلص وجدانی، احمد عطاءاللہ، ایم یامین، ابراہیم گل، ارشد گیلانی، آمنہ بہار رونا اور شاہد بہار جیسے اہل قلم بھی انجمن سے وابستہ ہوگئے جنھوں نے انجمن کو فعال اور متحرک بنانے کے لیے اہم اقدامات کیے۔

''منشور، قواعد و ضوابط''

۱۔ نام۔ کشمیر لٹریری سرکل مظفرآباد قائم شدہ ۱۹۹۱ء۔

۲۔ دفتر۔ صدر دفتر مظفرآباد ہوگا خط و کتابت مندرجہ ذیل پتا پر کی جائے گی پوسٹ آفس بکس نمبر ۱۴ جی پی او مظفرآباد۔

۳۔ نصب العین:۔

۱۔ روائتی سیاست اور ادبی گروہ بندی سے بالاتر رہتے ہوئے علم و ادب کے فروغ کے لیے مثبت انداز فکر۔

۲۔ ادب کے حوالے سے پاکستانی تشخص اور کشمیر کے تہذیبی اور ادبی اقدار کا فروغ۔

۳۔ کشمیر کے اہل قلم کی ثقافت کو ملکی سطح پر اور بین الاقوامی سطح پر اجاگر کرنا۔

۴۔ کشمیر کے اہل قلم کی تخلیقات (نظم و نثر) کی اشاعت کا اہتمام۔

۵۔ کتب کی تقاریب، رونمائی و پذیرائی۔

۶۔ اردو زبان کے ساتھ ساتھ علاقائی زبانوں (پہاڑی ہندکو، گوجری) کی ترویج کے لیے کوشش۔

۴۔ تنظیم: مجلس انتظامیہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ سرپرست ۲۔ صدر

۳۔ نائب صدر ۴۔ معتمد

۵۔ نائب معتمد ۶۔ معتمد نشرواشاعت

۵۔ **رکنیت:۔** ادیب، صحافی، شاعر، دانشور، سخن فہم اور صاحب ذوق خواتین و حضرات جن کا ملکی یا غیر ملکی سیاست سے بالواسطہ تعلق نہ ہو بزم کی رکنیت حاصل کر سکتے ہیں۔

۱۔ بزم کی رکنیت کے لیے منسلکہ قرطاس رکنیت کی تکمیل ضروری ہے۔

۲۔ نئی رکنیت کے لیے بزم سے دو سال وابستہ رکن کی سفارش ضروری ہے

۳۔ صدر بزم اپنی صوابدید یا مجلس انتظامیہ کی سفارش پر کسی رکنیت کی درخواست کو مسترد کر سکتے ہیں۔

۴۔ رکنیت کی فیس داخلہ (صرف ایک بار) ۱۰۰ (سو روپے) اور ماہانہ چندہ ۲۰ (بیس روپے) ہے۔

۵۔ قرطاس رکنیت میں درج شرائط کی خلاف ورزی، مسلسل ۶ ماہ تک اجلاس میں عدم شمولیت اور ۶ ماہ تک واجبات کی عدم ادائیگی کی صورت میں رکنیت ازخود ساقط تصور ہوگی۔

۶۔ صدر بزم مجلس انتظامیہ کی مشاورت سے بزم کی منافی سرگرمیوں میں ملوث رکن یا ارکین (جن پر ایسی سرگرمیوں کا شبہ کیا جاسکتا ہو) کی رکنیت ختم کرنے کا مجاز ہوگا۔

۶۔ **انتخابات:۔** بزم کی انتظامیہ میں خفیہ بیلٹ اور نگران انتخابات کا تقرر صدر بزم کریں گے۔

انتظامیہ کے لیے نامزد کیے جانے والے اراکین کی بزم سے دو سالہ وابستگی لازمی ہے۔

۷۔ **اجلاس:۔** بزم کے ماہانہ ادبی اجلاس ہر مہینے میں ایک بار باقاعدگی سے مقرر وقت اور معینہ جگہ پر منعقد ہوا کریں گے اراکین کو بذریعہ ڈاک یا کسی اور سہل طریق سے مطلع کیا جائے گا۔ انتظامیہ وقتاً فوقتاً خصوصی اجلاس کا اہتمام بھی کرتی رہے گی مذہبی، ثقافتی، تہذیبی، ادبی ملکی اور بین الاقوامی تناظر میں خصوصی نشستوں کا اہتمام۔

۸۔ **حقوق و اختیارات:۔** کتاب اور فرد کے رشتے کو مضبوط کرنے کے لیے تحریری اور عملی کاوش۔

اراکین:

۱۔ ہر رکن بزم کے مفاد میں اپنی تجاویز پیش کرنے کا مجاز ہوگا ایسی تجاویز پر انتظامیہ حسب ضرورت غور کرے گی ہر رکن سالانہ انتخابات میں حسب شرائط مذکورہ شرکت کرے گا۔

سرپرست:

۱۔ بزم کے مفاد میں وقتاً فوقتاً اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتا رہے گا۔ اراکین بزم کے درمیان پائے جانے والے اختلافات کو اپنے اثرورسوخ سے حل کرے گا۔

۲۔ مستحق ادباء کی مالی معاونت کے لیے حکومت اور دیگر اداروں سے روابط۔

۳۔ پاکستان اور کشمیر کے ادبی اداروں اور شخصیات کے درمیان روابط کا اہتمام۔

۴۔ ایک ادبی پرچے کا اجراء۔

۵۔ ''کشمیر لٹریری سرکل'' کے دفتر اور لائبریری کے لیے اراضی کے حصول اور عمارت کی تعمیر کے لیے حکومت، اداروں اور شخصیات سے مالی معاونت کے لیے روابط۔

صدر:۔ بزم کے مفاد میں اپنے مشوروں کے علاوہ کسی فوری نوعیت کی کارروائی کرنے کا مجاز ہوگا ماہانہ ادبی اجلاس کی صدارت کرے گا بزم کے جملہ اخراجات کی منظوری دینے کا مجاز ہوگا صرف کاسٹنگ ووٹ دینے کا مجاز ہوگا۔

نائب صدر:۔

صدر کی غیر موجودگی میں صدارت کے جملہ فرائض انجام دے گا۔

معتمد:

صدر کی مشاورت سے ہر قسم کے اجلاس طلب کرے گا ہر اجلاس کی کارروائی کا باقاعدہ رجسٹر میں ریکارڈ کرے گا۔ ہر نئے اجلاس میں گزشتہ اجلاس کی کارروائی توثیق کے لیے پیش کرئے گا۔ صدر کی مشاورت سے ہر قسم کی خط وکتابت کرے گا۔ سالانہ رپورٹ مرتب کرے گا اس کی طباعت اور اراکین میں تقسیم کا اہتمام کرئے گا۔

نائب معتمد:۔

معتمد کی معاونت کے علاوہ اس کی عدم موجودگی میں جملہ فرائض انجام دے گا۔

معتمد نشر و شاعت:

ہر ادبی جلسے اور خصوصی تقاریب کی اخباری نوعیت کی روداد تحریر کر کے اخبارات اور رسائل میں اشاعت کا اہتمام کرے گا اہم تقاریب کے سلسلے میں پبلسٹی اور اسٹیج کی آرائش کا انتظام کرے گا۔

خازن:۔

بزم کے تمام مالیاتی امور سے متعلق ریکارڈ کی تحویل سالانہ رپورٹ کے لیے تمام آمدن و خرچ کی تفصیل کی تیاری اور آمدن کی رسیدات جاری کرے گا۔ اخراجات کے بل میں مروجہ طریقے پر ماہوار تفصیل کے ساتھ صدر بزم سے منظوری حاصل کر کے سالانہ آڈٹ تک اپنی تحویل میں رکھنے کا ذمہ دار ہوگا۔

مالیات:۔

بزم اپنا اکاونٹ نیشنل بینک آف پاکستان مظفرآباد اولڈ سیکرٹریٹ برانچ میں رکھے گی سالانہ انتخابات کے بعد ہر سال صدر بزم متعلقہ بینک کو لین دین کے مجاز افراد کے نام اور چیک پر کیے جانے والے دستخطوں سے آگاہ کرے گا۔ صدر بزم کی طرف سے مقرر کیا جانے والا رکن ہر سال جولائی میں خازن کی تحویل میں موجود حساب کتاب کی جانچ پڑتال کر کے متعلقہ کیش بک میں اپنا سرٹیفیکیٹ تحریر کرنے کے علاوہ ایک رپورٹ بھی انتظامیہ کے اجلاس میں پیش کرے گا۔

۹۔ **متفرق:۔** بزم کے منشور میں ترمیم مجلس انتظامیہ میں ۲/۳ اکثریت سے ہو سکے گی۔

کسی بھی غیر فعال رکن کی مجلس انتظامیہ سے معطلی اور باقاعدہ اجلاس تک نئے رکن کی عارضی تقرری صدر کے اختیارات میں ہوگی۔۸۲

''کشمیر لٹریری سرکل'' کی نشستیں پہلے پاکستان نیشنل سنٹر مظفرآباد میں منعقد کی جاتی تھیں۔ پاکستان نیشنل بک سنٹر کے ختم ہونے کے بعد یہ نشستیں ایوان ہوٹل، واک وے ہوٹل، طیبہ ہوٹل، اور نیلم ویو ہوٹل میں منعقد کی جاتی رہی ہیں کچھ اجلاس اعجاز نعمانی کے گھر پر بھی منعقد کیے گئے ہیں۔ انجمن کے اجلاسوں کی ترتیب اور ان میں

پیش کی جانے والی قلم کاروں کی تخلیقات کے بارے میں اعجاز نعمانی بتاتے ہیں کہ:

''انجمن کے ۱۹۹۴ء تک پندرہ روز اجلاس کے ساتھ ساتھ ہفتہ وار اجلاس منعقد ہوتے رہے پھر متفقہ طور پر فیصلہ کیا گیا کہ اب یہ اجلاس ماہانہ ہوں گے۔ لہٰذا طے شدہ پالیسی کے مطابق یہ اجلاس ماہانہ منعقد کیے جاتے ہیں۔ ان اجلاسوں میں نوجوان قلم کار اپنی تخلیقات پیش کرتے ہیں اور پھر ممبران ان تخلیقات پر فنی نقطہ نظر سے بحث کرتے ہوئے اغلاط کی اصلاح کرتے ہیں۔۸۳؎

''کشمیر لٹریری سوسائٹی'' کے مشاعروں میں طرحی مصرعے دیے جاتے ہیں جس پر شعراء آئندہ اجلاس میں غزلیں سناتے ہیں۔ انجمن کے اجلاس میں غزلوں اور نظموں کے علاوہ دیگر تخلیقات بھی پیش کی جاتی ہیں۔ انجمن کے زیر اہتمام مشاعروں میں پاکستان سے اہل علم افراد کو بھی دعوتِ شرکت دی جاتی ہے۔ ۱۹۹۶ء میں احمد فرازؔ جیسے بلند پایہ شاعر کو مشاعرے کی صدارت کے لیے مدعو کیا گیا تھا۔

انجمن کے کئی جلسوں میں مختلف کتب کی تقاریب رونمائی بھی منعقد کی گئیں اس سلسلے میں اعجاز نعمانی لکھتے ہیں:

''انجمن نے جن کتب کی تقاریب رونمائی منعقد کرائی ہیں ان میں مخلص وجدانی کی اردو شاعری کا مجموعہ 'صلیبوں کا شہر'، ڈاکٹر صابرؔ آفاقی کا مجموعہ کلام ''نئے موسموں کی بشارت''، احمد عطا اللہ کا شعری مجموعہ ''بھول جانا کسی کے بس میں نہیں''، احمد حسین مجاہدؔ کا مجموعہ کلام ''دھند میں لپٹا جنگل''، محمد حنیفؔ کا شعری مجموعہ ''زمین زاد''، نازؔ مظفر آبادی کا شعری مجموعہ ''بہار آنے تک'' اور ڈاکٹر افتخارؔ حسین مغل کا شعری مجموعہ ''انکشاف'' شامل ہیں۔۸۴؎

اسی طرح انجمن کے تحت احمد شمیمؔ ادبی کانفرنس کا بھی انعقاد کیا گیا۔ ''کشمیری لٹریری سرکل'' کے زیر اہتمام مظفر آباد کے زندہ دل اہل قلم حضرات مشاعرے، محافل مسالمہ، نعتیہ مشاعرے، طرحی مشاعرے، خصوصی شامیں، تنقیدی نشستیں، تقاریب رونمائی کے علاوہ تعزیتی ریفرنسز کا بھی انعقاد کرتے ہیں۔ ''کشمیر لٹریری سرکل'' ہر سال ایک ایسا خصوصی اجلاس منعقد کرتی ہے جس میں آزاد کشمیر اور پاکستان کے نامور اہل قلم شرکت کرتے ہیں۔

''کشمیر لٹریری سرکل'' کے زیر اہتمام پہلی ادبی کتاب ''اس گلی میں ہے بیل پھولوں کی'' چھپائی گئی اس کے بارے میں اعجاز نعمانی بتاتے ہیں:

''کشمیری لٹریری سرکل نے ۱۷ اپریل ۲۰۰۵ء کو سری نگر بس سروس کے اجراء کے تاریخی موقع پر مقبوضہ کشمیر کے اہل قلم کے لئے تحفے کے طور پر آزاد کشمیر کے اہل قلم کی تخلیقات کے انتخاب پر مشتمل کتاب ''اس گلی میں ہے بیل پھولوں کی'' شائع کی۔ بعد میں اسی کتاب کی جلدیں حریت کانفرنس

کے سرکردہ راہنماؤں اور اس پار سے آنے والے اہل قلم کی خدمت میں پیش کی گئیں"۔ ۸۵؎

۲۰۰۵ء میں انجمن کے مجلس انتظامیہ کے عہدوں میں تبدیلی کر کے انھیں از سر نو ترتیب دیا گیا۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔	سرپرست:	ڈاکٹر صابر آفاقی
۲۔	صدر:	احمد حسین مجاہد
۳۔	نائب صدر:	آمنہ بہار رونا
۴۔	معتمد:	اعجاز نعمانی
۵۔	نائب معتمد:	ایم یامین
۶۔	معتمد نشر و اشاعت:	شوکت اقبال

"کشمیری لٹریری سرکل" نے مختلف نامور اہل قلم حضرات کے ساتھ خصوصی شام کا بھی اہتمام کیا۔ جن حضرات کے ساتھ شام منائی گئی ان کے نام درج ذیل ہیں:

احمد شمیم، عباس تابش، ڈاکٹر اسد اریب، ماہ طلعت زاہدی، احمد حسین مجاہد، محمد حنیف، آصف ثاقب، اور عبدالعلیم صدیقی، افتخار حسین مغل سرکل کی کاوشوں کے بارے میں رقمطراز ہیں:

> "تنظیم اس وقت تک ۱۷۹ پندرہ روزہ ادبی اجلاس منعقد کروا چکی ہے جن میں سے تقریباً ہر اجلاس میں ایک تنقیدی نشست بھی شامل ہے۔ اس تنظیم نے عام نشستوں کے علاوہ متعدد قومی نوعیت کی خصوصی ادبی نشستیں بھی کرائی ہیں جن میں ادبی شخصیات کی شخصیت اور فن کے حوالے سے سیمینارز، کتب کی تعارفی تقریبات اور کل پاکستان آزاد کشمیر محافل مشاعرہ بھی شامل ہیں"۔ ۸۶؎

آج "کشمیر لٹریری سرکل" ایک فعال ادارے کے طور پر کام کر رہا ہے۔ اس انجمن نے نہ صرف نئے لکھنے والوں کو ایک مرکز پر جمع کیا بلکہ مقامی لوگوں کو پاکستان کے مشاہیر اہل قلم کے خیالات سے مستفید ہونے کا موقع بھی فراہم کیا ہے۔ اس انجمن نے نوجوانوں میں شعر گوئی، شعر شناسی، مضمون نویسی، افسانہ نگاری اور انشائیہ نگاری کا ذوق پیدا کیا ہے۔

"آزاد جموں و کشمیر کلچرل اکیڈمی"، مظفرآباد:

آزاد کشمیر میں علمی، ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لیے وزیراعظم آزاد کشمیر نے ۱۹۹۲ء میں "اکادمی ادبیات" (پاکستان) کی طرز پر کشمیر اکیڈمی کے نام سے ایک ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ آزاد کشمیر کے معروف دانشور، ادیب، مورخ، محقق اور سابق وائس چانسلر آزاد جموں و کشمیر یونیورسٹی خواجہ غلام احمد پنڈت کو اس کا ڈائریکٹر مقرر کیا گیا۔ یہ ادارہ تقریباً دو سال تک کشمیر لبریشن سیل کے فنڈز سے اخراجات کو پورا کرتا رہا مگر بعد میں ۱۷ اپریل ۱۹۹۴ء کو صدر آزاد جموں و کشمیر جناب سردار عبدالقیوم خان نے اس کو خود مختار ادارہ بنا دیا جسے حکومت گرانٹ

فراہم کرتی ہے۔

۱۱ جولائی ۲۰۰۶ء کے انتخابات کے نتیجے میں ۲۴ جولائی کو جناب سردار عتیق احمد خان نے وزیراعظم آزاد کشمیر کی حیثیت سے حلف اٹھا لیا تو انھوں نے ''کشمیر اکیڈمی'' کی حالت زار کو بھی سدھارنے کا ارادہ کیا۔ اس بارے میں جواد جعفری بتاتے ہیں:

> ''انھوں نے قانون سازی کے ذریعے کشمیر اکیڈمی کو کشمیر کلچرل اکیڈمی کے نام سے موسوم کرایا اور ڈائریکٹر کشمیر اکیڈمی کو چیئرمین کشمیر کلچرل اکیڈمی بنا دیا۔ نیز یہ بھی کہا کہ اب اکیڈمی کے چیئرمین جواد حسین جعفری ہوں گے۔ اکیڈمی کے چیئرمین کا تقرر تین سال کے کنٹریکٹ کی بنیاد پر عمل میں لایا جائے گا۔ اکیڈمی کے دائرہ کار میں ادب کے ساتھ ساتھ ثقافت کو بھی شامل کر لیا گیا۔ ساتھ ہی ضروری مالی وسائل فراہم کرنے کے بھی احکامات صادر فرمائے۔'' ۸۷

۱۴ سال کا طویل عرصہ گزرنے کے بعد اب ادارے کو آئینی تحفظ فراہم کرنے کے آرڈیننس کا مسودہ تیار کیا جا چکا ہے۔ (جس کی محکمہ قانون نے ضروری ویٹنگ کرا لی ہے مگر ابھی تک یہ قانون اسمبلی سے پاس نہیں ہوا)۔

اغراض و مقاصد:

ابتدائی نوٹیفکیشن کے تحت اس ادارے کے قیام کے مقاصد درج ذیل ہیں:

۱۔ آزاد کشمیر میں علمی ، ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں کا فروغ۔

۲۔ تخلیقی ادب کی حوصلہ افزائی اور اسے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا۔

۳۔ اہل قلم کی فکری لام بندی کے لیے موثر پلیٹ فارم کی فراہمی۔

۴۔ کشمیر کے فنونِ لطیفہ کو قومی اور بین الاقوامی سطح پر متعارف کرانا۔

مالی وسائل:

حکومت کے کشمیر لبریشن سیل سے جو گرانٹ اکیڈمی کو فراہم کی ہے گزشتہ چار سالوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

مالی سال	فراہم کردہ بجٹ	تنخواہ و دیگر انتظامی اخراجات	تقریبات، طباعت کتب وغیرہ کے اخراجات
2003-04	20,00,000/-	12,85,000/-	7,15,000/-
2004-05	20,00,000/-	16,00,000/-	4,00,000/-
2005-06	20,00,000/-	15,80,000/-	4,20,000/-
2006-07	23,90000/-	19,70,000/-	4,20,000/-

''۸۸

تنظیمی ڈھانچہ:

۱۔ چیئر مین: کنٹریکٹ

۲۔ ریسرچ آفیسر: کنٹریکٹ

۳۔ جونیئر ریسرچ آفیسر بی۔۱۶

۴۔ کمپیوٹر آپریٹر بی۔۱۶

۵۔ جونیئر کمپیوٹر آپریٹر بی۔۱۲

۶۔ سٹینو گرافر بی۔۱۲

۷۔ سینئر کلرک بی۔۷

۸۔ ڈرائیور بی۔۴

۹۔ نائب قاصد (۲) بی۔۱

۱۰۔ چوکیدار بی۔۱

تقریبات:

اکادمی علمی و ادبی تقریبات کے علاوہ قومی دن مثلاً یوم پاکستان، یوم اقبال، آزاد کشمیر کا یوم تاسیس اور یوم الحاق پاکستان وغیرہ کے حوالے سے بھی سیمینار، کانفرنسیں اور مشاعرے منعقد کرتی رہتی ہے۔ ان تقاریب کا انعقاد مظفر آباد کے علاوہ کوٹلی، باغ، اسلام آباد، اور پشاور میں بھی کیا جاتا رہا ہے۔ ۱۴ جولائی ۲۰۰۶ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے شعبہ پاکستانی زبانیں اور کشمیر اکیڈمی کے باہمی اشتراک سے اسلام آباد میں ایک سیمینار کا انعقاد کیا گیا جس کا عنوان تھا ''کشمیری زبان، ادب اور شاعری''۔ اس موقع پر کشمیر کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں کی نمائش کا اہتمام بھی کیا گیا۔ سیمینار میں ملک کے نامور ادیبوں، دانشوروں اور شاعروں نے شرکت کی۔ ۱۹۹۴ء میں اکادمی کے زیر اہتمام کشمیری اہل قلم کی کانفرنس منعقد کی گئی۔ اسی طرح ۱۹ جولائی یوم الحاق پاکستان کے موقع پر کل پاکستان محفل مشاعرہ کے پروگرام کا انعقاد کیا گیا جس کا عنوان تھا ''شہ رگ''۔

مطبوعات:

اکادمی کا بنیادی کام ادب و ثقافت کا فروغ ہے۔ اس سلسلے میں قومی زبان کے ساتھ ساتھ کشمیری زبانوں (کشمیری، گوجری اور پہاڑی) اور ادب کو فروغ دینے کی کوششیں کی گئیں۔ اکادمی کی طبع شدہ کتابوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ کشمیری شاعری کی تاریخ از ۱۳۸۵ء تا ۱۹۴۷ء

۲۔ کشمیری زبان اور شاعری

۳۔ فکر اقبال اور ہم

۴۔ شاہ ہمدانؒ میر سید علی ہمدانی

۵۔ قائد ملت چوہدری غلام عباس شخصیت اور کارنامے

۶۔ قلم کے محاذ سے (شاعری)

۷۔ مجاہد اول

۸۔ کشمیری تہذیب و ثقافت کے خدوخال

۹۔ فردوس گم گشتہ (گوجری)

۱۰۔ کشمیر ایک نظر میں

۱۱۔ پوشہ تھر (کشمیری)

۱۲۔ ایوانِ دانش

۱۳۔ کتابیات کشمیر

مجلّہ کا اجراء:

اکیڈمی نے ایک علمی و ادبی مجلّہ ''تہذیب'' بھی جاری کیا ہے۔ یہ گزشتہ دس سالوں سے شائع ہو رہا ہے۔ یہ سہ ماہی ادبی جریدہ ہے جس میں خصوصی نمبر (شاہ ہمدان نمبر، علامہ اقبال نمبر، غنی کاشمیری نمبر، کشمیر نمبر، رومی کشمیر میاں محمدؒ بخش نمبر اور چوہدری غلام عباس نمبر) بھی شائع کیے گئے ہیں۔ اس مجلّے میں آزاد کشمیر و پاکستان کے اہل قلم کی کشمیر کے حوالے سے تحریریں شائع ہوتی ہیں۔

نمائش کتب:

ہر سال کشمیر پر لکھی گئی کتابوں اور تصاویر کی نمائش بھی کی جاتی ہے۔ ۱۴ جون ۲۰۰۶ء کو مظفر آباد میں اس نمائش کا انعقاد کیا گیا۔ لوک ورثہ اسلام کے زیر اہتمام ۱۰ نومبر سے ۱۹ نومبر ۲۰۰۶ء تک راولپنڈی میں چوہدری غلام عباس کی برسی کے موقع پر ان کے مزار پر یہ نمائش لگائی گئی۔ نمائش میں ان کتابوں کو رکھا جاتا ہے جنھیں خود اکیڈمی نے چھاپا ہوتا ہے۔

شعراء و ادباء کی فلاح و بہبود:

''کشمیر کلچرل اکیڈمی'' شعراء و ادبا کی مالی معاونت کے سلسلے میں بھی بروقت کارروائی کرنا چاہتی ہے۔ اس سلسلے میں جواد جعفری کا کہنا ہے:

> ''شعراء و ادبا کی فلاح و بہبود کے لیے میری تحریک پر وزیرِاعظم نے ۱۹۹۴ء میں رائٹرز فاؤنڈیشن کے قیام اور دس لاکھ روپے کی ابتدائی سرمائے کی فراہمی کا اعلان فرمایا۔ رائٹرز فاؤنڈیشن کی جامع سکیم منظوری کے لیے جناب سیکرٹری کی وساطت سے پیش کی جا چکی ہے۔'' ۸۹؎

ایوارڈ کی تقریب:

''کشمیر کلچر اکیڈمی'' نے ادبی روایت کی بقا کے لیے ۵ فروری ۲۰۰۷ء کو مختلف ادبی شخصیات کو حسن کارکردگی ایوارڈ بھی دیے۔ جن اہل قلم حضرات کو ایوارڈ دیئے گئے ان کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ ڈاکٹر صابر آفاقی (شاعر، ادیب، محقق اور سکالر)

۲۔ ابدال بیلا (افسانہ نگار)

۳۔ رانافضل حسین (شاعر)

۴۔ ڈاکٹر نصر اللہ ناصرؔ (شاعر اور ادیب)

۵۔ ڈاکٹر احسان اکبرؔ (شاعر و دانشور)

۶۔ حمید ممتاز (شاعر و ادیب)

۷۔ ڈاکٹر افتخارؔ حسین مغل (شاعر، محقق اور کالم نگار)

۸۔ انوار فیروز (شاعر)

۹۔ چوہدری جہانگیر حسین (روزنامہ جموں وکشمیر کے چیف ایگزیکٹو)

۱۰۔ سردار مختار خان (شاعر)

۱۱۔ ڈاکٹر محمد صغیر خان (محقق اور ادیب)

۱۲۔ میر عبدالعزیز مرحوم (شاعر)

۱۳۔ الطاف قریشی مرحوم (شاعر)

۱۴۔ احمد شمیم مرحوم (شاعر)

۱۵۔ پروفیسر عبدالعلیم صدیقی (ماہر اقبالیات و شاعر)

۱۶۔ پروفیسر امین طارق قاسمیؔ (شاعر)

۱۷۔ جی۔ایم لولابیؔ (شاعر)

۱۸۔ عبدالرشید ملک (علمی و ادبی شخصیت)

۱۹۔ فتح محمد ملک (ادیب)

۲۰۔ محمد اکرم سہیل (شاعر و ادیب)

۲۱۔ کریم اللہ قریشی (شاعر)

۲۲۔ مخلصؔ وجدانی (شاعر)

۲۳۔ مظہر جاوید حسنؔ (شاعر)

۲۴۔ پروفیسر رفیقؔ بھٹی (شاعر)

۲۵۔ ابراہیم گلؔ (شاعر)

۲۶۔ آزرؔ عسکری مرحوم (شاعر)

۲۷۔ انعام الحق جاویدؔ (شاعر)

۲۸۔ سید محمود آزاد مرحوم (محقق)

۲۹۔ محمد افضل صابری (شاعر)

آئندہ کا لائحہ عمل:

"کشمیر کلچرل اکیڈمی" درج ذیل مقاصد کو بروئے کار لانا چاہتی ہے:

۱۔ کشمیر کلچرل سنٹر کا قیام۔

۲۔ رائٹرز فاؤنڈیشن کا قیام۔

۳۔ قومی اہل قلم کشمیر کانفرنس کا انعقاد۔

۴۔ کشمیری اہل قلم کے بین الصوبائی دوروں کا اہتمام۔

۵۔ کشمیری/گوجری/پہاڑی زبان کی لغت کی اشاعت۔

۶۔ کشمیر کے صوفی شعراء کے کلام کے اردو/انگریزی ترجمے کی اشاعت۔

۷۔ کشمیر کی علاقائی زبانوں کے حوالے سے نایاب کتابوں کی دوبارہ اشاعت کا اہتمام۔

۸۔ کشمیری زبان کے شعراء کے کلام کا انگریزی زبان میں ترجمہ۔

۹۔ کشمیر میوزیم کا قیام۔

۱۰۔ کشمیر گیلری کا قیام۔

۱۱۔ کشمیر کی مختلف علاقائی زبانوں کے لوک ادب کو یکجا کر کے اس کی اشاعت کے اقدامات۔

۱۲۔ کشمیر کی لوک موسیقی کا فروغ اور تحفظ۔

۱۳۔ کشمیری شاعروں، فنکاروں اور ادیبوں کے بیرون ملک دوروں کا اہتمام۔

۱۴۔ کشمیری ثقافت کے فروغ کے اقدامات۔

۱۵۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے ادب اور ثقافت کو متعارف کرانے کے منصوبہ جات۔

"کشمیر کلچرل اکیڈمی" نے علم و ادب کے فروغ اور اس کی ترویج کے لیے جو خدمات سرانجام دی ہیں انھیں کشمیر کی ادبی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ اکیڈمی نے ادبی شخصیات کو ایک مرکز پر جمع کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ اپنی اس کوشش میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوئی ہے۔

ضلع میرپور

تقسیم کشمیر سے پہلے میرپور صوبہ جموں کا ایک اہم ضلع تھا جس کی تقسیم سے پہلے بھی بڑی اہمیت تھی۔
بقول سید سلطان شاہ:

''ریاست جموں و کشمیر کے دارالحکومت برائے موسم سرما جموں اور برائے موسم گرما سرینگر تھے۔ ان دونوں شہروں کے بعد میرپور ریاست کا سب سے بڑا قدیمی، تجارتی، دولت مند اور صاف ستھرا شہر تھا۔'' ۹۰

مگر ریاست کی تقسیم کے بعد میرپور آزاد کشمیر کا حصہ بن کر جموں سے الگ ہو گیا۔ میرپور جموں سے ۵۳ میل دور ہے۔ یہ سطح سمندر سے ۱۵۰۰ فٹ کی بلندی پر ہے۔ ۳۳ء۱ درجہ عرض بلد اور ۳۵ء۷۳ درجہ طول بلد پر واقع ہے۔ اس کے شمال میں ضلع کوٹلی، جنوب میں ضلع جہلم (پنجاب)، مشرق میں ضلع بھمبر، مغرب میں گوجر خان اور راولپنڈی (پنجاب) واقع ہیں۔ یہ شہر کب آباد ہوا اس کے بارے میں راجہ یعقوب طاہر لکھتے ہیں:

''یہ باولیوں، کنوؤں اور خوبصورت حویلیوں والا شہر میرا خان گکھڑ کا آباد کردہ ہے جس کی بنیاد ۱۰۵۱ھ میں ڈالی گئی۔'' ۹۱

پنجاب سے ملحق ہونے کے باعث اس کی آب و ہوا اور موسمی حالات پنجاب سے ملتے جلتے ہیں۔ آبادی کا ذریعہ معاش زراعت اور تجارت ہے۔ میرپور کا زیادہ تر علاقہ میدانی، خشک اور پتھریلا ہے۔ ڈیم بننے سے پہلے یہاں پانی تقریباً نایاب تھا۔ ۱۹۵۰ء میں حکومت پاکستان نے میرپور کے مقام پر ڈیم بنانے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ طے شدہ منصوبے کے تحت دریائے پونچھ اور دریائے جہلم کے پانی کو منگلا کے مقام پر روک کر ڈیم کی تعمیر کا آغاز ۱۹۶۰ء میں کیا گیا اور ۱۹۶۷ء میں ڈیم مکمل ہو گیا۔ ڈیم کی دیوار تین میل لمبی اور تقریباً ۱۲ سو فٹ اونچی ہے۔ ڈیم کی جھیل ۱۰۰ مربع میل رقبے پر پھیلی ہوئی ہے۔ پاکستان میں استعمال ہونے والے ۳۵ فی صد بجلی اس ڈیم سے تیار ہوتی ہے۔ منگلا ڈیم کی تعمیر کے نتیجے میں میرپور کا پرانا شہر اور اس سے ملحق ۱۹۰ گاؤں زیر آب آ گئے۔
بقول محمد سعید اسعد:

''منگلا ڈیم کے نتیجے میں میرپور کا عظیم تاریخی، تہذیبی اور ثقافتی ورثہ غرق ہو گیا... عظیم تاریخی مسجدیں، مندر، تالاب، باولیاں، کنویں، مزارات اور مقبرے وغیرہ پانی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گئے۔'' ۹۲

میرپور اور ملحقہ گاؤں کے زیر آب آنے کے باعث بہت سے مقامی لوگ نقل مکانی کر کے پنجاب اور پاکستان کے دیگر علاقوں میں جا کر آباد ہو گئے۔ بہت سے مقامی افراد نے غیر آباد اور بیابان پہاڑی ٹیلوں کو اپنا مسکن بنا لیا اور یہی غیر آباد پہاڑی ٹیلے نیو میرپور کے خوبصورت شہر میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ نیو میرپور کی چمک دمک ان لوگوں کی قربانیوں کے باعث ہے جو منگلا ڈیم کی تعمیر کے سبب حصول روزگار کے لیے نقل مکانی کر کے

یورپ اور برطانیہ چلے گئے تھے۔ آج میرپور کے ۷۰ فیصد لوگ بیرون ملک آباد ہیں ان کا ۱۶۰ ارب روپیہ پاکستانی بنکوں میں زرمبادلہ کی شکل میں جمع ہو کر ملکی معشیت کو فروغ دے رہا ہے۔ میرپور کے لوگوں نے میرپور کو آزاد کشمیر کا انڈسٹریل سٹیٹ بنانے کے لیے بے شمار فیکٹریاں اور صنعتیں لگائی ہیں۔

اہل میرپور روپیہ پیسہ کمانے کے ساتھ ساتھ علم و ادب کے میدان میں بھی خوب ترقی کر رہے ہیں۔ مظفرآباد کے بعد آزاد کشمیر کا دوسرا بڑا ادبی مرکز میرپور ہے۔ اس کے چند ایک اسباب ہیں:

۱۔ تقسیم کشمیر کے بعد جموں اور پونچھ کے مہاجر اہل قلم حضرات نے میرپور میں سکونت اختیار کر لی۔

۲۔ پاکستان سے کئی ادبی شخصیات نے حصول روزگار کے لیے میرپور کا رخ کیا اور بعد میں میرپور کی شہریت اختیار کر لی۔

۳۔ میرپور کے بہت سے ادیب و شعراء نقل مکانی کر کے پنجاب میں آباد ہو گئے ہیں جو وقتاً فوقتاً اپنے آبائی وطن میں آتے رہتے ہیں۔ ان کے اس تعلق نے بھی یہاں کے ادبی ماحول کو فروغ بخشا ہے۔

۴۔ میرپور پنجاب کے قریب واقع ہے۔ صوبہ پنجاب کے اکثر ادبی مراکز مثلاً لاہور، جہلم اور راولپنڈی/اسلام آباد یہاں سے انتہائی مناسب فاصلوں پر واقع ہیں۔ ان ادبی مراکز میں مروجہ ادبی تحریکوں، رویوں، رجحانات، بدلتی ہوئی ادبی قدروں اور نئی متعارف ہونے والی نثری و شعری اصناف کے اثرات بہت جلد میرپور تک پہنچ جاتے ہیں۔ نیز مواصلاتی سہولیات، معاشی خوش حالی اور ذاتی ادبی رابطوں کے باعث یہاں کے اہل قلم کے لیے پاکستان کے ادبی جرائد میں اپنی تخلیقات شائع کرانا آسان ہے۔ ۹۳

۵۔ میرپور کے زیادہ تر افراد روزگار کے سلسلے میں بیرون ملک بالخصوص برطانیہ میں مقیم ہیں۔ برطانیہ سے تہذیبی اتصال اور رابطوں نے ان کی سوچ کا زاویہ بدل دیا ہے۔ جس کے باعث میرپور میں شرح خواندگی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ جہاں اہل ثروت افراد نے تعلیم عام کرنے کے لیے شہر میں پرائیویٹ سکول اور کالج قائم کیے وہیں شہر میں کئی طباعتی و اشاعت ادارے بھی قائم کیے ہیں۔ جس سے کتب کی طباعت، اشاعت اور مارکیٹنگ آسان ہو گئی ہے۔

ان تمام اسباب نے میرپور کو علمی و ادبی لحاظ سے ثروت مند بنا دیا ہے۔ اہل میرپور جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ اردو زبان اور ادب سے بھی رغبت رکھتے ہیں۔ یہاں کے اہل علم حضرات نے ادبی زندگی کو رواں دواں رکھنے کے لیے کئی ادبی انجمنیں بنائی ہیں۔ ان انجمنوں نے اہل علم کو ایک مرکز پر جمع کیا۔ جہاں وہ ایک دوسرے کے خیالات سے مستفید ہونے کے بعد میرپور کی ادبی روایات پر خوشگوار اثرات مرتسم کر رہے ہیں۔ میرپور میں ادبی تنظیم سازی کا رجحان اتنا مقبول ہے کہ اس وقت میرپور میں چھ ادبی انجمنیں کام کر رہی ہیں جو نہ صرف اردو زبان و ادب کو نئی اصناف، اسالیب اور موضوعات سے مالا مال کر رہی ہیں بلکہ وہ ادب کو تعصبات، گروہ بندی اور پسند و ناپسند کے محدود دائروں سے نکال کر آفاقیت کے زمرے میں لا رہی ہیں۔

"گلستانِ ادب"، میرپور:

راجہ حمید (ایڈووکیٹ)، ارشد اقبال ملک، مسعود اعجاز بخاری، اور منیر احمد یزدانی نے ادبی ذوق کی آبیاری کے لئے "گلستانِ ادب" کے نام سے ۱۹۷۵ء میں ایک ادبی انجمن بنائی۔ اس کے پہلے صدر ارشد واز اور جنرل سیکرٹری ارشد اقبال ملک تھے۔ صدر کا انتخاب اراکین کی ووٹنگ کے ذریعے کیا جاتا تھا۔ دوسرے صدر راجہ حمید ایڈووکیٹ تھے۔ صدر کے عہدے کی مدت دو سال کے لیے ہوتی تھی۔ ارشد اقبال ملک کو مستقل جنرل سیکرٹری مقرر کیا گیا تھا۔ اس کے دو اہم مقاصد تھے:

۱۔ اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت۔

۲۔ نئی نسل میں لکھنے کا ذوق پیدا کرنا۔

انجمن ہفتہ وار جلسوں کے علاوہ مشاعروں کا بھی اہتمام کرتی تھی۔ ان جلسوں میں مباحثے، مقالے، افسانے اور تحقیقی و تنقیدی مضامین پیش کیے جاتے تھے۔ انجمن کے ہر ماہ باقاعدگی سے اجلاس ہوتے تھے۔ ان میں کبھی تعطل پیدا نہیں ہوا۔ انجمن کے مشاعروں میں مقامی شعراء کے علاوہ پاکستان اور آزاد کشمیر کے نامور شعراء بھی شرکت کرتے تھے۔ خصوصی ایام (یوم پاکستان، ۶ ستمبر، ۲۳ مارچ، یوم اقبال اور یوم قائداعظم وغیرہ) کے حوالے سے بھی تقاریب کا انعقاد کیا جاتا تھا۔

انجمن کے زیرِ اہتمام مشاعروں کے علاوہ تنقیدی نشستوں اور افسانہ نگاری کے پروگراموں کا بھی انعقاد کیا جاتا تھا۔ تنقیدی نشست میں انجمن کا رکن ایک غزل/ایک افسانہ پیش کرتا تو باقی سامعین اس کے فن و فکر کے حوالے سے گفتگو کرتے۔ انجمن نوآموز شعراء کی اصلاح کا کام بھی کرتی تھی۔ انجمن کے اراکین کے لیے ضروری تھا کہ وہ نثر اور نظم کے ذریعے اپنی مذہبی اور ملکی اقدار کی ترویج کریں۔

انجمن نے اردو ادب کی پرداخت کے لیے قابل فخر کام کیے۔ میرپور کے لوگوں میں ادبی ذوق بیدار کرنے میں اس انجمن کا کافی ہاتھ ہے۔ انجمن ۱۹۸۰ء تک فعال رہی پھر تمام اراکین "گلستانِ ادب" نے مل کر اس کا نام تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کا نیا نام "کل پاکستان بزم فکر و نظر" تجویز کیا گیا۔ نام کی تبدیلی کا سبب منیر احمد یزدانی یہ بتاتے ہیں:

> "ہم کل پاکستان بزم فکر و نظر کے لئے نام کے ذریعے ادب میں اسلامی نظریہ حیات اور نظریہ پاکستان کے اہداف کو بہتر طریقے سے واضح کرنا چاہتے ہیں۔" ۹۴

اب "گلستانِ ادب"، "کل پاکستان بزم فکر و نظر" کے نئے نام سے اپنی ادبی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہے۔

"بزم اہل قلم"، میرپور:

یہ ادبی انجمن یوسف کمال کی صدارت میں ۱۹۷۹ء میں قائم ہوئی۔ اس کے مستقل اراکین میں یوسف کمال، معصوم حسین زندہ، مسعود اعجاز بخاری، منیر احمد یزدانی اور آصف ڈار شامل تھے۔

اس کے اغراض و مقاصد یہ بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنا۔

۲۔ لائبریری قائم کرنا۔

۳۔ عوام میں علمی و ادبی ذوق پیدا کرنا۔

۱۹۸۰ء میں انجمن نے لائبریری قائم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس کے لیے رقم بھی مختص کی گئی۔ مگر یہ رقم کم تھی۔ مزید رقم کی فراہمی کے لیے بزم کے ایک جلسے میں صدر آزاد جموں و کشمیر جنرل (ر) حیات خان کو مدعو کیا گیا۔ لیکن انجمن کی یہ لائبریری پھر بھی نہ بن سکی۔

انجمن کی ماہانہ اور پندرہ روزہ نشستیں بھی منعقد ہوتی تھیں جن میں نظم و نثر دونوں پر توجہ دی جاتی تھی۔ خاص قومی دن کے حوالے سے بھی تقریب منعقد کی جاتی تھی۔ تقریبات کی صدارت کے لیے پروفیسر اکرم طاہر (شاعر) یا پروفیسر امین طارق قاسمی (شاعر) کو مدعو کیا جاتا تھا۔ انجمن کے مالی اخراجات کو پورا کرنے کے لیے تمام اراکین سے چندہ وصول کیا جاتا تھا۔ ابتداء میں یہ چندہ ۵ روپے ماہانہ تھا۔

انجمن نے میرپور کے عوام میں ادبی ذوق پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ انجمن اب بھی موجود ہے۔ مگر اس کے اجلاس مسلسل تعطل کا شکار ہیں۔ تعطل کی وجہ اراکین انجمن کا اپنے اپنے روزگار میں مصروف ہونا ہے۔ امید ہے کہ انجمن کی پرانی سرگرمیاں لوٹ آئیں گی اور انجمن پھر اسی جوش و ولولے سے اردو ادب کی آبیاری کرنے لگے گی۔

''کل پاکستان بزم فکر ونظر''، میرپور:

منیر احمد یزدانی، مسعود اعجاز بخاری اور چند دیگر ہم خیال احباب نے مل کر ''گلستانِ ادب'' کا نام تبدیل کر کے ۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء کو ''کل پاکستان بزم فکر ونظر'' میرپور کے نام سے نئی ادبی انجمن قائم کی۔ بزم کے قیام کے وقت نگران اعلیٰ سید مسعود اعجاز بخاری اور جنرل سیکرٹری ارشد اقبال ملک کو مقرر کیا گیا۔ مگر بعد میں صدر کا عہدہ ختم کر کے نگران اعلیٰ کو تمام اختیارات سونپ دیئے گئے۔ اب نگران اعلیٰ پروفیسر منیر احمد یزدانی ہیں۔ جنرل سیکرٹری عظمت رشید کیانی اور سیکرٹری نشر و اشاعت عبداللہ حمید (ایڈووکیٹ) ہیں۔ اس کے مستقل ممبران کی تعداد تمیں کے قریب ہے۔ بزم کے اہم اراکین کے بارے میں مسعود اعجاز بخاری کہتے ہیں:

''منیر احمد یزدانی، اکرم طاہر، امین طارق قاسمی، مشتاق شاد (مرحوم) اور میں بزم کے سرگرم رکن رہے ہیں۔'' ۹۵

''بزم فکر ونظر کے چار اہم مقاصد درج ذیل ہیں:

۱۔ استحکام پاکستان

۲۔ تکمیل پاکستان

۳۔ اتحاد عالم اسلامی

۴۔ امن عالم۔'' ۹۶

بزم کا منشور درج ذیل ہے:

"**پروگرام اور نصب العین:**

۱۔ ایسا ادب تخلیق کرنا جس کی روح اسلامی ہو۔

۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخر الزمان ہادی برحق، محسنِ انسانیت، رحمت للعلمین حضرت محمد مصطفیؐ کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کرنے کے لیے ادب کے ذریعے کوشش کرنا۔

۳۔ بذریعہ ادب نظریۂ ادب کا فروغ اور قومی و ملی یکجہتی کے لیے کام کرنا اور علاقائی تعصبات سے نجات دلا کر قوم کو نظریاتی طور پر ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا۔

۴۔ ادب کے ذریعے باطل نظریات کا توڑ کرنا۔

۵۔ مملکت خداداد پاکستان میں اسلامی نظام حکومت اور اسلامی نظام معاشرت کے نفاذ کے لیے ادبی کوششیں کرنا۔

۶۔ اردو زبان کے فروغ کے لیے کام کرنا اور اسے قومی زبان کی حیثیت سے منوانا۔

۷۔ اسلامی نظریۂ حیات کے حامل افراد کو "شاہ رگ پاک" یعنی کشمیر کو پنجۂ استبداد سے نجات دلانے کا علمی و ادبی تخلیقات کے ذریعے سے شعور فراہم کرنا۔

ضابطہ شمولیت:

ہر وہ شخص بزم فکر و نظر کا رکن بن سکتا ہے جو کہ:

۱۔ اسلامی نظریۂ حیات پر یقین کامل رکھتا ہو۔

۲۔ عقیدہ ختم نبوت پر کامل یقین رکھتا ہو۔

۳۔ نظریۂ پاکستان اور ملی یکجہتی پر یقین رکھتا ہو۔

۴۔ فرقہ پرستی سے آزاد ہو۔

۵۔ صوبائیت اور علاقائی ثقافتوں سے بالاتر ہو۔ ۹۷"

۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء سے لے کر ۲۰۰۷ء تک بزم کے پندرہ روزہ اور ہفتہ وار اجلاس باقاعدگی سے ہوتے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر سال ۲۳ مارچ کے دن بزم کی سالگرہ کی تقریب کا بھی انعقاد کیا جاتا ہے۔

بزم فکر و نظر قومی اور ملی تقریبات کے حوالے سے خصوصی اجلاس کا بھی انعقاد کرتی ہے۔ بزم ان خطوط پر کام کر رہی ہے جن پر ہر سچے پاکستانی کو کرنا چاہیے۔ اراکین بزم نے طے کیا ہوا ہے کہ بزم کے جلسوں میں شرکت کرنے والے اراکین اور شرکائے محفل کے لیے لازمی ہے کہ وہ وقت مقررہ پر قومی لباس (شلوار قمیض) زیب تن کر کے آئیں نیز جلسوں میں پیش کی جانے والے تمام نگارشات کا اردو زبان میں ہونا بھی ضروری ہے۔

بزم کے ان اقدامات سے نہ صرف قومی زبان اردو کو ترقی کرنے کے مزید مواقع ملے ہیں۔ بلکہ قومی لباس پہن کر جلسوں میں شرکت کرنے کی روایت نے ہماری نوجوان نسل کو اپنی تہذیب و ثقافت اور اسلامی اقدار

کی عظمت کا احساس بھی دلایا ہے۔ کیونکہ قومی زبان اور قومی لباس ہر زندہ قوم کی پہچان ہوتے ہیں۔ ہماری قومی زبان اردو برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے ہزار سالہ عظیم الشان ماضی، تہذیب و ثقافت اور اقدار کی امین ہے۔ اردو زبان کے ذریعے ہی ہم اپنا ثقافتی اور تہذیبی ورثہ اپنی ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کر سکتے ہیں اور یہی کام ''بزم فکر و نظر'' سرانجام دے رہی ہے۔

بزم کے ماہانہ جلسوں میں ۱۹۸۲ء کے قریب تعطل پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ بقول منیر احمد یزدانی:

''اس کا باعث میرا الائیڈ بنک میں ملازمت اختیار کر کے کراچی جانا اور مسعود اعجاز بخاری کا گوجرانوالہ منتقل ہونا تھا۔ جب ۱۹۸۴ء میں میں نے بنک کی نوکری چھوڑ کر بوائز ڈگری کالج میرپور میں لیکچرار کی حیثیت سے اپنے فرائض منصبی ادا کرنا شروع کیے تو میں نے مسعود اعجاز بخاری کو بھی واپس آنے کی دعوت دی۔ ہم دونوں کی واپسی بزم کے لیے نیک فال ثابت ہوئی۔ ہم نے مل کر پھر اسے نئے سرے سے منظم کر کے فعال کر دیا'' ۹۸

بزم کے جلسوں میں ہر صنف ادب پر توجہ دی گئی۔ بزم میں مشاعرے، نعتیہ مقابلے، مباحثے اور قومی تقریبات کے حوالے سے اجلاس منعقد ہوتے رہے ہیں جن کی صدارت کے لیے پاکستان کے نامور اہل قلم حضرات کو مدعو کیا جاتا رہا ہے۔ اس کے زیادہ تر اجلاس کہکشاں ہوٹل (میرپور) اور پریس کلب (میرپور) میں منعقد کیے جاتے رہے ہیں۔ بزم نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے ۱۹۸۴ء میں ادبی ماہنامہ ''ارتعاش'' جاری کیا جس کے مدیر اعلیٰ منیر قاسم (منیر احمد یزدانی)، مدیر و ناشر سید مطلوب احمد اور مدیر معاون اشتیاق احمد شہزاد تھے۔ مجلس ادارت کے نگران سید مسعود اعجاز بخاری تھے مگر افسوس یہ ادبی ماہنامہ ۱۹۸۵ء میں مالی مشکلات کے باعث بند ہو گیا۔

بزم نے اردو زبان و ادب کے فروغ کے لیے اہم کام کیے ہیں۔ اس کے اراکین اپنی تخلیقات کے ذریعے اردو ادب کا دامن نئی تلمیحات، استعارات، خیالات اور الفاظ سے وسیع تر کر رہے ہیں۔ بزم کے زیراہتمام مختلف تقریبات میں دو سو کے قریب مضامین و مقالات پڑھے جا چکے ہیں۔ بزم ادب اور معاشرے کے درمیان پائی جانے والی دوری کو ختم کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ بزم تاحال فعال ہے۔ یہ ادب اور معاشرے پر گہرے اور دور رس اثرات مرتب کر رہی ہے۔

''ادبی و ثقافتی ادارہ تعبیر''، میرپور:

ادارے کے قیام کے وقت اس کا نام ''سرسنگیت'' رکھا گیا تھا۔ اس کا قیام ۱۹۸۰ء میں عمل میں لایا گیا۔ ادارے کی بنیاد رکھنے والوں میں خواجہ خورشید احمد، خواجہ ظفر اقبال، محمد عجائب جنجوعہ، ارشد رانا، ماسٹر محمد شفیع اور استاد بشیر حسین خان شامل تھے۔ محمد عجائب جنجوعہ ۱۹۸۰ء میں ادارے کے پہلے جنرل سیکرٹری مقرر کیے گئے۔ ادارے کے چیئرمین پروفیسر خواجہ خورشید احمد بنائے گئے۔ ادارے میں گیتوں کی دھنیں مرتب کرنے اور موسیقی سکھانے کے لیے

باقاعدہ کلاسیں بھی شروع کی گئیں۔ ادارے کی لائبریری میں دس ہزار سے زیادہ گانوں (کلاسیکل، نیم کلاسیکل، فلمی اور غیر فلمی) کی کیسٹیں موجود ہیں جن کی دھنیں اور موسیقی بشیر حسین خان اور سلمان عرفان کی ترتیب دی ہوئی ہیں۔ ادارے کے نگران بشیر حسین خان تھے۔ وہ آزاد کشمیر کے شعراء کی غزلوں اور ترانوں وغیرہ کی درجنوں دھنیں مرتب کر چکے ہیں۔

۱۹۸۰ء میں ادارے کے بانیوں نے اس کو علمی و ادبی ادارہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ ادارے کا نام تبدیل کر کے ''تعبیر'' رکھ دیا اور ''سرسنگیت'' کو ادارہ تعبیر کی ذیلی شاخ بنا دیا۔

''ادارہ تعبیر کے قیام کے مقاصد یہ ہیں:

۱۔ آزاد کشمیر میں علم و ادب کو فروغ دینا۔

۲۔ ادبی نشستوں کو صرف مشاعرے تک محدود نہ رکھنا۔

۳۔ ہر نوعیت کی ادبی، ثقافتی اور سماجی تقریبات کا انعقاد کرنا۔'' ۹۹

پروفیسر خواجہ خورشید احمد کو ادارے کا تاحیات چیئرمین مقرر کیا گیا۔ وائس چیئرمین خواجہ ظفر اقبال اور موجودہ جنرل سیکرٹری وقاص آزاد ہیں۔ جنرل سیکرٹری کا انتخاب دو سال کے لیے بذریعہ ووٹنگ کیا جاتا ہے۔

ادارہ تعبیر کی ذیلی شاخ ''ادارہ سرسنگیت'' کا نگران زاہد الیاس خان کو مقرر کیا گیا ہے۔

ادارہ تعبیر کے مالی اخراجات کو پورا کرنے کے لیے اراکین سے ماہانہ چندہ وصول کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اہل ثروت احباب بھی دل کھول کر مالی امداد کرتے ہیں۔ ادارے کی تقریبات کی صدارت کرنے والی قدآور شخصیات بھی ادارے کی مالی مدد کرتی رہتی ہیں۔ ادارے کو کبھی مالی مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اسی لئے اس کی مجالس میں کبھی تعطل پیدا نہیں ہوا۔ تعبیر نے کچھ ایسے اصول اپنائے ہیں جن کی بدولت ادارہ تیزی سے ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔ ادارے کے وہ اصول وضوابط جن کی پاسداری ہر رکن پر لازم ہے وہ بقول خواجہ خورشید احمد یہ ہیں:

''۱۔ وقت مقررہ پروگرام کی ابتداء کرنا۔

۲۔ طے شدہ پروگرام سے ہٹ کر کسی کو بھی فرمائشی چٹ پر اظہار خیال نہیں کرنے دینا۔

۳۔ زبانی اظہار کی بجائے مضامین لکھوانے اور پڑھوانے کا اہتمام کرنا۔

۴۔ ہر ادیب یا شاعر کو صرف ایک افسانہ/مضمون/غزل/نظم سنانے کی اجازت دینا۔

۵۔ ہر تقریب کا باقاعدہ ریکارڈ رکھنا۔'' ۱۰۰

ادارہ تعبیر نے اپنے قائم کردہ اصولوں کو اپنانے، منوانے اور روایت بنانے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ اس نے ادبی تقریبات کو نئی ترتیب اور نئی تہذیب دینے کے لیے جلسوں اور مشاعروں میں طے شدہ ترتیب سے ہٹ کر فرمائشی چٹ پر کبھی کسی کو اظہار خیال نہیں کرنے دیا۔ تقریبات میں زبانی اظہار خیال کرنے کی بجائے مضامین لکھ کر پڑھنے کی عادت کو مستحکم کیا ہے۔ ۱۹۹۷ء میں ایک اور مشکل اور اہم روایت کی بھی سختی سے پابندی شروع کی گئی۔ یہ روایت نامور سیاسی شخصیت میر فضل الرحمٰن سے منسوب رہے گی کیونکہ ادارے کی ایک تقریب کی

صدارت کے دوران انھوں نے ہمیشہ عین وقت مقررہ پر تقریب کے آغاز کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اراکین نے نئی تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے اگلی ہی تقریب میں اس پر عمل درآمد کیا۔ ابتدائی برس سے لے کر آج تک اس روایت کو نبھانے میں یہ اصول اپنایا گیا کہ اگر مہمان خصوصی ہال میں وقت مقررہ پر تشریف نہیں لاتے ہیں تو بھی تقریب کا آغاز کر دیا جاتا ہے۔ اس جرأت نے اس منفرد اور فائدہ مند روایت کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ خواجہ خورشید احمد اس روایت کو نبھانے کے بارے میں بتاتے ہیں:

''وسط ۱۹۹۷ء سے اب تک منعقد ہونے والی تمام تقریبات کی کارروئی وقت مقررہ پر ہی شروع کی گئی ہے۔'' ۱۰۱

ادارہ تعبیر نے اپنے قیام کے ساتھ ہی باقاعدگی سے علمی و ادبی نشستوں کا اہتمام کرنا شروع کر دیا تھا۔ تعبیر نے ۱۹۸۰ء میں پندرہ روزہ علمی و ادبی نشستوں کا انعقاد کیا جن میں کشمیری اور پاکستانی اہل قلم حضرات کو مدعو کیا گیا۔

تعبیر نے مشاعروں کو ادبی تقریب سمجھ لینے کی عادت کو یکسر تبدیل کر ڈالا۔ اس کے زیر اہتمام صرف دس فیصد مشاعرے کرائے گئے۔ اس نے ہر نوعیت کی ادبی، ثقافتی اور سماجی تقریب کا انعقاد کیا۔ اس نے ادبی تقریب کا انداز، معیار اور مزاج بدل کر اسے معاشرے کے ہر طبقے کی دلچسپی اور ذوق کے مطابق ڈھالا۔ اس کی تقریبات میں موضوع، نوعیت، مقاصد، بجٹ، معیار اور پیشکش کے اعتبار سے بہت ہماہمی پائی جاتی ہے۔ ادارے نے اس بات کا بھی اہتمام کیا کہ کوئی اجلاس اور تقریب، تقریب برائے تقریب نہ ہو بلکہ تقریب ایسی ہو جس کے ذریعے اراکین کے ادبی ذوق کی تربیت ہو سکے۔

ادارہ پاکستان اور آزاد کشمیر کے قومی دنوں کے مواقع پر بھی تقریبات منعقد کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ادارہ علامہ اقبال، مرزا غالبؔ، فیض احمد فیضؔ، مولانا ظفر علی خان، غلام احمد مہجور اور نورالدین ولیؒ کے یوم ولادت یا یوم وفات پر خصوصی تقریبات کا بھی اہتمام کرتا ہے۔ ان خصوصی تقریبات میں اراکین ''شخصیت'' کے حوالے سے تحقیقی مقالات اور مضامین پیش کرتے ہیں۔

ادارے کے زیر اہتمام مشاعروں اور تنقیدی نشستوں کا اہتمام ہی نہیں کرایا جاتا بلکہ مجالس میں اراکین مختلف موضوعات پر مقالات اور مضامین پڑھ کر سناتے ہیں۔ اکثر مجالس میں اراکین کے علاوہ حاضرین کی تعداد ساٹھ (۶۰) کے قریب ہوتی ہے۔

تعبیر نے مختلف کتب کی تقریب رونمائی، تعزیتی ریفرنسز، سیمینارز، کانفرنسیں، مقابلہ حسن قرأت، حسن نعت، مقابلہ ملی نغمات اور موسیقی کی محفلوں کا بھی انعقاد کیا ہے۔ اس کی تقریبات کے مہمان خصوصی اور صدر علمی و ادبی شخصیات کے علاوہ آزاد کشمیر اور پاکستان کے سرکاری عہدیداران، چیف جسٹس، معزز جج صاحبان، وزراء، مشیر صاحبان، کمشنر، ڈپٹی کمشنر، وزیر اعظم اور قائم مقام وزیر اعظم ہوتے رہے ہیں۔

''ادارہ تعبیر'' نے ۱۹۸۲ء میں دفتر کے لیے عمارت کرائے پر حاصل کی۔ ابھی تک دفتر اسی عمارت میں ہے۔ دفتر کی عمارت ہونے کی وجہ سے ادارے کی کارروائیوں کا تمام ریکارڈ محفوظ ہے۔ یہ محفوظ ریکارڈ بلا شبہ ایک

نامیاتی اثاثہ ہے۔ ''ادارہ تعبیر'' کے ارکان کی مکمل فہرست پورے کوائف کے ساتھ رجسٹر میں درج ہوتی ہے۔ مثلاً نام، پتہ، تاریخ درخواست گزاری، تاریخ ابتدائی رکنیت اور کیفیت کے اندراجات کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ حسب ذیل فائلیں بھی مرتب کرنے کے لیے مربوط اور منظم طریقہ کار وضع کیا گیا ہے:

۱۔ فہرست (ارکان) مع مفصل کوائف:

۲۔ فام رکنیت (الف) موجودہ۔

۳۔ رجسٹر روئیداد ہفتہ وار مجالس (ادبی)۔

۴۔ رجسٹر روئیداد ہفتہ وار مجالس انتظامیہ۔

۵۔ حسابات۔

۶۔ فائل خط وکتابت (الف) اراکین سے (ب) عام لوگوں سے۔

۷۔ فائل نشر و اشاعت (الف) خط وکتابت (ب) تراشے۔

۸۔ فائل ہفتہ وار پروگرام۔

۹۔ فائل مسودات (پڑھے گئے مضامین)۔

۱۰۔ فائل سالانہ اجلاس (الف) سالانہ رپورٹ (ب) سالانہ انتخاب۔

۱۱۔ فائل خصوصی ڈے۔

۱۲۔ متفرقات۔

۱۳۔ انڈکس رجسٹر۔

اس طرح کے تنظیمی امور اور ادبی معیار کی وجہ سے ہی تعبیر نے باقاعدہ ایک ادارے کی حیثیت اختیار کی ہے۔ ۱۹۸۱ء سے لے کر ۲۰۰۷ء تک ادارہ تعبیر کے جلسوں میں جو کچھ پڑھا گیا ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

''	نوعیت	کل تعداد
(الف)	افسانے:	۱۰
(ب)	ڈرامے:	۲۸
(ج)	مضامین:	۱۳۴
	کل تعداد:	۱۷۲

اس تعداد میں مندرجہ ذیل اراکین کا حصہ ہے:

	نام	ڈرامہ	مضمون	افسانہ	تعداد
۱۔	خواجہ خورشید احمد:	۱۲	۱۰	۳	۲۵
۲۔	خواجہ ظفر اقبال:	۶	۲	۵	۱۳
۳۔	محمد عجائب جنجوعہ:	۱۰	۲	۱	۱۳

۴۔	اکرم طاہر:	۔	۳۰	۔	۳۰
۵۔	فضل حسین رانا:	۔	۱۵	۔	۱۵
۶۔	مظہر جاوید حسن:	۔	۲۰	۔	۲۰
۷۔	منیر احمد یزدانی:	۔	۲۰	۔	۲۰
۸۔	پروفیسر نذیر تبسم:	۔	۱۵	۲	۱۷
۹۔	ڈاکٹر غلام حسین اظہر:	۔	۲۰	۔	۲۰" ۱۰۲

ادارہ تعبیر روز بروز مزید ترقی کر رہا ہے۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ اول: ادارہ کسی خاص ادبی تحریک یا گروہ سے وابستہ نہیں ہے۔ دوم: اس کے تمام اراکین تعلیم یافتہ اور برسر روزگار ہیں۔ برسر روزگار ہونے کی وجہ سے کاروبار اور ادبی کام آپس میں گڈ مڈ نہیں ہوتے۔ اراکین کسی مالی دقت میں مبتلا ہونے کے باوجود ادارہ سے کسی قسم کی مالی منفعت کے آرزومند نہیں ہوتے اور یہی سب ادارے کی کامیابی کی وجہ ہے۔

تعبیر نے ۲۰۰۰ء میں کتب کی اشاعت کا کام شروع کیا۔ اشاعتی ادارے کا نام ''تعبیر پبلی کیشنز'' رکھا گیا۔ پہلی کتاب ادبی نوعیت کی نہیں تھی مگر کتاب کی اشاعت کا تجربہ خوشگوار ثابت ہوا۔ اس کی طرف سے چھاپی جانے والی پہلی ادبی کتاب خواجہ محمد عارف کا پہلا شعری مجموعہ ''سعادت'' ہے۔ کتابت کا یہ سلسلہ جاری ہے اور ادارہ مزید کئی کتابوں کو چھاپنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ادارہ نے آزاد کشمیر میں علمی و ادبی سرگرمیوں کو فروغ دینے کی منظم اور مربوط کوششیں کی ہیں۔ آج اس ادارے کی بدولت میرپور کی ادبی، علمی اور ثقافتی زندگی میں بھرپور توانائی پیدا ہو گئی ہے۔ اس نے کشمیر کی تہذیب و ثقافت کو بھی محفوظ کرنے کے لیے بہترین اقدامات کیے ہیں۔ اس سلسلے میں ادارے کی کوششیں بے مثال ہیں۔

''ادبیکا''، میرپور:

علمی و ادبی تنظیم ''ادبیکا'' کو ۱۹۸۳ء میں ''بزم ادبیات پاکستان'' کے نام سے پیر سید ظفر کاظمی (مرکزی صدر پاکستان و آزاد کشمیر) کے حکم پر مظہر جاوید حسن نے بنایا۔ ابتدائی عہدیداران میں چیف آرگنائزر مظہر جاوید حسن، صدر عارف حسین نقوی، سیکرٹری سید محمود بسمل، جوائنٹ سیکرٹری محمد فاروق قمر، پریس سیکرٹری ساجد محمود طاہر تھے مگر اب پروفیسر محمد سعید ثاقب صدر، مبشر غفور مبشر جوائنٹ سیکرٹری اور پریس سیکرٹری ذوالفقار علی اسد ہیں۔ انجمن کے تاحیات چیف آرگنائزر مظہر جاوید حسن ہیں:

اغراض و مقاصد:

۱۔ آزاد کشمیر میں ادبی روایت کو مستحکم کرنا۔

۲۔ اردو ادب اور صحافت کے ناسازگار ماحول کو درست کرنا۔

۳۔ ادب کو زندگی سے ہم آہنگ کرنا۔

۴۔ اردو زبان میں نئے الفاظ، محاورات اور تراکیب کا اضافہ کرنا۔

تنظیم کے مالی اخراجات پورا کرنے کے لیے ممبران سے چندہ وصول کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات مخیّر حضرات بھی تعاون کرتے ہیں۔ انجمن کے ماہانہ اجلاس باقاعدگی سے منعقد ہوتے ہیں۔ ماہانہ جلسوں کے علاوہ

پندرہ روزہ، سہ ماہی، سالانہ مشاعروں اور تنقیدی نشستوں کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ ان جلسوں کی صدارت کے لیے پاکستان اور آزاد کشمیر کے نامور اہل قلم کو مدعو کیا جاتا ہے۔

انجمن کا سب سے قابل فخر کارنامہ ''ادبیات کاشر'' یعنی علمی و ادبی پرچے کا اجراء ہے۔ پہلا پرچہ ۱۹۸۸ء میں ادبیکا کے پلیٹ فارم سے محمد ذاکر نسیم کی زیر سرپرستی جاری کیا گیا۔ آج کل رسالہ بڑے اخباری سائز میں تقریباً ہر ماہ شائع کیا جاتا ہے۔ انجمن نے خواتین کے لیے بھی سہ ماہی رسالہ ''پازیب'' کا اجراء کیا ہے۔ انجمن کا مرکزی دفتر چترپڑی میرپور میں ہے۔ انجمن تاحال فعل ہے۔ یہ بڑی جانفشانی اور سرگرمی سے اردو ادب کی خدمت بجا لا رہی ہے۔

''مجلسِ تحقیق فکر و فلسفہ پاکستان''، میرپور:

''مجلسِ تحقیق فکر و فلسفہ پاکستان'' کا قیام ۱۹۹۰ء میں عمل میں لایا گیا۔ مجلس بنانے والوں میں منیر احمد یزدانی، مسعود اعجاز بخاری اور عظمت رشید کیانی شامل ہیں۔ اس کے صدر مسعود اعجاز بخاری اور جنرل سیکرٹری عظمت رشید کیانی ہیں۔ اس کے اراکین کی تعداد ساٹھ ہے۔ مجلس کا رکن بننے کے لیے اس کا مسلمان ہونا شرط ہے۔

مقاصد:

> ''مجلس کے اغراض و مقاصد درج ذیل ہیں:
>
> ۱۔ فکر و فلسفہ کی تشکیلِ جدید۔
>
> ۲۔ مسلمانوں کی تاریخ فکر کا نئے سرے سے جائزہ اور اسلامی فکر کی تشکیلِ جدید۔
>
> ۳۔ نظریہ پاکستان کی روشنی میں بین الاقوامی فکر اور حالات کا مطالعہ۔
>
> ۴۔ بین الاقوامی فکر اور عصری عالمی حالات و واقعات کی روشنی میں پاکستان کا مطالعہ۔
>
> ۵۔ استحکام پاکستان اور تکمیل پاکستان کے لیے فکری مساعی بروئے کار لانا۔
>
> ۶۔ اردو زبان میں قومی فکر و فلسفہ کی تشکیل و تدوین۔
>
> ۷۔ اردو زبان کو دنیا کی واحد ترقی یافتہ زبان کے طور پر پیش کرنے کے لیے فکری و عملی سعی کرنا'' ۱۰۳

مجلس کے اجلاس ہر ماہ باقاعدگی سے منعقد ہوتے ہیں۔ اکثر اجلاس اکبر ہوٹل (میرپور)، شیزان ہوٹل (میرپور) اور جبیر ہوٹل (میرپور) میں منعقد ہوتے ہیں۔ ۱۹۹۰ء سے لے کر آج تک انجمن کے ماہانہ اجلاسوں میں کبھی تعطل پیدا نہیں ہوا۔ انجمن کے ماہانہ جلسوں کی کارروائیوں کے بارے میں سید مسعود اعجاز بخاری بتاتے ہیں:

> ''مجلس تحقیق فکر و فلسفہ کے زیر اہتمام مشاعروں، مذاکروں اور ادبی کتابوں پر تنقیدی گفتگو کے حوالے سے پروگرام منعقد کیے جاتے رہے ہیں۔'' ۱۰۴

''مجلسِ تحقیق فکر و فلسفہ پاکستان'' انھیں خطوط پر کام کر رہی ہے جن پر ''کل پاکستان بزم فکر و نظر'' (میرپور) کام کر رہی ہے۔ مجلس کے پیش نظر جو مقاصد ہیں وہ اردو زبان کی ترقی اور وسعت کی ضمانت ہیں۔ انجمن اردو زبان کی ترقی کے ذریعے ملک میں اتحاد اور امن کی فضا پیدا کرنا چاہتی ہے۔ مجلس تاحال فعال ہے اور

اس کی سابقہ کارکردگی دیکھتے ہوئے یہ بات آسانی سے کہی جا سکتی ہے کہ آنے والی نسلیں جب اردو زبان میں فکر و فلسفہ پر گفتگو کریں گی تو ''مجلسِ تحقیق فکر و فلسفہ پاکستان'' (میرپور) کی خدمات ان کے لیے راہنمائی کا کام کریں گی۔

''سیف الملوک اکیڈمی'' میرپور:

اس کی بنیاد ۲۵ دسمبر ۱۹۹۳ء میں رکھی گئی۔ اس کے چیف آرگنائزر سید معصوم حسین زندہ (شاعر، ادیب) اور ڈائریکٹر جمیل احمد جمیل ہیں۔ اکیڈمی کے شعبہ جات میں شعبہ سنگیت، شعبہ نعت اور شعبہ قرأت شامل ہیں۔ بنیادی طور پر یہ ایک ثقافتی تنظیم ہے۔ اس کے مقاصد درج ذیل ہیں:

۱۔ کشمیر کے سُر سنگیت کو فروغ دینا۔

۲۔ میرپور میں علمی و ادبی فضا پیدا کرنا۔

۳۔ نوجوانوں کو ادب کی جانب راغب کرنا۔

۴۔ اکیڈمی میں مذہبی اور تاریخی دن کے حوالے سے اجلاس منعقد کرانا۔

۵۔ کشمیر کی تہذیب و ثقافت کی ترویج کرنا۔

''سیف الملوک اکیڈمی'' خاص مذہبی دن کے حوالے سے جن تقریبات کا انعقاد کرتی ہے ان میں بارہ ربیع الاول، شب قدر، شب معراج، عرس میاں محمد بخشؒ اور یوم بدر وغیرہ شامل ہیں۔ ان تقریبات کی صدارت کے لیے معروف علمی و ادبی اور مذہبی علماء کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔ تنظیم لوک ورثہ اسلام آباد میں بھی آزاد کشمیر کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس کے اجلاسوں کی کارروائی ''ادبیات کاشر'' میرپور میں چھپتی رہی ہے۔

اکیڈمی کی کارکردگی مثالی ہے۔ اس سے وابستہ نوجوان موسیقی اور ادب کے فروغ میں شب و روز قومی و ملی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ سیف الملوک اکیڈمی نے ایک لائبریری بھی قائم کی ہوئی ہے جہاں مختلف موضوعات پر کتابیں موجود ہیں جن سے تشنگانِ علم فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

حواشی

۱۔ محمد دین فوق، شباب کشمیر، ویری ناگ پبلشرز میرپور، بار دوم، ۱۹۸۷ء، ص ۵۱

۲۔ ایم۔اے خان، کشمیر تاریخ کے آئینے میں، لالہ زار پبلشرز میرپور، اشاعت دوم، ۱۹۹۹ء، ص ۱۱۹

۳۔ ایچ۔پی خان (ڈاکٹر)، تاریخ جہادِ کشمیر، الحمد اکادمی ناظم آباد کراچی، ۱۹۹۰ء، ص ۲۳

۴۔ سرفراز حسین مرزا (ڈاکٹر)، پاکستان بھارت تنازعہ کشمیر، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۱۰

۵۔ احسن ریاض سید، پاکستان ناگزیر تھا، سن و سال ندارد، ص ۱۸۰

۶۔ بشیر احمد قریشی، جموں و کشمیر ماضی، حال اور مستقبل کے آئینے میں، مطبوعہ ماہنامہ انوار الاولیاء مظفر آباد، شمارہ اکتوبر ۲۰۰۶ء، ص ۱۰۰

۷۔ عبدالغنی اصغر ملک (ڈاکٹر)، کشمیر کا عروج و زوال، ہمالیہ پبلشرز انٹرنیشنل، ۱۹۹۷ء، ص ۱۶۷

۸۔ روزنامہ پاکستان ٹائمز، لاہور، ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء

۹۔ محمد زاہد چوہدری، پاکستان کی سیاسی تاریخ (جلد سوم)، ادارہ مطالعہ تاریخ پاکستان، اشاعت اول، ۱۹۹۰ء، ص ۳۳۵

۱۰۔ طاہر فاروقی پروفیسر (مرتب)، پاکستان میں اردو بحوالہ ''پاکستانی ادب'' از مولانا ماہر القادری سن و سال ندارد، ص ۱۶۷

۱۱۔ Maculay's Minutes on Education in India, Calcutta, 1862, P115

۱۲۔ عبداللہ سید (ڈاکٹر)، پاکستان میں اردو کا مسئلہ، مکتب خیابانِ ادب لاہور، اشاعت اول، ۱۹۷۶ء، ص ۸۸

۱۳۔ غلام احمد پنڈت خواجہ، کشمیر آزادی کی دہلیز پر، جنگ پبلشرز، اشاعت دوم، ۱۹۹۵ء، ص ۷۹

۱۴۔ صابر آفاقی (ڈاکٹر)، جلوۂ کشمیر، سنگ میل پبلشرز لاہور، اشاعت اول، ۱۹۸۸ء، ص ۲۵۶

۱۵۔ سلیم خان گمی، کشمیر: ادب و ثقافت، ادارۂ مطبوعات پاکستان کراچی، ۱۹۶۳ء، ص ۶۹۔۷۰

۱۶۔ روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور، مورخہ ۱۰ جون ۲۰۰۳ء

۱۷۔ صابر آفاقی (ڈاکٹر)، جلوۂ کشمیر، محولہ بالا، ص ۲۵۲

۱۸۔ محمد سرور عباسی، پروفیسر، کشمیری مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، انسٹی ٹیوٹ آف کشمیر سٹڈیز مظفر آباد، طبع اول، ۱۹۹۲ء، ص ۶

۱۹۔ محمد سعید اسعد، جموں و کشمیر بک آف نالج، نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف کشمیر سٹڈیز میرپور، طبع چہارم، ۲۰۰۲ء، ص ۲۰

۲۰۔ محمد سلیم الحاج، شیخ (غازی کشمیر)، جموں و کشمیر کے طبعی حالات، مضمون ماہنامہ ''ادبی دنیا'' لاہور کشمیر نمبر، ۱۹۶۶ء، ص ۱۹

۲۱۔ محمد صغیر (ڈاکٹر)، پونچھ میں اردو کا ارتقا، مضمون مطبوعہ ''اخبار اردو'' جلد ۳۱، شمارہ ۲، بابت ماہ فروری ۲۰۰۵ء، ص ۱۳

۲۲۔ عبدالمجید سالک، مسلم ثقافت ہندوستان میں، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور، طبع سوم، ۱۹۸۲ء، ص ۳۵۵

۲۳۔ صابر آفاقی (ڈاکٹر)، جلوہ کشمیر، محولہ بالا، ص ۲۵۳

۲۴۔ محمد یوسف بخاری، سید (ڈاکٹر)، کشمیری اور اردو زبان کا تقابلی مطالعہ، مرکزی اردو بورڈ لاہور، طبع اول، ۱۹۸۲، ص ۴۷

۲۵۔ محمود آزاد سید، تاریخ کشمیر، ادارہ معارف کشمیر ہاڑی گہل آزاد کشمیر، بار اول، ۱۹۷۰، ص ۲۶۷۔۲۶۸

۲۶۔ غلام احمد پنڈت (خواجہ)، کشمیر آزادی کی دہلیز پر محولہ بالا ص ۹۸

۲۷۔ حبیب کیفوی میں اور میرا کشمیر، جنگ پبلشرز لاہور، ۱۹۹۹، ص ۷۵

۲۸۔ سرفراز حسین مرزا (ڈاکٹر)، پاکستان بھارت تنازعہ کشمیر محولہ بالا، ص ۲۱

۲۹۔ محمد یوسف بخاری، سید (ڈاکٹر)، کشمیری اور اُردو زبان کا تقابلی مطالعہ محولہ بالا ص ۶۸

۳۰۔ سلیم خان گمی، کشمیر: ادب وثقافت محولہ بالا ص ۲۹

۳۱۔ سائرہ بانو، اُردو زبان کی ترویج، مضمون ماہنامہ "ماہ نو" لاہور جلد ۵، شمارہ نمبر ۱، بابت ماہ جنوری ۲۰۰۴، ص ۴۷

۳۲۔ قواعد وضوابط، مخطوطہ بتوسط ڈاکٹر خواجہ عبدالغنی (مرحوم)

۳۳۔ شہباز گردیزی، سید مکتوب بنام مقالہ نگار محررہ ۱۸ جولائی ۲۰۰۷

۳۴۔ قواعد وضوابط، مخطوطہ بتوسط سید شہباز گردیزی

۳۵۔ شفیق راجہ، پروفیسر، مکتوب بنام مقالہ نگار محررہ ۳۱ اگست ۲۰۰۶

۳۶۔ عمران حمید گیلانی، مکتوب بنام مقالہ نگار محررہ ۲۰ جولائی ۲۰۰۷

۳۷۔ قواعد وضوابط، مخطوطہ بتوسط مرزا فیضان

۳۸۔ محمد دین فوق، تاریخ اقوام پونچھ، ویری ناگ پبلشرز، میرپور اے۔کے، ۱۹۹۱، ص ۳۴۳

۳۹۔ محمد صغیر خان، ڈاکٹر، مکتوب بنام مقالہ نگار، محررہ ۱۷ اگست ۲۰۰۵

۴۰۔ صابر آفاقی، ڈاکٹر، مکتوب بنام مقالہ نگار محررہ ۲۲ نومبر ۲۰۰۷

۴۱۔ صابر آفاقی، ڈاکٹر، ترجمان اقبال، مضمون مطبوعہ ماہنامہ "ماہ نو" لاہور، ۲۰۰۵، جلد ۵۸، شمارہ نمبر ۱، بابت ماہ فروری ۲۰۰۵، ص ۸۹

۴۲۔ آئین، مخطوطہ بتوسط سردار مسعود احمد

۴۳۔ مسعود احمد خان، پروفیسر، مکتوب بنام مقالہ نگار محررہ ۱۶ جولائی ۲۰۰۷

۴۴۔ محمد سلیم شیخ، ادبی دنیا، محولہ بالا، ص ۳۶

۴۵۔ مجلہ کاوش، گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج کوٹلی، شمارہ ۲۰۰۵، ص ۱۰۷

۴۶۔ محمد سعید اسعد، جموں و کشمیر بک آف نالج، محولہ بالا، ص ۱۸۹

۴۷۔ ذاتی ملاقات، مقالہ نگار، ہمراہ خالد کاشمیری، مقام محلہ بلیاہ، کوٹلی، ۲۴ نومبر ۲۰۰۷

۴۸۔ خالد محمود جنجوعہ، مدینۃ المساجد کوٹلی قدیم و جدید کے آئینے میں، میرپور، سن ندارد، ص ۲۱۸

۴۹۔ انٹرویو بمقام رہائش گاہ، محمد افضل صابری، محلہ برتھان کوٹلی، مورخہ ۱۱ نومبر ۲۰۰۷

۵۰۔ الطاف شاکر، مکتوب، بنام مقالہ نگار، محررہ ۱۲ اپریل ۲۰۰۶ء

۵۱۔ محمد سعید اسعد، جموں و کشمیر بک آف نالج، محولہ بالا، ص ۱۹۴

۵۲۔ حبیب کیفوی، کشمیر میں اردو، مرکزی اردو بورڈ لاہور، بار اول، ۱۹۷۹، ص ۱۷۸

۵۳۔ رابعہ سرفراز (مرتب)، پروفیسر فتح محمد ملک، پاکستان میں اردو، جلد پنجم، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، طبع اول، ۲۰۰۶، ص ۱۳۶

۵۴۔ آمنہ بہار رونا، سیدہ، مکتوب بنام مقالہ نگار، محررہ ۱۰ اپریل ۲۰۰۶

۵۵۔ حبیب کیفوی، کشمیر میں اردو، محولہ بالا، ص ۴۲۶

۵۶۔ ایضاً۔ص ۳۶۷

۵۷۔ یونس جاوید (ڈاکٹر)، حلقہ ارباب ذوق تنظیم، تحریک، نظریہ، دوست پبلیکیشنز اسلام آباد، ۲۰۰۳، ص ۵۴

۵۸۔ صابر آفاقی (ڈاکٹر)، مکتوب، بنام مقالہ نگار، محررہ ۱۱ اکتوبر ۲۰۰۷

۵۹۔ محمد دین فوق، تواریخ اقوام کشمیر جلد اول، ویری ناگ پبلشرز، میرپور اے۔کے، بار سوم، ۱۹۹۱، ص ۳۱۳

۶۰۔ غلام احمد پنڈت، خواجہ، اوراق پارینہ سنگم پبلیکیشنز مظفرآباد، سن و سال ندارد، ص ۸۱۴

۶۱۔ ایوب صابر، پروفیسر، آزاد کشمیر میں نفاذ اردو، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۲، ص ۳

۶۲۔ انٹرویو بمقام رہائش گاہ، میاں محمد اسحاق سوز، محلہ دومیل سیداں مظفرآباد مورخہ ۳۱ جولائی ۲۰۰۷

۶۳۔ روزنامہ ''نوائے وقت''، لاہور مورخہ ۱۰ جون ۲۰۰۳

۶۴۔ انٹرویو میاں محمد اسحاق سوز، محولہ بالا

۶۵۔ حبیب کیفوی، کشمیر میں اردو، محولہ بالا، ص ۱۷۷

۶۶۔ میاں محمد اسحاق سوز، مکتوب، بنام مقالہ نگار، محررہ ۳ اگست ۲۰۰۷

۶۷۔ عبدالرشید ملک، مکتوب، بنام مقالہ نگار، محررہ ۳ دسمبر ۲۰۰۵

۶۸۔ حبیب کیفوی، کشمیر میں اردو، محولہ بالا، ص ۱۷۷۔ ۱۷۸

۶۹۔ آئین، مخطوطہ بتوسط ڈاکٹر صابر آفاقی

۷۰۔ انٹرویو زاہد کلیم، محولہ بالا

۷۱۔ ایضاً

۷۲۔ انٹرویو بمقام رہائش گاہ، ابراہیم گل، نزد مدینہ مارکیٹ مظفرآباد، مورخہ ۱۵ جولائی ۲۰۰۷

۷۳۔ حبیب کیفوی، کشمیر میں اردو، محولہ بالا، ص ۲۰۳

۷۴۔ سلیم خان گی، کشمیر: ادب و ثقافت، محولہ بالا، ص ۱۷۵

۷۵۔ صابر آفاقی، ڈاکٹر، آزر عسکری، مضمون مطبوعہ، ''مشیر'' آزر عسکری نمبر، ۱۹۸۷، ص ۱۹

۷۶۔ انٹرویو ابراہیم گل محولہ بالا

۷۷۔ ذاتی ملاقات، مقالہ نگار ہمراہ ڈاکٹر سید نثار حسین ہمدانی، بمقام اے۔کے یونیورسٹی کیمپس مظفرآباد ۱۳ جولائی ۲۰۰۷

۷۸۔ انٹرویو بمقام رہائش گاہ، سید نثار حسین ہمدانی، نزد امام بارگاہ مظفرآباد، مورخہ ۱۴ جولائی ۲۰۰۷

۷۹۔ ایضاً

۸۰۔ ذاتی ملاقات، مقالہ نگار، ہمراہ ڈاکٹر افتخار حسین مغل بمقام دومیل سیداں مظفرآباد ۳ اگست ۲۰۰۷

۸۱۔ ایضاً

۸۲۔ آ ئین، مخطوطہ بتوسط اعجاز نعمانی

۸۳۔ انٹرویو بمقام رہائش گاہ، اعجاز نعمانی، دومیل سیداں مظفرآباد، مورخہ ۲ اگست ۲۰۰۷

۸۴۔ اعجاز نعمانی، مکتوب بنام مقالہ نگار، محررہ ۳۰ جولائی ۲۰۰۷

۸۵۔ ایضاً

۸۶۔ افتخار حسین مغل (ڈاکٹر)، آزاد کشمیر میں اردو کا نثری ادب، تحقیقی مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی، A.I.O.U اسلام آباد، ۲۰۰۳، ص ۱۲

۸۷۔ انٹرویو بمقام دفتر کشمیر کلچرل اکیڈمی، علامہ جواد جعفری، اپر چھتر مظفرآباد، مورخہ ۳۰ جولائی ۲۰۰۷

۸۸۔ مخطوطہ، بتوسط کشمیر کلچرل اکیڈمی

۸۹۔ انٹرویو، علامہ جواد جعفری، محولہ بالا

۹۰۔ سلطان شاہ سید، میرپور ۴۷ سے قبل، کاظمین پبلشرز، میرپور اے۔کے، سن و سال ندارد، ص ۹۷

۹۱۔ یعقوب طارق، راجہ، تاریخ گکھڑاں میرپور، حق داد طارق اینڈ برادرز پبلشرز، سن ندارد، ص ۱۷۳

۹۲۔ محمد سعید اسعد، منگلا ڈیم.... خطرناک توسیعی منصوبہ، کاشر پبلشرز میرپور، طبع اول، ۲۰۰۲، ص ۱۱

۹۳۔ افتخار حسین مغل (ڈاکٹر)، آزاد کشمیر میں اردو کا نثری ادب، محولہ بالا، ص ۱۴

۹۴۔ انٹرویو بمقام رہائش گاہ، منیر احمد یزدانی، ۳۲ بی تھری پارٹ سیکنڈ میرپور، مورخہ ۳۰ اکتوبر ۲۰۰۷

۹۵ ذاتی ملاقات، مقالہ نگار، سید مسعود اعجاز بخاری، بمقام ۳۴ اے سیکٹر بی تھری پارٹ سیکنڈ، میرپور، یکم نومبر ۲۰۰۷

۹۶ انٹرویو منیر احمد یزدانی، محولہ بالا

۹۷ مخطوطہ، بتوسط منیر احمد یزدانی

۹۸ انٹرویو منیر احمد یزدانی، محولہ بالا

۹۹۔ انٹرویو بمقام رہائش گاہ، خواجہ خورشید احمد، سیکٹر۔ا بی میرپور، مورخہ ۲۹ اکتوبر ۲۰۰۷

۱۰۰ ایضاً

۱۰۱ ایضاً

۱۰۲ مخطوطہ، بتوسط خواجہ خورشید احمد

۱۰۳ مخطوطہ، بتوسط سید مسعود اعجاز بخاری

۱۰۴ انٹرویو سید مسعود اعجاز بخاری، محولہ بالا

باب: سوم

آزاد کشمیر کی ادبی انجمنوں کی کارکردگی

آزاد کشمیر کی انجمنوں کے جلسوں کی روئیدادیں:

آزاد کشمیر کے تمام اضلاع میں ادبی انجمنیں موجود ہیں ان میں سے اکثر انجمنیں ہفتہ وار/ پندرہ روزہ اجلاس منعقد کرتی ہیں تاکہ ادبی جمود کو توڑا جاسکے۔ یہ انجمنیں ہر سال سالانہ بڑا جلسہ بھی کراتی ہیں۔ جس میں مشاعرے یا کسی کتاب کی تعارفی تقریب یا تنقیدی نشست کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ان جلسوں میں اراکین کے علاوہ عام عوام کو بھی شرکت کی اجازت ہوتی ہے۔ انجمنوں کے جلسے ہی ان کی کارکردگی کا ثبوت ہوتے ہیں۔ آزاد کشمیر میں قائم ادبی انجمنوں کے جلسوں میں صرف مشاعرے ہی نہیں ہوتے بلکہ تنقیدی نشست، تحقیقی مقالات، طرحی مشاعرہ، تعارفی تقاریب اور تعزیتی ریفرنسز کا بھی انعقاد کیا جاتا ہے۔ ان جلسوں کی روئیدادیں علمی و ادبی اور تاریخی و سماجی حیثیت کی حامل ہیں۔ آزاد کشمیر کے ہر ضلع کی انجمنوں کے مندرجہ ذیل اجلاس قابل ذکر ہیں:

''بزم اہل علم و دانش''، کہوٹہ ضلع باغ کے زیر اہتمام طرحی مشاعرے کی روئیداد:

''بزم اہل علم و دانش'' کہوٹہ نے ۶ نومبر ۱۹۹۴ء کو بوائز ڈگری کالج کہوٹہ میں یوم شہدائے جموں کے موقع پر پہلا مشاعرہ منعقد کیا مشاعرے میں طرح مصرع تھا:

''تمہیں سے اے مجاہدو جہاں کو ثبات ہے''۔ مشاعرے کی صدارت راجہ محمد فرید خان راٹھور نے کی۔ مہمان خصوصی اسسٹنٹ کمشنر کہوٹہ سردار محمد فاروق خان تبسم تھے۔ سیکرٹری کے فرائض اسسٹنٹ پروفیسر چوہدری محمد حسین نے انجام دیئے تلاوت کلام پاک سے مشاعرے کا آغاز کیا گیا۔ تلاوت کلام پاک کے بعد مختار ہاشمی نے نعت رسول ﷺ مقبول پیش کی۔ اس کے بعد مشاعرے کا باقاعدہ آغاز کیا گیا سب سے پہلے منشی احمد دین کو اپنا کلام پیش کرنے کی دعوت دی گئی۔ منشی احمد دین نے غزل سنائی نمونہ کلام:

ہوا ہے تندو تیزاور چراغ راہگذر پہ ہے
جلائے رکھ کہ آخری لمحوں پہ دور رات ہے
اٹوٹ انگ ٹوٹ کر گلے کا ہار بن گیا
نہ رکھنے میں ہے عافیت نہ چھوڑنے میں نجات ہے ؎

'' چراغ راہگذر'' غالب کی ترکیب ہے جسے منشی احمد دین نے چابکدستی سے برتا ہے۔ دوسرے شعر میں گلے کا ہار میں صنعت ایرادالمثل ہے۔ وطن سے محبت کی لے ہر شعر میں موجزن ہے

منشی احمد دین کے بعد محمد شفیق شائق کو دعوت سخن دی گئی۔ نمونہ کلام:

جہاد کن فکاں سے عروج کائنات ہے
نوائے سرفروش سے بقائے شش جہات ہے
لہو لہو ہے اک جہاں سکون محال ہے
ابھی افق ہے خونچکاں ابھی تو سرخ رات ہے ؎

شاعر نے کن فکاں، عروج کائنات اور بقائے شش جہات جو اقبال کی پسندیدہ تراکیب ہیں کو عمدگی کے ساتھ استعمال کیا۔ تراکیب کے استعمال نے غزل کی تاثیر میں اضافہ کر دیا۔ لہو لہو میں تکرار ہے جس سے شعر میں موسیقیت پیدا ہوگئی۔

محمد نذیر کیانی کو دعوت دی گئی کہ وہ آئیں اور غزل سنائیں۔ ان کی غزل کے ہر شعر پر سامعین نے انہیں خوب داد دی۔ نمونہ کلام:

تمہیں سے اے مجاہدو جہاں کو ثبات ہے
زندگی تو زندگی ہے موت بھی حیات ہے
تاریک راہوں میں فقط تم ہی مشعل بردار ہو
اسوۂ شبیر کے تم ہی امانتدار ہو ؎۳

موت و حیات میں تضاد ہے۔ زندگی زندگی میں تکرار ہے جبکہ اسوۂ بشیر میں تلمیح ہے۔
سید مختار حسین بخاری کو دعوت دی گئی تو انہوں نے غزل سنائی۔ ان کی غزل نے سامعین کے ذہنوں میں بدر و احد کے عظیم معرکوں کی یاد تازہ کر دی۔ نمونہ کلام:

بدر و احد کے پاسباں فتح مبین تجھ کو نصیب
مستور جرات میں تیری قوم کی نجات ہے ؎۴

بدر و احد میں تلمیح ہے۔ شاعر نے قوم کو جرات اور بہادری سے مشکلات کا سامنا کرنے کی ترغیب دی ہے۔
سید منیر احمد بخاری کو دعوت دی گئی۔ انہوں نے غزل ترنم کے ساتھ پڑھ کر سنائی۔ اشعار:

یہ رنگ شفق نہیں ہے خون شہیدوں کی لالی
تلاطم ایام میں یہ ساحل حیات ہے
وقت لائے پھر خدا اس معرکہ عشق کا
یہی اک آرزو جانباز کی حیات ہے ؎۵

پہلے شعر میں خون کو شفق سے تشبیہ دی ہے۔
سب سے آخر میں اسلم ظفر کو دعوت دی گئی کہ وہ آئیں اور غزل سنائیں۔ شعر درج ذیل ہے:

چرچا تمہارا ہر گلی چمن چمن کلی کلی
تمہیں سے اے مجاہدو جہاں کو ثبات ہے ؎۶

چمن چمن اور کلی کلی میں تکرار ہے۔ تکرار الفاظ نے غزل میں موسیقیت پیدا کر دی ہے۔
سٹیج سیکرٹری نے مہمان خصوصی سردار فاروق تبسم کو دعوت دی کہ وہ آئیں اور ہمیں اپنے قیمتی خیالات سے نوازیں۔ سردار فاروق تبسم نے شعراء کے کلام کی تعریف کی۔ انہوں نے پروفیسر سردار کبیر خان کو ان کی علمی و ادبی خدمات پر خراج تحسین پیش کی۔ ساتھ ہی انہوں نے تاکید کی کہ مشاعروں کے سلسلے کو برقرار رکھا جائے کیونکہ بزم کے اجلاس اور مشاعرے اس کے فعال ہونے کی دلیل ہوتے ہیں۔
ان کی تقریر کے بعد سیکرٹری پروفیسر چوہدری محمد حسین نے مشاعرے کے اختتام کا اعلان کیا۔ اس کے ساتھ ہی مشاعرہ اختتام پذیر ہوگیا ؎

"طلوع ادب"، باغ کے زیر اہتمام تقریب رونمائی:

جب عبدالرزاق بے کل کا دوسرا شعری مجموعہ "یہ ہوا کیا" منظر عام پر آیا تو طلوع ادب کے زیر اہتمام ان کی اس شاندار کاوش کی پذیرائی کے لیے ایک تقریب کا انعقاد ۲۹ مارچ ۲۰۰۵ء کو النور ہوٹل کے ہال میں کیا گیا۔ پروگرام اس طرح ترتیب دیا گیا:

صدارت : سید بشیر حسین جعفری (ادیب و دانشور)

مہمان خصوصی : وزیر سمال انڈسٹریز راجہ محمد یسین

مہمان اعزاز : عبدالرزاق بے کل

نظامت کے فرائض : سید شہباز گردیزی

سیکرٹری : سید شہباز گردیزی

تقریب ۲ حصوں پر مشتمل تھی پہلی نشست تقریب رونمائی کی تھی اور دوسری نشست مشاعرے کے لیے مختص تھی۔

تقریب کا آغاز سہ پہر تین بجے تلاوت کلام پاک سے کیا گیا جس کی سعادت حکیم محمد صدیق کے حصے میں آئی۔ نامور نعت خوان قاری محمد بشیر مصطفائی نے اپنی خوبصورت آواز میں نعت رسول مقبول ﷺ پیش کر کے سامعین کے قلوب کو گرما دیا۔ صدر نشین طلوع ادب پروفیسر شفیق راجا نے سپاس نامہ پیش کیا انہوں نے مہمانان گرامی کو خوش آمدید کہا اور طلوع ادب کی گزشتہ کارکردگی کا مختصر احوال بیان کیا۔ باغ میں ہونے والی علمی و ادبی کوششوں کی تفصیل بیان کی۔

ان کے بعد دلشاد اریب مدیر ''مطلع'' نے کتاب کے حوالے سے اپنا مقالہ پیش کر کے بیکل کو خراج تحسین پیش کی۔ انہوں نے بیکل کی شاعری کو عصر حاضر کا سرمایہ قرار دیا اور کہا کہ شاعر نے جن متنوع موضوعات پر طبع آزمائی کی ہے وہ ان کے وسیع مطالعہ کا ثبوت ہے۔

سیکرٹری نے سید طاہر حسین شاہ کو دعوت دی کہ وہ آئیں اور کتاب کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ سید طاہر حسین شاہ نے اپنے مقالہ میں عبدالرزاق بیکل کی شاعری کی تعریف کی اور کہا کہ ان کی شاعری کی سرگوشیاں عالمی سطح پر بھی سنائی دیتی ہیں۔

سردار اشتیاق حسین نے بھی مقالہ پیش کیا۔ انہوں نے عبدالرزاق بیکل کے بعض اشعار کی پیروڈی کر کے سنائی جس سے ساری محفل کشت زعفران بن گئی۔

پروفیسر عبدالحق مراد نے منظوم انداز میں صاحب کتاب اور کتاب پر روشنی ڈالی۔ نامور گلوکار یونس رضا اور رفاقت گردیزی نے موسیقی کے ساتھ بیکل کے کلام کو پیش کیا جسے سامعین نے بہت سراہا۔

پروفیسر ایم آر کے خلیق نے بیکل کی شاعری کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہم شاعری کے ذریعے ہی دنیا کو امن کا پیغام دے سکتے ہیں۔

مہمان اعزاز عبدالرزاق بیکل نے اپنے خطاب میں تمام مہمانان گرامی کا شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے اپنے شعری تجربات پر روشنی ڈالی ساتھ ہی ''طلوع ادب'' کے تمام احباب کا بھی شکریہ ادا کیا جنہوں نے اس پروگرام کا انعقاد کیا۔

پھر مہمان خصوصی کو دعوت دی گئی کہ وہ اسٹیج پر تشریف لائیں اور سامعین کو اپنے قیمتی خیالات سے نوازیں۔ مہمان خصوصی راجہ یٰسین خان نے کہا کہ حکومت ادب کے فروغ کے لیے تمام تر ذرائع بروئے کار لائے گی۔ انہوں نے شاعروں اور ادیبوں سے درخواست کی کہ وہ اپنی تخلیقات میں نفرتوں کے خاتمے اور محبتوں کے فروغ کا پیغام دیں۔ انہوں نے ''طلوع ادب'' باغ کی کاوشوں کو بھی زبردست الفاظ میں خراج تحسین پیش کی۔

آخر میں صدر محفل کو دعوت دی گئی تو انہوں نے باغ میں ہونے والی ادبی کاوشوں کو سراہا۔ انہوں نے کہا کہ باغ میں اردو ادب کی جو خدمت ہو رہی اور اعلیٰ ادب تخلیق ہو رہا ہے وہ لائق تحسین ہے۔

پروگرام کا اختتام دعا سے کیا گیا جس کی سعادت مولانا غلام رسول صدیقی کے حصہ میں آئی اس طرح یہ خوبصورت اور رنگارنگ پروگرام مغرب سے کچھ پہلے اختتام پذیر ہوگیا۔ ∆

''طلوعِ ادب''، باغ کے زیر اہتمام محفل مشاعرہ:

۲۹ مارچ ۲۰۰۵ء بروز منگل دو ادبی نشستوں کا انعقاد کیا گیا۔ پہلی نشست میں عبدالرزاق بیگل کے شعری مجموعے ''یہ ہوا کیا'' کی تقریب رونمائی منعقد کی گئی تو دوسری نشست میں مشاعرہ کرایا گیا۔ محفل مشاعرہ کا انعقاد رات ۸ بجے ڈاکٹر محمد عتیق زاہد کے ڈرائنگ روم میں کیا گیا۔ اس پروگرام میں خطہ کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے شعرائے کرام نے اپنے خوبصورت کلام سے سامعین کے دل موہ لیے۔ مشاعرے کے پروگرام کی ترتیب اس طرح تھی:

صدارت: زید اللہ فہیم

مہمان خصوصی: عبدالرزاق بیگل

سیکرٹری: سید شہباز گردیزی

شرکائے مشاعرہ: شفیق راجہ، دلشاد اریب، لیاقت شعلان، سردار بشیر چغتائی، شازیہ احمد گیلانی، دلشاد احمد فراز، اسلم راجہ، سید امجد گردیزی، پروین رمضان، سید لطیف حسین صمیم، شیخ عمران جاوید، محمد تقویم طاہر اور پروفیسر یعقوب شائق۔

مشاعرہ کا آغاز تلاوت کلام پاک اور نعت رسول مقبول سے کیا گیا۔ سب سے پہلے شفیق راجہ کو دعوت سخن دی گئی کہ وہ آئیں اور اپنا کلام سنا کر سب کو محظوظ کریں۔ شفیق راجہ نے ایک غزل اور ایک نظم سنائی۔ پہلی غزل کا شعر ملاحظہ ہو:

کوئے جاناں میں کریں ہم سنگ ہائے در شمار
حسرتوں، آشاؤں، جذبوں کو کریں اکثر شمار ۹

غزل کے پہلے شعر میں سنگ ہائے درشمار کی ترکیب خوبصورت اور منفرد ترکیب ہے۔

شفیق راجہ نے نظم ''سوچ'' پڑھی۔ اس کے دو بند یہ ہیں:

اک کتھا ندی کناروں کی — اک گنگا بہتے دھاروں کی
اک موسیقی پتواروں کی — اک مالا کھیدن ہاروں کی
تھی جن کی سانجھ کی ناؤ سکھی
اس کانچ کو ہم نے توڑ دیا

اک بنسی راج کماروں کی — ایمن کی میگھ ملہاروں کی
پرتم کی پریم کے ماروں کی — اور اٹھلاتی مٹیاروں کی
تھی یہ اک پریم کہانی سکھی
پر پاپ میں اس کو گھوٹ دیا ۱۰

نظم مسدس میں لکھی گئی ہے۔ شاعر نے چھوٹی بحر اور مناسب ردیف قافیہ کے چناؤ سے موسیقیت اور غنائیت پیدا کی ہے۔ نظم میں ہندی الفاظ کا استعمال بھی کیا گیا ہے جو نظم کی دلکشی میں مزید اضافہ کرتا ہے۔ مجموعی طور پر یہ نظم شفیق راجہ کی شاعرانہ مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

دلشاد اریب نے غزل سنائی غزل ان کی مخصوص لب و لہجے کی عکاسی ہے۔ شعر ملاحظہ ہوں:

غم دالم ہوں یا وہ خوشی کی ہی بات ہو
محسوس نہ کرے اسے تو وہ بشر نہیں

کہنے کو تو جہاں میں انمول ہے بشر
بے مول اس قدر ہے اس کی قدر نہیں ۱۱؎

غم اور خوشی میں تضاد ہے۔ دوسرے شعر میں قدر اور قدر میں تجنیس تام ہے۔ غزل میں ترنم اور نغمگی ہے۔
سردار بشیر چغتائی کو دعوت کلام دی گئی تو انہوں نے غزل سنائی غزل کے اس شعر پر انہیں خوب داد ملی:

ایسی محلوں بھری دنیا میں نہ جانے کیوں کر
ایک مجنوں تھا کہ پھرتا رہا بے گھر جاناں ۱۲؎

غزل میں حزنیہ لے ہے جو پڑھنے والے کے دل میں گداز پیدا کرتی ہے۔ اور مجنوں میں صنعت تلمیح ہے۔
شازیہ احمد گیلانی نے پانچ اشعار کی غزل سنائی۔ ان کی غزل کے مقطع کو بہت پسند کیا گیا۔ ملاحظہ ہو:

وہ جو ٹوٹی تو ٹوٹتی ہی گئی
اس سے ممکن ہے دل لگی کرنا؟ ۱۳؎

سوالیہ انداز میں محبوب کے رویے کا شکوہ کیا ہے۔ شعر میں ٹوٹی اور ٹوٹتی میں تجنیس زائد و ناقص ہے۔
دلشاد احمد فراز کو دعوت دی گئی۔ انہوں نے غزل سنائی تو غزل کے مطلع کو سب نے بہت پسند کیا۔ انداز دیکھیے:

رفاقتوں کا تو پاس رکھنا ہے
ہے سانس جب تک تو آس رکھنا
وفا کے پیکر اگر ہو تم تو
وفا کا اپنی کوئی پاس رکھنا ۱۴؎

غزل میں محبوب سے خطاب کا انداز موجود ہے۔ الفاظ عام فہم اور سادہ ہیں غزل میں سادگی سے کہی گئی بات دل پر اثر کرتی ہے۔
اسلم راجہ نے ہائیکو پیش کی ملاحظہ ہو:

بہتے پانیوں تیرتی ہے چاندنی
جیسے عکس ہو کسی حسین خیال کا
تیرے موسموں کے رنگ پھیلنے لگے ۱۵؎

ہائیکو کے تین مصرعوں میں دلی جذبات و کیفیات کی بہترین عکاسی موجود ہے۔
سید امجد گردیزی کی غزل کے دوسرے شعر کو بہت پسند کیا گیا:

بس اپنا آپ تم بدلو بدل جائیں گی ریکھائیں
یہی زاویے کہتے ہیں ہاتھوں کی لکیریں کے ۱۶؎

شعر میں اپنا آپ میں تجنیس زائد و ناقص ہے۔ شعر میں محنت اور سخت کوشی کا درس موجود ہے۔
پروین رمضان کو دعوت سخن دی گئی انہوں نے غزل پڑھی۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

کیوں گاہ بگاہ وہ ہمیں پہچانتے نہیں
بدلی ہوئی ہے کیا میری تصویر دیکھنا
ہنستے ہوئے وہ ہم سے رخصت ہوا مگر
تم راہ میں کہیں اسے دلگیر دیکھنا ۱۷؎

گاہ بگاہ میں تجنیس زائد و ناقص ہے جبکہ دوسرے شعر میں ایمائیت ہے۔

سید شہباز علی گردیزی نے صدرِ محفل سے اجازت لے کر غزل سنائی۔ ان کا نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

اس کا غم ہے موت سے بڑھ کر
میری ہنسی تیرے سات گئی ۱۸

محبوب کے نارض ہونے سے عاشق کی زندگی میں جو ویرانی آتی ہے اس کا ذکر دلفریب پیرائے میں کیا ہے۔

شیخ عمران جاوید نے غزل سنائی غزل کے مطلع کو سب نے پسند کیا:

مت سوچو کہ اب تم سے جدا ہونا ہے مجھ کو
اب تم سے بقاتم سے فنا ہونا ہے مجھ کو ۱۹

بقا اور فنا میں تضاد ہے غزل کا انداز بیانیہ ہے۔

محمد تقویم طاہر نے غزل پڑھی غزل کے اس شعر کو سب نے سراہا۔ شعر ملاحظہ ہو:

ہم تو ان کے ہوئے وہ ہوئے غیر کے
کیسے کیسے یہاں حادثے ہو گئے ۲۰

کیسے کیسے میں تکرار ہے۔ غزل میں محبوب کی بے وفائی کا تذکرہ طرز نو سے کیا ہے۔

پروفیسر یعقوب شائق کو دعوت سخن ملی تو انہوں نے غزل سنائی۔ ان کی غزل کا یہ شعر لاجواب تھا:

چھن رہا نور سا دیکھو سر اوج فلک
ہر کلی ہر پھول میں ہے آب و تاب زندگی ۲۱

شعر میں مراعات النظیر ہے غزل ان کی فنکارانہ مہارت کا ثبوت ہے۔

صدر محفل مرزا زید اللہ فہیم کو دعوت سخن ملی تو انہوں نے غزل سنائی۔ غزل کے اس شعر کو سب نے پسند کیا:

زبان زد خاص و عام جن کی وفا شعاری رہی ہے برسوں
پڑی جو مشکل تو ہم نے دیکھا نظر چراتے ہیں لوگ اکثر ۲۲

نظر چرانا شعر میں صنعت ایرادالمثل ہے جس نے شعر کی قدر و منزلت میں اضافہ کر دیا ہے۔

آخر میں عبدالرزاق بیکل کو دعوت دی گئی کہ وہ آئیں اور سامعین کو اپنے خوبصورت کلام سے محظوظ کریں۔ انہوں نے غزل پڑھی غزل کے اس شعر پر سب نے مکرر مکرر کی آوازیں بلند کرنا شروع کیں۔ شعر ملاحظہ ہو:

افسوس غلاموں کا حق چھیننے والوں نے
قسمت انہیں ہاتھوں سے دیوار چنوائی ۲۳

شاعر نے صاحب اقتدار کے مظالم کی عکاسی بہترین انداز میں کی ہے۔

عبدالرزاق بیکل نے غزل ختم کی تو سیکرٹری مشاعرہ نے مشاعرے کے اختتام کا اعلان کیا۔ اس طرح یہ خوبصورت شام ختم ہوئی۔ ۲۴

''مہر ادب ریڑہ''، باغ کی ہفتہ وار ادبی نشست کی روئیداد:

''مہر ادب'' کے زیر اہتمام ہفتہ وار ادبی نشستوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ان نشستوں میں مقامی شعراء کے علاوہ آزاد کشمیر کے نامور شعراء کو بھی دعوت سخن دی جاتی ہے۔ ۹ جون ۲۰۰۷ء کو ''مہر ادب'' ریڑہ کے مقامی دفتر میں بعد از نماز جمعہ بوقت ۲:۳۰ پر شعری نشست کا اہتمام کیا گیا۔ مشاعرے کے پروگرام کی ترتیب اس طرح تھی:

مہمان خصوصی: پروفیسر ڈاکٹر صابر آفاقی

صدارت: حافظ محمد انور سہادی

سیکرٹری: محمد تقویم طائر

شرکائے مشاعرہ: شفیق اے کمالؔ، الیاس طاہرؔ، کاتبؔ اعوان، یونس صدیقیؔ، تبریز شمسی، فیاض نورؔ کسانہ، ظل ہماؔ، شہبازؔ گردیزی، محمد تقویم طائرؔ، محمد اسلم راجا، محمد بشارت تنشیطؔ، شفیقؔ راجہ، پروفیسر عبدالحقؔ مراد اور سید لطیف حسین صمیمؔ۔

مشاعرے کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا اور پھر نعت کے ذریعے نبی ﷺ کو گلہائے عقیدت پیش کیے گئے۔ سب سے پہلے محمد تقویم طاہرؔ نے شفیق اے کمالؔ کو دعوت دی کہ وہ مائیک کے سامنے آئیں اور اپنا کلام سنائیں:

نگاہوں سے نگاہوں کو چرا کر دیکھ لیتا ہوں
میں اک صورت کو یوں دل میں بٹھا کر دیکھ لیتا ہوں ۲۵

غزل میں لمبی ردیف کو نبھانا مشکل فن ہے جبکہ شفیق اے کمالؔ نے اس مشکل کام کو اچھی طرح نبھایا ہے۔

الیاس طاہرؔ کو دعوت دی گئی تو انھوں نے غزل پڑھی۔ غزل کا یہ شعر بہت دلنشیں ہے:

اے بادِ صبا تو ٹھہر جا کہ تجھ سے
مہک مجھ کو دلبر کی آنے لگی ہے ۲۶

الیاس طاہرؔ نے عشق و محبت کے جذبات کو سادہ انداز میں شگفتگی سے بیان کیا ہے۔ شعر کا انداز خطیبانہ ہے۔ شاعر بادِ صبا کو مخاطب کر کے حالِ دل سنا رہا ہے۔

کاتبؔ اعوان کو دعوت سخن ملی تو انہوں نے بڑے جذباتی انداز میں غزل تحت اللفظ سنائی۔ نمونہ کلام:

رت رنگیلی تنہائیاں بھی کب تک ساجن آؤ گے
آن ملو تم ہم سے ورنہ کل کو تم پچھتاؤ گے ۲۷

غزل میں ہندی الفاظ کا استعمال بڑی مہارت سے کیا گیا ہے۔ غزل میں روانی اور ترنم ہے۔

یونسؔ صدیقی نے غزل سنائی۔ غزل کے مطلع کو سب نے بہت پسند کیا۔ ملاحظہ ہو:

آتا ہے جی میں اب کچھ یہی بار بار کرنا
ساحل پہ بیٹھ جانا اور ذرے شمار کرنا ۲۸

بار بار میں تکرار ہے۔ غزل میں محبوب کے انتظار میں نڈھال عاشق کی حالت کی خوبصورتی سے تصویر کشی کی گئی ہے۔

تبریز شمسی نے غزل سنائی۔ تبریز شمسی کی غزل کا مقطع لاجواب تھا۔ مقطع ملاحظہ ہو:

اس نے تبریز جدائی کو دنوں میں ناپا
مجھ پہ کیا بیت گئی تھی وہ بھلا کیا سمجھے ۲۹

فراقِ یار میں عاشق پر جو بیتی ہے اس کا ذکر سچائی اور صداقت سے کیا ہے۔

ظل ہماؔ کو دعوت سخن دی گئی تو انہوں نے غزل سنائی۔ غزل کے اس شعر پر ہر طرف سے مکرر مکرر کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ ملاحظہ ہو:

دستک ہوتی ہے جب گھر کے دروازے پر
میرے پاگل نین جھروکہ ہوجاتے ہیں ۳۰

شعر میں تشبیہہ ہے۔ دکھ کی لہر ساری غزل میں سرایت کیے ہوئے محسوس ہوتی ہے۔

سید شہباز گردیزی نے غزل سنا کر اچھا شاعر ہونے کا ثبوت بھی فراہم کیا۔ شعر ملاحظہ ہو:

تمام رنگ میرے کوزہ گر کے تھے مجھ میں
اسی کے ہاتھ کا نشہ میرے خمیر میں تھا ۳۱

شعر پر گہرے متصوفانہ خیالات کی چھاپ نظر آتی ہے۔

محمد تقویم طاہر نے غزل سنائی غزل کا مطلع درج ذیل ہے:

دشت ویراں میں اکیلا نہیں رہنے دیتیں
تیری یادیں مجھے تنہا نہیں رہنے دیتیں ۳۲

یہ شعر مومن کے شعر

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

کی بازگشت معلوم ہوتا ہے۔ غزل میں بہتے پانی کی سی روانی اور بہاؤ ہے۔

محمد اسلم راجا نے غزل سنائی۔ مطلع تھا:

وہ بات کچے گھڑے کی ہے اک کہانی سی
وہ پانیوں میں بلی ہوگئی تھی پانی سی ۳۳

کچے گھڑے میں تلمیح ہے۔

محمد اسلم راجا نے سامعین کے پرزور اصرار پر ''زلزلہ'' کے عنوان سے نظم سنائی۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

بستی بستی گاؤں گاؤں شہر شہر ویراں
ایسی آفت آئی جس سے ہوگئے گھر ویراں
باغ ہمارا خوشبوؤں سے مہکا رہتا ہے
ڈال ڈال پر راج خزاں کا ہوئے شجر ویراں
آج فلک نے اپنا تیور ایسا بدلا ہے
شام ہوئی ہے سہمی سہمی اور سحر ویراں ۳۴

بستی بستی، گاؤں گاؤں، ڈال ڈال، شہر شہر اور سہمی سہمی میں تکرار ہے۔ شام اور سحر میں تضاد ہے۔ لفظ باغ میں ایہام ہے نظم میں روانی اور تسلسل بیان ہے۔

محمد بشارت تشیط نے غزل سنائی۔ غزل کا مقطع درج ذیل ہے:

محمد تشیط بچپن سے یہ والد کی نصیحت ہے
لباس آبرو بیٹے کبھی میلا نہیں کرنا ۳۵

غزل کا انداز ناصحانہ ہے۔ آخری مصرعے میں ناصحانہ بات جس سادگی سے کہی ہے وہ دل میں گھر کر لیتی ہے۔

شفیق راجہ نے غزل سنائی۔ غزل کا یہ شعر سب کو پسند آیا:

راتوں کو جاگ جاگ کر اختر شماریاں
ایسے ہی سلسلے ہیں شب انتظار کے ۳۶

کلاسیکی شعرائے غزل کی طرح شفیق کے ہاں بھی ہجر کی صعوبتوں، دل کی ناشکیبائی اور اختر شماری کا ذکر ملتا ہے۔ غزل پڑھنے سے روایتی غزل کا مزہ ملتا ہے۔

پروفیسر عبدالحق مراد نے نظم سنائی ان کی نظم کے اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں:

فضا میں ہر سمت ہیں اندھیرے
کہاں گئے وہ گلاب سے چہرے
کسے خبر تھی کہ آج کے دن
خدا نے رکھے ہوئے ہیں گن گن
کہاں سے چننے ہیں پھول میں نے
کہاں اڑائی ہے دھول میں نے ۳۷

پہلے شعر میں گلاب چہرے میں تشبیہ ہے۔ گن گن میں تکرار ہے جبکہ آخری شعر میں پھول چننا میں ایرادالمثل ہے۔نظم میں دکھ اور درد کی لہریں موجزن ہیں۔

سید لطیف حسین ضیغم نے غزل سنائی ان کی غزل کے اس شعر کو سن کر سب تڑپ اٹھے:

اکثر وہ کہتا ہے پاگل مجھے بھی
کہے جو بھی اس کو اجازت ہے یارو ۳۸

عاشق کو محبوب کی گالیاں بھی دلنشیں لگتی ہیں۔اسی کا اظہار غزل میں کیا گیا ہے غزل میں وحدت خیال ہے۔

صدر محفل حافظ انور سماوی کو دعوت سخن دی گئی۔ انہوں نے نظم سنائی چند اشعار درج ذیل ہیں:

ٹوٹنے کو ہیں یہ زمین و آسماں شاعروں سے کہو
خطرے میں ہے یہ نسل انسان شاعروں سے کہو
یہ پری وشیں، فاختائیں، یہ قافلے تتلیوں کے سبھی
ہے بے اماں یہ صنعتِ یزداں شاعروں سے کہو
سرخ ہو چکیں بتیاں الہام والقاء کی
دگرگوں ہوئی فضائے وجدان شاعروں سے کہو ۳۹

نظم میں زمین و آسمان میں تضاد ہے۔صنعت یزداں اور فضائے وجداں خوبصورت تراکیب ہیں۔سماوی نے جو الفاظ اور تراکیب استعمال کیے ہیں وہ ان کی زبان پر عبور کا ثبوت ہیں۔

آخر میں مہمان خصوصی ڈاکٹر صابر آفاقی کو دعوت دی گئی کہ وہ آئیں اور اپنی غزل سنائیں۔ ڈاکٹر صابر آفاقی نے غزل سنائی۔نمونہ کلام:

بہانہ بھی نہیں آتا کوئی اس سادہ لڑکی کو
کہ وہ لے کر کبھی بیٹھک میں پانی بھی نہیں آتی
نہ کوچے ہیں کشادہ اور نہ پانی کا نکاس اچھا
یہ کیسے لوگ ہیں بستی بسانی بھی نہیں آتی ۴۰

غزل میں حسرت موہانی کے انداز میں متوسط طبقے کے معصوم اور پاکیزہ عشق کا تصور ملتا ہے۔ دوسرے شعر میں مراعات النظیر ہے۔

محمد تقویم طاہر نے حافظ انور سماوی سے درخواست کی کہ وہ مشاعرے کے اختتام کا اعلان کریں ۔ حافظ انور سماوی نے دعائے خیر کی اور مشاعرے کے اختتام کا اعلان کر دیا۔ اس طرح یہ خوبصورت اور یادگار شام اپنے اختتام کو پہنچ گئی۔ ۴۱

''مجلس میاں محمدؒ'' بھمبر کے زیرِ اہتمام ادبی نشست (مقالہ) کی روئیداد:

۱۹۹۰ء میں ''مجلس میاں محمدؒ'' بھمبر کے زیرِ اہتمام تنقیدی نشست کا اہتمام کیا گیا:

صدارت : پروفیسر نذیر انجمؔ

معتمد : وجیہہ الحسن صفدر شفقؔ

ادبی نشست : تنقیدی مقالہ

مقالہ نگار : ڈاکٹر غلام حسین اظہرؔ

مقالہ کا عنوان : محمد اکرم طاہرؔ کی غزل نگاری

تقریب کا آغاز دن ۹ بجے تلاوت کلام پاک سے کیا گیا۔ نعت رسول مقبولﷺ کے بعد معتمد بزم نے ڈاکٹر غلام حسین اظہرؔ کو دعوت دی کہ وہ سٹیج پر تشریف لائیں اور اپنا مقالہ پیش کریں۔ ڈاکٹر غلام حسین اظہرؔ نے مقالہ پڑھنا شروع کیا۔ انہوں نے کہا کہ جدید اردو غزل کی روایت غالبؔ، مومنؔ اور حالیؔ کی روایت پر استوار ہوئی لیکن جب جدید ذہنی رجحانات اور تشبیہات و استعارات آنے لگے تو اس دور کے شاعروں نے نئے حالات اور مسائل حیات کو غزل میں سمونے کے لیے کلاسیکی علائم میں نئے مفاہیم پیدا کرنے کی سعی کی۔ اس گروہ کے نمائندہ شاعر فیضؔ ہیں۔

مقالہ نگار نے کہا کہ محمد اکرم طاہرؔ کا غالب میلان اسی گروہ کی طرف ہے۔ ان کی شاعری کے اہم موضوعات انسان اور انسانیت، کائنات اور غم حیات ہیں۔ ان کی غزل میں ایک خاص درد کی لہر جاری و ساری ہے اور اس نے دکھ اور درد کا اظہار بڑے لطیف پیرائے میں کیا ہے۔ مثلاً:

عین مدہوشی میں بھی تلخیِ غم باقی ہے
مے تند غم جاناں بھی مے خام ہے کیا [۴۲]

انہوں نے کہا کہ اکرم طاہر کے ہاں درد و غم کی ایک پیہم کسک کے احساس کے ساتھ وہ زندگی کے کسی روپ سے ناطہ نہیں توڑتے۔ زندگی سے لطف اٹھانے کی تمنا کہیں کہیں ماند ضرور پڑتی نظر آتی ہے لیکن ختم نہیں ہوتی۔

مقالہ نگار نے کہا کہ اکرم طاہرؔ نے زندگی کے دکھ کا احساس اور جینے کی تمنا کو کلاسیکی غزل کے انداز میں جس طرح سے ڈھالا ہے اس نے ان کی غزل میں فکری اور فنی دونوں لحاظ سے جاذبیت اور دلکشی پیدا کر دی ہے۔

پھر انہوں نے مثال میں اکرم طاہرؔ کی غزل کے اشعار پیش کیے:

میری تو آنکھوں میں خوابوں کے خزانے دفن ہیں
کون کہتا ہے میں طاہرؔ بے سروسامان ہوں
بنسری کی تان ہو یا ڈھولکی کی تھاپ ہو
درد دل جس میں نہ شامل ہو وہ باج اچھا نہیں ہے [۴۳]

ڈاکٹر غلام حسین اظہرؔ نے مزید کہا کہ جس طرح اکرم طاہرؔ نے حسن عشق اور دار و رسن کے معاملات اور دور حاضر کے کرب کو کلاسیکی انداز سے غزل میں برتا ہے وہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ وہ زندگی سے بیزاری اور معاشرے سے نفرت کے بجائے دکھ درد کو سینے سے لگا کر پرانی روایات کے ساتھ نئی روایات کی تلاش میں گامزن ہیں اور یہی خوبی انہیں منفرد شاعر بناتی ہے۔

مقالے کے خاتمے کے بعد سٹیج سیکرٹری نے پروفیسر نذیر انجمؔ کو دعوت اظہار دی تو انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر غلام حسین اظہرؔ نے محمد اکرم طاہرؔ کی غزل گوئی کی تمام خوبیوں کا باریک بینی سے جائزہ لیا ہے۔ انہوں نے محمد اکرم طاہرؔ کی غزل کی فنی و فکری خوبیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اردو ادب میں ان کا مقام و مرتبہ متعین کر دیا ہے۔ پروفیسر نذیر

انجم کے خطاب کے بعد محفل برخاست ہو گئی۔ ۴۴

"کشمیر تھنکر ز فورم بھمبر" کے زیر اہتمام مشاعرے کی روئیداد:

۱۹۹۳ء میں کشمیر تھنکرز فورم" کے زیر اہتمام ایک مشاعرے کا اہتمام کیا گیا پروگرام کی ترتیب اس طرح تھی۔

صدارت : ڈاکٹر غلام حسین اظہر

مہمان خصوصی : پروفیسر نذیر انجم

معتمد : پروفیسر وجیہہ الحسن صفدر شفق

شرکائے مشاعرہ : بشیر احمد مغل، مظہر جاوید حسین، نذیر انجم، عارف کمپلوی، راجس اور عابدہ خاتون عابی

رات ۹ بجے بوائز ڈگری کالج بھمبر کے ہال میں تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا گیا۔ نبی کریم ﷺ کے حضور ہدیہ عقیدت پیش کرنے کے بعد معتمد بزم وجیہہ الحسن صفدر شفق نے بشیر احمد مغل کو دعوت سخن دی کہ وہ سٹیج پر تشریف لائیں کے حوالے سے اپنی غزل پیش کریں۔

پروفیسر بشیر احمد مغل کی غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تو خطہ فردوس تو خلد بریں ہے
ہر نفس تیرا خاتم فطرت کا نگیں ہے ۴۵

نظم کا رزمیہ انداز ہے خطہ فردوس اور خلد بریں میں استعارہ ہے۔ شاعر نے کشمیر کو خاتم کے نگیں سے تشبیہ دی ہے جو درست تشبیہ ہے۔

مظہر حسن جاوید نے نظم سنائی چند اشعار دیکھیے:

اے ارض وطن تیرے تقدس کی قسم ہے
ہم تیرے چناروں کو لہو دیں گے بدن کا
عظمت پہ تیری جان بھی قربان کریں گے ۴۶

چنار کشمیر کی روایتی علامت ہے۔ نظم میں اس روایتی علامت کا استعمال با معنی ہے۔ شاعر کی نظم کا ایک ایک لفظ وطن کشمیر کی محبت سے بھرا ہوا ہے۔

پروفیسر نذیر انجم نے آزاد نظم "ٹوٹے گی زنجیر" سنائی۔

ظلمت کی یہ رات ڈھلے گی ابھرے گی تنویر
جور کے بادل چھٹ جائیں گے بدلے گی تقدیر
ٹوٹے گی زنجیر
اب نہ چلے گی دست ستم کی کوئی بھی تدبیر ۴۷

نظم انقلابی سوچ کی حامل ہے۔ رجائیت سے بھرپور لہجہ ہے۔ ردیف قافیہ مترنم ہے۔

محمد عارف کمپلوی نے غزل سنائی اشعار ملاحظہ ہوں:

عروس صبح وطن، میں خراج دوں گا تجھے
اور اپنے خون سے تیری جبیں اجالوں گا
جہاں جہاں بھی گرے گا لہو فقیروں کا
وہیں وہیں سے میں اک قافلہ بنالوں گا ۴۸

جہاں جہاں اور وہیں وہیں میں تکرار ہے۔ الفاظ کی تکرار سے موسیقیت پیدا ہوئی ہے۔ عروس صبح وطن میں تشبیہہ ہے۔ عارف کی مزاحمتی شاعری پڑھنے والوں کا لہو گرماتی ہے۔

بوٹا خان راجس کے اس شعر کو مکرر سنا گیا:

دور استبداد کی کٹنے کو اب زنجیر ہے
ہر زبان پہ نعرہ آزادیٔ کشمیر ہے ۴۹

نظم میں رجز کا سا انداز ہے۔شعروں میں جوش و جذبہ ہے۔

عابدہ خاتون عاؔبی نے آزاد نظم "کشمیر کی بیٹی" سنا کر سامعین کو نم ناک کر دیا:

تیری آنکھ میں آنسو
آخر کیوں؟
تو کشمیر کی بیٹی
ہے شجاعت کا پیکر
شمع استقامت ہاتھ میں لے کر
پونچھ لے بہتے آنسو
ہنستے ہنستے !!
مجھے الوداع کر ۵۰

کشمیر کی بیٹیاں وطن کے حالات سے دکھی اور افسردہ ہیں۔اس افسردگی کا اظہار نظم سے بھی ہوتا ہے۔شاعرہ نے کشمیر کی بیٹیوں کے دکھ کو محسوس کرتے ہوئے اسے الفاظ کی صورت میں ڈھالا ہے۔

آخر میں سید وجیہ الحسن صفدر شفقؔ نے غزل پڑھی تو ان کی غزل کے اس شعر کو مکرر سنانے کی فرمائش ہوئی۔ شعر ملاحظہ ہو:

محبت قرض ہے تم پر وطن کا بھول مت جانا
کسی شیشے پہ لکھ کر لفظ زندہ باد رکھ دینا ۵۱

غزل نگار نے کشمیر کے باسیوں کو ان کا فرض اچھوتے انداز میں یاد دلایا ہے۔

مشاعرے کے آخر میں ڈاکٹر غلام حسین اظہؔر نے تمام شعراء کے کلام کی تعریف کی۔ انہوں نے کشمیر کے حوالے سے اپنی گوجری غزل سامعین کو سنا کر خواب داد سمیٹی۔غزل سنانے کے بعد انہوں نے مشاعرے کے اختتام کا اعلان کر دیا۔

اس طرح یہ رونق محفل رات ۲ بجے اختتام پذیر ہوگئی۔ ۵۲

"بزم اہل ذوق" (کوٹ جمیل) بھمبر کے زیر اہتمام تعزیتی ریفرنس کی روئیداد:

"بزم اہل ذوق" کے زیر اہتمام ڈاکٹر غلام حسین اظہر کی یاد میں تعزیتی ریفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ پروگرام کچھ یوں تھا:

سٹیج سیکرٹری : محمد جمیل اجمل
صدارت : مرزا فیضان
مہمان خصوصی : پروفیسر رشید احمد قاسمی

ریفرنس کا آغاز دن نومبر ۲۰۰۱ء کو ۱۰ بجے تلاوت کلام پاک سے کیا گیا۔ تلاوت کے بعد نعت رسول ﷺ مقبول پیش کی گئی۔ پھر سٹیج سیکرٹری نے مرزا فیضان کو تعزیتی کلمات کہنے کی دعوت دی۔ جنہوں نے شاندار الفاظ میں

ڈاکٹر غلام حسین اظہر کے ساتھ گزارے ہوئے شب و روز کی حسین یادوں کو سمیٹا۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کی دیانتداری، علمیت اور تخلیقی کاوشوں کی تعریف کی۔ انہوں نے کہا کہ ہم ڈاکٹر صاحب کی کمی کو محسوس کرتے ہیں اور مرحوم کے لواحقین کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ مظہر جاوید حسن کو تعزیتی کلمات کہنے کے لیے دعوت دی گئی تو انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب میں قناعت اور سادگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ ایک بہترین مصنف تھے اور ان کی تصانیف ان کی ادب کے ساتھ محبت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

محمد سعید اسعد نے فیضان کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں اتنی عظیم ہستی کی یاد میں منعقدہ محفل میں ان کو مدعو کیا۔ انہوں نے غلام حسین اظہر کے بارے میں بتایا کہ وہ عظیم لیڈر اور شعلہ بیان مقرر تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو ہندی اور سنسکرت سے بھی گہرا شغف تھا اور وہ سیف الملوک کے حافظ تھے۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی گیسوئے ادب کو سنوارنے کے لیے وقف کر دی تھی۔

سٹیج سیکرٹری نے پروفیسر وجیہہ الحسن صفدر شفق کو اظہار خیال کرنے کے لیے کہا تو انہوں نے اپنے شعر سے ابتداء کی کہ:

تمہاری یاد کا موسم کبھی نہ بدلے گا
یونہی رہے گا تیرا سلسلہ اداسی کا

حقیقت یہ ہے کہ یہاں آج لفظوں کا چراغ جلا کر حق دوستی نبھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ڈاکٹر غلام حسین اظہر جوہر شناس تھے۔ گفتگو کے دوران اتنے علمی و ادبی حوالے دہراتے کہ انسان مالا مال ہوجاتا۔ وہ قلم سے قتل نہیں کرتے تھے انتظامی صلاحیتوں کا استعمال انسانی رشتوں کو سامنے رکھ کر کرتے تھے۔ قوانین اور ضوابط کو بشری تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے بروئے کار لاتے۔

پروفیسر رشید احمد قاسمی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر غلام حسین اظہر کی ساری زندگی تحصیل علم میں گزری اور ان کا کل اثاثہ کتابیں تھیں۔ انہیں ادب سے بے حد خلوص اور لگاؤ تھا۔ ان کی بیس کے لگ بھگ اہم تصانیف ہیں۔ وہ لوک ادب کے بھی رسیا تھے۔ لوک ادب پر ان سے پہلے کسی دانشور نے قلم کے جوہر نہیں دکھائے انہوں نے گوجری شاعری کی تمام اصناف پر تنقیدی مضامین لکھے۔

ریفرنس کے آخر میں رشید احمد قاسمی نے مرحوم کے ایصال ثواب کے لیے دعا کرائی۔ دعا کے بعد سٹیج سیکرٹری نے تمام حاضرین کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا اور اس طرح یہ تعزیتی ریفرنس اپنے اختتام کو پہنچا۔۵۳

"بزم علم و ادب"، راولاکوٹ کے سالانہ مشاعرے کی روئیداد:

۱۹ اگست ۱۹۸۸ء کو "بزم علم و ادب" راولاکوٹ کے زیر اہتمام مشاعرے کا انعقاد کیا گیا۔ مشاعرے کا پروگرام اس طرح ترتیب دیا گیا:

صدارت	:	سید ضمیر جعفری
مہمان خصوصی	:	امجد اسلام امجد
سیکرٹری	:	ڈاکٹر سردار محمد صغیر خان
شعراء	:	مقصود جعفری، اسلم راجہ، امین طارق قاسمی، مخلص وجدانی، ڈاکٹر صابر آفاقی، شفیق راجہ، محمد اکرم طاہر، ڈاکٹر افتخار حسین مغل، ڈاکٹر سید نثار حسین ہمدانی، پروفیسر عبدالعلیم صدیقی، اور امجد اسلام امجد۔

رات ۸:۳۰ پر مشاعرے کا آغاز تلاوت کلام الہٰی اور نعت رسول مقبول ﷺ سے کیا گیا۔ سب سے پہلے

مقامی شاعروں کو مدعو کیا گیا۔

مقصود جعفری کو دعوت سخن دی گئی تو انہوں نے نظم سنائی۔ نظم کشمیری حریت پسندوں کے اعزاز میں لکھی گئی تھی نمونہ کلام:

تو افق پر زندگی کے ایک دمکتی کہکشاں
کفر کی تاریکیوں میں تو ہے برق بے اماں
بت کدوں کے دل جو چیرے تو ہے وہ بانگ اذاں
غیرت مرغ حرم ہے تو خودی کا ترجماں ۵۴

نظم حب الوطنی کے جذبات سے لبریز ہے۔ شاعر نے مجاہدین اسلام کے بلند حوصلوں کو سراہا ہے۔ بت کدے، بانگ اذان، مرغ حرم اور خودی کا ترجمان اقبال کے پسندیدہ الفاظ ہیں جن کا استعمال بتاتا ہے کہ مقصود پر کلام اقبال کے گہرے اثرات ہیں۔

اسلم راجہ نے بھی نظم سنائی نظم کیا تھی الفاظ کی ایک لڑی تھی نمونہ کلام:

تو نے سوچا تو ہوگا کہ یہ پانی کی فصیل
دست گل چین کو تیرے پاس نہ آنے دے گی
یہ جو اٹھتی ہے تیری سمت ہولناک نظر
تجھ کو بے خود سی فضا راس نہ آنے دے گی ۵۵

نظم کی گہرائی میں چھپی اداسی پڑھنے والے کو اداس کر دیتی ہے اور یہی اسلم راجا کا کمال ہے۔

امین طارق قاسمی کو سٹیج پر آنے کی دعوت دی گئی تو انہوں نے "وادی کشمیر" نامی نظم سنائی۔ نظم کے اشعار ملاحظہ کیجیے:

دماغ خامہ بوئے لالہ وگل سے معطر ہے
سیاہی ہے کہ نہر خلد کا آب مقطر ہے
مزین صفحہ قرطاس ہے صحن گلستاں سے
میری نظروں میں بہتر ہے یہ گلشن باغ رضواں سے ۵۶

شاعر نے اچھوتی تشبیہات سے کشمیر کے حسن کو دوآتشہ کر دیا ہے۔ کشمیر کے حسن و دلکشی کی تصویر کھینچ کر مشامِ جان کو تروتازہ کر دیا ہے۔

مخلص وجدانی کو دعوت دی گئی تو انہوں نے غزل سنائی تو ہر طرف سے داد و تحسین کی آوازیں آنے لگیں۔ اشعار ملاحظہ ہو:

نقش وفا ایجاد کریں
پیروئ فرہاد کریں
اپنے فن سے کسب فیض
مانی و بہزاد کریں
کیسے کیسے اٹھ گئے لوگ
کس کس کو اب یاد کریں ۵۷

فرہاد اور مانی و بہزاد میں تلمیح ہے جبکہ کیسے کیسے اور کس کس میں تکرار ہے۔ غزل میں سہل ممتنع ہے غزل میں

پہاڑی چشمے جیسی روانی ہے۔

ڈاکٹر صابر آفاقی نے سٹیج پر آ کر غزل سنائی نمونہ کلام:

زینہ زینہ پریاں اتریں مہکیں رنگ دھنک کے
اونچے اونچے کہساروں پر دہکیں رنگ دھنک کے
نکھرے نکھرے روشن روشن کچے پکے سارے رنگ
دل میں ایسے رنگ ہیں جن کو سہکیں رنگ دھنک کے
پربت پربت وادی وادی ہے پھولوں کی سیج بچھی
ان پھولوں پر کرنیں ناچیں چہکیں رنگ دھنک کے ۵۸

زینہ زینہ، اونچے اونچے، نکھرے نکھرے، روشن روشن، پربت پربت اور وادی وادی میں تکرار ہے۔
ڈاکٹر صابر آفاقی نے میر کی طرح الفاظ کی تکرار سے موسیقیت پیدا کی۔ غزل میں سرخوشی اور سرشاری کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر آفاقی نے پہاڑی لفظ سہکیں کا استعمال بھی برمحل کیا ہے۔ غزل میں محاکات نگاری اپنے عروج پر ہے۔
شفیق راجہ کو دعوت سخن ملی۔ انہوں نے جو غزل سنائی اس غزل نے سب کو جھومنے پر مجبور کر دیا۔ اشعار دیکھیے:

تمہاری جھیل سی آنکھوں میں ڈوب جائے گا
میں اپنے دل کو بچالوں اگر اجازت ہو
ضیائے حسن سے بے خود سا ہو رہا ہوں
میں خود کو ہوش دلالوں اگر اجازت ہو
وہ ایک کالی گھٹا رخ پہ بار بار آئے
اسے ذرا سا ہٹا لوں اگر اجازت ہو ۵۹

شاعر نے محبوب کی آنکھوں کو جھیل سے تشبیہ دی ہے۔ اسی طرح محبوب کی گھنیری زلفوں کے لیے کالی گھٹا کا استعارہ استعمال کیا ہے۔ غزل میں کیف آفریں شوخی، مسرت اور انبساط ہے۔
محمد اکرم طاہر کو دعوت سخن دی گئی تو انہوں نے غزل سنائی۔ غزل کا رنگ ان کا مخصوص رنگ سخن ہے نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

صبح کو یاد شب غم کے سوا کچھ بھی نہیں
پھول کے جام میں شبنم کے سوا کچھ بھی نہیں
وہ مسرت ہو کہ غم وقت گزر جانے پر
ایک بے کیف سے عالم کے سوا کچھ بھی نہیں ۶۰

صبح و شب میں تضاد ہے۔ پھول کو جام سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ان کے ہاں ایک روایتی عاشق کی بے قراری اور حسرت کا اظہار ملتا ہے۔
ڈاکٹر سید نثار حسین ہمدانی کو دعوت دی گئی۔ جب وہ غزل سرا ہوئے تو ساری محفل پر سکوت چھا گیا۔ ان کی غزل کے دو اشعار درج ذیل ہیں:

بہت کٹھن تھا تمہاری یادوں کا جو بھی موسم بدل رہا تھا
میں تپتے صحرا میں پیاس بن کر کئی سرابوں میں ڈھل رہا تھا

ہزار تم نے بھی ضبط دل کا زباں سے چرچا کیا تھا لیکن
پتہ تمہاری شکستِ دل کا جبیں کی رنگت سے چل رہا تھا ۶۱

ہزار میں صنعت سیاق الاعداد ہے۔ شاعر نے غزل کے قدیم اور کلاسیکی انداز کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے جذبات و احساسات کا اظہار خوبصورتی سے کیا ہے۔

عبدالعلیم صدیقی صاحب کو سٹیج پر دعوت دی گئی توانہوں نے فارسی کلام اقبال کا منظوم اردو میں ترجمہ سنا کر سامعین کومسحور کر دیا۔ چند اشعار برائے سوغات درج ذیل ہیں:

انتہا کی ہے نہ مجھ کو ابتداء کی جستجو
راز خود بھی ہوں جہان راز کا جویا ہوں میں
مجھ پہ گر راز حقیقت کو کبھی افشا کریں
پھر یہی ہوگا کہ وہم و فکر میں کھویا ہوں میں ۶۲

انتہا اور ابتداء میں تضاد ہے انہوں نے کلام اقبالؔ اور فکر اقبالؔ کو اردو میں منظوم کرنے کی خوبصورت کوشش کی ہے۔

آخر میں امجد اسلام امجدؔ کو دعوت دی گئی۔ انہوں نے ''چلتے چناروں کے نام'' سے نظم سنائی۔ اشعار بطور نمونہ حاضر ہیں:

سبز دھانوں کو دعا، کیسر چناروں کو سلام
زندگی کے خوبصورت شالاماروں کو سلام
جھیل ڈل کا جھل سلامت، چشمہ شاہی کی خیر
زعفران زاروں کی ہر معصوم چرواہی کی خیر
یہ انا یہ انیا ڈوبے گی ویری ناگ میں
جل بجھیں گی ساری بھارت اگنیاں اس آگ میں ۶۳

کشمیر کے سبز دھانوں، چناروں، زعفران زاروں، شالامار، ڈل جھیل، چشمہ شاہی اور ویری ناگ جو کشمیر کے حسن اور دلفریبی کی علامات ہیں ان کا برجستہ اور برمحل استعمال کر کے شاعر نے نظم کی تاثیر میں اضافہ کر دیا ہے۔ انا اور انیا میں تجنیس زائد و ناقص ہے۔

رات ۲ بجے کی قریب سٹیج سیکرٹری نے مشاعرے کے اختتام کا اعلان کیا۔ اس طرح یہ خوبصورت محفل اختتام پذیر ہوئی۔ ۶۴

''بزم ارباب دانش''، عباسپور، ضلع راولاکوٹ کے زیراہتمام طرحی نعتیہ مشاعرے کی روئیداد:

یکم ستمبر ۱۹۹۴ء کو ''بزم ارباب دانش'' عباسپور کے زیر اہتمام نعتیہ طرحی مشاعرے کا انعقاد کیا گیا مشاعرے میں طرح مصرع تھا:

''ہم کو کوئے مصطفےٰ کی چاکری اچھی لگی''

تمام شعراء سے کہا گیا تھا کہ وہ اسی مصرعے پر نعت لکھ کر لائیں۔

صدر مشاعرہ : پروفیسر بشیر احمد چوہدری
معتمد : پروفیسر جان محمد آزاد
شرکائے مشاعرہ : مقامی شعراء

رات ۹ بجے مشاعرے کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے کیا گیا۔ معتمد نے تمام شعراء کو سٹیج پر تشریف لانے کی دعوت دی۔ جب تمام شعراء نیم دائرے میں تشریف فرما ہو چکے تو سب سے پہلے شمع محفل محمد اسلم ظفر (مدرس) کے سامنے رکھی۔ انہوں نے ''ہم کو کوئے مصطفےٰ کی چاکری اچھی لگی'' کی زمین پر لکھی ہوئی نعت سنا کر سب کے دلوں کو گرما دیا نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

خرد مندوں کو ہے اپنی خرد مندی پہ ہی ناز
تیرے دیوانے کو آقا بے خودی اچھی لگی
حور و غلماں کی تمنا حضرت ناصح کو ہے
ہم کو کوئے مصطفےٰ کی چاکری اچھی لگی
میں فقیر بے نوا ہوں کون ہے میرا یہاں
مجھ کو آقا تیری بندہ پروری اچھی لگی ۶۵

حور و غلماں میں تلمیح ہے ردیف قافیہ مترنم ہے شاعر نے مصرع کو خوبصورتی سے نبھایا ہے۔
محمد یٰسین شاکر (مدرس) کی نعتیہ شاعری کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

ظلمتیں تاریکیاں سارے جہاں سے مٹ گئیں
بارہ ربیع الاول تیری چاندنی اچھی لگی
طیبہ کو جاؤں میں پھر لوٹ کر آؤں نہ میں
اپنے دل کی آرزو یہ آخری اچھی لگی ۶۶

بارہ ربیع الاول میں تلمیح ہے۔ جاؤں اور آؤں میں تضاد ہے۔ تیری چاندنی میں استعارہ ہے۔
محمد حفیظ شاکر کی نعتیہ نظم سن کر سامعین جھوم اٹھے ہر طرف سے درود و سلام کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اشعار ملاحظہ کریں:

حسن یوسفؑ ماند ہے جس کی ضیاء کے سامنے
چہرہ انور کی ایسی روشنی اچھی لگی
جان نثار مصطفےٰ صدیقؓ اور فاروقؓ کی
روضہ سرکار میں موجودگی اچھی لگی ۶۷

حسن یوسفؑ میں تلمیح ہے ایک عاشق رسول ﷺ کی وارفتگی کا اظہار ہر شعر سے ہو رہا ہے۔
آخر میں پروفیسر جان محمد آزاد نے اپنی نعتیہ نظم سنائی۔ نعت نے ہر سامع کی آنکھوں کو پرنم کر دیا۔ سب کے دل نعت کے ایک ایک بول کے ساتھ وجد کر رہے تھے۔ نمونہ کلام:

حضرت حسانؓ کی عظمت پہ قربان جایئے
خود نبیؐ کو آپ کی نعت نبیؐ اچھی لگی
گر زمانے کو شہنشاہی لگے اچھی لگی
ہم کو کوئے مصطفےٰ کی چاکری اچھی لگی
جب جبیں نے آپؐ سے سیکھے رموز بندگی
بندگی کو پھر ادائے بندگی اچھی لگی ۶۸

حضرت حسانؓ میں تلمیح ہے۔ نبی ﷺ سے محبت کا اظہار ہر مصرع سے ہو رہا ہے۔

مشاعرے کے اختتام پر جید عالم دین مولانا اشفاق احمد ربانی نے دعا کرائی جس میں امت مسلمہ اور محکوم مسلم ممالک کی آزادی کے لیے دعا کی گئی۔ دعا کے بعد مشاعرے کے اختتام کا اعلان کیا گیا۔ اس طرح یہ روحانی محفل رات ۱۱ بجے اختتام پذیر ہوگئی۔ ۶۹

''بزم ارباب دانش''، عباسپور، ضلع راولاکوٹ کے زیر اہتمام طرحی مشاعرکی روئیداد:

۶ مئی ۲۰۰۱ء کو'' بزم ارباب دانش'' نے سالانہ طرحی مشاعرہ کرایا۔ مشاعرہ میں پروفیسر عبدالعلیم صدیقی (شاعر) کی غزل سے طرح مصرع لیا گیا تھا اور تمام شعراء کو ہدایت تھی کہ اس مصرعے پر غزلیں لکھ کر لائیں۔

صدر محفل : پروفیسر بشیر احمد چوہدری

سیکرٹری : پروفیسر جان محمد آزاد

مشاعرہ : طرحی مصرع (دکھ اور طرح کا ہے دوا اور طرح کی)

شرکاء مشاعرہ : مقامی شعراء

مشاعرے کا آغاز رات ۸ بجے تلاوت قرآن پاک سے کیا گیا۔ نعت رسول مقبول ﷺ کے بعد پروفیسر جان محمد آزاد سیکرٹری نے سید مخدوم گیلانی (مدرس) کو دعوتِ سخن دی اور ان کے سامنے شمع رکھی گئی۔ وہ غزل سرا ہوئے تو ہر طرف سے ان پر داد و تحسین کی بارش ہونے لگی نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

شاید دل بلبل پہ کوئی زخم لگا ہے
آتی ہے جو گلشن سے صدا اور طرح کی ۷۰

اس شعر میں اردو شاعری کی روایتی علامات گل و بلبل پر نئے انداز سے خامہ فرسائی کی ہے۔

غلام رسول اعجاز (ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر) کے سامنے شمع محفل رکھی گئی تو انہوں نے جو غزل سنائی اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اس شوخ سے پیمان وفا کس لیے باندھیں
بیم اور طرح کی ہے رجا اور طرح کی ۷۱

بیم اور رجا میں تضاد ہے۔ غزل میں محبوب کی بے وفائی کا خوف جو اردو غزل کا روایتی مضمون ہے کو نئے پیرائے میں بیان کیا ہے۔

محمد یٰسین شاکر (مدرس) نے غزل سنانا شروع کی تو ہر طرف سے مکرر مکرر کی آوازیں آنے لگیں چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اے باد صبا جا کے ذرا ان سے یہ کہنا
زندگی ہے عجب تیرے بنا اور طرح کی
میرے لہو سے وہ ہاتھوں کو سجا کر بولے
کیوں یہ لگتی ہے ذرا دیکھو حنا اور طرح کی ۷۲

دوسرے شعر میں محبوب کے تجاہل عارفانہ انداز کا ذکر ہے۔ دوسرے شعر میں لہو کو حنا سے تشبیہ دی ہے جو مناسب اور برمحل تشبیہ ہے۔

محمد جہانگیر بدر کیانی کی غزل کے ان اشعار کو بہت پسند کیا گیا۔

گیا زمانہ قیس و لیلیٰ شیریں اور فرہاد کا
اب رسم وفا اور ہے جفا اور طرح کی

تیر نظر کے شکار نہ اسیر زلف دراز کے
جس پہ مرمٹے ہے ادا اور طرح کی ۳؎

قیس، لیلیٰ، شیریں اور فرہاد تلمیحات ہیں۔ وفا اور جفا میں تضاد ہے۔ اسیر زلف دراز کلاسیکی غزل کی دلفریب ترکیب ہے جس کا شاعر نے مناسب اور برمحل استعمال کر کے شعر کو بلند خیالی عطا کر دی ہے۔

ابو حفیظ شاکر کی غزل کا انداز ان دو اشعار کی مدد سے بخوبی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے ہزاروں
ہے بھارتی بنیے کی ادا اور طرح کی
آزادی کے بن حل نہیں کشمیر کا ممکن
دکھ اور طرح کا ہے دوا اور طرح کی ۴؎

گرگٹ کی طرح رنگ بدلنا صنعت ایراد المثل ہے۔ ہزاروں میں صنعت سیاق الاعداد ہے۔ غزل میں ہندوستانی بنیے کی منافقانہ فطرت کی عکاسی کی گئی ہے۔

پروفیسر جان محمد آزاد نے غزل سنائی انداز غزل ملاحظہ ہو:

اس شہر ناپرساں میں اک درماندہ مسافر
ناداں ہے ڈھونڈتا ہے وفا اور طرح کی
دل آئینہ ساماں ہے بڑا سادہ و معصوم
ٹوٹے گا تو نکلے گی صدا اور طرح کی ۵؎

شہر ناپرساں اور دل آئینہ ساماں خوبصورت تراکیب ہیں۔ شاعر نے وفا کی تلاش اور دل ٹوٹنے کا ذکر کیا ہے جو ہماری غزل کا روایتی مضمون ہے۔

محمد اقبال میر کے سامنے شمع محفل آئی تو انہوں جو غزل سنائی اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

زاہد کی طرح دست دعا اٹھتا نہیں ہے
مانگی بھی تو مانگوں گا دعا اور طرح کی
تشخیص بھی نہ مرض کی طبیب سے ہوئی
دکھ اور طرح کا ہے دوا اور طرح کی ۶؎

زاہد کی منافقانہ روش پر طنز کی ہے اور ساتھ ہی مرض عشق کے لادوا ہونے پر افسوس بھی کیا ہے۔

آخر میں صدر مشاعرہ نے تمام شعراء کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ شعراء کی ان کوششوں کے باعث اردو ادب کا دامن نئی تراکیب، تشبیہات اور استعارات سے مالا مال ہو رہا ہے۔ ۷؎

"جموں و کشمیر ادبی اکیڈمی"، راولاکوٹ کے سالانہ مشاعرے کی روئیداد:

انجمن نے اپریل ۱۹۸۳ء میں مظفرآباد کی شاعرہ سیدہ آمنہ بہار رونا کے شعری مجموعے "چناروں کی آگ" کی تقریب رونمائی منعقد کرائی تقریب میں اشفاق احمد، احسان اکبر، امجد اسلام امجد، جلیل عالی، انوار فیروز اور درشہوار فیروز نے شرکت کی۔ تمام شرکائے محفل نے سیدہ آمنہ بہار رونا کی شاعری کی فنی و فکری خصوصیات کو بھی زیر بحث لایا۔ آخر میں شاعرہ نے سب سامعین و حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

اس شام بلدیہ ہال راولاکوٹ میں مشاعرہ منعقد کیا گیا۔ مشاعرہ کا پروگرام اس طرح تھا:

صدارت : محمد کبیر خان

مہمان خصوصی : احسان اکبر

سیکرٹری : ڈاکٹر محمد صغیر خان

شرکائے مشاعرہ : مقامی و پاکستانی شعرا

مشاعرے کا آغاز تلاوت کلام پاک سے اور نعت رسول ﷺ کیا گیا۔ سٹیج سیکرٹری ڈاکٹر محمد صغیر خان نے مقامی شاعر صابر حسین صابر کو دعوت سخن دی۔ انہوں نے جو نظم سنائی نظم کا عنوان تھا ''اے وادی کشمیر'' بند ملاحظہ ہو:

ہم تیرے خطا کار ہیں اے وادی کشمیر
غفلت کے گنہگار ہیں اے وادی کشمیر
جن نعروں سے بڑھتی نہیں کچھ خون کی حدت
تیرے لیے بیکار ہیں اے وادی کشمیر ۷۸

شاعر کے دل کی طرح نظم میں وطن سے محبت کا جذبہ شدید ہے۔ اس کے ساتھ احساس ندامت بھی ہے کہ ہم نے اب تک اپنے وطن کو آزاد نہیں کرایا۔ نظم میں ترنم اور روانی ہے۔

اسرار ایوب کو دعوت ملی تو انہوں نے غزل سنائی۔ غزل کے اس شعر کی سب نے تعریف کی:

یوں نہ الزم تراشی پس دیوار کرو
قتل کرنا ہے اگر تو سربازار کرو ۷۹

شاعر نے عاشق صادق کی طرح محبوب کے ہاتھوں شہید ہونے کی تمنا کا اظہار کیا ہے۔ غزل میں روانی اور ترنم ہے۔

سیدہ آمنہ بہار رونا نے بھی غزل سنائی اشعار ملاحظہ ہوں:

میں ترک تعلق پہ یقین کر نہ سکوں گی
تو دل کے صحیفوں سے میرا نام مٹا دے
اس آس پر طوفان کے حوالے میں ہوئی ہوں
جھونکا کوئی آندھی کا مجھے تجھ سے ملا دے ۸۰

اسے محبوب سے ملنے کی موہوم امید ہے کہ شاید کوئی حادثہ اس سے ملا دے۔ غزل میں شاعرہ کی ذہنی امید وبیم کی کشمکش صاف نظر آتی ہے آخری شعر میں مراعات النظیر ہے۔

انوار فیروز کو دعوت دی گئی کہ وہ آئیں اور سامعین کو اپنا خوبصورت کلام سنائیں۔ انہوں نے ''لہو کے تاجر'' کے عنوان سے آزاد نظم سنائی۔ نظم کا ایک بند ملاحظہ ہو:

لہو کے تاجر کہاں سے آئے
جنہوں نے میرے چمن میں آکر
نشان بہاروں کے سب مٹائے
جنہوں نے قدموں سے روند ڈالا
روش روش کو کلی کلی کو
جنہوں نے ویران کر دیا ہے ۸۱

روش روش اور کلی کلی میں تکرار ہے۔ شاعر نے نظم میں بھارتی ظالم حکمرانوں اور فوجیوں کو لہو کے تاجر سے تشبیہہ دی ہے جو خوبصورت اور برمحل تشبیہہ ہے۔

نادرہ آرزو کو سٹیج پر بلایا گیا کہ وہ آئیں اور اپنا کلام سنائیں نادرہ نے غزل سنائی۔ ان کی غزل کو بہت پسند

کیا گیا۔ خاص طور پر ان تین اشعار کو سب نے بہت پسند کیا تین اشعار ملاحظہ ہو:

میری روح میں گھر کر گئیں آنکھیں اس کی
مردہ سانسوں کو امر کر گئیں آنکھیں اس کی
میری آنکھیں تو ابھی حیرت سے نہیں لوٹیں
ابھی تک ہیں ادھر جدھر کر گئیں آنکھیں اس کی
سارا شہر تو تھا تاریکیوں میں ڈوبا ہوا۔
سارے شہر کو سحر کر گئیں آنکھیں اس کی ۸۲

شاعرہ نے محبوب کی مسحور کر دینے والی آنکھوں کی تعریف کی ہے۔ محبوب کی آنکھیں ہر دیکھنے والے کو گھائل کر دیتی ہیں کو نئے انداز میں پیش کیا ہے۔ شاعرہ نے لمبی ردیف کی غزل لکھی ہے لیکن اس کے باوجود غزل میں تغزل برقرار ہے۔

امجد اسلام امجد کو دعوت دی گئی تو انہوں نے غزل سنائی نمونہ کلام:

بے کراں شب میں کہیں ایک ستارا ہی سہی
ڈوبنے والے کو تنکے کا سہارا ہی سہی
وہ ہیں اس جیت پہ نازاں یہ خوشی کیا کم ہے!
چلیے اس کھیل میں نقصان ہمارا ہی سہی ۸۳

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا میں صنعت ارسال المثل ہے۔ ردیف قافیہ مترنم ہے دوسرے شعر میں شاعر کو محبوب کی خوشی عزیز ہے چاہیے اسے خوشی دینے میں شاعر کا اپنا نقصان ہی کیوں نہ ہو جائے۔

درشہوار فیروز کو دعوت ملی تو انہوں نے نظم ''آزادی کا سورج'' سنائی نمونہ کلام:

کریں فریاد کس سے جاکے یہ روتی ہوئی مائیں
بہت انمول جن کے لعل یوں مٹی میں مل جائیں ۸۴

نظم میں وحدت خیال ہے مٹی میں مل جانا میں ارسال المثل ہے شاعرہ خود بھی ایک ماں ہے اس لیے اس نے شہداء کی ماؤں کے درد دل کا اظہار سوز سے کیا ہے۔

جلیل عالی کو دعوت سخن دی گئی تو انہوں نے جو غزل سنائی اس کے اشعار ملاحظہ ہوں:

اب رہ گئی ہے بات کہاں ماہ و سال کی
اب دل کا فیصلہ بھی بدلتا دنوں میں ہے
گزری جو اپنی جاں پہ قیامت گزر گئی
ہم سے بگڑ کے وہ بھی بڑی مشکلوں میں ہے ۸۵

محبوب سے شوخی کا انداز ہے۔

احسان اکبر نے آزاد نظم ''روشنی سے آگے'' سنائی۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

جہاں تک روشنی ہے
ہم آگے بڑھتے جانے والے
اسے قافلوں سے ہیں
فقط جو سمت رکھتے ہیں
کوئی منزل نہیں رکھتے ۸۶

نظم میں فکری وحدت ہے۔ درد اور دکھ کی کسک نظم کی رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہے۔نظم کے آخر میں شاعر نے بے مقصد زندگی کے گزارنے کا ذکر کیا ہے۔

احسان اکبر سٹیج سے اترے تو سیکرٹری نے محمد کبیر خان کودعوت دی کہ وہ آئیں اور حاضرین کا شکریہ ادا کرنے کے بعد مشاعرے کے اختتام کا اعلان کریں۔ سردار محمد کبیر خان نے مشاعرے میں موجود تمام شرکائے محفل کا شکریہ ادا کیا اورشرکائے محفل کو چائے پینے کی دعوت دیتے ہوئے تقریب کے خاتمے کا اعلان بھی کیا۔ ۸۷ے

''بزم فروغ ادب'' اور'' کشمیر گلستان ادب'' راولاکوٹ کے مشترکہ مشاعرہ کی روئیداد:

''کشمیر گلستان ادب'' پندرہ روزہ شعری نشستوں کا باقاعدگی سے اہتمام کرتی ہے۔

چونکہ انجمن میں عہدوں کی تقسیم سے اجتناب کیا گیا ہے۔ اس لیے اس کی شعری نشستوں کی صدرات کے لیے کسی کو مدعو نہیں کیا جاتا۔ ۱۸ مئی ۱۹۹۶ء کو راولاکوٹ کی دو ادبی انجمنوں'' کشمیر گلستان ادب'' اور''بزم فروغ ادب'' نے باہمی اشتراک سے مشاعرے کا اہتمام کیا۔ مشاعرہ کونسل ہال راولاکوٹ میں کیا گیا اس کی تفصیل یوں ہے:

رات ۹:۳۰ پر تمام احباب نیم دائرہ بنا کر بیٹھ گئے تو احمد حجازی نے تلاوت کلام پاک سے مشاعرہ کا آغاز کیا۔ تلاوت کلام کے بعد نعیم خان نے نعت رسول مقبولﷺ پر سوز آواز میں پڑھی ان کی خوبصورت آواز سے سامعین بہت خوش ہوئے۔ پھر سب سے پہلے توصیف ترنل کے سامنے شمع محفل رکھی گئی تو انہوں نے غزل سنائی غزل کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

کرو دوستی اب عداوت کو چھوڑو
بہت دور تک ساتھ چلنا پڑے گا ۸۸ے

ناصحانہ اور خطیبانہ انداز ہے۔

ماجد نذّر کے آگے شمع رکھی گئی تو انہوں نے '' سودا'' کے عنوان سے آزاد نظم سنائی نظم دیکھیے:

میں نے چاندنی رات سے
اس کی آنکھیں مانگی ہیں
اس کے بدلے میں
میں نے چاندنی رات کو
اپنی عمر عطا کی ہے ۸۹ے

نظم میں مدہم آہنگ نغمہ ہے ماجد نذّر کا یہ سودا دلچسپ بھی ہے اور متاثر کن بھی ۔

نوجوان شاعر وسیم اعظم نے بھی خوبصورت نظم سنائی کلام ملاحظہ ہو:

دعا نہ کرنا
میری دعائیں
آپ کے لیے ہیں
ہمیشہ کے لیے
معصوم فرشتے
مجھے یقین ہے
کہ میں
تمہاری دعاؤں کے حصار میں ہوں

مگر خدارا

میرے لیے اب

درازیِ عمر کی دعا نہ کرنا ۹۰

نظم کی سادگی اور بے ساختگی دل کو چھو لیتی ہے۔ دنیا کی تلخیوں کے باعث وہ زندگی سے بے زار ہو چکے ہیں۔

سامعین نے تمام شعراء کے کلام کو سراہا رات ۱ بجے کے وقت یہ خوبصورت محفل ختم ہو گئی۔ ۹۱

''پہاڑی ادبی سنگت''، راولاکوٹ کے زیر اہتمام تقریب رونمائی کی روئیداد:

''پہاڑی ادبی سنگت'' نے ۳ جولائی ۲۰۰۱ء کو ڈاکٹر صابر آفاقی کے شعری مجموعے ''نئے موسموں کی بشارت'' کی تقریب رونمائی منعقد کی یہ تقریب میونسپل ہال راولاکوٹ میں منعقد کی گئی پروگرام درج ذیل طریقے سے ترتیب دیا گیا:

مہمان خصوصی	:	سردار سیاب خالد (سابق وزیر قانون)
صدارت	:	سردار مختار خان (ایڈووکیٹ)
مہمان اعزاز	:	ڈاکٹر صابر آفاقی
سیکرٹری	:	پروفیسر ڈاکٹر محمد صغیر خان
شرکائے محفل	:	مقامی و ریاستی اہل قلم

تقریب دو حصوں پر مشتمل تھی پہلی نشست تقریب رونمائی اور دوسری شعری نشست تھی۔

تقریب کا آغاز سہ پہر ۴ بجے تلاوت کلام پاک سے کیا گیا۔ نامور نعت خواں قاری محمد بشیر مصطفائی نے نعت رسول مقبول ﷺ پیش کی۔ ڈاکٹر محمد صغیر خان نے سپاس ادب پیش کیا۔ انہوں نے انجمن کے قیام کے مقاصد پر روشنی ڈالی اور آج کے دن کی تقریب کے انعقاد کے بارے میں بتایا۔

سب سے پہلے اسلم راجہ کو دعوت دی گئی کہ وہ آئیں اور کتاب کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ اسلم راجہ نے ڈاکٹر صابر آفاقی کی ہمہ جہت ادبی شخصیت کے بارے میں اظہار خیال کیا۔ انہوں نے ڈاکٹر صابر آفاقی کو کشمیر کا کثیر التعداد کتابوں کا مصنف ہونے پر مبارک باد بھی پیش کی۔

پرویز یعقوب کو دعوت دی گئی تو انہوں نے ڈاکٹر صابر آفاقی کی امن پسندی، رواداری اور انسانیت نوازی کے جذبے سے سرشار شاعری کی تعریف کی۔

صابر حسین صابر نے کہا کہ ڈاکٹر صابر آفاقی کے کلام میں فکری پختگی ہے۔ وہ تخلص میں نہیں اپنی شاعری میں بھی آج آفاقی ہیں۔ کائنات کی دھوپ چھاؤں ہی ان کا موضوع سخن ہے۔

ماجد نذر کو دعوت دی گئی تو انہوں نے ڈاکٹر صابر آفاقی کی کتاب ''نئے موسموں کی بشارت'' میں علم عروض اور علم بیان کی خوبیوں پر گفتگو کی اور کہا کہ انھیں خوبیوں کی بناء پر آفاقی کشمیر کے لافانی شاعر ہیں۔

سردار مختار خان کو دعوت کلام دی گئی تو انہوں نے کہا یہ شعری مجموعہ نظموں اور غزلوں پر مشتمل ہے مگر میں صرف نظموں کے حوالے سے گفتگو کروں گا۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر صابر آفاقی کی نظمیں مختصر نظموں کی ذیل میں آتی ہیں۔ ان کی نظموں کے تمام مصرعے ایک مصرع مسلسل کی صورت میں ہیں ان کی زبان سادہ و آسان ہے۔

ڈاکٹر صابر آفاقی کو دعوت دی گئی کہ وہ آئیں اور اپنے شعری مجموعے ''نئے موسموں کی بشارت'' کے بارے میں اظہار خیال کریں۔ ڈاکٹر صابر آفاقی نے ڈاکٹر محمد صغیر خان اور تمام مہمانان گرامی کا شکریہ کیا کہ انہوں نے ان

کے اعزاز میں ایسی خوبصورت تقریب منعقد کی۔

انہوں نے اپنی شاعری میں استعمال ہونے والی تلمیحات، لفظیات، استعاروں اور رویوں کے بارے میں بھی بتایا۔

آخر میں مہمان خصوصی سردار سیاب خالد نے اپنے خیالات کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر صابر آفاقی کے کلام میں آفاقیت ہے۔ وہ اردو ادب کے معروف شاعر ہی نہیں بلکہ محقق اور ادیب بھی ہیں میں ان کی علمی قابلیت کا ہمیشہ سے معترف رہا ہوں۔

سردار سیاب خالد کے خطاب کے بعد تقریب کا اختتام ہو گیا۔ ۹۲

''پہاڑی ادبی سنگت''، راولاکوٹ کے زیر اہتمام تقریب مشاعرہ کی روئیداد:۔

۳ جولائی ۲۰۰۱ء رات ۸ بجے شعری نشست کا آغاز کیا گیا۔ پروگرام کی ترتیب اس طرح تھی:

مہمان خصوصی	:	ڈاکٹر صابر آفاقی
صدارت	:	ڈاکٹر سردار محمد صغیر خان
سیکرٹری	:	ماجد نذر
شرکائے محفل	:	مقامی و ریاستی شعراء

تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک اور نعت رسول ﷺ مقبول سے کیا گیا سب سے پہلے مقصود جعفری کو دعوت سخن دی گئی انہوں نے ''شعلہ کشمیر'' کے عنوان سے نظم سنائی نظم کا بند درج ذیل ہے:

درد میں ڈوبے ہوئے ہیں آج وادی کے چنار
خاک و خوں میں لوٹتے ہیں سہمے سہمے اشکبار
غم زدہ سرو سمن ہیں لالہ و گل بیقرار
کس قدر مرجھا گیا ہے حسن فطرت کا نکھار
کون جانے کب یہ ٹوٹے سلسلہ زنجیر کا
ہر ستم ہم پر روا ہے آج چرخ پیر کا ۹۳

کشمیر کی روایتی علامت کے استعمال نے نظم کو بامعنی بنا دیا ہے۔ سہمے سہمے میں تکرار ہے شاعر نے کلاسیکی اردو غزل کی مخصوص علامات سرو سمن، لالہ گل اور چرخ پیر کے استعمال سے نظم کے مرکزی خیال کو زیادہ اچھے طریقے سے اجاگر کیا ہے۔

اسرار ایوب کو دعوت سخن ملی تو انہوں نے غزل سنائی غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

میرے عدو میرے احباب میں شمار ہوئے
جنہیں بھی ہم نے پکارا وہی فرار ہوئے
میری نگاہ میری ذات سے الجھتی رہی
یہ سانحے بھی ہوئے اور بار بار ہوئے ۹۴

بار بار میں تکرار ہے۔ غزل میں تغزل اور غنائیت ہے انھوں نے اہل دنیا اور احباب کی بے وفائی کا گلہ کیا ہے۔

ماجد نذر کو دعوت کلام دی گئی تو انہوں نے غزل سنائی۔ نمونہ کلام:

اک انقلاب برپا کرے گی یہ نسل نو
اک اک جواں کو سایہ شبیرؓ چاہیے
ماجد حدیث وقت کی توقیر کے لیے
تازہ لہو کو بھی نئی تفسیر چاہیے ۹۵

اک اک میں تکرار ہے شبیرؑ تلمیح ہے۔ شاعر نے غزل میں اہل وطن اور وطن کی آزادی کی خاطر قربانی دینے والوں کو رسم شبیریؑ ادا کرنے کی تلقین کی ہے۔

اسلم رنجہ نے ''میرا وطن کشمیر'' کے عنوان سے نظم سنائی۔ نظم کے ایک ایک لفظ نے سب کے دلوں کو گرما دیا بند ملاحظہ ہو:

ہر دست قضا کو توڑ دو
سامراجیت کا ہر سر پھوڑ دو
روح آزادی سے رشتہ جوڑ دو
ہمنواؤ بس یہی تدبیر ہے
یہ وطن میرا وطن کشمیر ہے ۹۶

نظم مخمس کی ہیت میں لکھی گئی۔ نظم میں روانی ہے ہر کشمیری کی طرح انہوں نے وطن کی آزادی کے لیے جان نثار کرنے والوں کا حوصلہ اور ہمت بڑھائی ہے۔

بزرگ شاعر'' سردار محمد یوسف خان'' نے نظم سنائی نظم کا عنوان تھا ''کشمیر'' بند درج ذیل ہے:

کشمیر ہے دل میرا کشمیر ہے جان میری
کشمیر وطن میرا کشمیر ہے ماں میری
کشمیر کا ہر حصہ ہے مثل جگر اپنا
سرحد سے ادھر اپنا سرحد سے ادھر اپنا ۹۷

ادھر اور ادھر میں تضاد ہے۔

سردار محمد یوسف خان نے کشمیر کے دیگر شعراء کی طرح اپنے وطن سے بے لوث پیار کا اظہار کیا ہے۔

ماجد نذر نے مخلص وجدانی کو دعوت سخن دی انہوں نے غزل سنائی نمونہ کلام:

تری محفل میں جب حسن بشر کی بات ہوتی ہے
فروغ دیدہ دل کی، نظر کی بات ہوتی ہے ۹۸

فروغ دیدہ و دل عمدہ ترکیب ہے غزل ان کی فنی پختگی کا ثبوت ہے۔

سامعین کے پرزور اصرار پر انھوں نے جو غزل سنائی اس کا شعر ملاحظہ ہو:

امیر شہر تو تحت سلیمانی پہ رہتے ہیں
تم ان سے دوستی رکھنا جو دربانی پہ رہتے ہیں ۹۹

تخت سلیمانی میں تلمیح ہے غزل ان کے جذبات کی صداقت اور شعور کی پختگی کا ثبوت ہے۔ انہوں نے غزل میں معاشرے کی بگڑتی ہوئی اقدار پر گہری چوٹ بھی کی ہے

آخر میں ڈاکٹر صابر آفاقی کو دعوتِ سخن دی گئی انہوں نے مزاحیہ غزل سنا کر محفل کو زعفران زار بنا دیا نظم کا عنوان تھا'' مرغ مسلم'' نمونہ کلام:

جوتیاں کھا کر یہ کہتے ہیں کہ گھر جائیں گے
گھر میں بھی جوتیاں کھائیں تو کدھر جائیں گے
لوگ گر آپ کے گھر جمع ہوئے ہیں تو نہ گھبرا
ختم ہو جائے گا آٹا تو بکھر جائیں گے
موت کچھ بھی نہ بگاڑے گی ہمارا صابر
زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ مرجائیں گے ۱۰۰

ردیف قافیہ مترنم ہے۔ پیروڈی کے فن کو نہایت خوبی سے نبھایا ہے۔ نظم میں برجستگی اور روانی نے تاثیر میں اضافہ کر دیا ہے۔

ڈاکٹر صابرؔ آفاقی اپنا کلام سنا چکے تو سیکرٹری ماجد تذرؔ نے مشاعرے کے اختتام کا اعلان کیا اس طرح رات ۱۲ بجے کے قریب یہ محفل اختتام پذیر ہو گئی۔ ۱۰۱

''ادبی کاوش''، تھوراڑ، ضلع راولاکوٹ کی ماہانہ ادبی نشست کی روئیداد:

۳ مارچ ۲۰۰۰ء کو ''ادبی کاوش'' کے زیر اہتمام مذاکرے کا ہتمام کیا گیا۔ پروگرام کی ترتیب اس طرح تھی:

صدارت	:	امجد خان
سیکرٹری	:	مظہر احمد
مذاکرہ	:	''نئے دور میں ادیبوں کے فرائض''
شرکائے مذاکرہ	:	ڈاکٹر لیاقت، ظہور احمد، امجد حسین، محمود شائق، پروفیسر فیاض الحق اور مسعود شام

صبح ۱۰:۳۰ پر تمام سامعین اور اراکین بزم گوشہ علم و ادب لائبریری کے گراؤنڈ میں جمع ہو چکے تھے۔ سیکرٹری نے پروگرام کا آغاز قرآن پاک کی تلاوت سے کیا۔ سب سے پہلے پروفیسر فیاض الحق کو دعوت دی گئی کہ وہ سٹیج پر آئیں اور اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ پروفیسر فیاض الحق نے ادب و ادب کی مقصدیت کی بحث میں الجھنے کی بجائے سیدھے سادھے انداز میں کہا کہ ہمارے ادیبوں نے گزشتہ ۵۰ سالوں میں بہت سی باتیں کیں لیکن انہوں نے نئی نسل کو یہ نہیں بتایا کہ برصغیر کے مسلمانوں کو آخر پاکستان بنانے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ ادیبوں کی اس کوتاہی کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہماری نئی نسل کو سرے سے ہی ان عوامل کا علم ہی نہیں جو پاکستان کے قیام کا موجب بنے تھے۔ بہت سی ترقی پسندانہ تبدیلیاں آئی ہیں اور یہ وہی تبدیلیاں ہیں جن کا خواب ہم عرصہ دراز سے دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ اس وقت تمام ادیبوں کا فرض ہے کہ وہ زمانے کی نئی قدروں سے بھر پور تعاون کریں اور عوام میں ایک ایسا انقلاب برپا کرنے کی کوشش کریں جو انہیں اپنے فکری اور عملی مسائل حل کرنے میں مدد دے اور زندگی کے سفر میں ان کی راہنمائی کر سکے۔

ظہور احمد نے کہا کہ تمام ذرائع ابلاغ مثلاً ریڈیو، ٹی وی، وغیرہ پر بے ہودہ اور فحش پروگرام دکھانے کے بجائے کسی نہ کسی ادیب یا شاعر کا انٹرویونشر کرنا چاہیے۔ ان ادیبوں اور شاعروں کو ملک کو درپیش مسائل کے حل کے لیے عمدہ تجاویز دینی چاہیں کیونکہ ایک ادیب/شاعر اپنے ادب کے ذریعے ملک و قوم کی تقدیر بدل سکتا ہے۔ ادیبوں کو بامقصد ادب تخلیق کرنا چاہیے جو ادب برائے زندگی کے اصول پر پورا اترے۔

امجد حسین نے کہا کہ موجودہ حالات میں ادیبوں کے فرائض بڑھ گئے ہیں۔ انہیں معاشرے کی تعمیر و ترقی کے لیے حکومت کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہیے۔ لوگوں میں بیداری پیدا کرنی چاہیے مگر اس کے ساتھ ہی انہیں اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ کوئی بھی ادب پارہ ادبی سطح سے گرنے نہ پائے۔

ادیب خواہ کسی بھی مکتبہء فکر سے تعلق رکھتا ہو اسے اپنے وطن سے بے پناہ لگاؤ ہونا چاہیے کیونکہ اس کا سارا فن اور تمام تخلیقات بنیادی طور پر اپنے وطن کی سرزمین سے قوت نمو حاصل کرتی ہیں اور پھلتی پھولتی ہیں۔ ہمارے ادیبوں کا فرض ہے کہ وہ نئی نسل کو نظریہ پاکستان سے روشناس کرائیں اور اس سلسلے میں ان کے ذہنی انتشار کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کی کوشش کریں۔

مسعود شامؔ کو سٹیج پر بلایا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہماری جدید نسل پاکستان کی سیاسی اور تاریخی ضرورت کو جتنا

بہتر طور پر سمجھے گی اتنا ہی ملک مضبوط ہوگا اور قومی خودمختاری اور آزادی کے باعث بہتر ادب پیدا کرنے کے مواقع پیدا ہوسکیں گے۔ چنانچہ ہمارے قلم کاروں کا اس وقت فریضہ یہ ہے کہ وہ قائداعظم اور برصغیر کے مسلمانوں کی انقلاب آفرین جدوجہد کو اپنے فن میں زیادہ سے زیادہ اجاگر کریں اور لوگوں کے دلوں میں جذبہ حب الوطنی کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیں۔

ڈاکٹر لیاقت نے ادیبوں کے فرائض پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ادیبوں کو نئے حالات اور نئے تقاضوں کو پہچاننا چاہیے اور انہیں بدلتی ہوئی سماجی حقیقتوں کو اپنے فن میں سمونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہمارے ہاں اس سے پہلے عوام کے شعور اور احساسات کو بیان کرنے کے اتنے بہتر مواقع موجود نہیں تھے جتنے آج ہیں۔

محمود شائق نے کہا کہ آج کے دور کے ادیب کو اپنی تحریر میں لفظی گورکھ دھندوں اور تلفظ کے چکروں میں پڑنے کی بجائے براہ راست عوام اور محنت کشوں سے تحریک حاصل کرنی چاہیے۔ ادب میں معاشرتی مسائل کو بیان کرنا چاہیے۔

اس خوبصورت مذاکرے سے سامعین کو بہت سی مفید اور فائدہ مند باتیں سننے کو ملیں یہ تقریب دن ۲ بجے اختتام پذیر ہوئی۔۱۰۲

''سحر ادب''، راولاکوٹ کی پندرہ روزہ شعری نشست کی روئیداد:

''سحر ادب'' راولاکوٹ نے یکم ستمبر ۲۰۰۵ء میں حسب روایت پندرہ روزہ شعری نشست کا اہتمام کیا۔ مشاعرہ رات ۸ بجے کونسل ہال راولاکوٹ میں منعقد کیا گیا۔ پروگرام کی ترتیب اس طرح رکھی گئی تھی:

صدر محفل: پروفیسر صغیر آسی

سیکرٹری : شوزیب کاشر

شرکائے مشاعرہ : اسرار ایوب، سردار اورنگزیب خان، خورشید خان خورشید، مقصود جعفری، عبدالرزاق بیکل، اور شوزیب کاشر

تلاوت کلام پاک اور نعت رسول مقبول ﷺ سے مشاعرے کا آغاز کیا گیا۔ سب سے پہلے سٹیج سیکرٹری نے اسرار ایوب کو دعوت سخن دی انہوں نے غزل سنائی شعر ملاحظہ ہو:

فریب گاہ خرد سے تو وہ جنوں اچھا
کہ جس کو فلسفہ و عقل کی نہیں پرواہ ۱۰۳

شاعر کے نظریہ خیال اور غزل پر کلام اقبال کے اثرات صاف دکھائی دیتے ہیں۔ عقل و خرد اقبال کا نظریہ ہے اور شاعر نے اقبال کا تتبع کرتے ہوئے جنوں کو خرد پر فوقیت دی ہے۔ غزل کا لب و لہجہ بھی کلام اقبال سے متاثر نظر آتا ہے۔ خرد اور جنوں میں تضاد ہے۔

سردار اورنگ زیب خان کو دعوت ملی تو انہوں نے خوبصورت نظم سنائی اس کا ایک بند ملاحظہ ہو:

دل ہیں ان کے قبضے میں
جائیں ان پہ واری واری
چاہیے جتنا غصہ جھاڑیں
لگتی پھر بھی پیاری پیاری
دل کو خوب لبھاتی ہیں
یہ لڑکیاں جذباتی ہیں ۱۰۴

صنف نازک کے بارے میں عام انسان کے معصوم اور پاکیزہ جذبات کو بڑے سلیقے اور نفاست سے نظم کے

قالب میں ڈھالا ہے۔

خورشید خان خورشید کو دعوت سخن دی تو انہوں نے بھی نظم سنائی نظم کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

آندھیوں میں ظلم کی بھی بجھ سکے کب وہ دیئے
گو نہیں موجود وہ اب رہ نمائی کے لیے
راہ آزادی پہ چمکیں ان کے قدموں کے نشان
جانب منزل رواں ہے حریت کا کارواں ۱۰۵

شاعر نے حریت پسندوں کی جرات و دلیری کو دلنشین پیرائے میں اجاگر کیا ہے۔ نظم میں روانی ہے ردیف قافیہ مترنم ہے۔

مقصود جعفری کو دعوت کلام ملی تو انہوں نے غزل سنائی غزل کے اس شعر پر انہیں خوب داد ملی:

کیا خستہ دلوں سے کرتے ہو تم جعفری قصہ سود وزیاں
اب خون کے بہتے دریا سے یہ کاسہ جاں لبریز کرو ۱۰۶

غزل پر فیض کی غزل جس مصرع ہے:

ع۔ ہم خستہ تنوں سے محتسبو کیا مال و منال کا پوچھتے ہو!

کا اثر دکھائی دیتا ہے کاسہ جان لبریز اچھوتی ترکیب ہے اور اس ترکیب کے استعمال سے شعر باوقعت ہو گیا ہے۔

عبدالرزاق بیکل کو دعوت دی گئی تو انہوں نے غزل سنا کر سامعین سے خوب داد وصول کی نمونہ کلام:

نہاں ہوتا تو کیا ہوتا، عیاں ہوتا تو کیا ہوتا
جہاں میں تو ہی تو، تیرا نشان ہوتا تو کیا ہوتا ۱۰۷

شاعر نے غزل کے خیال اور ردیف قافیہ میں غالب کی پیروی کی ہے۔

شوزیب کاشر نے بھی غزل سنائی غزل کے اس شعر پر مکرر مکرر کی آوازیں آنے لگیں شعر ملاحظہ ہو:

دکھایا جس نے تھا منزل کا راستہ مجھ کو
وہ شخص راہگذر میں گنوا دیا میں نے ۱۰۸

غزل میں پچھتاوے کا انداز پایا جاتا ہے۔

آخر میں صغیر آسی صاحب کو دعوت کلام دی گئی تو انہوں نے غزل سنائی شعر ملاحظہ ہو:

ایفائے عہد کی انہیں ہمت نہیں ہوتی
بس ٹالنے کو لاکھ بہانے بنا گئے
زندہ رہے گی خلق کے ہونٹوں پہ اک عمر
وہ داستانِ عشق جو آسی سنا گئے ۱۰۹

غزل کا انداز سادہ اور عام فہم ہے رمزو ایمائیت جو کہ غزل کی دلکشی ہوتے ہیں غزل میں موجود ہیں۔

رات ۱۱ بجے یہ خوبصورت محفل اختتام پذیر ہوئی مگر اس کی یادتادیر دلوں میں محو نہ ہو سکے گی۔ ۱۱۰

"تخلیق" راولاکوٹ کی پندرہ روزہ ادبی نشست کی روئیداد:

"تخلیق" کے زیر اہتمام پندرہ روزہ ادبی نشست میں ۱۵ جون ۲۰۰۵ء کو تقریب رونمائی کا انعقاد کیا گیا۔ تقریب کونسل ہال راولاکوٹ میں منعقد کی گئی تقریب رونمائی احمد ایاز کے شعری مجموعے تخلیق کے لیے منعقد کی گئی تھی:

پروگرام

صدارت : ڈاکٹر محمد صغیر خان

مہمان خصوصی : پروفیسر شفیق راجہ

سیکرٹری : فاروق صابر

مہمان اعزاز : احمد ایاز

شرکائے محفل : حمید شاہد، حمید کامران، محمد نعیم ، حنیف اثر، اور سردار اورنگزیب خان

نشست کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا گیا پھر حمید شاہد نے نبی ﷺ کے حضور گلہائے عقیدت پیش کیے۔

تقریب کا آغاز ڈاکٹر محمد صغیر خان نے سپاس نامہ پیش کر کے کیا۔ انھوں نے مہمانان گرامی کو خوش آمدید کہا اور "خلیق" کے ادبی سفر کے بارے میں اظہار خیال کیا ڈاکٹر صاحب نے راولاکوٹ کی سطح پر اردو کی ترویج وفروغ کے لیے کی جانے والی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے اہل علم حضرات کی خدمات پر انھیں خراج تحسین پیش کیا۔

ان کے بعد حمید شاہد نے احمد ایاز کی شاعری کے محاسن کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا انہوں نے احمد ایاز کی شاعری کو فنی وفکری لحاظ سے پرکھنے کے بعد اس کی ستائش کی۔

حمید کامران کو دعوت دی گئی کہ وہ سٹیج پر آئیں اور کتاب اور صاحب کتاب کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ حمید کامران نے احمد ایاز کے شعری سفر کی شروعات پر گفتگو کی۔ انہوں نے احمد ایاز کی ذاتی زندگی کا ان کی شاعری پر اثر کے حوالے سے بھی گفتگو کی۔

محمد نعیم سٹیج پر آئے تو انہوں نے احمد ایاز کی کتاب "تخلیق" کی غزلیات کو زیر بحث لایا اور انہیں بہترین غزل گو شاعر کا خطاب دیا۔

سردار اورنگ زیب خان کو شریک گفتگو ہونے کی دعوت دی گئی تو انہوں نے احمد ایاز کی شاعری کے محاسن شعری اور علم عروض پر ان کی گرفت کے حوالے سے پرمغز گفتگو کی۔

سٹیج سیکرٹری نے مہمان اعزاز احمد ایاز کو دعوت دی کہ وہ آئیں اور سامعین کو اپنی کتاب "تخلیق" کے بارے میں بتائیں۔ پہلے احمد ایاز نے سب مہمانان گرامی کا شکریہ ادا کیا۔ پھر اپنی فنی تخلیق کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا انہوں نے ان احباب کا بھی شکریہ ادا کیا جن کی بدولت وہ کتاب کو تکمیل تک پہنچا سکے۔

فاروق صابر نے پروفیسر شفیق راجہ کو دعوت دی کہ وہ آئیں اور سامعین کو اپنے قیمتی خیالات سے نوازیں پروفیسر شفیق راجہ نے نوجوان شاعر احمد ایاز کو مبارک باد پیش کی اور راولاکوٹ میں ہونے والی علمی و ادبی سرگرمیوں کی تعریف کی۔

انہوں نے شعراء سے درخواست کی کہ وہ شاعری کا معیار بلند کرنے کی کوشش کریں۔ الفاظ، تراکیب اور خیالات کا چناؤ کرتے ہوئے شاعری کو تخیلاتی فضا سے نکال کر زندگی کے معروضی حالات کے روبرو کریں تاکہ ادب اور زندگی کے درمیان پائی جانے والی خلیج ختم ہو سکے۔

پروگرام کے اختتام پر دعا مانگی گئی کہ خدا تعالیٰ امت مسلمہ کو کامیاب و کامران کریں اور انجمن کے نیک ادبی مقاصد پورا کریں۔ ااا

"انجمن فروغ ادب"، ہجیرہ ضلع راولاکوٹ کے زیر اہتمام شعری نشست کی روئیداد:

جولائی ۲۰۰۵ء میں انجمن نے ذوالفقار نقوی کے شعری مجموعے "نشاہ مکرر" کی تقریب رونمائی منعقد کی۔ یہ تقریب کالج ہال ہجیرہ میں منعقد کی گئی۔ تقریب کے مہمانان خصوصی ڈاکٹر صابر آفاقی اور پروفیسر شفیق راجہ تھے۔

صدرات کے فرائض عبدالمنان گوہرؔ نے ادا کیے۔ نسیم انجم نے سیکرٹری کے فرائض انجام دیے۔

سب سے پہلے تلاوت کلام مجید سے تقریب کا آغاز کیا گیا پھر نعت رسول مقبولﷺ کے ذریعے نبی کریم ﷺ کے حضور ہدیہ عقیدت ذوالفقار نقوی نے پیش کیا۔ اس کے بعد معتمد انجمن نے نوجوان شاعر کی کتاب کے بارے میں اظہار خیال کرنے کے لیے دلشاد اریبؔ کو دعوت دی۔

دلشاد اریب نے کتاب کے شعری محاسن کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ شاعر نے تمام شعری محاسن کو بڑی فنکاری اور مہارت سے برتا ہے۔ ان کے برمحل استعمال نے اس کی شاعری میں گہرائی اور تہہ داری پیدا کر دی ہے۔

صبور شیدائی نے کہا کہ ذوالفقارؔ نقوی کو الفاظ کے استعمال پر مہارت حاصل ہے جو ان کے وسیع ذخیرہ الفاظ کی دلیل ہے۔

عبدالمنان گوہرؔ نے کہا کہ ذوالفقارؔ نقوی کو علم عروض پر دسترس حاصل ہے کیونکہ ان کی شاعری میں بحروں اور وزن کا اہتمام موجود ہے۔

ڈاکٹر صابر آفاقیؔ کو کتاب کے بارے میں خیالات کا اظہار کرنے کی دعوت دی گئی تو انہوں نے کہا کہ ذوالفقار نقوی کی شاعری کا انداز جذبات کی گرمی اور جذبے کی سچائی سے عبارت ہے۔ وہ شاعری میں اس طرح منظر کشی کرتے ہیں کہ منظر جاوداں معلوم ہوتا ہے تمام شاعری مدھر اور کومل شاعری ہے۔

ڈاکٹر محمد صغیر خان نے کہا کہ ذوالفقار نقوی کے عاشقانہ جذبات اور ان کے اظہار میں شگفتگی، تازگی اور سادگی ہے۔ ان کی شاعری پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کوشش کر کے شاعر نہیں بن سکتا بلکہ موزونی طبع فطرتی خوبی ہے۔

پروفیسر شفیق راجہ نے کہا کہ ”نشاۃ مکرر“ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے خارجی مشاہدات کو داخل کی باطنی قوت کے ساتھ منسلک کر دیا ہے۔ یہ خوبی اسے شاہد رعنائے فطرت بناتی ہے۔ غزلوں میں غنائیت ہے انہوں نے الفاظ کی ترتیب سے آہنگ و موسیقیت پیدا کی ہے۔

سب معززین کتاب اور صاحب کتاب کے بارے میں اظہار خیال کر چکے تو سیکرٹری نے محفل کے برخاست ہونے کا اعلان کیا۔ ۱۱۲

”انجمن فروغ ادب“، بجیرہ راولاکوٹ کے زیر اہتمام مشاعرے کی روئیداد:

اسی روز رات ۹ بجے مشاعرے کا انعقاد کیا گیا۔ مشاعرے کی صدارت ڈاکٹر صابر آفاقی نے کی سیکرٹری کے فرائض عبدالمنان گوہرؔ نے ادا کیے۔

رات ۹ بجے مشاعرے کا آغاز کیا گیا۔ سب سے پہلے تلاوت کلام پاک کی گئی۔ اس کے بعد نبی کریمﷺ کے حضور گلہائے عقیدت پیش کیے گئے۔ مشاعرے کا باقاعدہ آغاز کرتے ہوئے سیکرٹری نے محمد اسلم ظفرؔ کو دعوت سخن دی انہوں نے غزل سنائی نمونہ کلام:

کیا ملا او جانِ جاں تمہارے پیار سے
سننے پڑے ہیں دہر میں طعنے ہزار سے ۱۱۳

خطیبانہ انداز ہے ہزار میں سیاق الاعداد ہے۔

صادق ڈار کو دعوت کلام دی گئی تو انہوں نے جو غزل سنائی اس کے اشعار ملاحظہ ہوں:

ڈال کر آنکھوں میں آنکھیں رو برو فرمائیے
کیوں ہے ارزاں ہم غریبوں کا لہو فرمائیے

بوئے گل بھی تیری منت کش ہے رنگ صہبا بھی
کس طرح توڑوں طلسم رنگ و بو فرمایئے ۱۱۴

آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا میں ایرادالمثل ہے غزل کے دوسرے شعر میں مراعات النظیر ہے شاعر نے غزل میں خوبصورت فارسی تراکیب استعمال کی ہیں۔

محمد حفیظ شاکر غزل سرا ہوئے ہر طرف سکوت طاری ہوگیا سامعین نے ان کا کلام توجہ سے سنا نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

کسی بے رخی کی نذر ہوئیں شب غم کی ساری کہانیاں
میرا مدعانہ بیاں ہوا شب وصل اتنی قلیل تھی
وہ اگرچہ وعدوں سے پھر گئے میرے خواب سارے بکھر گئے
وہ جو آنسوں کا سیلاب تھا میری چاہتوں کی دلیل تھی ۱۱۵

غزل میں محبوب کی بے رخی، بے وفائی اور اپنے شدت گریہ کا موثر انداز میں رونا رویا ہے۔

اشفاق احمد ربانی کو دعوت سخن ملی تو انہوں نے غزل پڑھی نمونہ کلام:

حاکم وقت سے کرتا ہوں سوال بیانگ وہل
گرچہ اب مستی کردار کا موسم نہیں رہا ۱۱۶

غزل میں جدید دور کی روشن خیالی پر خوبصورتی سے طنز کی ہے۔

محمد اقبال میر نے نعتیہ غزل سنائی نمونہ کلام:

ہے ذوق ثنا شوق وفا سینوں میں ہمارے
مرقوم ہیں سیرت کے بھی عنوان ہزاروں ۱۱۷

ہزاروں میں سیاق الاعداد ہے شاعر نے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے نبی کریم ﷺ کی ثنا کی ہے۔

محمد جہانگیر بدر کی غزل کا شعر ملاحظہ ہو:

نالۂ عندلیب کی اب بھی آتی ہے صدا
گلشن میں گل وگلزار کا موسم نہیں رہا ۱۱۸

اس شعر میں مراعات النظیر ہے۔

دلشاد اریب کی غزل کا شعر ملاحظہ ہو:

اس زندگی کے سارے فسانے میں کچھ نہیں
سچ ہے تمہارے بعد زمانے میں کچھ نہیں ۱۱۹

سچا عاشق سب کچھ محبوب کو ہی سمجھتا ہے۔ اس کی زندگی کی شروعات اور اختتام محبوب ہی کی ذکر سے ہوتا ہے اور اسے اس کے وجود کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

پروفیسر شفیق راجہ نے غزل پڑھی تو غزل کے مطلع کو سب نے پسند کیا۔ مطلع ملاحظہ ہو:

اہل ہوس کو مسندو منبر دیئے گئے
کرسی عطا ہوئی زر و جوہر دیئے گئے ۱۲۰

جس کو جو چیز پسند ہوتی ہے اور جس کی جو ہوس کرتا ہے اسے وہی ملتی ہے۔ لالچی سیاست دانوں اور ملاؤں کو مسند اقتدار اور منبر ومحراب پر اختیار کی ہوس ہوتی ہے اور اس لیے خدا تعالیٰ انہیں یہی چیزیں عطا کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صابر آفاقی کو دعوت کلام دی گئی تو انہوں نے غزل سنائی ملاحظہ ہو:

آنگن آنگن گائے شوخ و شنگ ہوا آوارہ
پھول گرا جاتی ہے بجائے سنگ ہوا آوارہ
فرش سے لے کر عرش تلک یوں مستی چھائی جیسے
جنگلے سے نکلی ہو پی کر بھنگ ہوا آوارہ ؎۱۳۱

آنگن آنگن میں تکرار ہے فرش اورعرش میں تضاد ہے۔ شنگ اور سنگ میں تجنیس مضارع ہے دوسرے شعر میں لف ونشر مرتب ہے بہار کی ہوا کی مستی، خوش خرامی اور پھولوں کی رنگینی کا ذکر کیا ہے۔

ڈاکٹر صابر آفاقی اپنا کلام سنا چکے تو معتمد انجمن نے مشاعرے کا اختتام کا علان کر دیا تقریباً رات ۲ بجے یہ مشاعرہ اپنے اختتام کو پہنچا۔ ؎۱۳۲

"بزم فکر وسخن"، پلندری کی ماہانہ ادبی نشست:

"بزم وفکر سخن" پلندری کی ماہانہ ادبی نشست یکم جون ۲۰۰۷ء کو بوائز ڈگری کالج پلندری کے ہال میں منعقد کی گئی صدارت پروفیسر عبدالعلیم صدیقی نے کی:

پروگرام:

۱	ماہانہ روئیداد	:	سیکرٹری (پروفیسر سردار مسعود خان)
۲	صدارت	:	صدر بزم (پروفیسر عبدالعلیم صدیقی)
۳	تحقیقی مقالہ	:	پروفیسر کوثر سلیمان
۴	سفر نامہ	:	اعجاز حسین فاروقی
۵	مشاعرہ	:	شعرائے بزم

پروگرام کی تفصیل درج ذیل ہے۔

"بزم فکر وسخن" کے ماہانہ اجلاس کی کارروائی رات ۸:۳۰ بجے شروع ہوئی سٹیج سیکرٹری پروفیسر سردار مسعود خان نے تلاوت کلام پاک سے پروگرام کا آغاز کیا۔ نعت رسول مقبول ﷺ پیش کرنے کے لیے سائیں عبدالرشید کو دعوت دی گئی نعت کے بعد سیکرٹری بزم نے پچھلے ماہ کے اجلاس کی کارروائی سنائی اور رجسٹرڈ پر صدر (پروفیسر عبدالعلیم صدیقی) سے دستخط کرائے۔ اس کے بعد کلام سنانے کی دعوت راشد علی عادلؔ کو دی گئی انہوں نے غزل سنائی اشعار ملاحظہ ہوں:

خود داری میں توانا مری زندگی رہی
گو مجھ پہ روزگار کی تیرافگنی رہی ؎۱۳۳

غزل میں پختگی اور روانی ہے غزل میں ایک عاشق خود دار کے قلبی احساسات و جذبات کا دلنشیں پیرائے میں ذکر کیا ہے۔

پھر کوثر سلیمان کو اپنا مقالہ پیش کرنے کی دعوت دی گئی تو انہوں نے اردو املا میں "ۃ" کا استعمال کے موضوع پر مقالہ پیش کیا۔ انہوں نے ھ کا استعمال ہ، ہ کا فرق اور تلفظ کی ادائیگی کے بارے میں بتایا انہوں نے بتایا کہ:

"اردو زبان کے تلفظ میں جہاں بھی ہے کی واضح آواز سنائی دے املا میں اسے صرف 'ہ' کی نمائندگی سے لکھا جاتا ہے۔ اسی طرح املا میں جہاں بھی 'ۃ' کی علامت لکھی ہوگئی تلفظ میں ہے کی آواز واضح طور پر سنائی دے گی لیکن

دو چشمی یعنی 'ھ' کا استعمال اردو املا میں جہاں بھی اپنے جائز مقام پر ہوگا۔
تلفظ میں وہاں 'ہ' کی آواز سنائی نہ دے گی جائز مقام سے مراد صرف
مخصوص پندرہ ہائیہ حروف ہی ہیں۔ گویا دو چشمی ھ کا استعمال صرف اور صرف
ہائیہ یا بھاری آوازوں کے ساتھ ہی مختص ہے۔" ۱۲۴

مقالہ معلوماتی ہے اس میں بڑی باریکی سے ھ کی غلط العام استعمال کی نشاندہی کی گئی ہے۔
ضیا الرحمان ضیا کو دعوت سخن دی گئی ضیا نے ایک قطعہ سنایا:

یقین مانو نہیں لگتا
میرا دل اب بنا تیرے
نہیں جچتا کوئی چہرہ
نگاہوں میں سوا تیرے ۱۲۵

چھوٹی بحر استعمال کی ہے۔ ایک عاشق صادق کی بے قراری اور دلگرفتگی کی بڑی خوبی سے عکاسی کی گئی ہے اشعار سہل ممتنع کی بہترین مثال ہیں۔

پھر ماجد محمود ماجد کو دعوت سخن دی گئی۔ انہوں نے نظم "دیر ہوگئی مجھ سے" سنائی کچھ بند ملاحظہ ہوں:

ایک پھول کو جا کر
ایک پھول دینا تھا
وقت مختصر سا تھا
دیر ہو گئی مجھ سے

سامنے تھی جب منزل
جدوجہد کا حاصل
میں ہی رہ گیا غافل
دیر ہوگئی مجھ سے ۱۲۶

نظم میں روانی ہے ماجد نے طوالت کے باوجود تسلسل بیان کو برقرار رکھا ہے۔ نظم کا انداز بیان بیانیہ اور مبنی برحقیقت ہے۔

سامعین نے ماجد سے ایک غزل سنانے کی فرمائش کی۔ سامعین کے پر زور اصرار پر ماجد نے غزل سنائی اشعار ملاحظہ ہوں:

یہ روز شب کی گردشوں کے سلسلے عجیب ہیں
ہمارے سلسلے میں رب کے فیصلے عجیب ہیں
ہزار قربتیں رہیں یہ دوریاں نہ مٹ سکیں
جو اپنے درمیان ہیں وہ فاصلے عجیب ہیں ۱۲۷

روز و شب میں اور قربتیں اور دوریاں میں تضاد ہے۔ شاعر نے سادہ لیکن پرکار انداز میں زندگی کی تلخیوں اور قلبی احساسات و واردات کو غزل کے قالب میں ڈھالا ہے۔

ماجد کے بعد اعجاز حسین فاروقی نے سفرنامہ پیش کیا سفرنامہ مقبوضہ کشمیر کے شہر پونچھ کے متعلق ہے سفرنامے کے چند اقتباسات یہ ہیں:

"جب ہم مقبوضہ پونچھ میں داخل ہوئے تو ہمارا بڑے شاندار طریقے
سے استقبال کیا گیا۔ ہم ۲۵ افراد گاڑی میں سوار تھے سڑک کے دونوں طرف

لوگ کھڑے تھے اور ہاتھ ہلا ہلا کر ہمیں خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ ۲۵ منٹ کی مسافت کے بعد ہم پونچھ پہنچے تو وہاں پر لوگوں کی ایک بڑی تعداد اپنے رشتہ داروں کے استقبال کے لیے موجود تھی۔ بڑی گرمجوشی سے سب لوگوں کا استقبال کیا گیا۔ ۱۲۸

انھوں نے مقبوضہ کشمیر کی دھرتی، فصلوں اور پھلوں کا بیان بھی دلفریب انداز میں کیا ہے:

''سرسبز و بلند و بالا پہاڑ صاف و شفاف پانی کے چشمے اور وسیع جنگلات دریا کے دونوں طرف میدانی اور زرخیز زمین انتہائی خوبصورت منظر پیش کر رہے تھے۔ وہاں کی مشہور فصلوں میں چاول، گندم، مکئی ہیں جبکہ اخروٹ بہت مشہور ہیں۔'' ۱۲۹

سفر نامہ تاثراتی ہے اس میں منظر کشی کم ہے۔ لیکن اعجاز نے کشمیری عوام کی مفلوک الحالی، بے بسی اور بھارتی فوج کی کثیر تعداد کی عکاسی جس طرح کی ہے وہ ان کی باریک بینی اور گہرے تفکر کا نتیجہ ہے۔

آخر میں صدر بزم پروفیسر عبدالعلیم صدیقی (ماہر اقبالیات محقق ونقاد) نے مثنوی مولانا روم کا منظوم اردو ترجمہ سنا کر خوب داد حاصل کی۔ نمونہ کلام:

اس طرح جاتا ہے تو ٹھوکر کا اندیشہ نہیں
اونچے نیچے کوہ صحرا میں کبھی گرتا نہیں
دیکھتا ہے تو ہمیشہ اپنے آگے اک دوگام
دانہ پر تیری نظر اور ان دیکھا ہے دام ۱۳۰

اونچے نیچے میں تضاد ہے جبکہ اک دو میں صنعت سیاق الاعداد ہے۔ انہوں نے منظوم ترجمے میں کلام مولانا رومی کی اصل روح کو برقرار رکھا ہے۔

شرکائے محفل کے پرزور اصرار پر پروفیسر عبدالعلیم صدیقی نے غزل سنائی۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بیمار شفا پائے گا اے چارہ گرو کیا
دکھ اور طرح کا ہے دوا اور طرح کی
خاموش ہیں ہم دل کے تقاضے سے وگرنہ
جرم اور طرح کا ہے سزا اور طرح کی
نغموں سے ہے گونجا ہوا برسات میں جنگل
لیکن ہے پپیہے کی نوا اور طرح کی ۱۳۱

دکھ و درد اور جرم و سزا میں تضاد ہے۔ غزل میں تاثیر ہے ردیف قافیہ میں نیا پن ہے غزل کے الفاظ پر شاعر کی مضبوط گرفت ہے۔ جو ان کے اہل زبان ہونے کی دین ہے۔

اس کے ساتھ ہی سیکرٹری بزم نے صدر بزم کو مشاعرہ ختم کرنے کا اعلان کرنے کے لیے کہا۔ اس طرح تین گھنٹے تک جاری رہنے والا مشاعرہ اپنے اختتام کو پہنچا۔ ۱۳۲

''بزم فکر و سخن'' پلندری کی سالانہ روئیداد:

''بزم فکر و سخن'' پلندری کا بارہواں سالانہ جلسہ ۳ جولائی ۲۰۰۷ء بوائز ڈگری کالج پلندری میں ہوا۔ اس کی صدارت پروفیسر صغیر آسی نے کی۔

پروگرام:

ا۔ سالانہ روئیداد : سیکرٹری (پروفیسر مسعود احمد)

۲۔ خطبہ صدارت : صدر جلسہ (پروفیسر صغیر آسی)

۳۔ مشاعرہ : شعرائے بزم

پروگرام کی تفصیل درج ذیل ہے:

''بزم فکر وسخن'' کے اجلاس کی کارروائی رات ۸ بجے بوائز کالج پلندری کے ہال میں منعقد کی گئی۔ صدر محفل اور تمام شعراء سٹیج پر بیٹھ گئے تو تقریب کا آغاز اعجاز بٹ نے تلاوت کلام پاک سے کیا۔ سائیں عبدالرشید اور کفیل نقیبی نے نعت رسول مقبول ﷺ پیش کی۔ اس کے بعد سیکرٹری بزم نے پچھلے سالانہ اجلاس کی کارروائی سنا کر صدر بزم سے رجسٹر پر دستخط کرائے۔ پھر سیکرٹری نے شمع محفل نوجوان شاعر راشد علی عادلؔ کے سامنے رکھی۔ راشد علی عادلؔ نے غزل سنائی۔ غزل کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

تیرے کوچے سے کوئی چل کے آیا ہے
چمن سے جیسے خوشبو ساتھ لایا ہے
صبا نے اک عجب قصہ سنایا ہے
اسے بھی آج کچھ مغموم پایا ہے ۱۳۳؎

غزل پر عبدالعلیم صدیقی کا اثر صاف نظر آتا ہے۔ عادلؔ نے نازک احساسات اور خیالات کو شعروں میں سمو دیا ہے انہوں نے محبوب کے کوچے کو چمن سے تشبیہ دی ہے۔

اس کے بعد شمع سہرابؔ خان کے آگے رکھی گئی۔ انہوں نے غزل ترنم کے ساتھ سنائی۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

سمندر میں بھنور کو دیکھتا ہوں
ان آنکھوں کے اثر کو دیکھتا ہوں
گھنے راتوں کے اندھیرے بہت ہیں
مگر پھر بھی سحر کو دیکھتا ہوں ۱۳۴؎

پہلے شعر میں سہراب نے محبوب کی آنکھوں کو سمندر سے تشبیہ دی ہے جبکہ آخری شعر کا لہجہ رجائیت اور امید بھرا ہے جو پڑھنے والے کو مایوسی سے بچاتا ہے۔

سردار مسعود احمد خان نے شمع برکت حسین برقؔ کے آگے رکھی۔ اس نے بھی غزل سنائی غزل کے اس شعر پر انہیں خوب داد ملی:

ابھی اظہار الفت میں زبان ناکام رکھتے ہیں
کہ ہم پیمانہ دل میں شراب خام رکھتے ہیں ۱۳۵؎

شعر میں پیمانہ دل میں استعارہ ہے جبکہ غزل میں عشق کی ناپختگی کے ساتھ ہی دنیا کے ناپائیداری کا ذکر ملتا ہے۔

ماجد محمود ماجد کے سامنے شمع آئی تو انہوں نے غزل سنا کر سب پر وجد کی کیفیت طاری کر دی اشعار یہ ہیں:

کتنے لوگ اب ہم کو دیکھ کے سوچتے ہیں
اس راہی کا ساتھ نبھایا جاسکتا تھا
ماجد آہ گنوا آئے ہم ان کو بھی
جن کی خاطر خود کو گنوایا جاسکتا تھا ۱۳۶؎

غزل میں سلاست، روانی اور اثر پذیری ہے۔ انداز بیان میں پچھتاوا محسوس ہوتا ہے۔

طاہر فرازؔ نے غزل سنائی نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

یاد آتے ہیں تو کچھ اشک بہا لیتا ہوں
چپکے چپکے یونہی برسات منا لیتا ہوں
دل کے ٹوٹے ہوئے مرقد پہ چراغاں کے لیے
دیپ پلکوں پہ سر شام جلا لیتا ہوں ۱۳۷؎

کلاسیکی غزل کا انداز برقرار ہے شاعر نے محبوب کی یاد اور خیال میں اشک بہانے کا ذکر غزل میں کیا ہے۔

ماجد کے بعد ضیاء الرحمان ضیاء کے سامنے شمع لائی گئی۔ ضیاء الرحمٰن ضیاء نے ''میرا محبوب'' کے عنوان سے نظم سنائی نظم ملاحظہ ہو:

وہ بل کھاتی حسین زلفیں
شراب آگیں سیہ آنکھیں
غزل جیسا بدن اس کا
مہکتا ہے سخن اس کا
لب و رخسار پھولوں سے
وہ ابرو ہیں ہلالوں سے
وہ پلکیں پھول جیسی ہیں
سبھی رنگ خوب لگتے ہیں ۱۳۸؎

ضیاء نے محبوب کی تصویر کشی میں فطرت کی حسین و جمیل اشیاء کی مشابہت کے ذریعے رنگ بھرے ہیں۔ انہوں نے محبوب کے سراپے کو تشبیہات کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ضیا کے بعد پروفیسر عبدالعلیم صدیقی کے سامنے شمع محفل لائی گئی۔ انہوں نے مثنوی مولانا روی کا منظوم اردو ترجمہ سنایا۔ چند اشعار ملاحظہ ہو:

حرص غالب آگئی تو ترک کر دی احتیاط
آپ اپنے ہاتھوں اس نے زندگی سے دھویا ہاتھ
کام جس نے ہوشمندی سے لیا شاداں ہوا
اس کے لطف و کامرانی کے لیے ساماں ہوا ۱۳۹؎

زندگی سے ہاتھ دھویا میں صنعت ایرادالمثل ہے۔ مثنوی مولانا روم کے عارفانہ اور ناصحانہ اشعار کو منظوم اردو میں پیش کرنا۔ جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ مگر عبدالعلیم صدیقی نے یہ مشکل کام آسانی سے کر دکھایا ہے۔

سب نے عبدالعلیم صدیقی سے کلام اقبال کا منظوم ترجمہ سنانے کی فرمائش کی۔ عبدالعلیم صدیقی نے چند ایک اشعار سنا کر خوب داد سمیٹی اشعار ملاحظہ ہوں:

شاعر رنگین نوا کو دے کوئی میرا پیام
لالہ کی مانند جلنے سے نہیں ملتا مقام
تیری آتش لا نہیں سکتی تیرے دل میں گداز
اور نہ کر سکتی ہے روشن وہ سکی بیکس کی شام ۱۴۰؎

عبدالعلیم صدیقی کی شاعری پر اقبال کی شاعری کا اثر ہے۔ لیکن وہ اقبال کے اسالیب، تراکیب اور الفاظ کی اندھی تقلید نہیں کرتے بلکہ اپنی انفرادیت کو بھی برقرار رکھتے ہیں۔

آخر میں شمع مہمان خصوصی پروفیسر صغیر آسی کے سامنے رکھی گئی۔ انہوں نے غزل سنائی نمونہ کلام:

ایفائے عہد کی انہیں ہمت نہیں ہوتی
بس ٹالنے کو لاکھ بہانے بنا گئے

زندہ رہے گی خلق کے ہونٹوں پہ اک عمر
وہ داستان عشق جو آسی سنا گئے [۱۴۱]

لاکھ میں سیاق الاعداد ہے۔ غزل میں روانی ہے۔

صغیر آسی کی غزل کے بعد سیکرٹری انجمن نے مشاعرے کے خاتمے کا اعلان کیا۔ اس کے ساتھ ہی مشاعرے کی تقریب کا اختتام ہو گیا۔ [۱۴۲]

''بزم ادب''، کوٹلی کی ماہانہ ادبی نشست کی روئیداد:

''بزم ادب'' کوٹلی کی پہلی ادبی انجمن تھی۔ اس کے مشاعرے ماہانہ ہوتے تھے۔ انجمن نے کبھی بڑا سالانہ پروگرام نہیں کرایا۔ بزم کے زیر اہتمام ۱۵ ستمبر ۱۹۶۱ء میں منعقد ہونے والے ماہانہ ادبی نشست کی روئیداد درج ذیل ہے:

پروگرام:

ماہانہ روئیداد	:	یورش کاشمیری
صدارت	:	حکیم حاکم شاہ
معتمد	:	یورش کاشمیری
ادبی نشست	:	تحقیقی مقالہ ''بچوں کا شاعر علامہ اقبال''
مقالہ نگار	:	عبدالحمید نظامی

تقریب کا آغاز رات ۸ بجے دریا کے کنارے ابریشم کے دفتر میں کیا گیا۔ سب سے پہلے سٹیج سیکرٹری یورش کاشمیری نے پچھلے ماہ کے مشاعرے کی کارروائی سنا کر رجسٹر پر صدر محفل حکیم حاکم شاہ سے دستخط کرائے۔

اس کے بعد تقریب کا باقاعدہ آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا گیا۔ تلاوت کی سعادت ساگر کاشمیری کے حصے میں آئی۔ نامور نعت خوان محمود لون نے اپنی خوبصورت آواز میں نعت رسول ﷺ مقبول پیش کی۔ معتمد بزم نے عبدالحمید نظامی کو دعوت دی کہ وہ سٹیج پر تشریف لائیں اور اپنا تحقیقی مقالہ پیش کریں۔ عبدالحمید نظامی نے اپنا مقالہ ''بچوں کا شاعر علامہ اقبال'' پڑھنا شروع کیا۔

انہوں نے کہا کہ اقبال آفاقی شاعر ہیں ان کے شعری مجموعے بانگ درا، بال جبریل، ضرب کلیم، ارمغان حجاز، اسرار خودی، رموز بے خودی، پیام مشرق، زبور عجم، جاوید نامہ اور پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق ان کتابوں میں اقبال کا فلسفہ حیات ہے۔ شاہین ان کے فلسفہ حیات کا آئیڈیل ہے۔ کیونکہ انہیں شاہین کی درویشی و خودداری، تیز نگاہی اور بلند پروازی کی خصوصیات پسند تھیں۔ اقبال نے شاعری کے ذریعے ملی و قومی زندگی پر مثبت اثرات چھوڑے ہیں۔

عبدالحمید نظامی نے کہا کہ ان تمام حیثیتوں کے علاوہ اقبال کی ایک اور حیثیت بچوں کے شاعر کی ہے۔ شاعر مشرق نے اپنی شاعری کے ذریعے بچوں کو عمدہ نصیحتیں کی ہیں۔ تاکہ وہ بڑے ہو کر ملک و قوم کا نام روشن کریں۔ انہوں نے بانگ درا میں بچوں کے لیے کئی نظمیں لکھی ہیں۔ نظموں کا حوالہ دیتے ہوئے مقالہ نگار نے سب سے پہلے ''بچے کی دعا'' کی مثال دی کہ نظم کے یہ اشعار دیکھئے:

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

میرے اللہ برائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اس راہ پہ چلانا مجھ کو ۱۴۳

یہ ایک ایسی دعا ہے۔ جو ہر بچے کی زبان پر آتی ہے۔
ہر بچہ چاہتا ہے کہ اس کے اندر وہ تمام خوبیاں موجود ہوں جو اسے اچھا مسلمان اور انسان بننے میں مدد دیں۔ پھر انہوں نے نظم ''ہمدردی'' کے حوالے سے بتایا کہ اقبال نے اس نظم میں بچوں کو مشکل وقت میں دوسروں کے کام آنے اور دکھ سکھ میں ان کی مدد کرنے کا درس دیا ہے:

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے ۱۴۴

اس طرح ''پرندے کی فریاد'' میں بچوں کو بتانے کی کوشش کی ہے کہ وہ معصوم پرندوں کو پنجروں میں گرفتار نہ کریں بلکہ انہیں آزاد کر کے ان کی دعائیں لیں۔
انہوں نے پرندے کی زبانی کہلوایا ہے:

آزاد مجھ کو کر دے او قید کرنے والے
میں بے زباں ہوں قیدی، تو چھوڑ کر دعا لے ۱۴۵

ایک ''پہاڑ اور گلہری'' میں بچوں کی نصیحت کی ہے کہ کسی چھوٹی چیز کو حقیر نہ سمجھو کائنات کی کوئی چیز بیکار نہیں اقبال نے گلہری کے ذریعے ہمیں درس دیا ہے:

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے
کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں ۱۴۶

مقالہ نگار نے اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ بانگ درا ہی کی ایک نظم ایک ''گائے اور بکری'' میں مکالمہ نگاری اور ماحول کی عکاسی کے ذریعے شاعر نے بچوں میں فطرت سے لگاؤ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ فطرت کی منظر کشی میں اقبال کی مہارت کا ثبوت یہ اشعار ہیں:

اک چراگاہ ہری بھری تھی کہیں
تھی سراپا بہار جس کی زمیں
کیا سماں اس بہار کا ہو بیاں
ہر طرف صاف صاف ندیاں تھیں رواں
تھے اناروں کے بیشمار درخت
اور پیپل کے سایہ دار درخت
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آتی تھیں
طائروں کی صدائیں آتی تھیں ۱۴۷

پھر انہوں نے اقبال کی نظم ''ایک مکڑا اور مکھی'' کے بارے میں کہا کہ یہ بھی سبق آموز نظم ہے جس میں شاعر نے بچوں کو خوشامد سے بچنے کی ہدایت کی ہے۔
اقبال نے مکڑا کی زبان سے کہلوایا کہ:

سو کام خوشامد سے نکلتے ہیں جہاں میں
دیکھو جسے دنیا میں خوشامد کا ہے بندا ۱۴۸؎

بانگ درا کے بعد بال جبریل میں ''جاوید کے نام'' میں اقبال نے اپنے بیٹے جاوید کو مخاطب کر کے ساری قوم کے نونہالوں کو نصیحتیں کی ہیں۔

اقبال کی نظم عبدالحمید نے جاوید کے نام کے چند اشعار بطور مثال پیش کیے:

دیار عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر
مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر ۱۴۹؎

مقالہ نگار نے مقالے کی بحث کو سمیٹتے ہوئے کہا کہ اقبال نے بچوں میں ان نظموں کے ذریعے قومی خودداری، اولوالعزمی، اخوت، محبت، انسانی، ہمدردی اور حب الوطنی کے جذبات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

اقبال بچوں کے اندر اسلامی روح پیدا کرنا چاہتے تھے اسی لیے ان کی یہ نظمیں سبق آموز اور موثر ہیں۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے مقالہ ختم کیا۔ معتمد بزم نے صدر محفل کو اظہار خیال کرنے کی دعوت دی تو حکیم حاکم شاہ نے عبدالحمید نظامی کی علمی ادبی کاوشوں کو سراہتے ہوئے کلام اقبال کے فضائل بیان کیے۔

ان کے خطاب کے بعد محفل برخاست ہوگئی۔ ۱۵۰؎

''ایوان قرطاس و قلم''، کوٹلی کی ہفتہ اردو کی تقریبات کی روئیداد:

''ایوان قرطاس و قلم'' نے ۷ جولائی ۱۹۸۷ء میں ہفتہ اردو کی تقریبات منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ ان تقریبات میں کوٹلی کے اہل قلم حضرات نے بھرپور شرکت کی تقریبات العرفان ہوٹل (کوٹلی) میں منعقد کی گئیں۔ پہلا پروگرام مشاعرے کا تھا۔ پروگرام کی ترتیب اس طرح تھی:

مہمان خصوصی	:	وزیر اعظم آزاد کشمیر سردار سکندر حیات
صدارت	:	محمد افضل صابری
سیکرٹری	:	الطاف شاکر
مشاعرہ	:	شعرائے کوٹلی

۸ جولائی رات ۸ بجے العرفان ہوٹل میں مشاعرے کا آغاز کیا گیا۔ آغاز کلام پاک سے کیا گیا۔ اس کے بعد محمد اکرم طاہر کو دعوت سخن دی گئی۔ ان کو غزل کے اس شعر پر خوب داد ملی۔

تن کے اجلے من کے میلے ہوتے ہیں
ہر انسان کے دو دو چہرے ہوتے ہیں ۱۵۱؎

تن و من میں تضاد ہے۔ اکرم طاہر نے غزل میں انسانی خود غرضی مفاد پرستی کا ذکر کیا ہے۔

اس کے بعد جاوید اقبال شاہین کو دعوت دی گئی کہ وہ اپنے خوبصورت کلام سے سب کو محظوظ کریں۔ انہوں نے غزل سنائی اشعار ہیں:

دلوں کی بستیاں اک بار اگر اجڑ جائیں
تو ان کے بسنے میں شاہین زمانے لگتے ہیں ۱۵۲؎

روایتی غزل کا مضمون ہے جس میں شاعر نے اجڑے دل کا ذکر کیا ہے۔

جاوید اقبال شاہین کے بعد ظافر گیلانی سٹیج پر آئے انہوں نے غزل پیش کر کے حاضرین مجلس سے داد و تحسین پائی۔
ان کی غزل کے ان اشعار کو پسند کیا گیا:

گھٹا یادوں کی طوفانی لگے ہے
زمین چہرے کی بارانی لگے ہے
تعلق اس سے گہرا اور کیا ہو
وہ رشتے میں میرا جانی لگے ہے ۱۵۳

مترنم غزل ہے شاعر نے شوخ انداز میں محبوب سے تعلق کا اظہار کیا ہے۔

اس کے بعد بشیر بیگ کو دعوت دی گئی تو انہوں نے غزل پیش کی۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

میں بستی سے نکلنا چاہتا ہوں
کسی جنگل میں بسنا چاہتا ہوں
میں پستی سے ملن کی آرزو کو
بلندی سے بدلنا چاہتا ہوں ۱۵۴

غزل میں بستی، جنگل اور پستی، بلندی میں صنعت تضاد ہے اس میں موسیقیت اور ترنم ہے۔
نوجوان شاعر زکریا شاد کو دعوت سخن دی گئی تو انہوں نے غزل سنائی ان کو اس شعر پر خوب داد ملی:

رت خزاں میں بہار کرتے ہیں
آپ جب بھی سنگھار کرتے ہیں ۱۵۵

غزل ان کی شاعری کی پختگی اور ریاضت کا پتا دیتی ہے۔
عارف علی قلندر کو دعوت دی گئی انہوں نے غزل سنا کر اہل محفل کو مسحور کر دیا۔ شعر ملاحظہ:

سادگی دیکھ میری جس نے دیا درد ہے
ہائے میں بہر علاج اس سے دوا لاتا ہوں ۱۵۶

شوخی اور چھیڑ چھاڑ کا انداز ہے۔
الطاف شاکر نے اپنا کلام سنایا غزل سن کر سامعین نے خوب واہ واہ کی۔ اشعار یہ ہیں:

دیکھ میری آنکھوں میں تو سمایا رہتا ہے
میرے ساتھ روز و شب تیرا سایہ رہتا ہے ۱۵۷

روز شب میں تضاد ہے جبکہ دوسرے شعر میں تشبیہ ہے۔ غزل میں عاشق کی قلبی واردات و کیفیات کی بھرپور عکاسی کی ہے۔
سٹیج سیکرٹری نے محمد اکرم سہیل کو دعوت دی کہ وہ آئیں اور اپنی غزل سے سامعین کے دل لوٹ لیں۔
محمد اکرم سہیل نے جو غزل سنائی۔ اس کا شعر یہ ہے:

تجھ سے وہ عہد وفا اپنا نبھانے کے لیے
ہم نے ہر بار تجھے اپنا لہو پیش کیا ۱۵۸

غزل میں موسیقیت اور ردھم ہے۔
وجیہہ الحسن صفدر شفق نے غزل سنائی اشعار یہ ہیں:

پھول برسیں آسماں سے چاند تارے ساتھ ہوں
ہم دونوں دریا کے کنارے ساتھ ہوں

شور پانی کا گواہی دے ہمارے پیار کی
اور حسین لمحات میں جگنو ہمارے ساتھ ہوں ۱۵۹

شفق کو اظہار کا سلیقہ ہی نہیں آتا بلکہ انھیں محاکات نگاری کے فن پر مکمل عبور حاصل ہے۔ چاند اور تارے میں تضاد ہے۔

ساگر کاشمیری کو دعوت سخن دی گئی تو انہوں نے غزل سنائی۔ ان کی غزل سن کر سامعین نے انہیں خوب داد دی خاص طور پر ان اشعار کو سب نے پسند کیا:

اندھیروں سے کہہ دو خیمے اٹھا لیں
کرن روشنی کی چلی آرہی ہے
دن ہوں کے روشن راتیں منور
اجالوں کی بارات لو آرہی ہے ۱۶۰

شاعر کے ہاں رجائیت بھرا لہجہ ہے۔ وہ قوم کو آنے والے اچھے دنوں کی نوید سنا رہے ہیں۔

ایم یامین نظم کے شاعر ہیں انہوں نے نظم سنا کر سب کو حیران کر دیا۔ نظم کا ایک بند ملاحظہ ہو:

بائیں جانب جہلم میرے خون کی صورت دوڑ رہا ہے
سندر ڈل کا شیتل میرے شہر کا سینہ کھول کے نکلا تھا
اس کی لہریں زندہ سچی لہریں ہیں
اور گردابی ناف میں وہ کستوری
جس نے سندھ کو اور پنجاب کو
خوشبو خوشبو موسم گندم سونا، چاول، چاندی
مستقبل کے رنگ دیے ہیں
لیکن میرے خواب شکارے
مایوسی کے ٹھہرے ٹھہرے پانی میں
دھیرے دھیرے ڈوب رہے ہیں ۱۶۱

نظم میں ہندی کا الفاظ استعمال کیا گیا ہے۔ بند کے چوتھے مصرعے میں استعارہ ہے۔ شاعر نے تکرار الفاظ کے ذریعہ نغمگی پیدا کی ہے۔ نظم کی تہہ میں اداسی کی لہر محسوس کی جاسکتی ہے۔

محمد یامین کے بعد بزرگ شاعر یاد کاشمیری کو دعوت سخن دی گئی۔ انہوں نے غزل سنا کر ثابت کر دیا کہ وہ بے مثال شاعر ہیں نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

حسرتیں میری بنیں ہیں دارو رسن پیچ و خم
سوئے مقتل لے چلو اس دور کا منصور ہوں میں ۱۶۲

منصور میں صنعت تلمیح ہے غزل کی بحر رمل مثمن محذوف ہے۔

آخر میں محمد افضل صابری کو دعوت سخن دی گئی تو انہوں نے غزل سنائی اشعار ملاحظہ ہوں:

کب لب پہ ہنسی آئی مجھے یاد نہیں
ایسی بھی گھڑی آئی مجھے یاد نہیں ہے

گزرا ہوں کئی بار تیرے شہر سے افضلؔ
کب تیری گلی آئی مجھے یاد نہیں ہے ۱۶۳؎

روایتی عشقیہ غزل ہے جس میں ایسے عاشق کی تصویر پیش کی گئی ہے جو محبت میں از خود فتنہ ہو کر دیوانہ ہو چکا ہے۔

مشاعرے کے اختتام پر وزیراعظم آزاد کشمیر سردار سکندر حیات خان کو دعوت دی گئی کہ وہ اسٹیج پر آئیں اور مشاعرے کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ سردار سکندر حیات نے شعراء کے کلام کی تعریف کی انھیں مشاعرے کی روایت کو برقرار رکھنے کی بھی نصیحت کی۔ رات ۱۲ بجے کے قریب یہ خوبصورت محفل اختتام پذیر ہوگئی۔ ۱۶۴؎

''ایوان قرطاس وقلم''، کوٹلی کی ہفتہ اردو کی تقریبات کی روئیداد:

''ایوان قرطاس وقلم'' نے ہفتہ اردو کی تقریبات کے دوران ۱۰ جولائی ۱۹۸۷ء میں تقریری مقابلہ بھی کرایا۔

پروگرام کی ترتیب اس طرح تھی:

مہمان خصوصی	:	وزیر تعلیم (راجہ فاروق حیدر)
صدارت	:	محمد افضل صابری
سیکرٹری	:	الطاف شاکر
عنوان تقریری مقابلہ:		اقبال کا تصور خودی

شرکائے محفل: راجہ مطلوب، جاوید اقبال شاہین، ظہیر الحسن جاوید، محمد اکرم طاہر، اکرم سہیل اور خواجہ عطا محی الدین۔

صبح ۱۰ بجے کونسل ہال میں پروگرام کی شروعات تلاوت کلام پاک سے کی گئی۔ نعت خالد کاشمیری نے پیش کی۔ اس کے بعد سٹیج سیکرٹری نے پروگرام کے باقاعدہ آغاز کی ابتداء راجہ مطلوب کو سٹیج پر بلا کر کی۔ انہوں نے ''اقبال کے تصور خودی کا ماخذ'' پر اپنے خیالات کا اظہار کیا اور مختلف حوالہ جات سے ثابت کیا کہ اقبال نے یہ تصور قرآن پاک سے لیا ہے۔

جاوید اقبال شاہین کو بلایا گیا تو انہوں نے ''اقبال کے تصور خودی کے تین مراحل'' پر اظہار خیال کیا۔ ان کی تقریر پر مغز اور پر تاثیر تھی۔ تقریر میں اقبال کے اشعار کا برمحل استعمال کیا گیا تھا۔

جاوید شاہین کے بعد ظہیر الحسن جاوید (ابن چراغ حسن حسرت) نے ''خودی اور امت مسلمہ'' کے موضوع کے حوالے سے فکر انگیز گفتگو کی۔ اقبال کے اردو اور فارسی اشعار کی مدد سے اس موضوع پر روشنی ڈالی۔

محمد اکرم طاہر کو دعوت دی گئی تو انہوں نے'' خودی کیا ہے؟'' کے موضوع پر مدلل گفتگو کی اور دلائل و براہین سے خودی کے معنی اجاگر کیے۔

ان کے بعد محمد اکرم سہیل نے ''اقبال کے فلسفہ میں خودی کی حیثیت'' کو اجاگر کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے تقریر میں ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم اور عبدالسلام ندوی کے حوالے سے کلام اقبال میں خودی کی حیثیت متعین کرنے کی کوشش کی۔

خواجہ عطا محی الدین نے خودی سے بے خودی تک کے مشکل موضوع پر گفتگو کی۔ انہوں نے مثالوں سے خودی اور بے خودی کا تعلق واضح کیا اور بتایا کہ استحکام ملت کے لیے بے خودی کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ فرد اور ملت کے ربط کا قانون ہی بے خودی ہے۔

آخر میں محمد افضل صابری نے ''اقبال کا تصور خودی اور موجودہ حالات'' پر اپنے خیالات کا اظہار کیا کہ خودی

کا ارتقا ہی مسلمانوں کو حالات کے گرداب سے نکال سکتا ہے۔

محمد افضل صابری کے بعد راجہ فاروق حیدر وزیر تعلیم کو خطاب کرنے کی دعوت دی۔ راجہ فاروق حیدر نے کلام اقبال اور تصور خودی کی اہمیت کو اجاگر کیا نیز انہوں نے انجمن ایوان قرطاس وقلم کی علمی و ادبی خدمات کی بھی تعریف کی۔ انہوں نے اراکین انجمن کو بھی خراج تحسین پیش کی کہ انہوں نے اتنا اچھا پروگرام کرایا۔

۱۱ بجے پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا اور حاضرین محفل کو چائے پلائی گئی اس طرح یہ پروگرام خوش اسلوبی سے اختتام پذیر ہوا۔ ۱۶۵

"حسرت اکادمی"، کوٹلی کے مشاعرے کی روئیداد:

حسرت اکادمی نے اپریل ۱۹۸۷ء میں کھوئیرٹہ ضلع کوٹلی میں بوائز ڈگری کالج گراؤنڈ میں مشاعرہ منعقد کیا۔ مشاعرے کی صدارت سید ضمیر جعفری نے کی۔ ڈاکٹر صابر آفاقی اور نثار ناسک کے علاوہ کوٹلی کے مقامی شعراء نے بھی شرکت کی۔ مشاعرے کے مہمان خصوصی وزیراعظم آزاد کشمیر (اس وقت آزاد کشمیر کے وزیراعظم تھے) سردار سکندر حیات تھے مشاعرے کی نظامت کے فرائض عارف علی قلندر اور افتخار بٹ نے انجام دیئے۔ تلاوت کلام کے بعد محمد خالد کاشمیری نے اپنی نعت رسول مقبول ﷺ ترنم کے ساتھ گا کر سنائی اشعار درج ذیل ہیں:

آپ سے پایا ہے ہستی کا قرینہ
آپ سے ملتا ہے ایمان کا خزینہ ۱۶۶

مترنم ردیف قافیہ ہے۔

نعت لکھتے ہوئے عاشقان رسول ﷺ جس سرمستی اور سرشاری کی کیفیت میں ڈوب جاتے ہیں وہی کیفیت خالد کاشمیری کی نعت میں موجود ہے۔

اس کے بعد کوٹلی کے شاعر انجم خیالی کو دعوت سخن دی گئی انہوں نے غزل سنائی نمونہ کلام:

دستور تیری بزم کا اے دوست عجب ہے
گستاخ وہی ہے کہ جو پابند ادب ہے
جب بھی میرا دل رات گئے زور سے دھڑکا
سوچا کہ یہ ہے کون جو دروازے پہ اب ہے
اس ٹوٹی ہوئی ناؤ پہ کیا ناز کریں ہم
طوفان، ہے برسات ہے، تنہائی ہے، شب ہے ۱۶۷

پہلے شعر میں گستاخ اور ادب میں تضاد ہے دوسرے شعر میں حسن تعلیل ہے۔ اور تیسرے شعر میں مراعات النظیر ہے ان تمام شعری صنعتوں نے غزل کا ادبی معیار بلند کر دیا ہے۔

اس کے بعد ڈاکٹر صابر آفاقی کو دعوت سخن دی گئی۔ ڈاکٹر صابر آفاقی نے غزل سنائی غزل کے شعر یہ ہیں:

دوستی اپنی جگہ پر صحن سے رستہ نہ دو
ایک کو آنے دیا تو دوسرا بھی آئے گا ۱۶۸

شاعر نے زندگی کی اس آفاقی حقیقت کو شعر میں بیان کیا ہے کہ دوست کو بھی ایک خاص فاصلے پر ہی رکھنا چاہیے ورنہ انسان نقصان اٹھاتا ہے۔

سب نے ان سے مزید غزل سنانے کی فرمائش کی تو ڈاکٹر صابر آفاقی نے غزل سنا کر خوب داد حاصل کی

اشعار یہ ہیں:

کوچہ کوچہ، خانہ خانہ، بیٹھی دھاک فریبوں کی
شہر میں اب جو آئے ہو تو خیر مناؤ جیبوں کی
میرے گال خزاں کا پتا پیلا پیلا سوکھا سا
ترے عارض کی رنگینی، تازہ تازہ، سیبوں کی ۱۶۹

کوچہ کوچہ، خانہ خانہ، اور پیلا پیلا میں تکرار ہے الفاظ کی تکرار نے اشعار میں موسیقیت پیدا کر دی ہے شاعر نے سوکھے گالوں کو خزاں رسیدہ پیلے پتے اور عارض کی رنگینی کو تازہ سیبوں کی لالی سے تشبیہہ دی ہے۔

عارف علی قلندؔر نے محمد افضل صابری کو دعوت سخن دی محمد افضل صابری نے غزل سنائی غزل کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

ہوا کے رخ پہ چلنے کا ہنر اچھا نہیں لگتا
جسے مانے نہیں دل وہ شعر اچھا نہیں لگتا
ذرا سی آزمائش میں جو جھک جانے پہ مائل ہو
وہ شخص اچھا نہیں لگتا اور سر اچھا نہیں لگتا ۱۷۰

غزل شاعر کے، گہرے تفکر، انانیت اور خودداری کی عکاس ہے۔ ان کا لہجہ صاف اور منجھا ہوا ہے۔

اس کے بعد عارف علی قلندؔر نے کوٹلی کے نوجوان شاعر الطاف شاکرؔ کو اپنا کلام سنانے کی دعوت دی شاکر نے غزل سنائی نمونہ کلام:

پل پل ہنسنا اور ہنسانا اچھا لگتا ہے
نظر ملا کر نظر چرانا اچھا لگتا ہے
تیرے خال وقد کی بات ہے کیا
تیرا بل کھانا لہرانا اچھا لگتا ہے ۱۷۱

پل پل میں تکرار ہے ہنسنا اور ہنسانا میں تجنیس زائد و ناقص ہے جبکہ نظر ملانا اور نظر چرانا میں ایرادالمثل ہے۔ غزل میں حسرت موہانی کا سا انداز بیان ہے وہی متوسط طبقے کا پرخلوص اور معصومانہ عشق ہے جس کا محبوب ماورائی محبوب جیسی صفات نہیں رکھتا بلکہ گوشت پوست کا جیتا جاگتا انسان ہے۔ یہ محبوب احساسات و جذبات کا پیکر بھی ہے۔

عارف علی قلندؔر نے اپنا کلام سنایا نمونہ کلام:

قیس کی بستی ہمیں پیاری لگی
شہر بھی ورنہ بہت شاداب تھے ۱۷۲

قیس میں صنعت تلمیح ہے اور صنعت تلمیح کے استعمال نے شعر کو باوقعت بنا دیا ہے۔

چراغ حسین شاہ نے غزل سنا کر خوب داد سمیٹی شعر ملاحظہ ہو:

اک عمر کے بعد آج یکایک جو ملے ہو
وہ سیل مسرت ہے کہ دل ڈوب رہا ہے ۱۷۳

سیل مسرت کی ترکیب منفرد اور نئی ترکیب ہے۔

ایم یامینؔ نے جو بنیادی طور پر نظم کے شاعر ہیں انہوں نے غزل سنا کر سب کو مسحور کر دیا۔ شعر درج ذیل ہے:

ہار باہوں کا گلے میں ڈال کے
کوئی پوچھے حال اس بے حال کے ۴؎

حال اور بے حال میں تضاد ہے۔ محبوب کے تجاہل عارفانہ کے باوجود محبوب کی ستم ظریفی کا ذکر کیا ہے۔

محمد اقبال رشدی کی غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

عیش دوام کس کو ہے عمر دراز میں
حسرت بھری ہوئی ہے دل بے قرار میں
تو نے وفائے عہد کا اچھا صلہ دیا
عمر عزیز بیت گئی انتظار میں ۵؎

ردیف قافیے میں ترنم ہے شاعر نے ایک عاشق صادق کی بے قراری اور تڑپ کا ذکر کیا ہے۔

محمد اکرم طاہر نے غزل سنائی اشعار ملاحظہ ہوں:

کبھی راستوں میں ٹھہر گئے کبھی منزلوں سے گزر گئے
میرے ہم نفس، میرے ہم سفر کوئی جی اٹھے کوئی مر گئے ۶؎

راستوں، منزلوں اور جی، مر میں تضاد ہے۔ مضمون خیال حقیقی اور طرز بیان صاف اور سلجھا ہوا ہے اکرم طاہر نے لمبی بحروں میں بھی روانی برقرار رکھی ہے۔

نثار ناسک کی نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

شب کے دریاؤں میں بہتا ہوں ستارے کی طرح
ہجر کی سیپ میں آنسو کو گہر کرتا ہوں
کھینچ لیتی ہے مجھے اپنے علاقے کی طرف
میں کہ جس سوچ کو بھی ذہن بدر کرتا ہوں ۷؎

شب کو دریا اور آنسو کو گہر سے تشبیہہ دی ہے جو منفرد اور اچھوتی تشبیہات ہیں۔

آخر میں صدر محفل سید ضمیر جعفری کو دعوت سخن دی گئی جب وہ غزل سرا ہوئے تو محفل پر سکوت طاری ہو گیا۔ انہیں ہر لفظ پر خوب داد ملی نمونہ اشعار دیکھئے:

نیکی اجر نیکی کا
چاند جیسے صحرا میں
جنگ ختم کب ہو گی
کعبہ اور کلیسا میں ۸؎

غزل میں سہل ممتنع ہے کعبہ اور کلیسا میں تضاد ہے۔

انہوں نے ایک اور غزل بھی سنائی اس کے اشعار ملاحظہ ہوں:

مسکرانا تو بڑی بات ہے، اب حاکم شہر
رونا چاہوں تو وہ رونے نہیں دیتا مجھ کو
اک سمندر میں ہوں جو پار بھی نہیں لگنے نہیں دے
اور کشتی بھی ڈبونے نہیں دیتا مجھ کو ۹؎

دوسرے شعر میں مراعات النظیر ہے صاحب اقتدار لوگوں پر طنز کی ہے کہ وہ کسی کو اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کرنے دیتے۔

رات ۲ بجے تک جاری رہنے والی محفل ۲ بج کر ۲۰ منٹ پر اختتام پذیر ہو گئی۔ ۱۸۰؎

"ساغر آرٹس کونسل"، کوٹلی کے سالانہ مشاعرے کی روئیداد:

جنوری ۱۹۸۷ء میں "ساغر آرٹس کونسل" نے سالانہ مشاعرہ منعقد کرانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ طے شدہ پروگرام کے تحت ۱۹ جنوری کو رات ۹ بجے مشاعرے کا آغاز کیا گیا۔ صدارت کے لیے محمد اکرم طاہر کو مدعو کیا گیا سٹیج سیکرٹری کے فرائض عرفان صدیقی نے انجام دیئے مشاعرے میں شریک شعراء کے اسما گرامی:

منصور راٹھور، افضل صابری، شازب صدیقی، دانش بشیر بیگ، نعیم ساغر، تنویر ساغر، ایم مسعود، عرفان تبسم، خالد کاشمیری، ذکریا شاد، الطاف شاکر، محمد یامین، اور اکرم طاہر

مشاعرے کا آغاز رات ۹:۳۰ بجے تلاوت کلام پاک سے کیا گیا۔ نعت رسول مقبول ﷺ خالد کاشمیری نے پیش کی۔ اس کے بعد شمع مشاعرہ سب سے پہلے منصور راٹھور کے سامنے رکھی گئی انہوں نے نظم سنا کر سب کے دلوں میں اپنے دادا یاد کاشمیری کی یاد تازہ کر دی۔ غزل کے اشعار درج ذیل ہیں:

میرے خیموں پہ جب غیروں کا پرچم ہو
میرا لشکر ہی جب میرے عدو سے جا کے مل جائے
کمانیں تیر برسانے سے منکر ہوں
ہوائیں جو ہماری دسترس میں تھیں
وہی اپنی مخالف ہوں ۱۸۱؎

نظم کے لہجے سے دکھ اور اپنوں کی بے وفائی کا درد جھلکتا ہے۔

محمد افضل صابری نے غزل سنائی غزل ان کے مخصوص احساسات و جذبات کی عکاس ہے اشعار ملاحظہ ہوں:

رہن رکھ دو سر تو دستاریں بہت
ورنہ اٹھ جاتی ہیں تلواریں بہت
سر اٹھا کر چلنے والوں کے لیے
تاک میں رہتی ہیں دیواریں بہت ۱۸۲؎

غزل میں افضل صابری نے نذیر انجم کے کے انداز کو اختیار کیا ہے۔ غزل کا قافیہ مترنم ہے افضل موجودہ حالات کے پس منظر میں کہتے ہیں کہ وہ لوگ جو خودداری اور انا کو بیچتے ہیں وہ آج کی دنیا میں کامیاب ہیں۔ جبکہ خوددار لوگ ذلیل و خوار ہیں۔

شازب صدیقی کے سامنے شمع رکھی گئی تو انہوں نے پرسوز آواز میں غزل سنائی اشعار ملاحظہ ہوں:

حیراں کر گئی ساری بات اس کی تھی
سارے کھیل میں جیت و مات اس کی تھی
میرے لیے نہ دن بنا نہ رات بنی
دن تھے اس کے اور ہر رات اس کی تھی ۱۸۳؎

جیت و مات اور دن رات میں تضاد ہے۔ غزل میں شاعر نے محبوب کی جیت اور اپنی شکست اور دلگرفتگی کا ذکر کیا ہے۔

تنویر ساغر نے غزل سنائی غزل کے اس شعر کو سب نے پسند کیا۔

بیت جائے نہ ساغر جوانی یہیں
ٹوٹ جائے نہ رشتہ چناروں کے ساتھ ۱۸۴؎

غزل کے مقطع میں کشمیر کی مخصوص علامت چنار کا استعمال کیا ہے۔ اس کے استعمال نے شعر میں معنوی گہرائی پیدا کردی ہے۔

تنویر ساغر کے بعد ایم مسعود نے غزل سنائی ان کی غزل کے یہ اشعار بہت خوبصورت ہیں:

نہ آنے دوں گا کبھی اختلاف کے پہلو
جو تو کہے گی تو میں دن کو رات لکھ دوں گا
تو پیار کر مجھ سے وعدہ مرا ہے جاناں
میں تیرے نام پہ کل کائنات لکھ دوں گا ۱۸۵؎

دن اور رات میں تضاد ہے جبکہ آخری شعر میں شاعرانہ مبالغہ آمیزی ہے اور محبوب کے لیے آسمان سے تارے توڑ کر لانے کا روایتی وعدہ موجود ہے۔

عرفان تبسم نے غزل پیش کی۔ ان کی غزل کے آخری شعر کو خوب سراہا گیا۔ شعر ملاحظہ ہو:

چلو تبسم چلتے ہیں رب کے پاس
تجھ کو نہ ملے گا اب یہاں کوئی سہارا ۱۸۶؎

عرفان تبسم کی سادہ اور پردرد آواز پڑھنے والے کو متاثر کرتی ہے۔

محمد خالد کاشمیری نے اپنی باری پر غزل سنائی۔ غزل کے اشعار ملاحظہ ہوں:

سوچیں اصل حقیقت تو کچھ کہہ بھی نہیں سکتے
ہے سب کاروبار قدرت اور صرف بیاں ہے اپنا
ہے یہ کار زار ہستی اس کا الم یہی ہے
اسے پہچانتا نہیں کوئی جو درد نہاں ہے اپنا ۱۸۷؎

غزل میں انسان کی بے قدری، بے اختیاری اور ناپائیداری کے ساتھ انسانی بے حسی کا ذکر بھی کیا ہے۔

زکریا شاد کے سامنے شمع رکھی گئی۔ انہوں نے پر اثر اور پرسوز آواز میں غزل سنا کر سامعین کے دل لوٹ لیے اشعار ملاحظہ ہوں:

دنیا ہے کالی مٹی
چہرے پہ مل رہا ہوں
سن اے ہوا کے جھونکے
مشکل سے جل رہا ہوں ۱۸۸؎

غزل میں سہل ممتنع ہے۔ شاعر نے دنیا کی برائیوں اور آلائشوں کا ذکر دلفریب پیرائے میں کیا ہے۔

الطاف شاکر کے سامنے شمع رکھی گئی تو انھوں نے غزل سنائی۔ شعر ملاحظہ ہو:

دم بدم قدم بقدم وہ میرا ہمسفر رہا
وہ دوستوں میں میرے دشمنوں سے باخبر رہا ۱۸۹؎

دوستوں اور دشمنوں میں تضاد ہے۔ دم بدم اور قدم بقدم میں تجنیس زائد و ناقص ہے ان صنعتوں کے استعمال نے شعر کو خوبصورت بنا دیا ہے۔

محمد یامین کے سامنے شمع محفل رکھی گئی تو انہوں نے نظم ''سالگرہ'' سنائی نظم کا بند دیکھئے:

یاد نہیں کیا

بھرنے پرے بازار سے جب میں
خالی خالی لوٹ آیا تھا
اور اک مفت کا پھول
تیرے چمکتے ہاتھ پر رکھ کر ۱۹۰

خالی خالی میں تکرار ہے۔ شاعر نے چھوٹے بڑے مصرعوں میں جذبے اور احساس کو سمویا ہے اور اسی کا کمال ہے۔

محمد اکرم طاہر نے اپنے خاص لب و لہجے میں غزل سنائی اشعار درج ذیل ہیں:

کون سی منزل غم آئی؟ کہ چلتے چلتے
رک گیا قافلہ اشک رواں آنکھوں میں
تم انہیں اشک، فقط اشک سمجھ بیٹھے ہو
میں تو لایا تھا سجا کر دل و جان آنکھوں میں ۱۹۱

خوبصورت الفاظ اور مناسب بحروں کے انتخاب نے غزل کی تاثیر میں اضافہ کر دیا ہے۔ اکرم طاہر نے قارئین کو درد کے مشترک کے رشتے میں پرو دیا ہے۔ جو اجنبی انسانوں کو بھی ایک دوسرے کے قریب لے آتا ہے۔ چلتے چلتے میں تکرار ہے۔

آخر میں صدر محفل محمد اکرم طاہر کو خطاب کرنے کی دعوت دی گئی تو محمد اکرم طاہر نے تمام شعراء کی تخلیقی کاوشوں کو سراہتے ہوئے مزید محنت کرنے پر زور دیا۔ ان کے خطبے کے بعد یہ خوبصورت شام اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ ۱۹۲

"ارمغان ادب"، کوٹلی کے ماہانہ مشاعرے کی روئیداد:

"ارمغان ادب" کوٹلی کے چوتھے ماہانہ مشاعرے کا انعقاد ۲۲ نومبر ۱۹۹۰ء کو منعقد کیا گیا۔ مشاعرہ کونسل ہال کوٹلی میں منعقد کیا گیا۔ مشاعرے میں صدارت کے لیے محمد افضل صابری کو مدعو کیا گیا۔

پروگرام درج ذیل تھا:

ماہانہ روئیداد	:	سیکرٹری (منصور راٹھور)
صدارت	:	محمد افضل صابری
شرکائے مشاعرہ	:	محمد افضل صابری، محمد خالد کاشمیری، سلیم عادل، الطاف شاکر، محمد سلیم ملک، وقار ساحر، دانش بشیر بیگ، جاوید اقبال شاہین، جبار سیٹھی، شازب صدیقی اور زکریا شاد

مشاعرے کا آغاز رات ۹ بجے کیا گیا۔ تلاوت کلام الٰہی اور نعت رسول مقبول ﷺ کے بعد منصور راٹھور نے تمام شعراء کو سٹیج پر تشریف لانے کی درخواست کی۔ سب سے پہلے مائیک بزرگ شاعر محمد خالد کاشمیری کے سامنے رکھا گیا۔ انہوں نے "نئی نظم" کے عنوان سے نظم سنائی:

اب حرص و ہوس کو چھوڑ میاں
تو اللہ سے رشتہ جوڑ میاں
حرص و حسد اور فخر کے بت
ان سب کو اب توڑ میاں ۱۹۳

خالد کاشمیری نے نظیر اکبر آبادی کا تتبع کرتے ہوئے انہی کے انداز میں اخلاقی اور عوامی شاعری کی ہے نظم کا انداز بیان سادہ ہے اور الفاظ عام فہم ہیں۔

منصور راٹھور نے ترنم کے ساتھ غزل سنانا شروع کی تو ساری محفل پر سکوت طاری ہو گیا۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

ظلم سہتے ہی رہیں اور شکایت نہ کریں
کیسے ممکن ہے اندھیروں سے عداوت نہ کریں
لب سلے ہاتھ باندھے جسم لہو رنگ ہوا
اس پر سرکار یہ کہتے ہیں بغاوت نہ کریں ۱۹۴

کشمیر کے حالات کی منظر کشی کی ہے شاعر کشمیر میں بھارتی ظلم و ستم کی شکایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بھارتی چاہتے ہیں کہ ہم ظلم و ستم کرتے رہیں۔ مگر کشمیری اف بھی نہ کہیں انہوں نے ہندوستانی سامراج کی نفسیات کی بہترین عکاسی کی ہے۔

سلیم عادل کے سامنے مائیک لایا گیا تو انہوں نے آزاد نظم ''پیلی دھوپ'' سنا کر خوب داد و تحسین پائی ایک بند ملاحظہ ہو:

گھنے درختوں کا
سیاہ بن ہو جیسے
گھر میں رہتی یادوں کا
اپنا پن ہو جیسے
کچے منڈھیر پر
کچھ دھوپ آن بیٹھی ہے ۱۹۵

چھوٹے بڑے مصرعوں میں مدہم اور دھیمی لے اور موسیقیت موجود ہے جو آزاد نظم کا وصف ہے۔

الطاف شاکر نے غزل سنائی ان کی غزل سن کر ہر طرف سے مکرر مکرر کی آوازیں بلند ہونے لگیں تو انہوں نے غزل دوبارہ سنا کر سامعین سے خوب داد حاصل کی نمونہ کلام:

مشکل کے وقت سارے بکھر گئے ادھر ادھر
اپنا ہی نام دار پر لکھا ہوا لگے ۱۹۶

ادھر ادھر میں تضاد ہے۔ شعر میں تاثیر کی چاشنی ہے اور اس میں بتایا گیا ہے کہ مشکل وقت میں کوئی کام نہیں آتا۔

محمد سلیم ملک نے نظم سنائی نظم کا عنوان تھا ''کوٹلی'' نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

کوٹلی کشمیر کی ہے اک حسین وادی کا نام
میرے خوابوں کی ہے رانی ذکر اس کا صبح و شام
کوہ کے دامن میں پھیلی حسن کی دیوی ہے یہ
اس کے چشموں کی بہاریں اس کے دریا کا خرام ۱۹۷

شاعر نے کوٹلی کے حسن کی مصوری اس طرح سے کی ہے کہ پڑھنے والے کے چشم تصور کے سامنے اس کی فطری دلکشی نمایاں ہو جاتی ہے صبح اور شام میں تضاد ہے۔

وقار ساحر کے سامنے مائیک آیا تو انہوں نے غزل سنائی غزل کا شعر ملاحظہ ہو:

اس کی گلی سے دور گیا تو پتہ چلا
گاؤں کے لوگ شہر کو بھائے نہیں جاتے ۱۹۸

گاؤں اور شہر میں تضاد ہے۔ وہ معاشرتی نظاموں کے درمیان پائی جانے والی خلیج کا ذکر کیا ہے۔

محمد دانش بشیر بیگ نو آموز شاعر ہیں انہوں نے آزاد نظم ''سوچتا ہوں'' پیش کی ایک بند ملاحظہ ہو:

سرد راتوں کی کڑی تنہائی میں
کوئی خواہش ۔۔۔۔کوئی سپنا
پاس میرے اب نہیں
سوچتا ہوں
اب میں جاناں
تم سے ملن کی آرزو کرنے لگوں
میں جستجو کرنے لگوں
دل مکان کر ڈالوں
سب سامان کر ڈالوں ۱۹۹

شاعر نے زندگی کے گہرے اثرات قبول کر کے ان پر ردعمل کا اظہار کیا ہے۔
جاوید اقبال شاہین نے غزل سنا کر سب کو اپنی شاعرانہ صلاحیت سے متاثر کر دیا۔ غزل کے چند اشعار بطور مثال درج ذیل ہیں:

حساب اپنے عمل کا تمہیں بھی دینا ہے
کہ کھینچ لی ہے غریبوں کی تم نے کھال بہت
اک انقلاب کی آمد کا منتظر ہے وطن
کہ بٹ چکی ہے یہاں جوتیوں میں دال بہت ۲۰۰

شعر میں کھال کھنچنا اور جوتیوں میں دال بٹنا صنعت ایرادالمثل ہے۔ وطن کے غریب طبقے کے استحصال پر اظہار افسوس کیا ہے۔
جبار سیٹھی کی باری آئی تو انہوں نے غزل سنائی اشعار یہ ہیں:

وہ جس کا نصیب ہے اسی کو ملے
یہ کب کہا میں نے مجھی کو ملے
یہ احباب و بزم یہ مہتاب و غم
اپنا کیا ہے سب آپ ہی کو ملے ۲۰۱

غزل میں روایتی انداز موجود ہے۔ غزل کے انداز بیان میں شگفتگی اور تازگی ہے۔
جبار سیٹھی کے بعد شازب صدیقی نے ''تو میری نہیں'' کے عنوان سے آزاد نظم سنائی نمونہ کلام:

جب میں نے
سمندر کے ساحل پہ
انگلی کو قلم بنائے
محبت سے تیرا نام لکھا
اور سمندر کی تیز لہروں نے
نفرت سے اسے مٹا ڈالا
تو میں سمجھ گیا
تو میری نہیں ۲۰۲

محبت کے پر خلوص جذبے کا ذکر وارفتگی سے کیا ہے اور بتایا ہے کہ چاہنے والے کو اس کی چاہت نہیں ملتی۔
زکریا شاد کی باری آئی تو انہوں نے اپنے مخصوص لب و لہجے میں غزل سنا کر سب کو مسحور کر دیا غزل کا شعر

درج ذیل ہے:

پڑھتے پڑھتے سوکھ گئے ہیں میرے لب
شاد غزل کیا میں نے لکھی بارش میں ۲۰۳

شاعر نے غزل کے مقطع میں شاعرانہ تعلّی سے کام لیا ہے پڑھتے پڑھتے میں تکرار بھی ہے۔

آخر میں صدر مشاعرہ محمد افضل صابری کو دعوت دی گئی وہ اپنا کلام سنائیں ان کی غزل کے اشعار درج ذیل ہیں:

کھیتیاں ہند کی بیچ کشمیر کے
کھیل کتنے نرالے ہیں تقدیر کے
سر کٹیں گے یہاں اور کٹیں گے وہاں
امتحان یہ غلامی کی زنجیر کے ۲۰۴

یہاں اور وہاں میں تضاد ہے۔ غزل میں جو حزنیہ لے ہے۔ وہ کشمیر کے موجودہ حالات اور شاعر کی باطنی کیفیت کی پروردہ ہے۔

محمد افضل صابری نے غزل سنانے کے بعد مشاعرے کے خاتمے کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ کوٹلی میں ادبی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لیے مشاعروں کے انعقاد میں باقاعدگی پیدا کرنا ضروری ہے۔ ان کے مختصر خطاب کے بعد مشاعرہ ختم ہوگیا۔ ۲۰۵

’’مجلس تحقیق و تصنیف‘‘، کوٹلی کے پندرہ روزہ مشاعرے کی روئیداد:

’’مجلس تحقیق و تصنیف‘‘ نے یکم اکتوبر ۲۰۰۴ء کا کونسل ہال کوٹلی میں پندرہ روزہ نشست میں مشاعرے کا اہتمام کیا پروگرام کی ترتیب یہ تھی:

سیکرٹری	:	الطاف شاکر
صدارت	:	محمد افضل صابری
اسمائے شعراء	:	خالد کاشمیری، امجد مہناس، وحید ناز قادری، شہزاد راٹھور، وقار ساحر، نعیم ساغر، ضیاقت چوہدری، شازب صدیقی، اور زکریا شاد

رات ۸:۳۰ بجے کونسل ہال کوٹلی میں تلاوت کلام قرآن سے مشاعرے کا آغاز کیا گیا۔ سب سے پہلے بزرگ شاعر خالد کاشمیری کو نبی ﷺ کے حضور گلہائے عقیدت پیش کرنے کی دعوت دی گئی خالد کاشمیری نے نعت مترنم آواز میں گا کر سنائی نعت کے بعد خالد کاشمیری نے اپنا کلام سنایا نمونہ کلام:

ہمدردی و انسانیت ہیں مٹ چکے
باقی نہ رہا خالد و طارق کا جلال
آج کس سے فریاد کریں ہم
اہل اسلام ہیں کیوں رو بہ زوال ۲۰۶

خالد و طارق میں تلمیح ہے۔ غزل میں حزنیہ لے ہے جو پڑھنے والے کے دل پر اثر کرتی ہے۔

امجد مہناس کو دعوت سخن دی گئی تو انہوں نے آزاد نظم سنائی نظم کے کچھ اشعار درج ذیل ہیں:

جب سے بچھڑ گئے ہو جاناں
کچھ ایسے انداز سے جیون

بیت رہا ہے
سونی ہو گئیں ساری گلیاں
سونے ہو گئے
سارے رستے
اجڑ گئے ۲۰۷ے

امجد کو جذبے کی مدوجزر کو چھوٹے بڑے مصرعوں میں سمونے کا سلیقہ آتا ہے۔
وحید ناز قادری نے غزل سنائی اشعار درج ذیل ہیں:

پیار کرتا ہوں اس سے چاہے ہو جائے میری رسوائی
یاد آکر تڑپا جاتا ہے وہ میرا ہرجائی
کہا تھا اس نے میں نے زندگی اپنی تیرے نام کی
مگر اب اس نے کر دی ناز سے بے وفائی ۲۰۸ے

روایتی غزل کے عاشق کی طرح محبوب سے شکوہ و شکایت کا انداز نمایاں ہے۔
ظاؔفر گیلانی کو دعوت دی گئی تو انہوں نے غزل سنائی غزل کے ان اشعار کو سب نے بہت سراہا:

میں کب کہتا ہوں میرے شعر سے پہچانئے مجھ کو
جو آئے آپ کے جی میں وہی گردانئے مجھ کو
میں کروں گا وہاں بھی بزم فکر و فلسفہ قائم
قیامت میں اگر فرصت ملی چند ثانیے مجھ کو ۲۰۹ے

قافیہ میں جدت اور دلکشی ہے ظاؔفر نے غزل میں حسرت موہانی کا سا لب ولہجہ اختیار کیا ہے۔
شہزادی عظمیٰ کو دعوت سخن ملی تو ان کی غزل کے اس شعر کو سب نے پسند کیا:

سنا ہے آئینہ سچائی کی علامت ہے
اب آگئے ہیں ذرا بن سنور کے دیکھتے ہیں ۲۱۰ے

احمد فراؔز کی غزل کی زمین جس کی مصرع ہے۔

ع سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں

سے استفادہ کیا ہے۔
شاعر نے اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہا انسان اپنی اصلیت کو لاکھ چھپانے کی کوشش کرے لیکن یہ دنیا آئینہ خانہ ہے۔ اس میں جلد ہی ہر شخص کی اصلیت ظاہر ہو جاتی ہے۔
شہزاد راٹھور کو دعوت سخن دی گئی تو انہوں نے آزاد نظم "کب سے تم سے پیار کیا ہے" سنائی ایک بند ملاحظہ ہو:

جب کالج کی دیوار کے آگے
پہروں کھڑے رہا کرتے تھے
تب سے تم سے پیار کیا ہے
جب شہر کی تنگ سی گلیوں میں

تم کو ڈھونڈتے رہتے تھے
تب سے تم سے پیار کیا ہے ۲۱۱

عام بیانیہ انداز بیان ہے۔ جس میں ایک نوجوان کے عشقیہ جذبات کی عکاسی کی ہے جن میں شدت تو ہوئی ہے مگر پختگی نہیں۔

وقار ساحر کو دعوت دی گئی۔ انہوں نے جو غزل سنائی اس کے اشعار یہ ہیں:

میرے جینے کے لیے اتنا ہی کافی ہوگا
جب کبھی سامنے آؤں تو مسکرا دینا
تیری یہ بات بھی اچھی لگی سے ساحر کو
خط پڑھنا، چوما کرنا اور جلا دینا ۲۱۲

ایک عاشق صادق کی پکار سنائی دیتی ہے۔ جس کے لیے محبوب کی مسکراہٹ ہی سب کچھ ہے۔

نعیم ساغر نے جو غزل سنائی۔ اس کے ان دوشعروں کو بہت پسند کیا گیا۔ ملاحظہ ہوں:

یہ کیسا جینا ہے کہ گھبرا کے جی رہا ہوں
دل میں کئی دکھ بسا کے جی رہا ہوں
کانپ اٹھتا ہوں میرا راز نہ پڑھ لے کوئی
زمانے کے ڈر سے مسکرا کے جی رہا ہوں ۲۱۳

موجودہ دور میں ہر انسان کا المیہ یہ ہے کہ وہ اہل دنیا کے ڈر سے گھٹ گھٹ کر جی رہا ہے۔ اس بات کا غزل میں برملا اظہار یہ بتاتا ہے کہ وہ سوچنے والا ذہن اور حساس دل رکھتے ہیں۔

ضیافت چوہدری کی غزل کے اس شعر کی سب نے بہت تعریف کی۔ شعر یہ ہے:

ستم بھی سہتے ہیں درد بھی سہنا ہے
زخم پہ نمک پھر چھڑکا یا نہیں کرتے ۲۱۴

شعر میں زخم پر نمک چھڑکنا صنعت ایراد المثل ہے غزل میں دکھی اور درد بھرا لہجہ ہے۔

شازب صدیقی نے آزاد نظم سنائی نظم کا ایک بند ملاحظہ ہو:

کہہ دو دل سے مجھ سے کہہ دو
دن کو سوچا کرنا تجھ کو
پہلے پہلے میرے سپنے
پوچھو مجھ سے اپنی باتیں
سورج چمکا سورج ڈوبا
بھولا بھٹکا تیرا راہی ۲۱۵

نظم میں فراق اور جدائی کی کیفیت کا اظہار بڑی چابک دستی اور فنکارانہ مہارت کے ساتھ کیا ہے۔

ذکریا شاد کو دعوت دی گئی انہوں نے غزل سنا کر سب کو واہ واہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ ان کی غزل کے اس شعر کو سب نے سراہا:

یہ عجب شہر ہے کیا قہر ہے اے دل میرے
سوچتا کوئی نہیں خواب طرب سے آگے ۲۱۶

خواب طرب خوبصورت ترکیب ہے۔ غزل کا انداز خطیبانہ ہے اور اس شعر میں دل کو مخاطب کرنے کا انداز دلکش ہے۔ شاعر نے دل کو مخاطب کر کے زندگی کی تلخ حقیقت کو اجاگر کیا ہے۔

الطاف شاکر نے اپنی غزل سنائی۔ غزل کے مقطع کی سب نے بہت تعریف کی غزل کا مقطع درج ذیل ہے:

مجھے زیادہ کی طلب نہیں عنایت اس کی ہے
میں سدا شاکر مگر اپنی قسمت پر رہا ۲۱۷

شاکر نے مومن کی طرح اپنے تخلص کا بامعنی استعمال کیا ہے۔

آخر میں محمد افضل صابری کو دعوت سخن دی گئی۔ انہوں نے غزل سنائی غزل کا ایک ایک لفظ سننے والے کو اپنے دل میں اترتا محسوس ہو رہا تھا۔ غزل کے اشعار درج ذیل ہیں:

اندھے سے تنویر نہ مانگ
ماتھے سے تقدیر نہ مانگ
بڑھ کر چھین لے حق اپنا
غاصب سے کشمیر نہ مانگ
اپنی عزت آپ بنا
اوروں سے توقیر نہ مانگ ۲۱۸

غزل کے ردیف اور قافیہ میں ترنم ہے۔ غزل پڑھنے والے کے اندر جوش و ولولہ پیدا کر دیتی ہے۔ آزادی وطن اور حب الوطنی کے جذبہ کی لہر شعروں میں رواں دواں ہے۔

آخر میں افضل صابری نے تمام شرکائے محفل کا شکریہ ادا کیا اور انہوں نے ساتھیوں سے درخواست کی کہ ادبی مجالس میں ضرور شرکت کیا کریں تاکہ کوٹلی ضلع کی سطح تک ادبی دھارے کو رواں دواں رکھنے میں کامیابی حاصل ہو سکے۔ ۲۱۹

''مجلس تحقیق و تصنیف'' کوٹلی کی پندرہ روزہ نشست کی روئیداد:

''مجلس تحقیق و تصنیف'' نے ۲ مارچ ۲۰۰۵ء کو کونسل ہال کوٹلی میں پندرہ روزہ نشست کا اہتمام کیا اور فیصلہ کیا گیا کہ اس مرتبہ انجمن کے زیر اہتمام تنقیدی نشست کا انعقاد کیا جائے گا۔ پروگرام کی تفصیل حسب ذیل تھی:

صدارت	:	زاہد بیگ
جنرل سیکرٹری	:	الطاف شاکر
شرکائے محفل	:	ظافر گیلانی، (سید ساجد الرب)، بشیر بیگ، جاوید اقبال شاہین، اور زکریا شاد
ادبی نشست	:	تنقید (نظم)
عنوان	:	شہید کشمیر حضرت مقبول بٹ

شام ۵ بجے تمام اراکین انجمن کونسل ہال میں جمع ہوگئے۔ اجلاس کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا گیا۔ خالد کاشمیری نے نبی کریم ﷺ کے حضور ہدیہ عقیدت پیش کیا۔ نعت رسول مقبول ﷺ کے بعد الطاف شاکر نے محمد افضل صابری کو دعوت دی کہ وہ آئیں اور اپنی نظم پیش کریں۔ محمد افضل صابری نے نظم ''شہید کشمیر حضرت مقبول بٹ'' سنائی نظم ملاحظہ ہو:

آسمان انگشت بہ دنداں فضا حیران تھی
ایک دیوانے کی جرات پر صبا حیران تھی
شانِ استغنا سے مقتل کی طرف بڑھنا ترا
ترے جذبوں کی صداقت پر قضا حیران تھی
پھر حسینؓ ابن علیؓ کی رسم پوری ہو گئی
اے زمین ہند! ارضِ کربلا حیران تھی
کوئی جاسکتا ہے جیسے سوئے مقتل تو گیا
دار بھی حیران قاتل کی ادا حیران تھی
دل میں اطمینان آنکھوں میں سرور سرخوشی
دیکھ کر منصف کی تحریری سزا حیران تھی
زمزمۂ کلمہ توحید لب پر مرحبا!
کائنات بزم گیتی مرحبا حیران تھی
وقت رخصت کوئی پچھتاوا پشیمانی نہ تھی
تیرے چہرے پر تقدس کی ضیا حیران تھی
ایسی سج دھج سے کوئی مقتل کی جانب کب گیا
اے میرے مقبول تیری خاکِ پا حیران تھی ۲۲۰

افضل صابری نظم سنا چکے تو الطاف شاکر نے شرکائے محفل سے درخواست کی کہ وہ نظم کی فنی و معنی خوبیوں پر باری باری اظہار خیال کریں۔

سب سے پہلے ظافر گیلانی نے کہا کہ نظم کے پہلے شعر کے پہلے مصرع میں صنعت ایرادالمثل کے استعمال نے شعر کے حسن کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔

بشیر بیگ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا کہ تیسرے شعر میں تلمیحات کا استعمال کیا گیا ہے۔ ان تلمیحات کے ذریعے افضل صابری نے اسلامی تاریخ کی عظیم قربانی کی یاد ہمارے دلوں میں تازہ کر دی ہے۔

جاوید اقبال شاہین نے کہا مقبول بٹ کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے کئی لوگوں نے نظمیں لکھی ہیں لیکن ان سب نظموں کی نسبت اس نظم کا معیار بلند ہے کیونکہ شاعر نے مقبول بٹ کی دلیری، بہادری، اور بے خوفی کا موثر پیرائے میں ذکر کیا ہے۔

زکریا شاد نے کہا محمد افضل صابری نے زمزمۂ کلمہ توحید اور کائنات بزم گیتی کی تراکیب استعمال کی ہیں۔ یہ تراکیب منفرد اور اچھوتی ہیں۔ ان کا استعمال شاعر کے وسیع مطالعہ اور قادر الکلامی کا ثبوت ہے۔

ظافر گیلانی نے دوبارہ گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ مقبول بٹ اردو ادب میں تحریک آزادی کشمیر کا ایک معتبر حوالہ ہے جس کا شاعری میں استعمال وطن کی خاطر قربانی دینے کی علامت ہے۔

جاوید اقبال شاہین نے کہا کہ نظم میں روانی اور ترنم ہے خوبصورت ردیف قافیہ نے نظم کو نغمگی عطا کی ہے جس کے لیے میں افضل صابری کو داد دیتا ہوں۔

الطاف شاکر نے بھی حصہ لیتے ہوئے کہا کہ نظم شاعر کے خلوص اور سچے جذبات کی عکاس ہے۔ انہوں نے کہا کہ الفاظ کا استعمال نظم کے موضوع کے مطابق ہے۔ اس سے ادبی استحسان اور لطف اندوزی حاصل ہوتی ہے۔

ظفر گیلانی نے کہا کہ غزل کے ردیف قافیہ "حیران تھی" کے تکرار نے غزل کو معنوی گہرائی عطا کی ہے۔
۲ بجے کے قریب یہ تنقیدی نشست اختتام پذیر ہوئی۔ مگر اس عہد کے ساتھ کہ آئندہ بھی تنقیدی نشستوں کا اہتمام کیا جائے گا۔ کیونکہ اس ذریعے سے تخلیق کار کو اپنی تخلیق کی خوبیوں اور خامیوں سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ ۲۲۱

"بزم ادب"، مظفر آباد کے زیر اہتمام یوم حسرت کی تقریب کی روئیداد:

۲۲ جون ۱۹۵۸ء کو چراغ حسن حسرت کی تیسری برسی کے موقع پر عقیدت مندوں نے ان کی یاد میں تقریب منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ تقریب دو نشستوں پر مشتمل تھی۔ ایک نشست مقالات کے لیے وقف تھی دوسری نشست رات کو مشاعرہ کے لیے مختص تھی۔ چنانچہ ۹ بجے کے قریب سردار محمد ابراہیم خان (صدر آزاد کشمیر) تشریف لائے۔ انہوں نے تقریب کی صدارت کی تلاوت کلام پاک کے بعد بزم ادب کے کنوینیر یعقوب ہاشمی نے مولانا چراغ حسن حسرت کے بارے میں مختصر تقریر کی۔ انہوں نے حسرت کو ہندوستان کے مطلع ادب وعلم کا مہر درخشاں قرار دیا۔
یعقوب ہاشمی کی تقریر کے بعد سردار محمد ابراہیم خان نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ حسرت ادب اور صحافت میں بلند مقام رکھتے ہیں اور ان کی تحریریں بذاتِ خود ایک تحریک کا درجہ رکھتی ہیں۔ سردار ابراہیم کی تقریر کے بعد سید ضمیر جعفری کو دعوت دی گئی کہ وہ آئیں اور حسرت کو منظوم خراج تحسین پیش کریں۔
چنانچہ سید ضمیر جعفری نے حسرت کا نوحہ سنایا جسے سن کر ہر آنکھ ترنم ہوگئی:

بوئے گل سو گئی سوز فن سو گیا
تو جو سویا دل انجمن سو گیا
کتنے خوابوں کے دامن تہی رہ گئے
کتنے پھولوں کو لے کر چمن سو گیا
سالک و مہر کا ہم زباں چل بسا
خسرو تاثیر کا ہم سخن سو گیا
قہر نے رنگ کی جھولیاں لوٹ لیں
ایک جنگل میں جا کر چمن سو گیا
مرگ حسرت ہے مرگِ روایات فن
تیرے سوتے ہی صدیوں کا فن سو گیا ۲۲۲

نوحہ میں سوز ہے شاعر نے دل کی گہرائیوں سے حسرت کو یاد کیا ہے۔ اس نوحہ کے بعد مقالہ کی نشست کا آغاز کیا گیا اور مولانا صلاح الدین کو دعوت دی گئی کہ وہ اپنا مقالہ "طبع روانِ حسرت" پیش کریں۔
مولانا صلاح الدین نے مقالہ پڑھنا شروع کیا ان کا مقالہ علم و ادب کے موتیوں کا مجموعہ تھا۔ اس پر ان کی ادائیگی نے مقالے کے حسن کو دوبالا کر دیا۔ حاضرین نے اسے بڑے انہماک سے سنا۔ انھوں نے کہا:

"چند روز ہوئے جب مجھ سے ارشاد کیا گیا کہ مجھے آج اس یادگار اور یاد افروز جلسے میں اپنی کچھ ہفوات ضرور پیش کرنی ہوں گی تو مجھے معاً خیال آیا کہ ازرہ امتثال امر اس دریائے معانی میں فی الفور غوطہ زن ہو جاؤں جسے حسرت کی طبع رواں نے مطائبات اور نکاہات اور ارشادات اور حرف و حکایت کی گونا گوں صورتوں میں جولانی ابد عطا کی۔۔۔ ۱۹۳۷ء کے اوائل میں "شیرازہ" منظر عام پر آیا تو

پنجاب کی مجلسی اور ثقافتی زندگی میں ایک برقی لہر سی دوڑ
گئی۔۔۔ جب شیرازہ نکلا تو خاص و عام نے اسے ہاتھوں
ہاتھ لیا اور جمعہ کی صبح سے لے کر اتوار کی شام تک اہل ذوق
کی ہر مجلس اسی کے ذکر سے معمور اور اسی کے لطائف سے
مسرور رہنے لگی۔" ۲۲۳

انہوں نے حسرت کی ادبی اور صحافتی زندگی کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا۔ پہلا دور جب وہ کلکتے میں رہے۔ دوسرا دور جب انھوں نے لاہور سے زمیندار اور احسان جاری کیے۔ تیسرا دور ان کی ہفت روزہ صحافت کا زمانہ تھا۔ چوتھا دور وہ ہے جب انہوں نے اعلیٰ سطح کی اخبار نویسی بلکہ اخبار آفرینی کے تجربے کیے۔ جبکہ پانچواں دور امروز کی ادارت سے شروع ہو کر نوائے وقت کی کالم نگاری پر ختم ہوتا ہے۔ انہوں نے حسرت کی ظرافت کے حوالے سے کہا کہ وہ سیاست کی نسبت ادب کی طرف زیادہ مائل تھے کیا بہ اعتبار معانی اور کیا بلحاظ زبان ان کی نگارشات میں خالص ظرافت زیادہ اور طنز کم ہوتا تھا۔ ان کی ظرافت کی بنیاد ان کی وسیع معلومات پر قائم تھی اسی لیے انہوں نے علم کی سنگلاخ چٹانوں سے ظرافت کے چشمے بہائے وہ فحش اور ابتذال سے قطعاً بری تھے۔ طنز نگاری میں جب ایسا موقع آتا وہ طرح دے جاتے۔ حسرت کا شاہکار ان کی وہ تلمیحات و اشارات ہیں جنھیں اس نے ایک جال کی طرح اپنے مضامین میں بنا ہے۔

وہ بلبل ہزار داستان آج ہم میں نہیں ہے لیکن وہ اپنے صحیفوں اور کتابوں کی بدولت ہمیشہ ہمارے درمیان زندہ رہے گا۔

مولانا صلاح الدین کے بعد کپتان شیخ نبی بخش نظامی نے حسرت کی ابتدائی زندگی پر مقالہ پڑھا اور مقبول انور داؤدی نے بھولی بسری یادوں کے متعلق کچھ واقعات سنائے۔ یعقوب ہاشمی نے حسرت کا مقام بحیثیت شاعر بیان کیا آخر میں حفیظ جالندھری نے نظم سنائی۔ نظم کے بعد مقالات کی نشست اختتام پذیر ہوگئی۔ ۲۲۴

"یوم حسرت" کے سلسلے میں منعقد ہونے والے مشاعرے کی روئیداد:

۹ بجے رات کو مشاعرے کا انعقاد کیا گیا جس میں کشمیر اور پاکستان کے جن شعراء نے حصہ لیا ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

حفیظ جالندھری، ضمیر جعفری، الطاف قریشی، قمر جلالوی، سجاد کشور لدھانوی، حنیف صابری، شاد امرتسری، محمد سعید، حبیب کیفوی، نذیر احمد شیخ، ظریف جبل پوری، طفیل ہوشیار پوری، راز مراد آبادی، ادیب سہارنپوری، حبیب جالب، یوسف ظفر، ساحر صدیقی، سید محمد جعفری اور پروفیسر منظور شور نے سب سے پہلے الطاف قریشی کو دعوت سخن دی گئی انہوں نے نظم سنائی ملاحظہ ہو:

اس پار ہے بزم شعر ادب
اور داد سخن بھی ملتی ہے
گلہائے تصور جاگتے ہیں
زنجیر تغزل ہلتی ہے ۲۲۵

نظم مخمس میں لکھی گئی ہے محفل طرب میں بھی شاعر کو کشمیر کے مقبوضہ خطہ کا درد ستا رہا ہے۔
سجاد کشور لدھیانوی نے غزل سنائی نمونہ کلام:

پھر نہ اٹھیں گے روز محشر تک
اب جو سوئیں گے تیرے دیوانے
رکھ کے بالائے طاق حسن خلوص
لوگ ملتے ہیں جانے پہچانے ۲۲۶

شاعر کہتا ہے کہ مرنے کے بعد انسان دنیا میں واپس نہیں آتا وہاں سے وہ قیامت کے دن ہی اٹھتا ہے۔

سید ضمیر جعفری نے جو نظم سنائی اس کے اشعار درج ذیل ہیں:

پتلی گردن، پتلے ابرو، پتلے لب، پتلی کمر
کتنا بیمار آدمی کتنا طرح دار آدمی
عمر بھر صحرا نوردی کی مگر شادی نہ کی
قیس دیوانہ بھی تھا کتنا سمجھ دار آدمی ۲۲۷

قیس میں تلمیح ہے۔ موجودہ دور کے فضول فیشن پر طنز کی ہے جس میں آدمی کمزور ہو کر اپنے آپ کو حسین سمجھتا ہے اور کچھ تو عمر بھر شادی نہیں کرتے ہیں۔ شادی وبال جان ہے۔

حنیف صابری نے غزل سنائی شعر دیکھئے:

اے جنوں چل تو سہی کوچہ جاناں کی طرف
جینا دشوار سہی مرنا تو آسان ہو گا ۲۲۸

دشوار اور آسان میں تضاد ہے۔ غزل میں جنون عشق میں کوچہ جاناں میں جا کر جان دینے کی تمنا کا اظہار ہے۔

شاد امرتسری کی غزل کا شعر ملاحظہ ہو:

دل میں کیا کیا تصویریں ابھریں ڈوبیں
محفل میں جب تیری چھب کی بات چلی ۲۲۹

کیا کیا میں تکرار ہے ابھریں ڈوبیں میں تضاد ہے۔ تکرار اور متضاد الفاظ کی بدولت غزل میں موسیقیت پیدا ہو گئی ہے۔ شاعر نے حسن محبوب کو لاثانی قرار دیا ہے۔

محمد سعید کا انداز غزل ملاحظہ ہو:

حسن والوں نے وہ انداز نظر پایا ہے
گر یہ چاہیں تو خدا بن جائیں ۲۳۰

محبوب کے غرور حسن سے شاعر عاجز آیا ہوا ہے اس نے اس کے انداز پر طنز کی ہے۔

حبیب کیفوی کو دعوت سخن ملی تو انہوں نے غزل سنائی نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

جنوں کا قافلہ کوئی رواں ہوا کہ نہیں
خضرؑ سے پوچھ رہی ہیں یہ موج ہائے ولر ۲۳۱

خضرؑ میں تلمیح ہے جبکہ ولر کشمیر کی روایتی علامت ہے۔ شاعر اس بات پر دل گرفتہ ہے کہ ہم کشمیر کی آزادی کے لیے کچھ نہیں کر رہے ہیں۔

نذیر احمد شیخ نے مزاحیہ غزل سنائی جب وہ غزل سرا ہوئے تو ہر طرف سے واہ واہ کی آوازیں سنائی دینے لگیں انہوں نے چھ اشعار کی غزل سنائی اشعار دیکھئے:

گول ہوتا نہ تھا ہر چند پلوسا تھپکا
اور کھلتا گیا جتنا اسے کس کے باندھا
ایک رسی شب ہجراں سے بھی لانبی آئی
فیل کے گرد اڑن سانپ نے چکر باندھا ۲۳۲ء

مختلف الفاظ کے استعمال سے مزاح پیدا کیا ہے۔

ظریف جبل پوری نے غزل پیش کی ان کی غزل کے ان اشعار کو سب نے بہت پسند کیا:

جھوٹے عاشق جو ہیں وہ آہ بکا کرتے ہیں
ہم شب ہجر میں اخبار پڑھا کرتے ہیں
تنگ آ کر تیرے نخروں سے تیرے غمزوں سے
اپنے بدلے تیرے مرنے کی دعا کرتے ہیں ۲۳۳ء

مزاحیہ انداز میں موجود دور کے عشاق کی حالت بیان کی ہے کہ اب وہ پرانے عاشقوں کی طرح شب ہجر میں آہ بکا نہیں کرتے بلکہ اخبار پڑھ کر وقت گزارتے ہیں وہ اب محبوب کے نخروں اور غمزوں سے خود گھائل نہیں ہوتے بلکہ خدا سے محبوب کے مرنے کی دعا کرتے ہیں کہ وہ مرے اور ہماری جان چھوٹے۔

طفیل ہوشیار پوری کی نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اے قوم کی بگڑی ہوئی قسمت کے خداؤ
مجھ سے سر محفل ذرا نظریں تو ملاؤ
رخ پھر نہ سکا گردش تقدیر کا اب تک
حل ہو نہ سکا مسئلہ کشمیر اب تک ۲۳۴ء

خطیبانہ انداز میں وہ موجودہ دور کے سیاستدانوں سے پوچھ رہے ہیں کہ انہوں نے اب تک مسئلہ کشمیر کو حل کیوں نہ کرایا۔

راز مرادآبادی کی غزل کے ان اشعار کو سب نے پسند کیا:

اسی کو سارے زمانے نے داستان سمجھا
وہ ایک بات کہ آغاز داستان بھی نہیں
طواف کعبہ کیا بت کدہ بھی دیکھ آئے
سکونِ قلب یہاں بھی نہیں وہاں بھی نہیں ۲۳۵ء

یہاں وہاں اور کعبہ اور بت کدہ میں تضاد ہے۔ شاعر کہنا چاہتا ہے کہ:

ع سکون محال ہے قدرت کے کارخانے میں

ادیب سہارنپوری کا انداز غزل ملاحظہ ہو:

تری جیت ہے نہ میری، تیرے خواب تھے نہ میرے
نہ لٹی لٹی بہاریں یہ بجھے بجھے سویرے
نہ غموں کی آبرو ہے نہ بھرم مسرتوں کا
مجھے ایسی روشنی سے تو برے نہ تھے اندھیرے ۲۳۶ء

لٹی لٹی اور تجھے تجھے میں تکرار ہے اس تکرار کے باعث موسیقیت پیدا ہوتی ہے۔ تیرے اور میرے، روشنی اور اندھیرے، غموں اور مسرتوں میں تضاد ہے۔

حبیب جالبؔ غزل سرا ہوئے تو انہیں ان دو اشعار پر خوب داد ملی:

ایک ہمیں آوارہ کہنا کوئی بڑا الزام نہیں
دنیا والے دل والے کو اور بہت کچھ کہتے ہیں
جن کی خاطر شہر بھی چھوڑا جس کے لیے بدنام ہوئے
آج وہی ہم سے بیگانے بیگانے سے رہتے ہیں ۲۳۷

بیگانے بیگانے میں تکرار ہے محبوب کی بے وفائی کا ذکر کیا ہے۔

یوسف ظفرؔ کی غزل کے مطلع کو سب نے سراہا:

جب تیرے غم کو فروغ جسم و جاں سمجھا تھا میں
زندگی کو زندگی جاوداں سمجھا تھا میں ۲۳۸

زندگی جاوداں کی ترکیب نے شعر کو باوقعت بنا دیا ہے۔ شاعر غم محبوب کو زندگی کا حاصل سمجھتا ہے۔

ساغر صدیقیؔ کی غزل کے اشعار ملاحظہ ہوں جو انہوں نے مشاعرے میں پڑھے تھے:

اے ارض وطن تجھ سے جو منسوب نہ ہوں گے
ہم کو وہ ارادے کبھی محبوب نہ ہوں گے
خامے سے ٹپکتا ہے لہو بھی تو ہوا کیا
اب نقش جو ابھریں گے وہ معیوب نہ ہوں گے ۲۳۹

وطن کی محبت میں ڈوبی ہوئی غزل ہے۔

سید محمد جعفریؔ نظم سرا ہوئے تو ان اشعار کو سب نے پسند کیا:

یو۔ این۔ او کے پیٹ میں سارے جہاں کا درد ہے
وعدہ فردا پر ٹرخانے کے فن میں فرد ہے
کتنا اچھا فیصلہ کرتا رہا کشمیر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا ۲۴۰

غالب کے شعر پر تضمین لکھی ہے۔ یو۔ این۔ او کے بے عمل، ناکارہ اور بے اثر ہونے کا ذکر کیا ہے۔

قمر جلالویؔ نے غزل کا مطلع پڑھا تو مکرر مکرر کی آوزیں آنے لگیں ملاحظہ ہو:

بزم کی خاص خبر عام ہوئی جاتی ہے
خامشی باعث الزام ہوئی جاتی ہے ۲۴۱

اس غزل کا دوسرا شعر ملاحظہ ہو:

لاش پروانے کی آگے سے ہٹا دے کوئی
شمع معصوم ہے بدنام ہوئی جاتی ہے ۲۴۲

غزل میں روانی اور ترنم ہے شعر میں شمع اور پروانے کی روایتی محبت کا ذکر ہے۔

پروفیسر منظور حسین شورؔ کا کلام ملاحظہ ہو:

ضمیروں کی تجارت ہے نگاہیں مول بکتی ہیں
عبا و جبہ و دستار ارزاں ہے جہاں میں ہوں
تکلم میں تبسم میں سلاموں میں پیاموں میں
شرافت کے ہزاروں زخم عریاں ہیں جہاں میں ہوں ۲۴۳

شاعر نے افسوس کیا ہے کہ ہر شخص ضمیر فروش ہے خواہ وہ عالم دین ہو یا محبوب ہو۔

آخر میں ابوالاثر حفیظ جالندھری نے غزل سنائی اشعار ملاحظہ ہوں:

سنسٹ آئے ہیں گھر میں ویرانے
تو کدھر جا رہا ہے دیوانے
دوستی اب گلے کا ہار نہیں
تار ٹوٹا بکھر گئے دانے
ساقیا یہ روا روی کا ہے دور
بھر دے بھر دے کچھ اور پیمانے ۲۴۴

گلے کا ہار میں صنعت ایرادالمثل ہے۔ بھر دے بھر دے میں تکرار ہے جو بات پر زور دینے کے لیے استعمال کیا ہے ردیف مترنم ہے۔

سامعین کے اصرار پر انہوں نے ایک اور غزل بھی سنائی جس کا مطلع ہے:

اب تو کچھ اور بھی اندھیرا ہے
یہ میری رات کا سویرا ہے ۲۴۵

اندھیرا اور سویرا میں تضاد ہے غزل سہل ممتنع کی بہترین مثال ہے الفاظ عام فہم ہیں مگر شاعر نے الفاظ کی دروبست سے اس میں موسیقیت اور اثر پیدا کیا ہے۔

یہ خوبصورت محفل رات ۳ بجے اختتام پذیر ہوئی مگر حسرتؔ کے عقیدت مندوں کے ذہنوں سے اس کی یاد کبھی محو نہ ہو سکے گی۔ ۲۴۶

"حلقہ ارباب ذوق"، مظفرآباد کے سالانہ مشاعرے کی روئیداد:

جولائی ۱۹۵۴ء میں "حلقہ ارباب ذوق" مظفرآباد نے بوائز کالج گراؤنڈ مظفرآباد میں مشاعرے کا انعقاد کیا۔

مشاعرے کے پروگرام کی ترتیب یوں تھی:

صدارت	:	خواجہ غلام احمد پنڈت
معتمد	:	خواجہ محمد عثمان
شرکائے مشاعرہ	:	مقامی شاعر

رات ۸ بجے مشاعرے کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا اس کے بعد نعت رسول مقبول ﷺ پیش کی گئی معتمد انجمن خواجہ محمد عثمان نے سب سے پہلے شمع عبدالغنیؔ کے سامنے رکھتے ہوئے انہیں اپنا کلام سنانے کی دعوت دی۔ خواجہ عبدالغنیؔ غنی نے تحت الفاظ غزل سنائی:

ان کی غزل کے اشعار ملاحظہ ہوں:

اس بے وفا کی بات نہ یوں بے اثر گئی
یہ دل ہی جانتا ہے کہ کیا کام کر گئی

زلف سیاہ جب تیرے رخ پہ بکھر گئی
بس اتنا جانتا ہوں قیامت گزر گئی ۲۴۷

شاعر نے محبوب کی دلنشیں باتوں، زلف سیاہ اور رخِ رنگیں کی تعریف کی ہے۔

میر عبدالعزیز کی غزل نے سب کو واہ واہ کرنے پر مجبور کر دیا ملاحظہ ہو:

ملک گیری کے لیے جو بھی یہاں آئے گا
ہوگا اس کے لیے خود موت کا ساماں کشمیر
فیصلہ اس کا کرو امن کے دعوے دارو
ورنہ ہوگا نئی اک جنگ کا عنوان کشمیر ۲۴۸

شاعر نے بتایا کہ جو کشمیر پر غاصبانہ قبضہ کرنے کی کوشش کرے گا وہ تباہ ہوگا غزل کا جارحانہ انداز ہے۔

میاں اسحاق سوز نے غزل پڑھی تو ان کی غزل کے اس شعر کو سب نے پسند کیا:

فطرت قیس گامزان اب بھی ہے راہ عشق میں
وادئ نجد میں مگر لیلیٰ خوش ادا نہیں
ان کی نگاہ لطف سے ان کے کرم کے فیض سے
درد نہیں ملا ہے وہ جس کی دوا نہیں ۲۴۹

قیس، نجد و لیلیٰ میں تلمیح اور استعارہ بھی ہے درد اور دوا میں تضاد ہے۔

منور قریشی کو مدعو کیا گیا انہوں نے یہ غزل سنا کر سب کو مسحور کر دیا نمونہ کلام:

خاک میں کیوں کوئی ہیرے رولے؟
کیوں کوئی اس بزم میں بولے؟
عمر کی سیڑھی راہ عدم ہے
زیست کی گرہیں کوئی نہ کھولے ۲۵۰

پہلے شعر کا انداز سوالیہ ہے جبکہ شاعر نے دوسرے شعر میں زندگی کی آفاقی حقیقت موت کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے۔

بلبل کاشمیری کو دعوت سخن ملی تو انہوں نے ایک مزاحیہ قطعہ ''گارنٹی'' سنایا جسے سن کر سامعین بہت محظوظ ہوئے نمونہ کلام:

کہا گوری نے تم شادی کی گارنٹی مجھے دے دو
کہا گورے نے گارنٹی نہیں ہوتی ہے شادی کی
نہ جانے بلب یہ کب تک جلے ''فیوز'' اڑ جائے
مجھے بھولی نہیں یہ بات اب تک اپنی '' دادی '' کی ۲۵۱

بلبل نے قطعہ میں مغرب کی کھوکھلی اور مادر پدر آزاد تہذیب پر مزاحیہ انداز میں کاری وار کیا ہے انگریزی الفاظ گارنٹی اور فیوز کو پرکاری سے اردو میں سمویا ہے۔

الطاف قریشی کی غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

لرزاں لرزاں زیست کے لمحے
رقصاں رقصاں موت کے سائے
چھوڑو اب الطاف کی باتیں
کون کسی کا درد اپنائے ۲۵۲

لرزاں لرزاں اور رقصاں رقصاں میں تکرار ہے۔ تکرار الفاظ سے شاعر نے غزل میں موسیقیت پیدا کی ہے۔ شاعر نے آفاقی حقیقت کو بیان کیا ہے کہ آخر کار زندگی موت کے سامنے ہار جاتی ہے۔

آزر عسکری کو دعوت سخن دی گئی تو انہوں نے مزاحیہ نظم ''وجہ بیان سنائی'' نمونہ کلام:

حد نظر تک کیچڑ کیچڑ جس کی وجہ سے پھسلن پھسلن
کوچہ جاناں کوسوں کوسوں پائے طلب میں سوجن سوجن
بادل گرجیں گڑ گڑ گڑ گڑ پانی برسے رم جھم رم جھم
بوتل بوتل، ساغر ساغر، ساقی ساقی، ساون ساون ۲۵۳

الفاظ اور حروف کے حوالے سے آزر کا مشاہدہ عمدہ ہے۔ انہوں نے غزل میں موسیقیت پیدا کرنے کے لیے الفاظ کی تکرار سے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔

محمد خان نشتر نے غزل سنا کر سامعین کو محظوظ کیا اشعار ملاحظہ ہوں:

چھیڑی ہے کس نے حلقہ یاراں میں آج کل
دار و رسن کی خنجر و تیغ وسناں کی بات
میری جبین شوق میں سجدے مچل گئے
جب آگئی ہے یاد تیرے آستاں کی بات ۲۵۴

شاعر کا طرز بیان معتدل ہے پر پیچ اشارتی اور علامتی شاعری کے برعکس سادہ الفاظ اور تراکیب کو استعمال کیا ہے دونوں شعروں میں مراعات النظیر ہے۔

ڈاکٹر صابر آفاقی کی غزل کو سب نے بہت پسند کیا اور مکرر سنا اشعار دیکھیے:

دل کی گرمی لفظوں کو دوں، جملوں کو گویائی
شاید سِل میں دل ہو پیدا، شاید پتھر بولے ۲۵۵

علامہ اقبال کا شعر:

قطرہ خون جگر سِل کو بناتا ہے دل
خون جگر سے صدا سوز و سرور و سرود

کے مضمون کا اثر ڈاکٹر صابر آفاقی کے متذکرہ بالا شعر پر محسوس ہوتا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ شاعر اقبال کے رنگ کلام کے گرویدہ ہیں۔

آخر میں معتمد انجمن نے خواجہ غلام احمد پنڈت کو دعوت دی کہ وہ شعراء و مشاعرے کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ صدر مشاعر نے تمام شعراء کے کلام کو سراہا اور کہا کہ وہ '' حلقہ ارباب ذوق'' کے مقاصد کی ترویج اور اشاعت کے لیے سرگرم رہیں انہوں نے شعراء سے کہا کہ وہ اپنی تخلیقات کے ذریعے حلقہ کے مقاصد کا پرچار کریں۔ ادبی گروہ بندیوں سے دور رہ کر ادب کی خدمات کرنا اپنا نصب العین بنا لیں ۲۵۶

''بزم فروغ اردو''، کھوڑی مظفرآباد کے زیر اہتمام ادبی نشست کی روئیداد:

کھوڑی ضلع مظفرآباد کا پسماندہ اور دور افتادہ علاقہ ہے۔ یہاں علمی اور ادبی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لیے صابر آفاقی نے ''بزم فروغ ادب'' کے نام سے ادبی انجمن بنائی۔ انہوں نے علمی و ادبی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لیے مشاعروں کے علاوہ کچھ ادبی نشستوں کا بھی اہتمام کیا تاکہ اہل علاقہ میں ادبی ذوق شوق پیدا ہو سکے۔ چنانچہ اپریل ۱۹۵۲ء میں انجمن کے زیر اہتمام ایک ادبی نشست کا اہتمام بوائز سکول کے گراؤنڈ میں کیا گیا۔

پروگرام:

صدر	:	ابن علی فاروقی امروہوی
معتمد	:	حبیب اللہ نسیم
ادبی نشست	:	تحقیقی مقالہ
مقالہ نگار	:	صابر آفاقی (جو اس وقت صابر کاشمیری کہلاتے تھے)
عنوان	:	اقبال اور تحریک آزادی کشمیر

رات ۸ بجے تلاوت کلام پاک سے محفل کا آغاز کیا گیا۔ اس کے بعد معتمد حبیب اللہ نسیم نے سامعین کو بتایا کہ اس نشست میں صابر آفاقی اپنا تحقیقی مقالہ آپ کے سامنے پیش کریں گے۔ پھر انہوں نے صابر کاشمیری (آفاقی) کو دعوت دی کہ وہ سٹیج پر تشریف لائیں اور اپنا مقالہ سامعین کے سامنے پیش کریں۔

صابر کاشمیری (آفاقی) نے مقالہ پیش کرنا شروع کیا۔ انہوں نے بتایا کہ علامہ اقبال کشمیری الاصل تھے جس کا اظہار انہوں نے خود اپنے اشعار میں کیا ہے جیسے:

تنم گلے ز خیابانِ جنت کشمیر
دل از حریم حجاز و نواز شیراز است ۲۵۷

علامہ اقبال نے لاہور میں مقیم کشمیری برادری سے مل کر کشمیریوں کی فلاح بہبود کے لیے دو انجمنیں قائم کیں ایک کا نام "انجمن کشمیری مسلمانان لاہور" اور دوسری کا نام "آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس" تھا۔ آپ ان دونوں انجمنوں کے جلسوں میں شرکت کرتے اور اپنے کلام سے مسلمانوں کے اندر ہمت، امید اور بیداری پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔ "انجمن کشمیری مسلمانان لاہور" نے "کشمیری میگزین" کے نام سے ایک رسالے کا بھی اجراء کیا تھا جس میں اقبال کا کلام چھپتا تھا۔

پھر انہوں نے بتایا کہ علامہ اقبال کے قائدانہ کردار کی ابتداء ۱۸۹۶ء میں "انجمن کشمیری مسلمانان لاہور" کے اجلاسوں سے ہوئی جہاں انہوں نے تین قطعات پیش کیے۔ پہلے قطعہ میں سرزمین کشمیر کی تقدس کا بیان ہے دوسرے میں اتحاد کی تلقین کی ہے اور تیسرے میں اہل کشمیر کو ڈوگرہ حکمرانوں کے خلاف نبردآزما ہونے کی نصیحت کی ہے۔ پھر صابر کاشمیری نے تینوں قطعات پیش کیے آخری قطعہ ملاحظہ ہو:

پنجۂ ظلم و جہالت نے براحال کیا
بن کے مقراض ہمیں بے پر و بے بال کیا
توڑ اس دست جفا کیش کو یا رب جس نے
روح آزادی کشمیر کو پامال کیا ۲۵۸

پھر انہوں نے بتایا کہ کیسے ۱۹۱۰ء میں محمد دین اور دوسرے حضرات کے ہمراہ علامہ اقبال نے لاہور میں مہاراجہ سے ملاقات کر کے اسے اہل کشمیر کے مسائل حل کرنے کا کہا۔

اسی طرح جب جون ۱۹۲۱ء میں علامہ اقبال سری نگر گئے تو انہوں نے کشمیر میں قیام کے دوران فارسی میں تین انقلابی نظمیں "ساقی نامہ" "کشمیر" اور "غنی کشمیری" کے عنوان سے لکھیں۔ ان نظموں کے کہنے کا مقصد ہی اسلامیاں جموں و کشمیر کے اندر خودی کا جذبہ اور خودداری کی روح پیدا کرنا تھا تاکہ وہ آزادی حاصل کر سکیں۔

پھر صابر کاشمیری (آفاقی) نے سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ: "۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۸ء تک پانچ سال کے عرصہ میں علامہ اقبال نے کشمیریوں کو ہمت و حوصلہ دلانے کے لیے وہ سترہ نظمیں اور دو شعر کہے جو "ملا زادہ ضغیم لولابی،

کشمیری کا بیاض" کے عنوان سے "ارمغان حجاز" میں شامل ہیں ڈاکٹر آفاقی نے ان منظومات کے چند اشعار پیش کیے:

اے کہ غلامی سے ہے روح تیری مضمحل
سینۂ بے سوز میں ڈھونڈ خودی کا مقام ۲۵۹

آہ یہ قوم نجیب و چرب دست وتر دماغ
ہے کہاں روز مکافات اے خدائے دیر گیر ۲۶۰

ضرب پیہم سے ہو جاتا ہے آخر پاش پاش
حاکمیت کا بت سنگین دل و آئینہ رو ۲۶۱

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری ۲۶۲

ہمالہ کے چشمے ابلتے ہیں کب تک
خضر سوچتا ہے ولر کے کنارے ۲۶۳

ان اشعار کے ساتھ ہی صابر کاشمیری (آفاقی) نے مقالے کا اختتام کیا۔

معتمد انجمن نے ابن علی فاروقی امروہوی کو دعوت دی کہ وہ مقالہ نگار کی تحقیقی کاوشوں کے بارے میں اظہار خیال کریں۔

ابن علی فاروقی امروہوی نے صابر کاشمیری (آفاقی) کو خراج تحسین پیش کیا کہ انہوں نے اپنا پر مغز مقالہ سامعین کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ مقالہ معلوماتی تھا اس کے ذریعے سیرت اقبال کے نئے گوشے یعنی اقبال کا تحریک آزادی کشمیر میں کردار عوام کے سامنے آیا ہے۔ یہ مقالہ، مقالہ نگار کی اقبال فہمی اور تحقیقی باریکیوں پر مکمل عبور کا ثبوت ہے۔

ان کے خطاب کے بعد ۱۰ بجے کے قریب محفل برخاست ہوگئی۔ ۲۶۴

"انجمن ترقی اردو"، مظفرآباد کے زیر اہتمام مشاعرہ کی روئیداد:

مارچ ۱۹۶۶ء کو "انجمن ترقی اردو" کے زیر اہتمام مشاعرہ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ مقامی سطح پر ادبی زندگی پر جو جمود طاری ہو چکا ہے اس کا خاتمہ ہو سکے۔ چنانچہ اس مشاعرے کی صدارت کے لیے ملک کے نامور شاعر احمد فراز کو دعوت شرکت دی گئی۔

مہمان خصوصی	:	احمد فراز
صدارت	:	عبدالغنی غنی
معتمد انجمن	:	محمد خان نشتر
شرکائے مشاعرہ	:	اسحاق سوز، منور قریشی، محمد خان نشتر، مسعود قریشی، صبا سلمانی، عبدالغنی غنی، میر عبدالعزیز، مظفر احمد ظفر، طاؤس بانہالی، بلبل کاشمیری، ضیاالحسن ضیا (میر پور) اور آزر عسکری۔

رات ۹ بجے تلاوت کلام پاک سے مشاعرے کا آغاز کیا گیا۔ معتمد انجمن نے سب سے پہلے میاں محمد اسحاق

سوز کو دعوت کلام دی تو انہوں نے غزل سنائی نمونہ کلام:

متاع دین و دانش لٹ رہی ہے
مگر اہل وطن ہیں بے خبر سے
نئی تہذیب کی شمعیں بجھا دو
چلا مانگو در خیر البشرؐ سے ۲۶۵؎

سوز کے کلام پر اقبالؔ کا اثر ہے۔

منوؔر قریشی کی غزل کے اشعار ملاحظہ ہو:

کھلنے گئے ہجر میں جوں شب کی لٹ کھلے
مجھ سے شب وصال بھی وہ کتنے گھٹ کھلے
اس درجہ بے رخی بھی تو توہین عشق ہے
کچھ کیجئے کہ ان کی یہ بے کار ہٹ کھلے ۲۶۶؎

غزل میں پہاڑی لفظ گھٹ کا استعمال بڑی پرکاری سے کیا ہے ردیف قافیہ میں نیا پن ہے غزل میں محبوب کی روایتی بے رخی کا ذکر کیا ہے۔

کھلنے اور کھلے میں تجنیس زائد و ناقص ہے پہلے شعر میں ابہام ہے۔

محمد خان نشترؔ کی غزل کا انداز ملاحظہ کریں:

سوئے حرم چلے تو ہیں پر دیکھنا یہ ہے
رستے میں پھر کہیں نہ وہی پرفسوں ملے
پیر مغاں کے حلقہ کیف و سرور میں
کتنے فریب خوردہ رازِ دروں ملے ۲۶۷؎

دوسرے شعر میں مراعات النظیر ہے۔

غزل میں حلقہ کیف و سرور اور فریب خوردہ رازِ دروں خوبصورت تراکیب ہیں نشتر کی تمام شاعری پر کلام اقبال کے گہرے اثرات صاف محسوس ہوتے ہیں۔

مسعود قریشی نے نظم "آزاد کشمیر" ترنم کے ساتھ پیش کر کے سامعین کے اندر جوش و ولولہ پیدا کر دیا نمونہ کلام:

مجاہدوں کا ہے مسکن یہ خطۂ آزاد
ہے اس کے خوف سے لرزہ ستم کے ایواں میں
یہ سرفروش ہیں پھر سے جہاد کو بے تاب
بھری ہے برق ستم سوز ان کے ایماں میں ۲۶۸؎

شاعر نے مجاہدین اسلام کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔نظم کا لہجہ رجائیت سے بھرا ہوا ہے۔ برق ستم سوز نئی ترکیب ہے۔

صباؔء سلمانی کے اس شعر کو بہت پسند کیا گیا:

بادۂ احمر کو شیشوں میں سجا کر رکھ دیا
ساقیا تو نے لگادی سارے میخانے میں آگ ۲۶۹؎

یہ خمریات کا اچھا شعر ہے۔

عبدالغنی غنی کی غزل کے اشعار ملاحظہ ہوں:

ستمگر نے ڈھائے ہیں لاکھوں ستم
مگر ہر ستم پہ ہیں ثابت قدم
جگر چاک، دل مضطرب، دیدہ نم
کسی کی عنایت کسی کا کرم ۲۷۰؎

کلاسیکی انداز غزل ہے جس میں محبوب عاشق کا ہر ستم ہنسی خوشی سہتا ہے مگر اف تک نہیں کرتا۔ لاکھوں میں سیاق الاعداد ہے غزل میں غنائیت ہے۔

میر عبدالعزیز نے نظم سنائی چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ہر اک بلند و پست پہ لڑتے رہیں عوام
دم توڑ جائے اب نہ جوانوں کی یہ ترنگ
آتے ہیں غیب سے جو مضامین خیال میں
اڑتی ہے اور اونچی خیالات کی پتنگ ۲۷۱؎

ع آتے ہیں غیب سے جو مضامین خیال میں

غالب کا مصرع ہے جس پر شاعر نے تضمین لکھی ہے۔ بلند و پست میں تضاد ہے دم توڑنا میں صنعت ارادالمثل ہے۔

مظفر احمد ظفر کی غزل کا شعر ملاحظہ ہو:

جل بجھے آہ کتنے پروانے
کیا کہا شمع نے خدا جانے ۲۷۲؎

غزل میں روایتی مضمون کو اچھی طرح نبھایا گیا ہے غزل کا انداز سوالیہ ہے۔

رسول طاؤس بانہالی نے غزل پیش کی ان کی غزل کے ان اشعار کو بہت سراہا گیا:

غم دے کر یہ نہ سمجھ غم نے ہمیں پامال کیا
ہم تیور پہچان گئے تھے غم کا استقبال کیا
پہلے تم نے حال نہ پوچھا اس کا ملال نہیں لیکن
اب جو پوچھو تو دکھ ہو جو تم نے ہمارا حال کیا ۲۷۳؎

انسانی عظمت و برتری کا پیغام دیا ہے۔ شاعر غموں کو حوصلے سے برداشت کر رہا ہے۔

بلبل کاشمیری کی غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ترا اہل زبان ہونا مسلم ہی سہی لیکن
تلفظ میں لغاتوں کی حوالے اور ہوتے ہیں
تری آنکھوں کی مے بھی بے خودی انگیز ہے لیکن
الیکشن کی شرابیں اور پیالے اور ہوتے ہیں ۲۷۴؎

غزل میں طنزیہ اور مزاحیہ انداز بیان ہے جس میں معاشرتی خرابیوں پر طنز کی ہے مگر اس طنز کے پردے میں گہری باتیں پوشیدہ ہیں جو دوسروں کو سوچنے پر مجبور کرتی ہیں۔

ضیاء الحسن ضیاء کو دعوت سخن ملی تو انہوں نے غزل سنا کر خوب داد سمیٹی:

ارزاں بکے گراں بکے سرکار بک گئے
اف کاروان قوم کے سالار بک گئے
لیلائے اقتدار کی خاطر بری طرح
آزادی وطن کے طلب گار بک گئے ۵ے۲

غزل پر اکبرالہ آبادی کا اثر ہے انہوں نے غزل کے پیرائے میں کشمیر کے سیاست دانوں، اہل اقتدار اور ادباء کے ہوس زر پر طنز کی ہے۔ ارزاں اور گراں میں تضاد ہے۔ متضاد الفاظ غزل میں دلکشی اور تاثیر پیدا کرتے ہیں۔ لیلائے اقتدار خوبصورت ترکیب ہے۔ غزل میں ایک عاشق کی بے بسی اور بے قراری کا اظہار ملتا ہے۔

سب سے آخر میں آزر عسکری کو دعوت سخن دی گئی۔ انہوں نے مزاحیہ غزل سنائی اور سنانے سے پہلے کہا کہ آپ غور کریں۔ ساس یعنی س۔ا۔س الٹی کیجیے تب بھی ساس اسے سیدھی کیجیے تب بھی ساس ہے۔

الفاظ کے الٹ پلٹ سے مزاح پیدا کیا ہے۔

ساس جس پہلو سے دیکھی ہم نشینو ساس ہے
ساس کے ہوتے ہوئے جینے کی کس کو آس ہے ۲ے۲

مقامی شعراء کے بعد احمد فرازؔ کو دعوت سخن دی گئی کہ وہ تشریف لائیں اور غزل سنائیں۔ احمد فرازؔ کی غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

رنجش ہی سہی دل ہی دکھانے کے لیے آ
آپھر سے مجھے چھوڑ کے جانے کے لیے آ
کچھ تو میرے پندار محبت کا بھرم رکھ
تو بھی تو کبھی مجھ کو منانے کے لیے آ ۷ے۲

غزل کی دلکشی اور ترنم حد تعریف سے بالا ہے۔ آ اور جا میں تضاد ہے۔ پندار محبت خوبصورت ترکیب ہے۔

جوں ہی احمد فرازؔ نے غزل ختم کی ہر طرف سے

ع اب کے ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں

کی آواز سنائی دینے لگیں۔

چنانچہ فراز نے اپنی وہ مشہور غزل بھی سامعین کو سنائی۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

اب کے ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں
جس طرح سوکھے ہوئے پھول کتابوں میں ملیں
تو خدا ہے نہ مرا عشق فرشتوں جیسا
دونوں انساں ہیں تو کیوں اتنے حجابوں میں ملیں ۸ے۲

غزل میں ترنم اور سوز ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جب انسان جدا ہوتے ہیں تو دوبارہ ملاقات قسمت پر منحصر ہوتی ہے۔ فرازؔ ماورائی عشق کی بجائے انسانی عشق کے طلب گار ہیں۔

مشاعرے کے اختتام سے پہلے خواجہ عبدالغنی غنیؔ نے احمد فرازؔ کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر مشاعرے کو رونق بخشی۔

ان کے خطاب کے بعد رات ۳ بجے مشاعرہ اختتام پذیر ہوگیا مگر اس کی سہانی یادیں آج بھی سب کے دلوں میں باقی ہیں۔ ۹ے۲

"بزمِ اقبال"، مظفرآباد کے زیرِ اہتمام یومِ اقبال کے حوالے سے مشاعرے کی روئیداد:

۹ نومبر ۱۹۶۱ء میں "بزمِ اقبال" کے زیرِ اہتمام پریس کلب مظفرآباد میں مشاعرے کا انعقاد کیا گیا۔ مشاعرے کی صدارت کے لیے فیض احمد فیض کو مدعو کیا گیا۔

پروگرام کی ترتیب یوں تھی:

۱۔	مہمانِ خصوصی	:	فیض احمد فیض
۲۔	صدارت	:	خواجہ غلام احمد پنڈت
۳۔	سیکرٹری	:	عبدالرشید ملک
۴۔	مشاعرہ	:	مقامی شعراء

رات ۹ بجے تلاوت کلام پاک سے مشاعرے کا آغاز کیا گیا تلاوت کلام پاک کے بعد سٹیج سیکرٹری نے ارشد گیلانی کے سامنے شمع محفل رکھ کر انہیں اپنا کلام سنانے کی دعوت دی۔ارشد گیلانی نے آزاد نظم علامہ اقبال کی یاد میں تحت اللفظ پڑھی نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

چاروں سمت تھے گھور اندھیرے
محکومی کے بادل چھائے
اور طوفان بلا کے
مایوسی کے ان لمحوں میں
اک کرن مشرق کے افق سے
لے کر درسِ خودی کا ابھری
اور اندھیرے چھٹتے چھٹتے
چادرِ آفاق کے پیچھے
درسِ خودی اور درسِ عمل نے
امیدوں کے پھول کھلائے
ایک تصویر جس نے بخشا
آزادی کا خود داری کا
بن کر چاند افق پر چمکا ۲۸۰

نظم کے رگ و پے میں حزنیہ لے ہے جو پڑھنے والے کو سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔

ڈاکٹر صابر آفاقی نے علامہ اقبال کو منظوم خراجِ تحسین پیش کیا۔ اندازِ کلام ملاحظہ ہو:

تیرے خیال نے راہوں کو روشنی بخشی
جو محوِ یاس تھے شعر ان کو تازیانہ ہوا
اداس راہوں میں بانگِ درا سنائی دی
خودی شناسوں کا پھر کارواں روانہ ہوا ۲۸۱

قافیہ دلکش ہے شاعر نے اقبال کے شعر کی تعریف کی ہے کہ اس نے ہمیں بانگ درا جیسی لافانی کتاب دی یہ کتاب ہماری قوم کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ اس نے ہمیں غلامی سے نجات کا راستہ دکھایا اور یاس و ناامیدی کے اندھیروں سے نکالا۔

محمد خان نشتر نے بھی علامہ اقبال کو منظوم خراج تحسین پیش کرتے ہوئے قوم سے سوال کیا ہے کہ کیا وہ فرمودات اقبال پر پورے اترتے ہیں:

شاعران کرام، و اہل کمال ہوں مبارک مجالس اقبال
کیا بیک دل بیک زبان ہو کر آپ لوگوں سے یوں کریں گے سوال؟
اے اسیران رنگ و نسل و زبان کیا یہی ہے تصورِ اقبال؟
علم و عرفان و آگہی کے عوض کر رہے ہو تجارت زر و مال؟
آدمیت سے آدمی ہے محروم جنس اخلاق کا ہوا ہے کال ۲۸۲

آدمی اور آدمیت میں تجنیس زائد و ناقص ہے۔ شاعر نے نظم میں افسوس کیا ہے کہ آج ہمارے ملک میں مجالس اقبال تو برپا کی جاتی ہیں اقبال کو منظوم داد تو دی جاتی ہے مگر پیغام اقبال کو نہ کوئی سمجھتا ہے نہ اس پر عمل کرتا ہے۔

آزر عسکری نے ''اقبال اور ہم'' کے عنوان سے نظم پیش کی ایک بند ملاحظہ ہو:

ذکر ماضی کا چھڑا جب بھی تو تھا وہ شاندار
اب تو مستقبل کی پروا ہے نہ فکر مال ہے
فخر سے کہتے تو ہیں '' پدرم مگر سلطان بود''
یہ نہیں کہتے کہ اب تو جوتیوں میں دال ہے
وہ منافق ہم ہیں جن سے کوئی بچ پایا نہیں
کل تلک اسلام تھا مظلوم اب اقبال ہے
اپنے گھر کو ہم سجا لیتے ہیں اس کے نام سے
نام پر اس کے مگر دینا بڑا جنجال ہے ۲۸۳

جوتیوں میں دال بٹنا میں صنعت ایراد المثل ہے۔ آزر نے طنز کی ہے آج کل کے لوگ کلام اقبال کو گھروں کی زینت بنا کر رکھتے ہیں مگر اس کے پیغام پر عمل نہیں کرتے۔ پہلے ہم مسلمانوں نے اپنے اعمال سے اسلام کو بدنام کیا۔ اب کلام اقبال اور فکر اقبال کا حلیہ بگاڑ رہے ہیں۔

آخر میں فیض احمد فیض نے اقبال کو منظوم خراج تحسین پیش کیا نمونہ کلام:

پر اس کا گیت سب کے دلوں میں مقیم ہے
اور اس کی لے سے سینکڑوں لذت شناس ہیں
اس گیت کے تمام محاسن ہیں لازوال
اس کا وفور، اس کا خروش اس کا سوز و ساز
جیسے چراغ وحشت صر صر سے بے خطر
یا شمع بزم صبح کی آمد سے بے خبر ۲۸۴

جب فیض احمد فیض اپنا کلام سنا چکے تو سٹیج سیکرٹری نے خواجہ غلام احمد پنڈت کو دعوت دی کہ وہ تمام شرکائے محفل کو اپنے قیمتی خیالات سے نوازیں۔ خواجہ غلام احمد پنڈت نے فیض احمد فیض کا شکریہ ادا کیا کہ وہ اتنی دور سے مشاعرے میں شرکت کرنے کے لیے تشریف لائے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے تمام شرکائے محفل کے کلام کو سراہتے ہوئے محفل کے برخاست ہونے کا اعلان کیا ۲۸۵

''بزمِ فکر و دانش''، مظفرآباد کے سالانہ جلسے کی روئیداد:

یکم فروری ۱۹۷۱ء کو ''بزمِ فکر و دانش'' کے زیرِ اہتمام جلسے میں اقبال کے موضوع پر مقالہ پڑھنے کا پروگرام بنایا گیا۔ اور اس مقصد کے لیے ڈاکٹر صابر آفاقی سے کہا گیا کہ وہ اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ تقریب کا انعقاد گیسٹ ہاؤس مظفرآباد کے لان میں کیا گیا۔

پروگرام کی ترتیب یوں تھی:

سیکرٹری کی سالانہ رپورٹ	:	عبدالرشید ملک
خطبہ صدارت	:	یعقوب ہاشمی
مقالہ (اقبال)	:	ڈاکٹر صابر آفاقی

دن ۱۰ بجے تلاوت کلام پاک سے تقریب کا آغاز کیا گیا۔ سب سے پہلے عبدالرشید ملک نے پچھلے اجلاس کی تقریب کی اہم باتیں اور کارروائی کی روئیداد پڑھ کر سنائی (یہ تمام باتیں رجسٹر پر درج کی گئی ہوئی تھیں) اور اس کے بعد انہوں نے رجسٹر پر صدر جلسہ سے دستخط کرائے۔ اس طرح تمام جلسوں کی کارروائیوں کا اندراج رجسٹر میں جمع ہوتا رہا (افسوس یہ تمام ریکارڈ زلزلے میں تباہ ہوگیا)۔

اس کے بعد عبدالرشید ملک نے ڈاکٹر صابر آفاقی کو دعوت دی کہ وہ سٹیج پر آئیں اور ''اقبال'' کے موضوع پر اپنا مقالہ پڑھ کر سنائیں

ڈاکٹر صابر آفاقی نے سٹیج پر آکر گونج دار آواز میں مقالہ پڑھنا شروع کیا۔ ان کے مقالے کی تلخیص درج ذیل ہے:

جناب صدر!

یہ سب جانتے ہیں کہ اقبال کا آبائی وطن کشمیر تھا۔ ان کے آبا و اجداد قبول اسلام کے بعد وہاں سے ہجرت کر کے سیالکوٹ آباد ہوگئے تھے۔ اقبال کو کشمیری الاصل ہونے پر ناز تھا چنانچہ انہوں نے فرمایا:

تنم گلے ز خیابان جنت کشمیر
دل از حریم حجاز و نواز شیراز است ۲۸۶

اقبال نے اپنے اردو اور فارسی اشعار میں جابجا اپنے آبائی وطن کے لیے ایران صغیر، خطہ، کاشر، خطہ گل اور کشمیر کے الفاظ استعمال کیے ہیں اقبال کو اپنے برہمن زادہ ہونے پر بھی فخر تھا۔

اس کا اظہار انہوں نے خود کیا ہے۔ ڈاکٹر آفاقی نے فارسی کلام اقبال سے مثال پیش کی:

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی
برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است ۲۸۷

ڈاکٹر آفاقی نے کہا کہ علامہ اقبال نے کشمیری مسلمانوں کی فلاح بہبود کے لیے بنائی جانے والی انجمنوں ''آل انڈیا مسلم کانفرنس'' کی ہمیشہ سرپرستی کی۔ وہ کشمیر کی اہم شخصیات جن میں سلطان شہاب الدین، سید علی ہمدانی اور غنی کاشمیری شامل ہیں سے انہیں بہت عقیدت تھی۔ اس عقیدت کا اظہار انہوں نے اپنی شاعری میں بھی کیا ہے۔

ڈاکٹر صابر آفاقی نے اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کلام اقبال سے مثالیں بھی دیں:

غنی روز سیاہ پیر کنعاں راتماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را ۲۸۸

غنی آں سخنگوئے بلبل صفیر
نوا سنج کشمیر مینو نظیر ۲۸۹

پھر انہوں نے بتایا کہ جب اقبالؔ سری نگر جون ۱۹۲۱ء میں پہنچے تو انہوں نے دو ہفتے تک ہاؤس بوٹ میں قیام کیا۔ وہاں انہوں نے زیادہ وقت جھیل ڈل، نشاط باغ، شالامار اور نسیم باغ میں گزارا۔ اس کے علاوہ انہوں نے شاہ ہمدان کی خانقاہ اور غنی کاشمیری کے مزار پر بھی حاضری دی۔

انہوں نے جاوید نامے کے چند اشعار سنائے ان اشعار میں علامہ اقبالؔ نے کشمیر کے لافانی حسن کی تعریف یوں کی:

کوہ ہائے خنگ سار او نگر
آتشیں دست چنار او نگر
در بہاراں لعل می ریزد زسنگ
خیزد از خاکش یکے طوفان رنگ
با نسیم آوارہ بودم در نشاط
بشنوازے می سرودم در نشاط ۲۹۰

انہوں نے مزید بتایا کہ:

کشمیر میں قیام کے دوران علامہ نے فارسی میں تین نظمیں کہیں جو ''ساقی نامہ''، ''کشمیر'' اور ''غنی کاشمیری'' کے عنوان سے پیام مشرق میں شامل ہیں۔

''کشمیر'' کے عنوان سے چھ اشعار کی نظم میں کشمیر کے کوہ و دامن سبزہ زار، لالہ چمن، مرغ بہار، خاک شرر کا ذکر یوں کیا ہے۔ (انہوں نے نظم ''کشمیر'' سے) چند اشعار پیش کیے:

رخت بہ کاشر کشا کوہ و تل و دمن نگر
سبزہ جہاں جہاں ببیں لالہ چمن چمن نگر
باد بہار موج موج مرغ بہار فوج فوج
صلصل و سار زوج زوج بر سر نارون نگر
تا نہ فتد بہ زینتش چشم سپہر فتنہ باز
بستہ بچہرہ زمین برقع نسترن نگر
لالہ زخاک بر دمید موج بآبجو تپید
خاک شرر شرر ببیں آب شکن شکن نگر ۲۹۱

انہوں نے ''جاوید نامہ'' کے حوالے سے اقبال کی کشمیر سے روحانی وابستگی کے بارے میں بتایا کہ ''جاوید نامہ'' ان کی ذہنی سفر کی روئیداد ہے۔ اقبال فلک قمر، فلک زحل کی سیر کرتے ہوئے جب آنسو افلاک دنیا میں پہنچتے ہیں تو ان کی ملاقات امیر کبیر سید علی ہمدانی اور ملا طاہر غنی سے ہوتی ہے۔ اس ملاقات کے دوران وہ افسوس کرتے ہیں کہ:

دہقان وکشت و جوئے وخیاباں فروختند
قومے فروختند وچہ ارزاں فروختند ۲۹۲

انہوں نے مقالے کی بحث کو سمیٹتے ہوئے کہا کہ جس طرح چنار کو کشمیر سے اور آتش کو چنار سے جدا نہیں کیا جاسکتا اسی طرح اہل کشمیر کے نام سے اقبال کے اس پیغام کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔

پھر انہوں نے مثال میں علامہ اقبالؔ کے یہ اشعار پڑھے:

سمجھا لہو کی بوند اگر تو اسے تو خیر
دل آدمی کا ہے فقط اک جذبۂ بلند

گردش مہ و ستارہ کی ہے ناگوار اسے
دل آپ اپنے شام و سحر کا ہے نقشبند
جس خاک کے خمیر میں ہے آتش چنار
ممکن نہیں کہ سرد ہو وہ خاک ارجمند ۲۹۳ے

یہ مقالہ نہایت دلچسپ اور معلوماتی تھا۔ مقالہ کے اختتام پر بہت پرزور اور دلچسپ بحث ہوئی۔ سامعین نے فاضل مقالہ نویس سے کئی سولات کیے جن میں چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ علامہ اقبال کے آباو اجداد کس صدی میں ہجرت کر کے سیالکوٹ آئے؟

۲۔ انجمن کشمیری مسلمانان لاہور کے جلسوں میں پڑھانے والے کلام اقبال بعد میں کس نام سے چھپا اور اس کے تلاش اور چناؤ کا کام کیسے کیا گیا؟

مقالہ نگار نے ہر سوال کا تفصیلی اور اطمینان بخش جواب دیا۔

صدر محفل نے مقالہ نگار کی علمی اور تحقیقی کاوشوں کی تعریف کی اور کہا کہ اس تقریب کی افادیت اور اہمیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اور آئندہ بھی اسی قسم کی تقریبات کا انعقاد کیا جائے گا۔ تاکہ عام عوام میں ادب شناسی کا ذوق پیدا ہو۔

یہ تقریب ۳ بجے اختتام پذیر ہوئی مگر ایسے کہ اس کی خوشگوار یادیں آج بھی سامعین کے دلوں میں محفوظ ہیں۔۲۹۴ے

"مجلس ادب"، مظفرآباد کے زیر اہتمام ادبی نشست کی روئیداد:

جون ۱۹۷۳ء "مجلس ادب" کے زیر اہتمام ادبی نشست کا اہتمام کیا گیا۔ پروگرام کا انعقاد بوائز ڈگری کالج مظفرآباد کے گراؤنڈ میں کیا گیا پروگرام کی ترتیب اس طرح تھی:

صدر	:	الحاج حافظ یعقوب ہاشمی
معتمد	:	مسعود کشفی
ادبی نشست	:	تحقیقی مقالہ
مقالہ کا عنوان	:	حضرت میاں محمد بخش اور مولانا رومی
مقالہ نگار	:	ڈاکٹر صابر آفاقی

تقریب کا آغاز ۹ بجے تلاوت کلام پاک سے کیا گیا۔ تلاوت کلام مجید کے بعد معتمد بزم نے ڈاکٹر صابر آفاقی سے درخواست کی کہ وہ سٹیج پر تشریف لائیں اور سامعین کے سامنے اپنا مقالہ بعنوان "حضرت میاں محمد بخش اور مولانا رومی" پیش کریں۔

ڈاکٹر صابر آفاقی نے مقالہ کی ابتداء کرتے ہوئے کہا:

"بلخ پامیر کے دامن میں اور میرپور
ہمالیہ کے نشیب میں واقع ہے یہ دونوں اہم
شہران دو عظیم الشان شاعروں کی جنم بھومی
ہیں جو بڑی خوبصورتی سے "سرد لبراں"
کو "حدیث دیگراں" کے انداز میں بیان کرنے کا ہنر جانتے تھے۔ ۲۹۵ے

انھوں نے کہا کہ بلخ کے مولانا جلال الدین رومی نے خوبصورت حکایات لکھیں جن کا مجموعہ مثنوی معنوی

کہلایا۔ اور جامیؒ کو کہنا پڑا:

ہست قرآن در زبان پہلوی

مولانا رومی تیرھویں صدی عیسوی اور میاں محمد انیسویں صدی کے شاعر ہیں۔ ان کے درمیان صدیوں کا زمانی فاصلہ اور دونوں کی جنم بھومیوں میں ہزاروں کوسوں کا مکانی بعد ہے۔ دونوں کی زبانیں مختلف ہیں لیکن دونوں میں بے شمار مشابہتیں اور مماثلتیں ہیں۔ یہ دونوں عظیم شخصیتیں پر آشوب دور میں پیدا ہوئیں جو طوائف الملوکی اور اخلاقی پستی کا بدترین دور تھا۔ یہ دونوں عوامی شاعر تھے۔ عوام کا دکھ محسوس کرتے تھے۔ رومی اور میاں محمد کا آدرس خاص تھا۔

وہ زندگی کے ترجمان بنے اور کلام میں مسائل حیات کو سمویا رومی کا پیغام شجاعت اور مردانگی کا پیغام ہے۔ رومی نے کہا ہے:

کار مردان روشنی و گرمی است
کار دونان حیلہ و بے شرمی است

''مردوں کا کام تو روشنی دینا اور گرمانا ہے بزدلوں کا شیوہ حیلہ گری اور بے شرمی ہوتا ہے'' ۲۹۶ے

ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ آج کے دور میں ہمارے زخموں پر مرہم رکھنے والے رومی ہمارے آنسو پونچھنے والے میاں محمد کا کلام موجود ہے جس سے ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

پھر انہوں نے بتایا کہ مولانا رومی اور میاں محمد بخشؒ دونوں خدا رسیدہ صوفی تھے۔ دونوں باکمال شاعر تھے جہاں رومی شمس تبریز کو آئیڈیل جانتے تھے وہاں میاں محمد پیر شاہ غازی کے ارادتمند تھے۔ رومی اور میاں محمد کی شاعری صوفیانہ شاعری ہے صوفیانہ وحکیمانہ شاعری کا نصب العین قلوب کی تطہیر اور سیرت کی تعمیر ہوتا ہے۔

مثنوی معنوی ایک مرتب اور منظم داستان نہیں بلکہ اس میں چھوٹی چھوٹی حکایات لکھی گئی ہیں۔ اس کے برعکس سیف الملوک ایک مسلسل داستان ہے۔ دونوں مثنویوں کی زبان عوامی ہے ان کے کلام میں عظمت انسانی، تربیت نفس کی ابدیت اور حیات بعدالموت جیسی اہم تعلیمات ملتی ہیں۔ تیرھویں صدی عیسوی ایشیا میں جنگوں، ہلاکتوں اور سازشوں کی صدی تھی۔ اس صدی میں تاتاریوں نے یورش کر کے اسلامی تمدن کے دامن کو تار تار کر دیا۔ اس قتل عام میں پچاس لاکھ بے گناہ آدمی مارے گئے۔ اس عالمگیر تباہی نے ہر طرف مایوسی اور ناامیدی پھیلا دی تھی۔ یہ اخلاقی قدروں کی شکست، روحانی نظام کے اضمحلال اور بربریت کا دور تھا۔ رومی نے اسے دام ودد کا دور کہا ہے یعنی جانوروں اور درندوں کا دور انہوں نے اس دور کی تصویر کشی اس طرح کی ہے:

دی شیخ باچراغ ہمی گشت گرد شہر
کز دام و دد ملولم و انسانم آرزوست
گفتم کہ یافت می نشود جستہ ایم ما
گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزوست ۲۹۷ے

پھر ڈاکٹر صاحب نے اشعار کا ترجمہ پیش کیا۔

''کل شیخ چراغ اٹھائے شہر میں گھوم رہا تھا (اور کہہ رہا تھا) کہ میں جانوروں اور درندوں سے تنگ آ گیا ہوں مجھے انسان کی آرزو ہے (یہ سن کر) میں نے کہا جو ہم تلاش کرتے ہیں وہ تو ملنے کا نہیں (شیخ نے) جواب دیا

جو نہیں ملتا اس کی تو تلاش ہے''۔ ۲۹۸؎

ڈاکٹر صاحب نے مزید بتایا کہ وسطی ایشیا کا جلال الدین جو اس وقت ترکی کے شہر قونیہ میں گوشہ نشین تھا۔ ہتھیلی پر امید و رجا کا آفتاب سجا کر نکلا اور کہا:

نہ شبنم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
ہمہ آفتاب بینم ہمہ آفتاب گویم ۲۹۹؎

رومی نے ہارے ہوئے انسان کو عزم و ہمت کا درس دیا اور کہا کہ اگر تو دانہ بنے گا تو پرندے چگ جائیں گے اور اگر غنچہ بنے گا تو بچے توڑ دیں گے:

دانہ باشی مرغکانت برچنند
غنچہ باشی کو دکانت برکنند
کار مردان روشنی و گرمی است
کار دوناں حیلہ و بے شرمی است ۳۰۰؎

کسی بھی قوم کی تباہی سے پہلے اس کے افراد مرتے ہیں فرد کی موت قوم کی موت کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ اس وقت عشق کی جگہ تقلید، محبت کی جگہ تعصب اور اتفاق کی جگہ نااتفاقی آ جاتی ہے۔

رومیؒ کی چشم بینا نے یہ سارے منظر دیکھ کر انسان کی موت کا نوحہ لکھا وہ حساس دل رکھنے والے شاعر اور درد دل رکھنے والے محبّ بشر تھے ان کی مثنوی کا پہلا شعر ہی جدائیوں کا ماتم کرتا ہے:

بشنواز نے چون حکایت می کند
از جدائی ہا شکایت می کند ۳۰۱؎

عشق سے محروم ہو کر آدمی آدمی سے جدا ہو جاتا ہے۔ معاشرے کا معاشرے سے قوم کا قوم سے رابطہ ٹوٹ جاتا ہے۔

ایک خود شناس صوفی اور انسان ساز شاعر کا طریقہ علاج یہ کہ وہ انسان کے اندلطیف احساسات کو بیدار کر کے اعلیٰ ترین اخلاقی اصولوں کو اجاگر کرے چونکہ روحانی تربیت کے بعد جدوجہد بیکار ہے۔

رومیؒ عشق و محبت کا پرچم دار اور اتحاد بشر کا علمبردار ہے۔ وہ سچا بشر ہے اس کے نزدیک محبت تمام انفرادی و اجتماعی بیماریوں کا طبیب ہے۔ پھر انہوں نے مولانا رومی کے شعر کی مثال دی:

شاد باش ای عشق خوش سودای ما
اے طبیب جملہ علت ہای ما ۳۰۲؎

وہ عشق محبت کو دین وایماں سمجھتے تھے

ملت عشق از ہمہ دین ہا جدا ست
عاشقان را مذہب وملت خداست ۳۰۳؎

پھر ڈاکٹر صابر نے موازنے کے طور پر میاں محمد کی شاعری سے اخذ کی ہوئی مثال دی:

جے لکھ زہد عبادت کریئے بن عشقوں کس کاری
جاں جاں عشق نہ ساڑے تینوں ناں ناں نبھے نہ یاری ۳۰۴؎

ڈاکٹر صاحب نے اخلاقی قدروں کے پرچار کے حوالے سے بتایا کہ رومی نے ''مثنوی معنوی'' اور میاںؒ محمد نے ''سیف الملوک'' میں ہماری زندگی کی روز مرہ اخلاقیات کو دلنشیں حکایات اور خوبصورت تشبیہات وتمثیلات کے

پیرائے میں بیان کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ عشق کا خاصا سوز و گداز اور درمندی ہے۔

ڈاکٹر صابر آفاقی نے دونوں کی شاعری کو موازنہ کرتے ہوئے بتایا کی رومیوں نے تیرہویں صدی کے دکھی انسان اور میاں محمد نے انیسویں صدی کے زخم خوردہ آدمی کی کہانی سنا کر زخموں پر مرہم رکھنے کی کوشش کی۔ دونوں نے سعی و عمل کا درس دیا ہے۔

میاں محمد کی مثنوی نے تازہ گرفتار کشمیری قوم کو عزم و ہمت کا یہ پیغام دیا ہے:

جھل جھل ہار نہ ہاریں ہمت ہکدن پھر سی پاسا
بھکھا منگن چڑھے محمد اوڑک بھروا کاسا ۳۰۵

فاضل مقالہ نگار نے میاں محمد بخش کی مثنوی کی علامات کے بارے میں بتاتے ہوئے پہلے میاں صاحب کا شعر پڑھا:

رحمت دا مینہ پا الٰہی باغ سکا کر ہر یا
بوٹا آس امید میری دا کر دے ہریا بھریا ۳۰۶

شعر پڑھنے کے بعد انہوں نے بتایا کہ رحمت سے مراد آزادی و استقلال ''باغ سکھا'' سے مراد غلامی اور قومی پستی ہے۔ پھر انہوں نے بتایا کہ میاں محمد بخشؒ نے مولانا رومی کی طرح جہد مسلسل اور سعی پیہم کا پیغام دیا:

مردا ہمت ہار نہ مولے مت کوئی کہے نامردا
ہمت نال لگے جس لوڑے پائے باجھ نہ مردا ۳۰۷

اس شعر کے ساتھ ہی مقالہ نگار نے مقالہ کو ختم کر دیا۔

معتمد بزم نے الحاج محمد یعقوب ہاشمی کو خطاب کرنے کی دعوت دی تو یعقوب ہاشمی نے کہا کہ میاں محمد بخشؒ کشمیر کے صوفی شاعر ہیں۔ ان کی شاعری حال و قال کی شاعری ہے وہ صحیح معنوں میں رومی کشمیر ہیں ڈاکٹر صابر آفاقی نے مولانا رومیؒ اور میاں محمد بخشؒ کی شاعری کا موازنہ کر کے ہماری معلومات میں بیش قیمت اضافہ کیا ہے۔ مقالہ مقالہ نگار کی علمیت اور وسیع مطالعہ کا ثبوت ہے۔ محمد یعقوب ہاشمی کے خطاب کے بعد محفل برخاست ہو گئی۔ ۳۰۸

''شمع ادب سوسائٹی''، مظفرآباد کے ہفتہ وار جلسے کی روئیداد:

سوسائٹی کے زیر اہتمام منعقدہ ہفتہ وار جلسے کے دو ادوار ہوتے تھے۔ پہلے دور میں کسی ادبی تخلیق پر تنقید کی جاتی اور دوسری نشست میں مشاعرہ ہوتا تھا چنانچہ اس روایت کو نبھاتے ہوئے جولائی ۱۹۷۶ء کے ہفتہ وار اجلاس کی دو نشستیں تھیں پہلی تنقیدی نشست تھی

پروگرام درج ذیل تھا:

صدارت	:	یعقوب ہاشمی
سیکرٹری	:	منور شاہ
نشست	:	تنقیدی (غزل)
شرکائے محفل	:	لطیفؔ انصاری، آزر عسکریؔ، محمد خان نشترؔ، غلام حسین شاہ بےؔ تاب نذیر خاورؔ لدھانوی اور الطاف قریشی۔

۹ بجے تلاوت کلام پاک سے ادبی نشست کا آغاز کیا گیا۔ سب سے پہلے آزر عسکریؔ نے نعت تحت اللفظ

سنائی اس کے بعد سیکرٹری بزم نے پچھلے ہفتے کے اجلاس کی کارروائی سنائی اور رجسٹر پر صدر محفل سے دستخط کروائے۔
اس کے بعد تقریب کا باقاعدہ آغاز کیا گیا سب سے پہلے سیکرٹری نے زاہد کلیم کو دعوت دی کہ وہ سٹیج پر آئیں اور تنقید کے لیے اپنی غزل پیش کریں۔

زاہد کلیم سٹیج پر تشریف لائے۔ انہوں نے تنقید کے لیے غزل پیش کی غزل ملاحظہ ہو:

اک نہ اک دن مہرباں یہ آسماں ہو جائے گا
وہ بت نامہرباں بھی مہرباں ہو جائے گا
جب نگاہ حسن کی تاثیر سے دھڑکے گا دل
شورش محشر میں گم امن واماں ہو جائے گا
جب ہوا کے دوش پر لہرائے گی وہ زلف تو
ذرہ، ذرہ، گلستان کا نغمہ خواں ہو جائے گا
رقص فرما ہوں گے برگ سرو نغمہ خواں طیور
بزم گل میں بے زباں ہر با زباں ہو جائے گا
اس کے لہجے کی جھنک سے گل کھلیں گے سر بہ سر
فیض سے اس کے معطر گلستان ہو جائے گا
کشتی امید ہوگی جب تلاطم میں میری
پرچم گیسوئے جاناں، بادباں ہو جائے گا
جب زمانے کے ستم کی دھوپ ہو گی ہر طرف
اس کا پرتو مجھ پہ مثل سائباں ہو جائے گا
جب جبیں ناز سے کاکل ہٹائے گی پرے
عارض گل پر مہر کا گماں ہو جائے گا
جب نزاکت سے رکھے گی دوش پر آنچل کو وہ
چارۂ صبرو سکوں، سب رائیگاں ہو جائے گا
زندگی فانی سہی زاہد مگر ہر اک نفس
اس کے پہلو میں حیات جاوداں ہو جائے گا ۳۰۹

زاہد کلیم غزل پڑھ کر سنا چکے تو سیکرٹری منور شاہ نے آذر عسکری کو دعوت دی کہ وہ غزل کے بارے میں اظہار خیال کریں۔ آذر عسکری نے کہا کہ غزل کے دوسرے اور تیسرے شعر میں حسن تعلیل ہے شاعر نے وقوع کے لیے ایسی توجیہ پیش کی ہے جو مبنی بر حقیقت نہ ہونے کے باوجود حقیقت معلوم ہو رہی ہے۔

لطیف انصاری نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا کہ نامہرباں، مہرباں اور بے زباں، با زباں میں تضاد ہے۔ ان متضاد الفاظ کے استعمال سے غزل میں غنائیت پیدا ہو گی ہے۔

محمد خان نشتر نے کہا کہ شعر نمبر چار جس کا مصرع ہے۔

ع رقص فرما ہوں گے برگ سرو، نغمہ خواں طیور

میں لف ونشتر مرتب ہے انہوں نے کہا کہ شاعر نے فارسی الفاظ جیسے شورش، برگ، نغمہ خواں، دوش، طیور، گیسو، عارض، جاوداں کا استعمال کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اسے الفاظ کے مناسب استعمال پر مکمل عبور حاصل ہے۔ یہ ذخیرہ الفاظ اس کے وسیع مطالعہ کا ثبوت بھی ہیں۔

جبکہ عارضِ گل کو مہر سے تشبیہہ دی ہے جو خوبصورت اور اچھوتی تشبیہہ ہے ان کا طریق تشبیہہ منفرد ہے۔

آزرؔ عسکری نے کہا نوجوان شاعر تراکیب کے برمحل استعمال پر بھی قدرت رکھتا ہے اس نے غزل میں چارۂ صبر وسکوں اور حیات جاوداں کا صحیح استعمال کر کے اشعار کے معنی میں گہرائی پیدا کی ہے۔

الطافؔ قریشی نے کہا کہ غزل کے آخری شعر میں بھی حسن تعلیل ہے۔

نذیر خاورؔ لدھانوی نے کہا شاعر نے غزل کے زیادہ اشعار میں حسن تعلیل کو برتا ہے۔ غزل کا یہ شعر جس کا مصرع ہے۔

ع کشتی امید ہوگی جب تلاطم میں میری

میں بھی حسن تعلیل ہے۔

غلام حسینؔ شاہ بے تاب نے کہا کہ غزل کے تین اشعار جن کے مصرعے ہیں:

پہلا : جب زمانہ کے ستم کی دھوپ ہوگی ہر طرف

دوسرا : جب جبیں ناز سے کاکل ہٹائے گی پرے

تیسرا : جب نزاکت سے رکھے گی دوش پر آنچل وہ

میں مراعات النظیر ہے۔

آزرؔ عسکری نے کہا کہ غزل میں فکری وحدت ہے۔ غزل کا ردیف قافیہ بھی مترنم ہے۔

الطافؔ قریشی نے کہا کہ پرچم گیسوئے جاناں خوبصورت تشبیہہ ہے۔ شاعر نے الفاظ کے استعمال میں خاص صوتی اثرات اور کیفیتوں کو مدنظر رکھا ہے۔

نذر خاورؔ لدھانوی نے کہا کہ غزل کا مضمون روایتی ہے جس میں محبوب کے عارض و رخسار اور زلفوں کا ذکر موجود ہے۔ غزل میں خارجیت ہے۔ شاعر نے محبوب کے حسن، سراپا اور خدوخال (نگاہ، دوش، لہجہ، گیسو، کاکل، عارض اور نزاکت) کا ذکر کیا ہے۔

یعقوب ہاشمی جو صدر محفل تھے کو دعوت دی گئی کہ وہ بھی غزل کے بارے میں کچھ کہیں انہوں نے شاعر کو سراہا کہ اس کی غزل اس بات کی غماض ہے کہ اس نے جوشؔ کے کلام کو توجہ سے پڑھا ہے اور بطور خاص اثر قبول کیا ہے۔

انہوں نے کہا کہ شاعر نے نرم و نازک الفاظ کے فنکارانہ استعمال، مترنم بحر کے انتخاب، لفظوں کی آہنگ اور مصرعوں کی ترتیب سے موسیقیت پیدا کی ہے۔ یہ خوبیاں اسے نامور شاعر بننے میں مدد دیں گی۔

شاعر کو محاکات نگاری پر بھی مہارت حاصل ہے وہ جیتا جاگتا منظر ہماری نگاہوں کے سامنے لے آیا ہے۔

اس نے بحر و اوزان سے سرمو انحراف نہیں کیا جو ثابت کرتا ہے کہ اسے فن عروض پر مکمل دسترس حاصل ہے۔

یہ تقریب رات ۱۲ بجے کے قریب ختم ہوئی تو سیکرٹری منور شاہ نے سامعین سے گزارش کی کہ وہ رات کا کھانا کھانے کے لیے تشریف لائیں تاکہ کھانا کھانے کے بعد اجلاس کی دوسری نشست یعنی مشاعرے کا آغاز کیا جا سکے چنانچہ رات ۱ بجے جلسے کی دوسری نشست میں مشاعرے کا آغاز کیا گیا۔ ۱۰۳ع

"شمع ادب سوسائٹی"، مظفرآباد کے ہفتہ وار جلسے کی روئیداد:

"شمع ادب سوسائٹی" کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے اجلاس کی دو نشستیں ہوتی تھیں پہلی نشست میں تنقید ہوتی تھی اور دوسری میں مشاعرہ ہوتا تھا۔

مشاعرہ کا پروگرام اس طرح تھا:

صدارت : یعقوب ہاشمی

سیکرٹری : عبداللطیف کھوکھر

شرکائے مشاعرہ : جی۔ یم لولابیؔ، زید اللہ فہیمؔ، عارف ادیبؔ کیانی، ابرہیم گلؔ، منور قریشیؔ، زاہد کلیمؔ، رسول طاؤسؔ بانہالی، محمد خان نشترؔ، بلبلؔ کاشمیری، الطافؔ قریشی، ڈاکٹر صابرؔ آفاقی، آزرؔ عسکری، عمیؔ اور مخلصؔ وجدانی۔

جی ایم لولابیؔ کی غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

چلے آؤ ڈھل نہ جائے کہیں شام یہ سہانی
کہ غروب کے قرین ہے میرا مہر زندگانی
میں چراغ، جو جلاؤں اسے آندھیاں بجھائیں
کہ ہے آسماں سے اپنی کوئی دشمنی پرانی ۳۱۱؎

غزل میں فکری وحدت ہے وہ غزل میں محبوب سے پرسوز انداز میں مخاطب ہو کر اسے اپنے پاس آنے کی ترغیب دیتا ہے۔

زید اللہ فہیمؔ کے سامنے شمع محفل لائی گئی تو انہوں نے غزل سنا کر خوب داد سمیٹی نمونہ کلام:

جدائی بھی ان کی گوارہ نہیں ہے
ہمیں ضبط غم پہ اجارہ نہیں ہے
نہیں تھی تو ان سے محبت نہیں تھی
ہوئی ہے تو حدو کنارہ نہیں ہے ۳۱۲؎

نہیں تھی کی تکرار نے غنائیت پیدا کر دی ہے۔ قافیہ مترنم ہے روایتی انداز غزل میں محبوب کی جدائی میں عاشق کی حالت زار کی بہترین عکاسی کی ہے۔

عارف ادیبؔ کیانی اپنے مخصوص انداز میں غزل سرا ہوئے تو سامعین چونک کر انہیں سننے لگے غزل کا ہر لفظ سننے والوں کو اپنے اندر اترتا محسوس ہو رہا تھا نمونہ کلام:

اب میکشوں کو ساغر رنگیں سے کام کیا
ان کی نگاہ مست ہی دل کی شراب ہے ۳۱۳؎

محبوب کی نگاہ مست کو ساغر رنگیں سے تشبیہہ دی ہے جو روایتی تشبیہہ ہے مگر ادیب نے اسی کلاسیکی مضمون کو اچھوتے پیرائے میں نبھایا ہے۔

ابرہیم گلؔ کے سامنے شمع آئی تو انہوں نے گونج دار آواز میں تحت اللفظ گیت سنایا اس کے چند بول درج ذیل ہیں:

گیت

میرے چمن سے خزاں کا پرتو
سمٹ رہا ہے سمٹ رہا ہے
بہار اپنے حسین بازو
اٹھائے میرے چمن کی جانب
یوں بڑھ رہی ہے
کہ جیسے ممتا تڑپ کے اپنے جگر کے گوشے کو گلے لگائے ۳۱۴؎

گیت میں تسلسل بیان اور ربط ہے۔ گیت لفظوں اور آوازوں کی سرمالا ہے:

منور قریشیؔ کی غزل کے ان اشعار کو سب نے سراہا:

غنچے غنچے کا دہن یاد آیا
تم کو دیکھا تو چمن یاد آیا
زلف بکھری تو صبا یاد آئی
پھول مہکے تو بدن یاد آیا ۳۱۵

زاہد کلیم کو دعوت سخن دی گئی تو انہوں نے بھی تحت اللفظ غزل سنائی نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

آنچل ہوائے تیز میں سر سے ڈھلک گیا
دوش ہوا پہ کاکل شب گوں بکھر گئی
قربان اس کے مصحف رخسار پہ کہ جو
دے کر مہہ دو ہفتہ کا دل کو اتر گئی ۳۱۶

پہلے شعر میں مراعات النظیر ہے غزل میں محاکات ہے شاعر نے محبوب کے سراپے کا ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غزل میں خار جیت ہے۔

رسول طاؤس بانہائی نے غزل پڑھی تو ہر طرف سے واہ واہ سنائی دینے لگا۔ نمونہ کلام:

شبنم و شعلہ گل، دیدہ و دل ایک ہوئے
آگ پانی میں گھڑی آئی ہے ٹھن جانے کی ۳۱۷

طاؤس کی تشبیہات اور استعارات برمحل ہوتی ہیں۔ خوبصورت تشبیہات اور استعارات نے ان کی شاعری کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔

محمد خان نشتر نے غزل سنائی نمونہ کلام:

پانے والے سجدہ کر کے پاگئے اپنی مراد
شوی قسمت سے جب تک ہم وضو کرتے رہے
ضبط و تمکین سے اٹھا کر ہاتھ بزم حسن میں
عشق والے عشق کو بے آب رو کرتے رہے ۳۱۸

غزل میں خوشنما الفاظ اور تراکیب نے نغمگی، روانی اور جمالیاتی حسن پیدا کر دیا ہے۔

بلبل کاشمیری کی باری آئی تو انہوں نے مزاحیہ غزل سنائی نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

نظر بازوں کو بھی دھوکہ ہوا فیشن کے چھل بل سے
وہ اکثر اچھی خاصی چھو کری کو چھوکرا سمجھے
علاج درد دل میرا کرے وہ چارہ گر کیسے؟
جو دل، گردے کو سمجھے اور جگر کو پھیپھڑا سمجھے ۳۱۹

غزل میں موجودہ دور کے فیشن پرست نوجوانوں اور ڈاکٹروں کی بے حسی پر بھر پور طنز ہے۔

الطاف قریشی کے سامنے شمع محفل رکھی گئی تو انہوں نے نظم سنائی چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بنام جذبہ آزادی وطن ہم لوگ
تمہارے عزم کو نغمہ بنا کے گائیں گے
وفا شعار شہیدو قسم شجاعت کی
وطن کو دست ستم کیش سے چھڑائیں گے ۳۲۰

شاعر نے کشمیری حریت پسندوں کی عظمت کو سلام پیش کیا ہے نظم میں جوش اور ولولہ ہے۔

ڈاکٹر صابر آفاقی کے سامنے شمع آئی تو انہوں نے غزل سنائی:

سندر ناری دیکھ کے تڑپیں گھبرو چھیل چھبیلے
وہ کب سنبھلیں جس کو تاکیں ترے نین رسیلے
ان کے نیناں ایسے اڈے جیسے چیت کے چشمے
لکھ لکھ رکھے صابر جتنے کاغذ ہو گئے گیلے ۳۲۱

شاعر نے ہندی الفاظ کے استعمال سے غنائیت پیدا کی ہے۔ لکھ لکھ میں تکرار ہے۔ شاعر نے محبوب کی آنکھوں کی تعریف کی ہے۔

نعیم اختر نعیم کی غزل کے اشعار ملاحظہ ہوں:

کیوں آس لگائے ہو یہاں پیار ملے گا
صحرا میں کہاں سایۂ دیوار ملے گا ۳۲۲

شاعر نے شکوہ کیا ہے کہ محبوب کے دل میں عاشق کے لیے پیار کی کوئی رمق نہیں ہے۔ اس لیے ایسے محبوب سے محبت کی توقع رکھنا عبث ہے۔

آزر عسکری اپنے مخصوص انداز میں نظم سنائی تو تمام سامعین ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھ گئے نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

ایران کبیر و ایران صغیر

کشمیر سے ایران کا رشتہ قدیمی — اس میں جو بزرگ آئے وہ ایران سے آئے
کتنے ہی خدا دوست تھے تبلیغ کی خاطر — ختلان سے آئے کبھی ہمدان سے آئے
پھر آج نظر اٹھتی ہے ایران کی جانب — چھائے ہوئے وادی پہ ہیں پھر کفر کے سائے
پھر بڑھ گئی کشمیر میں ''زنار بدوشی'' — ہمدان سے زنار جلانے کوئی آئے ۳۲۳

نظم میں شاہ ہمدان کی کشمیر آمد اور یہاں پر اسلام پھیلانے کے لیے ان کی کوششوں کو ذکر کیا ہے۔ ردیف اور قافیہ میں تناسب اور اعتدال ہے جس سے نظم میں غنائی کیفیت پیدا ہوئی ہے۔

عبدالغنی غنیؔ نے غزل سنا کر خواب واہ واہ سمیٹی نمونہ کلام:

درد میں جب بھی مسکرائے ہیں
آنسوؤں کے دیے جلائے ہیں
کتنے خوشیوں کے گل ہوئے ہیں چراغ
کتنے فانوس جگمگائے ہیں ۳۲۴

شاعر نے دکھ درد میں گریہ وزاری کا ذکر کیا ہے۔

آخر میں نوجوان شاعر مخلص وجدانی کو دعوت دی گئی کہ اپنی نظم پیش کریں۔ مخلص وجدانی نے اپنی نظم 'دعا'' سنائی ملاحظہ ہو:

میرے داتا پالنہار
تو نے بنایا کل سنسار
تیری ثنا ہر چیز کرے
ہر اک تیرا شکر گزار
میرے داتا پالنہار

علم کی مجھ کو دولت دے
مہر محبت الفت دے
آگ بجھا دے نفرت کی
میرے دل کی ہے یہ پکار
میرے داتا پالنہار ۳۲۵

نظم میں مخمس کی ہیئت میں ہے اس میں روانی اور ترنم ہے یہ سہل ممتنع کی عمدہ مثال ہے۔ جب مخلص وجدانی نظم سنا چکے تو معتمد بزم نے مشاعرے کی خاتمے کا اعلان کر دیا یعقوب ہاشمی نے تمام شرکائے محفل کو اچھی شاعری سنانے پر مبارک باد پیش کی۔ ۳۲۶

"بزم آزر عسکری"، مظفرآباد کے زیر اہتمام مشاعرے کی روئیداد:

۱۵ فروری ۱۹۸۴ء کو بزم آزر نے مرزا غالب کی برسی کے موقعہ پر مرزا غالب کی یاد میں مشاعرے کا انعقاد کیا گیا۔ تقریب سید کفایت حسین نقوی کی رہائش گاہ پر منعقد کی گئی۔

پروگرام کی ترتیب یوں تھی:

صدر انجمن	:	پرفیسر ڈاکٹر صابر آفاقی
نائب صدر	:	سید کفایت حسین نقوی اور مرزا زید اللہ فہیم
جنرل سیکرٹری	:	ابراہیم گل
شرکائے مشاعرہ	:	مقامی شعراء

رات ۹ بجے پروگرام کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا گیا نعت رسولؐ مقبول زاہد کلیم نے پیش کی۔ اس مشاعرے کی خصوصیت یہ تھی کہ تمام شریک شعراء سے کہا گیا تھا کہ وہ غالب کی غزلوں کی زمینوں پر اپنی لکھی ہوئی غزلیں سنائیں۔

چنانچہ مشاعرے کا باقاعدہ آغاز کرنے کے لیے سب سے پہلے شمع محفل عارف ادیب کیانی کے سامنے رکھی گئی۔ عارف ادیب کیانی نے غالب کی غزل جس کا مصرع ہے:

ع "مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے"

کی زمین پر لکھی ہوئی غزل سنائی غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اشکوں کو سوزِ دل سے فروزاں کیے ہوئے
بیٹھا ہوں غم کدے میں چراغاں کیے ہوئے
کھیلی ہے چشمِ شوق ستاروں سے رات بھر
اشکِ الم کو زینتِ مژگاں کیے ہوئے ۳۲۷

غزل میں سوز وگداز، تجرو تالم، داخلیت اور تشنگی کی کیفیت موجود ہے ان خوبیوں نے غزل کو غزل گوئی کی معراج پر پہنچا دیا ہے۔

اس کے بعد شمع محفل مجاہد حسین نقوی کے سامنے رکھی گئی انہوں نے غالب کی غزل جس کا مصرع ہے:

ع "کی وفا ہم سے تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں"

کی زمین پر لکھی ہوئی سات اشعار پر مشتمل غزل سنائی انہوں نے ایک شعر میں غالب کی اسی غزل کے مصرع پر تضمین لکھی ہے۔ نمونہ کلام:

آسماں نے ترے گالوں سے شفق مانگی ہے
چاندنی کو تری آنکھوں کی ضیا کہتے ہیں
آپ کہتے ہیں تو پھر ٹھیک ہی کہتے ہوں گے
''ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں'' ۳۲۸

پہلے شعر میں آسمان کی سرخی کو محبوب کے گالوں کی سرخی سے تشبیہہ دی ہے اور چاندنی کو محبوب کی آنکھوں کی روشنی سے تشبیہہ دی ہے۔

ابراہیم قلؔ کے سامنے شمع رکھی گئی تو انہوں نے غالب کی غزل جس کا مصرع ہے:

ع ''دہر میں نقش وفا وجہ تسلی نہ ہوا''

کی زمین پر لکھی ہوئی غزل تحت اللفظ سنائی نمونہ کلام:

آج کے دور میں چلتے ہیں تو بجلی کے چراغ
قصہ پارینہ بہت شمع و پروانہ ہوا
کرچیاں کانچ کی راہوں سے اٹھانے والے
شیشہ شیشہ ہی رہا ہے کبھی ہیرا نہ ہوا ۳۲۹

شیشہ شیشہ میں تکرار ہے غزل میں تکرار الفاظ سے بات پر زور دینا مقصود ہے۔

عبدالرزاق بیکلؔ کی باری آئی تو انہوں نے غالب کی غزل کی زمین:

ع ''ناوک انداز جدھر دیدہ جاناں ہوں گے''

پر لکھی ہوئی غزل سنائی شعر ملاحظہ ہو:

دل جگر خاک ہیں کل خاک پریشاں ہو گے
اور ہوں گے کہ تیرے پیار کے شایاں ہو گے ۳۳۰

یہ غالب کے انداز کو اپنانے کی اچھی کاوش ہے۔

بیکلؔ کے بعد زید اللہ فہیم نے غالب کی زمین:

ع ''ابن مریم ہوا کرے کوئی''

پر لکھی ہوئی غزل سنائی۔ شعر ملاحظہ ہو:

دل کی باتیں سنا کرے کوئی
زخم دل کو سیا کرے کوئی ۳۳۱

غالب کی یہ غزل سہل ممتنع کی بہترین مثال ہے جسے فہیم نے سہل ممتنع کی ہی خوبی سے برتا ہے۔

ڈاکٹر افتخار حسین مغل نے غالب کی زمین:

ع ''دل ناداں! تجھے ہوا کیا ہے''

پر لکھی ہوئی غزل سنائی۔ نمونہ کلام:

ایک پل کو تجھے نہ سوچوں تو
سوچتا ہوں کہ یہ کیا کیا ہے
اک لپک ہے غرور آئینہ
اور آئینے میں رکھا کیا ہے ۳۳۲

آئینہ اور آئینے میں تجنیس زائد و ناقص ہے۔

مخلص وجدانی کے سامنے شمع محفل آئی تو انہوں نے غالب کی زمین:

ع "ابن مریمؑ ہوا کرے کوئی"

پر لکھی ہوئی غزل سنائی چند اشعار دیکھئے:

بند در ہو تو وا کرے کوئی
میری مشکل کا، کیا کرے کوئی
ایک سے لوگ شہر کے سارے
کس کے در پر صدا کرے کوئی ۳۳۳

غزل میں روانی اور ترنم ہے۔

آخر میں ڈاکٹر صابر آفاقی صدر بزم آزر نے غزل سنائی تو ہر طرف سے مکرر مکرر کی آوازیں سنائی دینے لگیں انہوں نے غالب کی زمین:

ع **"کیوں جل گیا نہ تاب رخ یار دیکھ کر"**

پر لکھی ہوئی غزل سنائی تھی:

صابر جو اس کی تیغ ادا کا شہید ہے
ڈرتا نہیں ہے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر ۳۳۴

غزل میں تغزل اور غنائیت دونوں خوبیاں موجود ہیں۔ آخر میں سید کفایت حسین نقوی نے شعراء کے کلام کی تعریف کی اور سب کو کھانے کی دعوت دیتے ہوئے مشاعرے کے خاتمے کا اعلان کیا۔ ۳۳۵

"ینگ مینز لٹریری ایسوسی ایشن"

مظفر آباد کے خصوصی مشاعرے کی روئیداد:

"ینگ مینز لٹریری ایسوسی ایشن" مظفر آباد نے ۱۹۸۹ء میں ایک خصوصی مشاعرے کا انعقاد نیلم گیسٹ ہاؤس کے سبزہ زار میں کیا۔ پروگرام کی تفصیل اس طرح تھی:

صدر محفل	:	ڈاکٹر صابر آفاقی
صدارت	:	خالد جمیل
سیکرٹری	:	ڈاکٹر نثار ہمدانی
شرکائے مشاعرہ	:	جواد جعفری، شاہد بہار، میاں کریم اللہ قریشی، فرزانہ فرح، ابراہیم گل، احمد عطا اللہ، علی عارفین، اعجاز نعمانی، زید اللہ فہیم، احمد حسین مجاہد، ڈاکٹر افتخار حسین مغل، سیدہ آمنہ بہار رونا، ایم یامین، توصیف خواجہ، زاہد کلیم اور میر واحد اعجاز ہمدانی

رات ۹ بجے تلاوت کلام پاک اور نعت رسول مقبول سے مشاعرے کا آغاز کیا گیا سب سے پہلے ڈاکٹر نثار حسین ہمدانی نے جواد جعفری کو دعوت سخن دی جواد جعفری نے غزل سنائی۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

چھوڑ کر ہم میکدے کو تیرے در پر آگئے
آج آنکھوں سے پلا دے ساقیا کوئی نہیں

اور بھی شہ زور تھے دنیا میں حیدرؓ کے بغیر
دوسرا کوئی بھی ہے شیر خدا کوئی نہیں ۳۳۶

شیر خدا اور حیدرؓ میں تلمیح ہے۔محبوب کی خوبصورت اور مستانہ آنکھوں کی تعریف کی ہے۔ دوسرے شعر میں حضرت علیؓ کی دلیری و بہادری کی ثنا بیان کی ہے۔شاہد بہار کو دعوت سخن دی گئی تو انہوں نے دو ہائیکو سنائیں۔ ملاحظہ ہوں:

پہلی ہائیکو:

جھیلیں روتی ہیں
جہلم تیری لہروں پر
لاشیں سوتی ہیں ۳۳۷

کشمیریوں کے لیے جہلم ایک ذریعہ ہے جو دونوں اطراف کے کشمیریوں ملاتا ہے مگر اب بھارتی فوجیوں نے کشمیریوں کی لاشیں اس کے سپرد کر کے آزاد کشمیر بھجوانے کا کام شروع کر دیا ہے یہ ہائیکو اسی درد اور دکھ کی عکاس ہے۔

دوسری ہائیکو ملاحظہ ہو:

ساتھ سمندر پار
جانے والے کب آتے ہیں
بھولی ہے تیار ۳۳۸

موجودہ دور میں بیرون ملک جانے والے نوجوانوں کو اپنا وطن اور اہل وطن بھول جاتے ہیں مگر وہ یہ نہیں سوچتے کہ کوئی ان کی جدائی میں کتنا اداس ہے۔شاہد کی ہائیکو ان کے احساس و جذبات کی عکاس ہیں۔

میاں کریم اللہ قریشی کو دعوت سخن دی گئی تو انہوں نے نظم "خضر دیکھتا ہے ولر کے کنارے سنائی نظم کا بند ملاحظہ ہو:

ہمالہ کے چشموں کے عالم میں چرچے
جریدوں، رسالوں کے کالم میں چرچے
رسائل جرائد بھرے ان سے سارے
خضر دیکھا ہے ولر کے کنارے ۳۳۹

خضر میں تلمیح ہے نظم میں کشمیر کی روایتی علامتوں ہمالہ اور ولر کا بامعنی استعمال کیا گیا ہے۔نظم میں روانی اور بہاؤ ہے۔

ابراہیم گُل کو دعوت دی گئی تو انہوں نے گیت سنایا۔گیت کے کچھ بول ملاحظہ ہوں:

گیت:

رت ساون کی جب آئے
آنکھوں سے میری نیند اڑ جائے
آگ سی میرے تن من میں لگائے
رت ساون کی جب جب آئے ۳۴۰

گیت میں روانی ہے اس میں شاعر کے جذبات کی بہترین عکاسی ہے۔

احمد عطااللہ نے غزل سنائی۔ ۸ اشعار کی غزل ہے غزل کے اشعار دیکھئے:

یک طرفہ محبت تھی جتائی بھی نہیں تھی
جاجا کے کتھا سب کو سنائی بھی نہیں تھی
چاہا تھا کہ لے جاؤں ہتھلی پہ دل و جاں
یہ رسم کوئی اتنی پرانی بھی نہیں تھی ۳۴۱

جاجا میں تکرار ہے۔ دل و جاں میں تضاد ہے۔ تکرار اور تضاد نے اشعار میں خوبصورتی پیدا کر دی ہے۔ کتھا ہندی لفظ ہے شاعر نے اس کا مناسب استعمال کیا ہے۔ مضمون غزل اردو شاعری کا روایتی مضمون ہے۔ جس میں عاشق کی یک طرفہ محبت اور اس کا محبوب کے حضور اپنا دل و جان پیش کرنے کا ذکر موجود ہے۔

علی عارفین نے غزل سنائی نمونہ کلام:

دل دے کر نقصان تو ہوگا
عشق میں یہ تاوان تو ہو گا
برسوں ہم نے جس کو سوچا
کوئی وہم گمان تو ہو گا ۳۴۲

محبت میں سراسر خسارہ ہے۔ لیکن انسان دل کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہے۔

اعجاز نعمانی کی غزل کا نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

کہیں تو شوخیاں کہیں انا پسند آگئی
ہے اپنا اپنا ذوق جو ادا پسند آگئی
عجب نہیں کہ چھین لے امیر شہر اس کو بھی
اگر کسی فقیر کی قبا پسند آ گئی ۳۴۳

اپنا اپنا میں تکرار ہے دوسرا شعر میں امیر شہر پر طنز کی ہے جو غریبوں کے مال پر ڈاکا ڈالنا فرض سمجھتا ہے۔

ترید اللہ فہیم کو دعوت سخن دی گئی انہوں نے غزل سنائی اشعار ملاحظہ ہوں:

رفاقتوں کا سلسلہ عجیب ہے حضور من
کبھی خوشی تو غم کبھی نصیب ہے حضور من
عجیب سا رواج ہے ہمارے شہر کا فہیم
فریب اس کو دینا جو حبیب ہے حضور من ۳۴۴

زندگی کی اس حقیقت پر طنز کی ہے کہ ہمیشہ انسان کو نقصان اس کے قریبی دوست اور عزیز ہی پہنچاتے ہیں۔

نازؔ مظفرآبادی کو دعوت سخن دی گئی تو انہوں نے غزل ترنم کے ساتھ پڑھی۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

فقیروں کی گلی کا پوچھ لینا
طریقہ بندگی کا پوچھ لینا
کسی سے عشق فرمانے سے پہلے
نتیجہ عاشقی کا، پوچھ لینا ۳۴۵

اپنے ذاتی تجربات کی روشنی میں شاعر نے عاشقی سے باز رہنے کی نصیحت کی ہے غزل کا انداز طنزیہ اور

مزاحیہ ہے۔

احمد حسین مجاہدؔ کو دعوت دی گئی تو وہ غزل سرا ہوئے۔ ان کی غزل کے مقطع کو سب نے پسند کیا:

تو ہی دنیا کو سمجھ پرور دۂ دنیا ہے تو
میں تو یونہی اچھا ہوں سب سے بے خبر رکھا ہوا ۳۴۶

اپنی سادگی اور دنیا کی فریب کاریوں کے بارے میں بتایا ہے۔

ڈاکٹر افتخارؔ حسین مغل نے غزل سنائی شعر ملاحظہ ہو:

جمالِ گاہِ تغزل کی تاب و تب تری یاد
پہ تنگنائے غزل میں سمائے کب تیری یاد ۳۴۷

تب اور کب میں تجنیس مضارع ہے شاعر نے محبوب کے حسن کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ محبوب کا حسن اس کا ذکر اتنا طویل ہے کہ اس کو غزل میں سمونا ممکن نہیں۔

سیدہ آمنہ بہار روناؔ نے غزل سنائی۔ اشعار دیکھئے:

سر شاخِ تمنا جو کھلا ہے
یہ گل ہے یا کوئی حرف دعا ہے
کہاں تک روشنی محفوظ ہو گی
ہوا کی دسترس میں ہر دیا ہے ۳۴۸

غزل سہل ممتنع کی بہترین مثال ہے غزل کے دھیمے خنک اور خطیبانہ پیرایہ ہائے اظہار و بیان میں افسردگی اور مایوسی کی ایک لہر موجود ہے۔

ایم یامینؔ نے آزاد نظم سنائی۔ نمونہ کلام:

اس نے
اپنی سوندھی سوندھی
مٹی گوندھی تھی
اور عجب سرشار سے
پیار کے چاک پہ رکھ دی تھی
میں اپنے دونوں ہاتھوں کی
پوروں میں جاگ اٹھا تھا ۳۴۹

ایم یامینؔ کے ہاں زمین اور وطن کو بنیادی حیثیت حاصل ہے ہر کشمیری کی طرح شاعر کو بھی اپنی سرزمین سے روحانی وابستگی ہے۔ اور یہی وابستگی ان کی شاعری میں شدت سے اپنا اثر دکھاتی ہے۔

توصیفؔ خواجہ غزل سرا ہوئے تو ہر طرف سے مکرر مکرر کی آوازیں آنے لگیں۔ شعر ملاحظہ ہو:

مت سوچ کہ ٹوٹے گی تجھ سے الجھ کر
برسوں میرے اندر، یہ انا مجھ سے لڑی ہے ۳۵۰

اپنی انانیت اور عشق غیور کا ذکر کیا ہے۔

زاہد کلیمؔ کو دعوت سخن ملی تو انہوں نے غزل سنائی کلام بطور نمونہ:

کوئی بتائے عنادل کو صحت گلشن میں
گلوں سے سامنے گل چیں کے گفتگو نہ کریں

بہار آتے ہی فرمان یہ ہوا جاری
چمن سے اہل چمن، کسب رنگ و بو نہ کریں ۳۵۱

زاہد کلیم نے گلشن و گلزار، عنادل، گل چیں اور رعنائی بہار جیسے قدیم کلاسیکی استعاروں اور علامتوں کے ذریعے اپنے جذبات و احساسات، تصورات، محرومیوں اور تجربات کا اظہار کیا ہے۔ دونوں شعروں میں مراعات النظیر ہے۔

سید نثار حسین ہمدانی کو دعوت سخن دی گئی تو انہوں نے ایک آزاد نظم ''دکھ'' اور دوسری ہائیکو سنائی۔
آزاد نظم ''دکھ'' ملاحظہ ہو:

دکھ یہ نہیں
تم نے ہمیں
جو کچھ کہا
وہ تلخ تھا
ہاں دکھ یہ ہے یہ
جو تلخ تھا
تم نے کہا ۳۵۲

نظم کی زبان سادہ اور صاف ہے۔ سادگی سے کہی ہوئی بات دل میں پیوست ہو جاتی ہے نظم میں محبوب سے شکوہ و شکایت کا انداز پایا جاتا ہے۔
ہائیکو:

دل کو یہ سمجھانا ہے
درد جہاں تک بڑھ جائے
بالآخر مٹ جانا ہے ۳۵۳

ہائیکو میں نثار حسین ہمدانی کے جوہر خوب کھلتے ہیں انہوں نے زندگی کی تلخ سچائیوں کو تین مصرعوں میں سمو دیا ہے جو بڑا مشکل کام ہے۔
میر واحد اعجاز ہمدانی نے غزل سنا کر سامعین کو مسحور کر دیا۔ شعر ملاحظہ ہو:

وہ ایک بات جو تم نے کبھی کہی ہی نہیں
میں چاہتا تھا کہ بولوں اس ایک بات کے بعد ۳۵۴

شاعر نے رمز و ایمائیت کے پردے میں بات کی ہے جس سے بات میں گہرائی، پختگی اور دلکشی پیدا ہوگئی ہے۔
مخلص وجدانی نے غزل پیش کی۔ اشعار دیکھئے:

وہ نگاہوں سے جب پلاتے ہیں
میکدے ٹھوکریں سی کھاتے ہیں
بزم ہستی یہی تو ہے مخلص
لوگ آتے ہیں لوگ جاتے ہیں ۳۵۵

آتے جاتے میں تضاد ہے۔ پہلے شعر میں مبالغہ ہے شاعر نے دوسرے شعر میں ناپائیداری دنیا کا ذکر کیا ہے۔
ڈاکٹر صابر آفاقی نے غزل سنائی غزل کے مقطع کو سب نے پسند کیا:

یہ حالات زمانہ جینے دیتے ہیں کہاں صابر
تخلص کی مگر ہے لاج جو صبروں میں رہتا ہوں ۳۵۶

شاعر نے اپنے تخلص کا بامعنی استعمال کیا ہے۔
ڈاکٹر صابر آفاقی سے ایک اور غزل سنانے کی فرمائش کی گئی۔ انہوں نے غزل تحت اللفظ سنا کر سب سے داد حاصل کی نمونہ کلام:

کانوں والے چیخیں سن کر، سن ہو جائیں جیسے
آنکھوں والے سب کچھ دیکھیں بولیں اور نہ بولیں
جاناں تیرے شہر میں ہم معتوب ہوئے کچھ ایسے
جس دروازے پر دستک دیں کھولیں اور نہ بولیں ۳۵۷

سن اور سن میں تجنیس تام ہے۔
ڈاکٹر صابر آفاقی نے اجتماعی معاشرتی بے حسی کے ساتھ محبوب کی بے حسی پر طنز کی ہے۔ انہوں نے زندگی کے حقائق کو جس طرح دیکھا ہے اس طرح پیش کر دیا ہے:
تقریباً رات ۲ بجے یہ خوبصورت محفل ختم ہوئی۔ ۳۵۸

"کشمیر سوسائٹی آف سائنٹیفک اینڈ سوشل ریسرچ"، مظفرآباد کے زیر اہتمام مشاعرے کی روئیداد:

جولائی ۱۹۹۳ء میں "کشمیر سوسائٹی آف سائنٹیفک اینڈ سوشل ریسرچ" مظفرآباد کے زیر اہتمام نیلم ویو کے ہال میں مشاعرے کا انعقاد کیا گیا۔ پروگرام کی ترتیب ایسے تھی:
صدارت: سردار سکندر حیات خان (صدر آزاد کشمیر)
مہمان خصوصی : منیر نیازی
سیکرٹری : ڈاکٹر افتخار حسین مغل
صدر انجمن : سردار محمد صدیق خان
رات ۹ بجے مشاعرے کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا گیا۔ نعت رسولؐ مقبول بشیر حسین جعفری نے پیش کی۔ مشاعرے کے آغاز میں ڈاکٹر افتخار حسین مغل نے ناز مظفرآبادی کو دعوت سخن دی تو انھوں نے غزل سنا کر سامعین سے خوب داد حاصل کی۔ خاص طور پر ان کے اس شعر پر خوب واہ واہ ہوئی:

اس رازِ "انا الحق" کو تو، منصور ہی جانے
ہر شخص یہاں واقف اسرار نہیں ہے ۳۵۹

منصور میں تلمیح ہے۔ شاعر نے راہ تصوف میں پیش آنے والی مشکلات کا ذکر کیا ہے۔
مسعود کشفی نے نظم سنائی، نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

آج کے دن ہمیں نصرت کا پیغام آیا تھا
ولولۂ شوکت اسلام کا کام آیا تھا
ایک دل ہو کے چلا قافلۂ جہد حیات
وطن پاک کا خوش ہم کو قیام آیا تھا ۳۶۰

کام آنا میں ایراد المثل ہے۔ قیام پاکستان کے موقع پر قوم کے اندر جو ولولہ، جوش اور اتحاد تھا شاعر نے اس کی تعریف کی ہے۔
فرزانہ فرح کو دعوت دی گئی تو انھوں نے غزل سنائی، نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

میں عورت ہوں میری فطرت میں شامل ہے وفاداری
وہاں سے پھر نہیں اٹھتی جہاں پر گھر بناتی ہوں

میں پتھر کا بھی دل دھڑکا دیا کرتی ہوں نظروں سے
نظر کے زاویوں سے نت نئے پیکر بناتی ہوں ۳۶۱

دھیمے لہجے میں نسوانی صلاحیتوں کا اعتراف معنی خیز ہے:

علی عارفین غزل سرا ہوئے تو ایک سماں بندھ گیا۔ انداز بیاں دیکھیے:

جب ترے آستاں سے گزرا ہوں
یاد کی کہکشاں سے گزرا ہوں ۳۶۲

غزل کا روایتی مضمون ہے۔ شاعر نے ایک عاشق کی حالتِ زار بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ جب وہ محبوب کی گلی سے گزرتا ہے تو اسے محبوب کی یاد آتی ہے۔

زید اللہ فہیم نے غزل سنائی اس کے اشعار ملاحظہ ہوں:

اسے اپنی جوانی حسن پہ کچھ مان بہت ہے
اسی کے گیت گائیں سب اسے ارمان بہت ہے
کوئی نخلِ حسرت کشتِ دل میں اگ نہیں پاتا
سجی چہروں پہ گرچہ دوستو مسکان بہت ہے ۳۶۳

شاعر محبوب کے پندار حسن کا ذکر کر کے کہتا ہے کہ اس کے حسن کا جادو مجھ پر نہیں چل سکتا۔ اشعار میں روانی ہے۔ ردیف قافیہ مترنم ہے۔

اعجاز نعمانی کی غزل کے ان اشعار کو سب نے بار بار سنانے کی فرمائش کی:

اپنی کملی میں چھپا لینا گنہگار ہوں میں
مجھ کو رسوا سرِ محشر نہیں ہونے دینا
جان لے جان! کہ جس نے تجھے چھینا مجھ سے
تجھ کو اس شخص کا ہرگز نہیں ہونے دینا ۳۶۴

پہلے شعر میں نبی کریم سے دعا اور فریاد کا انداز ہے۔ دوسرے شعر میں جان لے جان میں ایہام ہے۔

احمد حسین مجاہد نے غزل ترنم کے ساتھ سنائی۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

وہی پاؤں چومے تھے جو کبھی میں نے اضطرابِ وصال میں
وہی پاؤں جاتے ہوئے کوئی مرے دل پہ رکھ کے گزر گیا
نہ سہی اگر وہ مرا نہیں، کسی اور کا بھی نہیں ہوا
چلو اس کی بات بھی رہ گئی، چلو میرا زخم بھی بھر گیا ۳۶۵

شاعر نے پہلے شعر میں ایک عاشق کے درد اور اضطراب کو سمویا ہے مگر دوسرے شعر میں شاعر کو اطمینان ہے کہ اگر وہ میرا نہیں بنا تو اس نے کسی اور سے بھی وفا نہیں کی۔

ڈاکٹر افتخار حسین مغل کی غزل کے اس شعر کو مکرر سنا گیا:

نہیں بنتا کوئی اس نقش پہ نقش
نہیں ممکن محبت پہ محبت ۳۶۶

شاعر نے اپنے محبوب کو لاثانی قرار دیا ہے اور بتایا کہ میرے دل میں محبوب کی جو جگہ ہے اسے کوئی نہیں لے سکتا۔

سیدہ آمنہ بہار رونا نے آزاد نظم سنائی۔ نظم کا کچھ حصہ درج ذیل ہے:

لہو رستا ہے ہاتھوں سے
کوئی کھڑکی نہیں کھلتی
ہوا کے نرم ہاتھوں کو
ابھی میں چھو نہیں سکتی
ابھی تو میرے حصے میں
وہی صحرا نصیبی ہے ۳۶۷

یاس و حرماں کے عناصر نے شاعرہ کے جذبات کو فطری تپش سے سلگا دیا ہے۔ وہ ہمیشہ کی طرح اپنی کم نصیبی کا رونا رو رہی ہے۔

ایم یامین نے آزاد نظم ''دو تصویریں'' سنائی۔ نظم ملاحظہ ہو:

وہ چھتری کی طرح کھل کر
ملی ہے
گلی میں آج بارش پھر رہی ہے
میں اس کی دھوپ میں
بیٹھا ہوا ہوں
یہ اس کے ساتھ
پہلی جنوری ہے ۳۶۸

نظم میں اداسی کی لے ہے۔ شاعر نے عام فہم الفاظ کے ذریعے گہرے احساسات اور جذبات کی عکاسی کی ہے۔

احمد عطا اللہ نے غزل سنا کر سب کے دل لوٹ لئے۔ غزل کے اشعار دیکھئے:

اتنا دکھ دیتی ہے جب ہاتھ ملا کر دنیا
کیا گزرتی جو گلے سے بھی لگایا ہوتا
میر کے جیسا اگر رنج کماتے نہ عطا
ہم نے غالب کی طرح نام کمایا ہوتا ۳۶۹

شاعر نے دنیا کی ریاکاری اور منافقت پر افسوس کیا ہے۔ ساتھ ہی انھیں اس بات کا دکھ ہے کہ وہ غالب جیسے بڑے شاعر نہیں بن سکے لیکن انھیں خوشی ہے کہ میر جیسا سوز و درد ان کی شاعری میں ضرور ہے۔

توصیف خواجہ نے غزل سنائی۔ شعر بطور نمونہ دیکھئے:

اک مدت سے میرے اندر جاگتا ہے
کوئی خوف کہ دل میں سوئی محبت سے ۳۷۰

شاعر دل میں چھپے راز محبت سے خوف زدہ ہے۔

میر واحد اعجاز ہمدانی کے غزل کے مقطع کو سب نے پسند کیا۔ مقطع دیکھئے:

سر بھلے میرا ہے، دستار مرے باپ کی ہے
سر تو ہاروں گا میں دستار نہیں ہاروں گا ۳۷۱

شاعر خود دار اور انا پرست ہے۔ اسی خود داری اور انا پرستی کا ذکر غزل میں موجود ہے۔

جواد جعفری نے غزل سنائی۔ ان کی غزل کے اس شعر کو سب نے پسند کیا:

محبت جرم ہے تو جرم کا اقرار کرتے ہیں
انھیں چاہتے تھے ہم اور آج بھی سو بار چاہتے ہیں ۳۷۲

سو بار میں صنعت سیاق الاعداد ہے شاعر نے بیباکی سے اقرار محبت کیا ہے۔

زاہد کلیم کو دعوت سخن دی گئی۔ انھوں نے غزل سنا کر روایتی غزل کا لطف دوبالا کر دیا۔ نمونہ کلام دیکھئے:

اکتا گئے ہیں قلب و نظر اس نظام سے
اس کہنہ رنگ صبح سے، فرسودہ شام سے
ہم سر بہ کف چلے سوئے منزل حیات
تلوار اب نکال کے رکھ دو نیام سے ۳۷۳

صبح و شام اور قلب و نظر میں تضاد ہے۔

شاعر دنیا کے فرسودہ نظام سے اکتا گیا ہے۔ وہ نئے جوش اور ولولے سے زندگی کا سفر نئے سرے سے شروع کرنا چاہتا ہے۔

مخلص وجدانی نے غزل سنائی۔ غزل کے مقطع کو سب نے بہت پسند کیا:

کیوں نہ خوشبوئے وفا مخلص ہو اپنے شعر میں
شعر کی اقلیم میں کشمیر ہے اپنی غزل ۳۷۴

شاعر نے اپنی غزل کو کشمیر کی طرح خوبصورت قرار دیا ہے۔

ڈاکٹر نثار حسین ہمدانی کو دعوت سخن دی گئی تو انھوں نے تین چھوٹی چھوٹی نظمیں سنائیں۔ یہ ان کے کلام کی منتخب نظمیں ہیں۔ انھوں نے پہلی نظم ''آرزو'' کے عنوان سے سنائی: ملاحظہ ہو:

تم ملو
وقت ملے
اور کچھ نہ ملے ۳۷۵

یہ نظم نہیں بلکہ سمندر کو کوزے میں بند کرنے کی کامیاب کوشش ہے۔ دوسری آزاد نظم ''حقیقت کی تلاش'' کے عنوان سے سنائی ملاحظہ ہو:

حقیقت جاوداں ہوتی ہے
حسن حقیقت نہیں ہوتا
تم حسن ہو
مجھے حقیقت کی تلاش ہے ۳۷۶

نظم شاعر کے تجربے اور پختگی کو عیاں کرتی ہے۔ وہ حسن کے مقابلے میں حقیقت کو جاوداں قرار دیتے ہیں۔

تیسری نظم ''بے ساختگی'' دیکھئے:

کس قدر سادہ و معصوم ہے وہ
خود ہی کرتی ہے پریشان مجھے
اور پھر میری پریشانی پر
خود ہی بے ساختہ رو دیتی ہے ۳۷۷

سادہ انداز بیان میں محبوب کی سادگی اور معصومیت کا ذکر کیا ہے۔

ابراہیم گل نے نظم سنائی۔ نظم انھوں نے گونج دار آواز میں تحت اللفظ سنائی۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

موسموں کی شدت میں
اور ہوا کی تندی میں
دیکھ ٹھہراؤ روانی آ رہی ہے
ایسا لگتا ہے کہ اپنے منطقی انجام تک
میرے ماضی کی کہانی آ رہی ہے
آب جہلم دے رہا ہے
ایک پیغام نشاط
اور نیلم پر جوانی آ رہی
ایسا لگتا ہے کہ اپنے منطقی انجام تک
میرے ماضی کی کہانی آ رہی ہے ۳۷۸

نظم میں روانی اور ترنم ہے۔ کشمیر کی روایتی علامات کا استعمال برمحل ہے۔

ڈاکٹر صابر آفاقی نے غزل سنائی۔ غزل کے اس شعر کو سب نے پسند کیا:

اپنے شہر کے رہنے والے لمبی تان کے سوئیں
چور کو بولیں جاگتے رہنا، چور نہ آنے دینا ۳۷۹

شاعر صاحب اقتدار لوگوں کی کم کوشی، بے عملی اور نااہلی کا رونا روتے ہوئے کہتے ہیں کہ جن لوگوں کو رہبری کرنی چاہیے تھی وہ رہبر کے بھیس میں راہزن ہیں۔

ڈاکٹر صابر آفاقی نے دوسری غزل بھی سنائی اس کے اشعار ملاحظہ ہوں:

اک کرب مسلسل میں گرفتار ہیں ہم لوگ — اب پیٹ کو پالیں کہ ترے حسن کو چاہیں
بدلی کی طرح شکل بدل لیتے ہیں یہ لوگ — اس پر یہ توقع کہ، تلون کو سراہیں ۳۸۰

بدل اور بدلی میں تجنیس زائد وناقص ہے۔ ڈاکٹر آفاقی نے موجودہ دور کے انسان کے بارے میں بتایا ہے کہ ہر انسان روٹی اور مکان کی فکر میں مبتلا ہو کر محبوب اور اس کے جلووں میں کھونے کے بجائے روزی کی فکر کرنا زیادہ بہتر سمجھتا ہے۔

آصف ثاقب کو دعوت دی گئی۔ وہ غزل سرا ہوئے تو ہر طرف سے واہ واہ کی صدائیں آنے لگیں:۔ نمونہ کلام:

بطرزِ ناگواری اے زمانے
مجھے کیسے گوارا کر رہے ہو
لہو کا ایک قطرہ ہاتھ آیا
اسے سلمہ ستارہ کر رہے ہو ۳۸۱

زمانے کی بے اعتنائی کا شکوہ کیا ہے کہ وہ میرے دکھوں کا مذاق اڑا رہا ہے۔ شاعر نے رمز و ایما کے پردے میں بات کی ہے۔

منیر نیازی کو دعوت سخن ملی تو انھوں نے تین غزلیں پڑھیں۔ منیر نیازی غزل سرا ہوئے تو ہر طرف سکوت طاری ہو گیا۔ ان کی غزل کے ایک ایک لفظ پر انھیں خوب داد ملی۔ نمونہ غزل:

پہلی غزل جو انھوں نے سنائی اس کے اشعار دیکھئے:

میری ساری زندگی کو بے ثمر اس نے کیا
عمر میری تھی مگر اس کو بسر اس نے کیا ۳۸۲

خوبصورت شعر ہے جو حد تحسین سے باہر ہے۔ غزل سہل ممتنع کی عمدہ مثال ہے۔ دوسری غزل کے مقطع کو سب نے پسند کیا۔ مقطع ملاحظہ ہو:

اک اور دریا کا سامنا تھا منیر مجھ کو
میں ایک دریا کے پار اترا تو میں نے دیکھا ۳۸۳

شاعر نے استعارے میں بات کی ہے کہ زندگی کی مشکلات کبھی کم نہیں ہوتیں۔ ایک مشکل سے انسان نکلتا ہے تو دوسری سامنے آ کھڑی ہوتی ہے۔ تیسری غزل کا شعر ملاحظہ ہو:

ہستی ہی اپنی کیا ہے زمانے کے سامنے
اک خواب ہیں جہاں میں بکھر جائیں ہم تو کیا ۳۸۴

کائنات میں انسانی ہستی کی ناپائیداری کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ کسی انسان کے دنیا سے چلے جانے سے دنیا والوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ دلکش تقریب رات ۳ بجے اختتام پذیر ہوگئی مگر آج تک اس کی حسیں یادیں سب کے دلوں میں تازہ ہیں۔ ۳۸۵

"بزم ادب اجالا"، چکار مظفرآباد کے سالانہ مشاعرے کی روئیداد:

ستمبر ۱۹۸۸ء "بزم ادب اجالا" چکار کے زیر اہتمام مشاعرے کا انعقاد بوائز کالج چکار کے ہال میں کیا گیا۔ یہ مشاعرہ آل پاکستان سطح پر کرایا گیا۔ جس میں مقامی شعراء کے علاوہ پاکستانی شعراء نے بھی شرکت کی۔

پروگرام:

صدر محفل: محمد حنیفؔ

سیکرٹری: توصیفؔ خواجہ

شرکائے مشاعرہ: مقامی شعراء کے علاوہ احمد حسین مجاہدؔ اور آصف ثاقبؔ (ایبٹ آباد) سے۔

رات ۹ بجے تلاوت کلام پاک اور نعت رسول مقبولؐ سے مشاعرے کا آغاز کیا گیا۔ مشاعرے کے آغاز کے لیے تمام شرکائے مشاعرہ کو سٹیج پر مدعو کر کے انھیں فرشی نشست پر بٹھایا گیا۔ معتمد مشاعرہ توصیفؔ خواجہ نے سب سے پہلے احمد عطاؔ اللہ کو دعوت دی کہ وہ سب سے پہلے اپنا کلام سنا کر سب کو محظوظ کریں۔ چنانچہ احمد عطا اللہ نے غزل سنائی۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

سنو پائل کے شکوے، کان کے بندے کی سرگوشی
سنو باہوں میں کیسے چوڑیوں کے دل دھڑکتے ہیں
انہی جھرنوں کے نغموں میں ہے پوشیدہ ہنسی اس کی
جسے سن کر پہاڑی راستوں کے دل دھڑکتے ہیں ۳۸۶

احمد عطاؔ اللہ نے خارجی مشاہدات کو داخلی جذبات کی فطرتی تپش میں سلگا کر غزل کا موضوع بنایا ہے۔

سامعین کے اصرار پر انھوں نے ایک اور غزل سنائی۔ نمونہ کلام:

اس ایک رات تھی دنیا پہ دسترس ایسی
جو میں جنوب کو چھوتا شمال کر دیتا

تمہارے عشق نے اوقات میں رکھا ورنہ
میں دنیا والوں کا جینا محال کر دیتا ۳۸۷

پہلے شعر میں شاعرانہ تعلّی ہے۔ غزل ایک سچے عاشق کے دلی جذبات و احساسات کا اظہار ہے۔ شاعر نے محبوب کے ہاتھوں عاشق کی بے بسی کی کیفیت کی بھی بہترین الفاظ میں عکاسی کی ہے۔

توصیف خواجہ نے نظم ''آئینہ'' سنائی۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

یہ جو عادت ہے آپ کی اکثر
آئینہ روح کا دکھا دینا
اپنے دل کی تمام سچائی
کھول کر سامنے بتا دینا
پھر یہ مشکل تو پیش آئے گی!
اپنے دل کے گھنے اندھیروں کو
لوگ اکثر عزیز رکھتے ہیں ۳۸۸

نظم میں فکری گہرائی اور فنی خوبی دونوں موجود ہیں اور یہی خوبیاں توصیف خواجہ کو انفرادیت عطا کرتی ہے۔

اعجاز نعمانی نے اپنی غزل سامعین کے سامنے پیش کی۔ انھیں غزل کے مطلع اور مقطع پر خوب داد ملی۔ دیکھیے:

سفر پہ نکلے مگر بے خبر زیادہ تر
سو گھر میں رہ گیا رخت سفر زیادہ تر
میں کیسے زندہ و مردہ میں امتیاز کروں
بنے ہیں قبروں پہ اعجاز گھر زیادہ تر ۳۸۹

ردیف قافیہ مترنم ہیں۔ شاعر نے موجودہ دور کی بڑی حقیقت کو چند الفاظ کے اشعار میں سمیٹ دیا ہے۔

ڈاکٹر سید نثار حسین ہمدانی کو دعوت سخن ملی۔ انھوں نے غزل تحت اللفظ سنائی۔ ان کی غزل کے ان اشعار کو سامعین نے بے حد پسند کیا:

مجھے زندگی کی طلب بھی ہے مجھے موت کی بھی ہے آرزو
مجھے مضطرب جو کیا ہے اب مجھے تو ہی تھوڑا قرار دے
مجھے فکر سود و زیاں نہیں مری ہے فقط یہی آرزو
مجھے ایک لمحے کا پیار دے مری عمر تو ہی گزار دے
اسے جان کہہ دوں کہ جاں مری جسے اپنی جاں سے عزیز ہو
وہی مجھ سے مانگ کے جاں مری، مری جاں کا صدقہ اتار دے ۳۹۰

زندگی اور موت، مضطرب اور قرار اور سود و زیاں میں تضاد ہے۔ شاعر نے متضاد الفاظ کی مدد سے غزل میں نغمگی پیدا کی ہے۔ آخری شعر میں ایہام ہے۔ غزل میں بے ساختگی، روانی اور تخلیقی جمال ہے۔ ان خوبیوں نے غزل کو پر تاثیر بنا دیا ہے۔

احمد حسین مجاہد غزل سرا ہوئے تو ہر طرف سے واہ واہ کی صدائیں سنائی دینے لگیں۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

گزر رہی ہے جو مجھ پر بتا کے لے آئے
کوئی نہیں ہے جو اس کو منا کے لے آئے

گزرنی تھی کڑی شب سو اس گلی سے ہم
چراغ نقشِ کفِ پا اٹھا کے لے آئے ۳۹۱؎

شعر میں چراغ نقش کفِ پا کی ترکیب نے معنوی گہرائی پیدا کر دی ہے۔ غزل میں درد کی خفیف چبھن کا احساس ہوتا ہے۔

ایم یامینؔ کو دعوت سخن ملی تو انھوں نے آزاد نظم ''شام کی نظم'' سنائی۔ نظم کا ایک ایک لفظ سننے والوں کو دل میں اترتا محسوس ہو رہا تھا۔ نمونہ کلام:

سلگا لے من کی کانگڑی
کشمیر کی شال نکال
اے گاگر بھرنے والی
جیون ہے بہتا پانی
بہتے بہتے رل جائے گی
تیری نیک کہانی ۳۹۲؎

نظم میں کانگڑی، شال، خطہ کشمیر کی ثقافتی اور تہذیبی علامتیں ہیں۔ شاعر نے ان کا استعمال کر کے نظم کو باوقعت بنا دیا ہے۔ ''رل'' پہاڑی لفظ ہے۔ یامینؔ نے اس کا نظم میں استعمال فنکارانہ مہارت سے کیا ہے۔

میر واحد اعجازؔ ہمدانی نے ترنم سے غزل سنائی۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

شہر کا شہر مجھ سے پرایا نہ کر، مسکرایا نہ کر
چلتے پھرتے مجھے یاد آیا نہ کر، مسکرایا نہ کر
ڈول جاتی ہے خوشبو سے بوجھل ہوا، تجھ سے کتنا کہا
کھول کر بال راہوں میں آیا نہ کر، مسکرایا نہ کر ۳۹۳؎

مسکرایا نہ کر کی ردیف غزل میں تحرک، جوش اور ولولہ پیدا کرتی ہے۔ قاری اس کی سیل رواں میں بہتا چلا جاتا ہے۔

ڈاکٹر افتخارؔ حسین مغل نے مشاعرے میں دلکش انداز میں غزل پڑھی۔ نمونہ کلام:

کسی چھبیلے میں وہ چھب نظر نہیں آئی
وہ ایک چھب کہ جو اس آئنہ قبا کی تھی
یہ میرا فن بھی تو تجسیم تھی تری دراصل
یہ خدوخال ہی شعروں کی کیمیا کی تھی ۳۹۴؎

شاعر نے محبوب کی چھب اور اس کے بانکپن کا ذکر کیا ہے۔

ظلِ ہما نے غزل سنائی۔ نمونہ کلام:

چپ رہی میں کہ اگر اپنی صفائی دیتی
گونج اس بات کی گلیوں میں سنائی دیتی ۳۹۵؎

شعر میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ صنف نازک دنیا کے ڈر سے گھٹ گھٹ کر جیتی ہے۔

علی عارفینؔ غزل سرا ہوئے تو ان کی غزل کے ان اشعار کو بہت پسند کیا گیا:

مزہ تو جب ہے سوال و جواب کا صاحب
سوال میں ہو تیری ذات اور جواب میں ہم ۳۹۶؎

میر کا سا انداز خطاب ہے۔ سوال و جواب میں تضاد ہے۔
زید اللہ فہیم کو دعوت سخن دی گئی تو انھوں نے بھی غزل سنائی۔ اشعار دیکھئے:

ہم اس ادائے حسن پر قربان ہو گئے
دیکھا ہمیں تو جان کے انجان ہو گئے
اے گردشِ زمانہ تیری زندگی کی خیر
مشکل پڑی تو دوست بھی انجان ہو گئے ۳۹۷

پہلے شعر میں حسرت موہانی کا سا انداز ہے۔ محبوب کے انداز میں گھریلو پن ہے۔ پہلے شعر میں معاملہ بندی ہے۔ دوسرے میں زندگی کی اس حقیقت کا بیان ہے کہ مشکل وقت میں انسان کا سایہ بھی اس سے دور ہو جاتا ہے۔
مخلص وجدانی نے پرتاثیر آواز میں غزل سنائی۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

دائرہ در دائرۂ خود سر کی لکیر
زندگی ہے خم بہ خم حالاتِ ابتر کی لکیر
وہ حصار ذات سے نکلا نہ مخلص عمر بھر
اور انا کی پار میں نے بھی نہ بڑھ کر کی لکیر ۳۹۸

شاعر کہتا ہے کہ زندگی میری لیے ابتر ہے۔ محبوب کا وصال ہو تو کس طرح وہ بھی مغرور ہے اور میں بھی اپنی انا کے خول میں قید ہوں۔ اس لئے دوری میرا مقدر ہے۔
ناز مظفر آبادی نے غزل سنائی۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

مرا جنوں ہی وہاں، غم کا ترجماں ٹھہرا
شناسا کون مرا، کوئے التفات میں تھا
ہمارے قتل کا ساماں تھے، وہ لب و عارض
شریک آنکھ کا، کاجل بھی واردات میں تھا ۳۹۹

شعر میں خارجیت ہے، شاعر نے محبوب کے لب و عارض اور کاجل سے گھائل ہونے کا ذکر کیا ہے۔
ڈاکٹر صابر آفاقی کو دعوت سخن دی گئی تو انھوں نے غزل سنائی۔ اشعار دیکھئے:

طبع رواں ہے ایک غنیمت جو لکھوائے لکھتے جاؤ
ایسا بھی اک وقت آتا ہے خشک یہ دریا ہو جاتا ہے
آؤ نا اک دن آفاقی جی ہم بھی چل کر دیکھیں
سنتے ہیں اس شہر میں جا کر آدمی اچھا ہو جاتا ہے ۴۰۰

غزل کا انداز بیانیہ ہے۔ ڈاکٹر صابر آفاقی نے زندگی کی تلخ مگر سچی حقیقتوں سے پردہ اٹھایا ہے۔ غزل کے مقطع میں ابن انشاء جیسا انداز بیاں اپنایا گیا ہے۔ غزل پڑھ کر ابن انشاء کی غزل

ع "انشا جی اب کوچ کرو"

یاد آنے لگی ہے۔
آصف ثاقب کو دعوت سخن دی گئی تو انھوں نے غزل سنائی۔ غزل کے ان اشعار کو مکرر سنا گیا:

چارۂ دنیا کی اسیری میں مجھے
وسعت غار حرا یاد آئے

میری پہچان یہی ہے ثاقب
مجھ کو دیکھو تو خدا یاد آئے ۱۰۱؎

غارِ حرا میں تلمیح ہے۔
صدرِ محفل محمد حنیف کو دعوتِ سخن دی گئی۔ انھوں نے غزل سنائی۔ ان کی غزل کے اشعار ملاحظہ ہوں:

یہی نہیں کہ مرا خواب نیند ہی میں جلا
مثالِ شمع مرا دل بھی تیرگی میں جلا
سنا ہے چاند ستارے ہیں تیری مٹھی میں
کوئی چراغ مرے دل کی جھونپڑی میں جلا ۱۰۲؎

چاند اور ستارے میں تضاد ہے۔ ردیف قافیہ خوبصورت ہے۔
یہ خوبصورت محفل رات ۲ بجے اختتام پذیر ہوئی۔ شرکائے محفل نے یہ عزم کیا کہ آئندہ بھی ایسی تقریبات کا انعقاد کیا جائے گا۔۱۰۳؎

''کشمیر لٹریری سرکل''، مظفرآباد کے زیرِ اہتمام طرحی مشاعرے کی روئیداد:

''کشمیر لٹریری سرکل'' مظفرآباد نے ۱۹۹۴ء کو طرحی مشاعرے کا اہتمام کیا۔ طرحی مشاعرے کے لیے سلیم احمد کی غزل کا مصرع دیا گیا۔
مصرع تھا:

ع ''میں کاغذ کے سپاہی کاٹ کر لشکر بناتا ہوں''

تقریب کا انعقاد دیوان ہوٹل (مظفرآباد) کے ہال میں کیا گیا۔ پروگرام کی ترتیب اس طرح تھی:

صدارت: احمد حسین مجاہد
معتمد: اعجاز نعمانی
شرکائے محفل: مقامی شعراء

رات ۹ بج کر ۳۰ منٹ پر تلاوت کلام پاک سے مشاعرے کا آغاز کیا گیا۔ نبی کریم کے حضور ہدیہ عقیدت فرزانہ فرح نے پیش کیا۔ پھر تمام شعراء کو سٹیج پر مدعو کیا گیا۔ معتمد سرکل نے سب سے پہلے شاہد بہار کو دعوت سخن دی۔ شاہد بہار نے سلیم احمد کی زمین میں لکھی گئی غزل سنائی۔ غزل کے اس شعر پر انھیں خوب داد ملی:

میرے ہمراہ چلنا اس قدر آسان نہیں ہوتا
پلٹ کر دیکھنے والوں کو میں پتھر بناتا ہوں ۱۰۴؎

اندازِ بیان متکبرانہ ہے جو خود پر حد سے زیادہ یقین کی دین ہے۔
ان کے بعد علی عارفین کو دعوتِ سخن ملی تو انھوں نے جو غزل پڑھی اس کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

خدا نے اس لیے شاید مصور کر دیا مجھ کو
حسیں چہروں کو ان کے حسن سے بہتر بناتا ہوں ۱۰۵؎

شعر میں حسنِ تعلیل ہے۔ اس میں شاعرانہ تعلّی بھی ہے۔ شاعر نے اپنے فنِ شعر گوئی کی تعریف کرتے ہوئے محبوب کے حسن پر چوٹ کی ہے۔
ڈاکٹر افتخار حسین مغل کے اس شعر کو بار بار سنا گیا۔ شعر ملاحظہ ہو:

غزل کی چوڑیاں اور نظم کی چھانجھر بناتا ہوں
میں سونے جیسے شعروں سے ترے زیور بناتا ہوں ۱۰۶؎

شاعر نے منفرد تشبیہات کا استعمال کیا ہے۔
فرزانہ فرح غزل سرا ہوئیں تو ہر طرف سے واہ واہ کی صدائیں سنائی دینے لگیں۔ ان کی غزل کا ایک شعر بطور نمونہ درج ذیل ہے:

کبھی بندا، کبھی پائل، کبھی جھانجھر بناتی ہوں
میں تنہائی کے لمحوں میں تجھے زیور بناتی ہوں ۱۰۷؎

غزل میں دبستان لکھنؤ کے شعراء کی طرح خارجیت ہے۔ غزل میں نسوانی لب و لہجہ سنائی دیتا ہے۔
ابراہیم گل کو دعوت سخن ملی تو انھوں نے گونج دار آواز میں غزل سنانی شروع کی تو ایک سماں بندھ گیا۔ غزل کا شعر بطور مثال دیکھئے:

نمک پارے، دہی بلے، پکوڑے، نان، چھولے سب
بناتے ہوں، مگر تھوڑے میں بہتر بناتا ہوں ۱۰۸؎

غزل کا انداز طنزیہ اور مزاحیہ ہے۔
مخلص وجدانی کو دعوت دی گئی تو انھوں نے بھی سلیم احمد کی زمین پر لکھی ہوئی غزل سنائی۔ غزل ان کے مخصوص انداز کی عکاس تھی۔ شعر ملاحظہ ہو:

تری برسات کے بادل گزر جاتے ہیں بن برسے
تمنا کی زمینوں کو اگر ہو تر بناتا ہوں ۱۰۹؎

مخلص وجدانی نے ''ہوتر'' جو پہاڑی لفظ ہے کو بڑی خوبصورتی اور چابکدستی سے غزل میں سمویا ہے۔
آخر میں عطا اللہ کو دعوت سخن دی گئی تو انھوں نے غزل سنائی۔ نمونہ کلام:

کہ تکیے کی جگہ رکھتا ہوں میں ماں کی دعاؤں کو
اندھیری رات ہے، اپنے لیے بستر بناتا ہوں ۱۱۰؎

غزل سے شاعر کی اولعزمی کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ زندگی کی تمام مشکلات کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔
رات ۱۲ بجے کے قریب یہ خوشگوار محفل اختتام پذیر ہوئی مگر اس کی یاد سننے والوں کے دلوں سے تا دیر محو نہ ہو سکے گی۔ ۱۱۱؎

''کشمیر لٹریری سرکل''، مظفرآباد کے زیر اہتمام تنقیدی نشست کی روئیداد:

۴ ستمبر ۲۰۰۳ء کو نیلم ویو ہوٹل کے ہال میں ''کشمیر لٹریری سرکل'' مظفرآباد کے زیر اہتمام ایک تنقیدی نشست کا اہتمام کیا گیا۔ پروگرام کچھ یوں تھا:

صدر محفل: ڈاکٹر صابر آفاقی
نشست: تنقیدی نشست
عنوان: ''ہوا دیا اور خواب''
نقاد: احمد حسین مجاہد
سیکرٹری: اعجاز نعمانی

رات ۹ بجے تلاوت کلام پاک سے اجلاس کا آغاز کیا گیا۔ سید آمنہ بہار رونا نے نعت رسولؐ مقبول پیش کی۔ اس کے بعد اعجاز نعمانی نے احمد حسین مجاہد کو دعوت دی کہ وہ آئیں اور اپنا تنقیدی مقالہ ''ہوا، دیا اور خواب''

پیش کریں۔ احمد حسین مجاہد سٹیج پر تشریف لائے تو انھوں نے سب سے پہلے عنوان کا تعارف پیش کرتے ہوئے کہا یہ تنقیدی مقالہ پرویز ساحر کی شاعری کے بارے میں ہے۔ ان کے تین شعری مجموعے ''ایک پر ہوا کا''، ''دیئے کا کنارہ'' اور ''آسمانی خواب'' منظر عام پر آ چکے ہیں۔

مجاہد نے بتایا کہ پرویز ساحر بلا کا زود گو ہے۔ وہ اپنے سینے میں اشعار کا ایک خزانہ چھپائے ہوئے علم عروض کی بھول بھلیوں سے آسانی سے گزر جاتا ہے۔ انھوں نے بتایا:

''اگر کوئی کہے کہ میں پرویز ساحر کے سارے شعری سفر کو تین لفظوں میں بیان کروں تو میں کہوں گا ''ہوا، دیا اور خواب''۔ یہ اردو شاعری کی تین بڑی علامات ہیں۔ ان علامتوں کے ساتھ اگر آپ کو ان کے متعلقات بھی چاہئیں تو آپ ہوا کے ساتھ ٹوٹا ہوا پر، دیئے کے ساتھ کنارہ اور خواب کے ساتھ آسمانی کا اضافہ کر لیجیے بات آئینہ ہو جائے گی۔ پرویز ساحر کی غزل ہر حوالے اور ہر اعتبار سے پرویز ساحر کی غزل ہے۔ اس کی غزل میں انسانی تشکیل کی شعوری کاوشیں، لفظیات، موضوع، آہنگ، بحریں، ردیف، قافیہ، Treatment اور عروضی باریکیاں سب کچھ اس کا اپنا ہے۔ اس کا ایک اپنا شعری نظام ہے اور اس کا ہر شعر اس نظام کا نمائندہ ہے۔ اس نوجوانی میں یہ بات اس کے لیے باعث اعزاز ہونی چاہیے۔ وہ صاحب اسلوب شاعر ہے اس کا یہ شعر متحیر کرتا ہے:

؎ اسی لیے نہیں خود پر مجھے یقین ہوتا
میں اپنے آپ میں ہوتے ہوئے نہیں ہوتا

سا۔رے۔گا۔ما۔پا۔دا۔نی کی شبنم جب اس کی قوتِ متخیلہ پر پڑتی ہے تو اس کا شعر ان بلندیوں کو چھوتا ہے جن کی تمنا میں بعض کی تو عمریں کھپ جاتی ہیں:

؎ اک عمر ہو گی اسے سہتے ہوئے مگر
ہونے کا یہ عذاب مکمل نہیں ہوا'' ۴۱۲

انھوں نے پرویز ساحر کی شاعری میں تصوف کے مقام و مرتبے اور اس کی شاعرانہ تعلّی کو بھی موضوع بحث لایا۔ اس ساری بحث کے آخر میں وہ اسے منفرد شاعر قرار دے کر اس مقالے کا اختتام اس شعر کو سنا کر کرتے ہیں:

دشت کی بھیگی رات میں ساحر
آؤ جگنو تلاش کرتے ہیں ۴۱۳

آخر میں ڈاکٹر صابر آفاقی نے پرویز ساحر کی شاعری کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ انھوں نے احمد حسین مجاہد کے مضمون کی تعریف کرتے ہوئے ان کے گہرے تفکر اور فنی باریکیوں پر ان کی گرفت کو سراہا۔

رات ۱۲ بجے کے قریب سیکرٹری اعجاز نعمانی نے محفل کے برخاست ہونے کا اعلان کیا اور تمام معزز مہمانانِ گرامی کو دعوت دی کہ وہ چل کر چائے پئیں۔ ۴۱۴

"آزاد جموں و کشمیر کلچرل اکیڈمی"، مظفرآباد کے زیر اہتمام یوم تاسیس کشمیر کے حوالے سے منعقدہ مشاعرے کی روئیداد:

۲۴ اکتوبر ۲۰۰۶ء کو مظفرآباد میں "آزاد جموں و کشمیر کلچرل اکیڈمی"، مظفرآباد کے دفتر کے ہال میں یوم تاسیس کشمیر کے حوالے سے مشاعرے کا انعقاد کیا گیا۔ مشاعرے کے مہمان خصوصی سردار عتیق احمد خان تھے۔ مشاعرے میں سٹیج سیکرٹری کے فرائض جواد حسین جعفری نے ادا کیے۔

شام ۵ بجے مشاعرے کا آغاز تلاوت کلام مجید سے کیا گیا۔ جواد حسین جعفری نے مائیک سنبھالتے ہوئے ابراہیم گل کو دعوت دی کہ وہ نبیؐ کے حضور گلہائے عقیدت پیش کریں۔ انھوں نے گونج دار آواز میں نعت تحت اللفظ پڑھی چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ابتداء و انتہا یا محمد مصطفیٰ — آپ ہیں بعداز خدا یا محمد ﷺ مصطفیٰ
ہیں سبھی محو ثناء اے شہ ارض و سما — آپ پر ہیں سب فدا یا محمد ﷺ مصطفیٰ
رحمت اللعالمین آپ ختم المرسلین — یعنی شاہ انبیاء یا محمد ﷺ مصطفیٰ
اے ہجوم عاشقاں سب پکارو یک زباں — مرحبا صلی علیٰ یا محمد مصطفیٰ ؎۱۵

نعت میں صنعت سجع کا استعمال کیا ہے۔

ابتدا و انتہاء اور ارض و سما میں تضاد ہے۔ نعت میں استعمال ہونے والے الفاظ ابراہیم گل کے اردو زبان پر کامل دسترس کا ثبوت ہیں۔ نعت میں ترنم ہے۔ نعت ایک عاشق رسول کے دل کی پکار معلوم ہوتی ہے۔

سیدہ آمنہ بہار رونا کو دعوت سخن دی گئی تو انہوں نے "آواز" کے عنوان سے نظم پڑھی نظم کا یہ بند لاجواب ہے:

شہیدوں کے لہو کی سرخیاں اعجاز دیتی ہیں
سنو کشمیریو پھر منزلیں آواز دیتی ہیں
ہری پربت پہ لہراؤ حریت کا نیا پرچم
اٹھو تم کو فضائیں ہمت پرواز دیتی ہیں ؎۱۶

ردیف قافیہ مترنم ہیں شاعرہ نے آزادی کا راگ الاپا ہے جو پڑھنے والے میں جوش ولولہ پیدا کرتا ہے۔

میر واحد اعجاز ہمدانی کی غزل کے اس شعر کو سب نے سراہا:

جنگ جو ہوں تیری خاطر میں لڑوں گا پھر بھی
مجھ پہ جیون نہ لگا میں بھی کہیں ہاروں گا ؎۱۷

ڈاکٹر افتخار حسین مغل نے تحت اللفظ نظم سنائی نظم کا عنوان تھا "میں اور میرا کشمیر" ایک شعر ملاحظہ ہو:

امر تسر جیسے بیعنامے لکھنے والو! سن لو
سر بک جائیں پہ نہ بکیں گے اب میں اور کشمیر ؎۱۸

وہ کشمیر کو ۷۵ لاکھ نانک شاہی کے عوض بیچنے والوں کو کہتے ہیں کہ اب ہم سر کٹا دیں گے مگر کشمیر کو بار دیگر بیچنے نہیں دیں گے۔

جواد حسین جعفری نے "کشمیر جل رہا ہے" کے عنوان سے نظم پڑھی۔ نظم کا ہر شعر سامعین کے ذہنوں میں ماضی کے کرب ناک واقعات کی یاد تازہ کر رہا تھا۔ نمونہ کلام:

وادی کشمیر پہ پھر آگ کی برسات ہے
خون مسلم بہہ رہا چاروں طرف دن رات ہے

وادی گل موت کے آسیب کے چنگل میں ہے
پھر ستم کا تیر دیکھو ترکش قاتل میں ہے ۴۱۹

دن رات میں تضاد ہے متضاد الفاظ کے استعمال سے معنی میں گہرائی پیدا ہوگئی وادیٔ گل میں استعارہ ہے غزل میں کشمیر میں ہونے والے مظالم کی کرب ناک داستان بیان کی گئی ہے۔

زید اللہ فہیم نے نظم ''پرندے اور پنجرے'' سنائی یہ نظم پانچ اشعار پر مشتمل ہے۔ نمونہ کلام:

دشمن تو پھر بھی غیر ہیں ان سے ہو کیا گلہ
اپنوں نے بھی نوازا ہے داغوں سے مرے رب
پنجروں سے بھی پرندے تو اڑ جاتے ہیں فہیم
انساں سرحدوں میں مقید ہوئے ہیں کب ۴۲۰

رمز و ایمائیت کے پردے میں گہری بات کہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کشمیر کو تقسیم کرنے والی سرحدیں کب تک رہیں گی۔ ایک نہ ایک دن یہ ختم ہو جائیں گی۔

غلام حسین واثق کے ''ترانہ مجاہد'' نے سب کا لہو گرما دیا بند ملاحظہ ہو:

اٹھو اٹھو کہ عالمی ضمیر کو جھنجوڑ دیں اٹھو کہ سامراج کی کلائی ہم مروڑ دیں
اٹھو کہ بت شکن ہیں ہم غرور کفر توڑ دیں بڑھو عدو کے تن بدن سے اپنا خوں نچوڑ دیں
میرے وطن کے پاسباں بڑھے چلو بڑھے چلو
میرے وطن کے نوجواں بڑھے چلو بڑھے چلو ۴۲۱

بڑھے چلو بڑھے اور اٹھو اٹھو کی تکرار نے ترنم کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ ردیف قافیہ بھی مترنم ہے ترانہ مسدس میں لکھا گیا ہے۔ ترانہ پڑھنے والوں کے دلوں میں جوش اور ولولہ پیدا کرتا ہے۔ بت شکن میں تلمیح ہے شاعر نے امید اور رجائیت کا درس دیتے ہوئے کشمیریوں کو ظالموں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی دعوت دی ہے۔

خواجہ محمد صغیر نے ''اے مادر کشمیر'' کے عنوان سے نظم پیش کی نظم کا ایک بند ملاحظہ ہو:

تاریخ کے اوراق سے یہ درس ملا ہے
تلوار سے بڑھ کر نہ کوئی اور عصا ہے
اے خاصہ خاصان رسل ﷺ وقت دعا ہے
اب فیصلہ آزادی کا بس ہو ہی چلا ہے
ہو اور کیا تقدیر؟ اے مادر کشمیر
اے مادر کشمیر! اے مادر کشمیر! ۴۲۲

حالی کی نعت کے مصرع

ع ''اے خاصہ خاصان رسل وقت دعا ہے''

پر نظمیں لکھی ہیں۔ نظم مسدس میں لکھی گئی ہے آخری دو اشعار کا انداز سوالیہ ہے۔

سردار عتیق احمد خان نے تمام شعراء کے کلام کو پسند کیا انہوں نے شعراء کی تعریف کر کے ان کا حوصلہ بڑھایا۔ پھر مشاعرے کے اختتام پر کشمیر کی آزادی اور امت مسلمہ کے اتحاد کے لیے دعا مانگی گئی۔ اس کے بعد محفل ختم ہوگئی ۴۲۳

''گلستان ادب''، میرپور کے زیرِ اہتمام مشاعرے کی روئیداد:

گلستان ادب نے ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو مشاعرہ کرایا جس میں تمام مقامی شعراء کو مدعو کیا گیا۔ مشاعرے کی صدارت ارشد واز نے کی۔ سیکرٹری ارشد اقبال ملک تھے مشاعرے کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا گیا۔ تلاوت کی سعادت سید معصوم حسین زندہ نے کی سید مسعود اعجاز بخاری نے نبی کریم ﷺ کے حضور نعت کی صورت میں ہدیہ عقیدت پیش کیا۔ سٹیج سیکرٹری ارشد اقبال ملک نے سب سے پہلے سید فرزند علی شاہ ادیب بخاری کو دعوت دی گئی کہ وہ آئیں اور اپنا کلام سنائیں انہوں نے غزل سنائی اشعار دیکھئے:

یہ میرا ہی جگر میرا ہی دل ہے — محبت اک عذاب مستقل ہے
چلو نا یہ بھی منزل دیکھ آئیں — جنوں بھی تو خرد سے متصل ہے ۴۲۴ء

جنوں اور خرد تضاد ہے۔ غزل سراپا عشقیہ غزل ہے۔ اس کی آبیاری شاعر نے معاملات دل سے کی ہے۔
منیر احمد یزدانی نے ''غزل سنائی اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

زندگی ملی نہ زندہ رہنے کی دوا ملی
تم ہی بتاؤ یہ کس جرم کی سزا ملی
تیرا نور تجلی عرش پہ فرش پہ
تیری عظمت کبھی صورت ید بیضا ملی ۴۲۵ء

عرش اور فرش میں تضاد ہے جبکہ ید بیضا میں تلمیح ہے شاعر نے متصوفانہ خیالات کو پرکاری سے غزل میں سمویا ہے۔
بوٹا خان راجس نے متصوفانہ غزل سنائی شعر ملاحظہ ہو:

عشق حقیقی کیا ہوتا ہے کیا جانیں یہ واعظ لوگ
کیسے اور کہاں ملتا ہے پوچھ کسی دیوانے سے ۴۲۶ء

غزل کا فلسفیانہ اور متصوفانہ رنگ ہے۔ یہ غزل عشق حقیقی میں ڈوبے شخص کے دل کی آواز ہے۔
آپ نے دوسری غزل سنائی وہ خالصتاً عشقیہ مجازی کے جذبات سے لبریز ہے۔ شعر ملاحظہ ہو:

راجس کسی کے حسن کا ایسا دیا جلا
سارے چراغ شہر کے بے نور ہو گئے ۴۲۷ء

غزل میں معاملات عشق سے لبریز قلبی وارداتیں ہیں جو قاری کو متاثر کرتی ہیں مگر غزل میں جوش و ولولہ کا فقدان بھی محسوس ہوتا ہے۔
سید مسعود اعجاز بخاری نے آزاد نظم سنائی۔ نمونہ کلام:

ہم بھی درد کے صحرا
غم کے سمندر میں ڈھل چکے ہیں
دوسروں کی بقا کے لیے خود کو ہر آن
اک نئی اذیت سے دوچار کر رہے ہیں
خود کو پا لینے کی خاطر
سب کچھ کھو چکے ہیں
اور شعورِ کائنات میں ڈھل کر
تنہا ہو چکے ہیں۔ ۴۲۸ء

شاعر کے ہاں معاشرے کے غم اور ذاتی غم نے مل کر ایک کرب اور دکھ تخلیق کیا ہے اور پھر یہی غم ان کی شاعری کو اوجِ کمال عطا کرتا ہے۔

مظہر حسن جاوید نے اپنی باری پر غزل سنا کر داد وصول کی۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

ہاتھ کی ریکھاؤں پہ رکھنا یقین
خود کو جمشید و سکندر سوچنا
حسنِ یوسف دیکھتے رہنا مدام
دیدۂ یعقوب کو تر سوچنا ۴۲۹

جمشید، سکندر، حسن یوسف اور دیدۂ یعقوب تلمیحات ہیں۔ مظہر حسین جاوید نے دلکش اور نئی تشبیہات کو عمدگی سے استعمال کیا ہے۔

عابدہ خاتون عابی کو اس شعر پر خوب داد ملی:

کیسی آفت ٹوٹ پڑی ہے شہر پہ میرے آج
آنسو پتھر دل لوگوں کی آنکھوں سے بھی نکلتے دیکھے ۴۳۰

غزل جذبات کی فراوانی اور حالات کی سنگینی دونوں کا امتزاج ہے۔

وجیہہ الحسن صفدر شفق کو دعوت دی گئی کہ وہ آئیں اور اپنا کلام سنائیں۔ صفدر شفق جب غزل سرا ہوئے تو ہر طرف سے ان پر داد و تحسین کی بارش ہونے لگی۔ نمونہ کلام:

کاغذ کی کشتیوں کو سمندر میں ڈال کر
ہم دیکھتے ہیں کرتا ہے موجوں کا زور کیا ۴۳۱

غزل میں انسانی کمزوریوں اور حالات کے تھپیڑوں کے مقابلے میں انسان کی بے بسی کو شعر کے لبادے میں خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

پروفیسر صغیر آسی نے ہائیکو سنائی۔ ملاحظہ ہو:

خزاں کا جب بھی موسم ہو
پل بھر کے لیے بھی میرے
دل کو چین نہیں آتا ۴۳۲

یہ سوچنے والے ذہین اور حساس دل کی شاعری ہے۔ شاعر نے اپنے دلی جذبات کی بھرپور عکاسی کی ہے۔

پروفیسر نذیر انجم غزل سرا ہوئے تو سامعین پر کیفِ آفریں سکوت طاری ہو گیا۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

جی چاہتا ہے تجھ سے ذرا گفتگو کریں
تیرا ہی ذکر آج تیرے روبرو کریں
ہنگامِ شب جو میکدوں میں ہاؤ ہو کریں
وقتِ سحر وہی، لبِ زم زم وضو کریں ۴۳۳

شاعر نے لطافتِ خیالات و جذبات اور فنی نزاکتوں کو خوبصورتی سے شعر کے قالب میں ڈھالا ہے۔ ردیف و قافیہ میں ترنم اور صوتی خوش آہنگی ہے۔

پروفیسر نذیر انجم سے ایک اور نظم سنانے کا اصرار کیا گیا تو انھوں نے نظم سنائی۔ نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

لب نوشیں پہ شفق کی لالی
باغِ عارض میں لہکتے ہیں گلاب

زلفِ پر پیچ، گھٹائیں کالی
ساغرِ چشم سے چھلکے ہے شراب
پیرہن میں ہے بسی نکہتِ تن
ناز میں کاٹ، ادا میں جادو ۴۳۴ؔ

یہ بند حسن کاری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ شاعر نے محبوب کے سراپے کو بیان کرنے کے لیے برمحل تشبیہات کا استعمال کیا ہے۔ یہ خوبی انھیں بہترین سراپا نگار بناتی ہے۔

پروفیسر بشیر احمد مغل نے غزل سنائی۔ ان کی غزل کے چند اشعار بطورِ نمونہ کلام درج ذیل ہیں:

جمالِ شوق فروغِ بہار میں بھی نہیں
چمن کا رازِ گل آشکار میں بھی نہیں

یہ کیا کہ کرتا پھروں نالے بلبلوں کی طرح
میرا افسانہ صبح سازگار میں بھی نہیں

گریباں ہے تو اسے تار تار ہوتا ہے
کمالِ ضبطِ دلِ بیقرار میں بھی نہیں ۴۳۵ؔ

تار تار میں تضاد ہے۔ بشیر احمد مغل نے اردو غزل کے روایتی مضمون گریہ و زاری اور چاک گریباں کو بہت خوبصورتی سے نبھایا ہے۔

مشتاق شاد کو دعوت سخن ملی تو انھوں نے غزل پڑھی۔ ان کی غزل نے سامعین کے دل لوٹ لیے۔ نمونہ کلام:

خیال دشت سرابوں کے ساتھ آتا ہے
وہ جب بھی آتا ہے خوابوں کے ساتھ آتا ہے

مہکنے لگتی ہیں پھلواریاں سی آنگن میں
وہ شخص جیسے گلابوں کے ساتھ آتا ہے ۴۳۶ؔ

غزل ان کے فن وفکر کی پختگی کا ثبوت ہے۔ غزل میں نغمگی ہے۔

پروفیسر محمد اکرم طاہر کو دعوت سخن دی گئی تو انھوں نے پُرزور لہجے میں غزل پیش کی۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

صبح عشرت ہو چکی شام غریباں ہو چکی
زندگی مجھ پہ بہر عنوان عریاں ہو چکی

لذت خواب سحر وقت سحر رخصت ہوئی
دن چڑھا اور زندگی خواب پریشاں ہو چکی ۴۳۷ؔ

صبح اور شام میں تضاد ہے۔ غزل تغزل سے بھرپور ہے۔ اس کے الفاظ شاعر کی قادر الکلامی کا ثبوت ہیں۔ زندگی کے راز اس کے پختہ ذہن پر آشکار ہو چکے ہیں۔ اس لیے اب وہ زندگی کی اصل حقیقت جان گیا ہے کہ زندگی ایک خواب پریشان کے سوا کچھ نہیں ہے۔

انھوں نے جو دوسری غزل سنائی اُس کے اِس شعر کئی بار سنا گیا:

غم کے منظر ہیں کہ وہ عیش کے افسانے ہیں
زندگی ہم تیرے ہر روپ کے دیوانے ہیں ۴۳۸ؔ

محمد اکرم طاہر کے نزدیک زندگی خوشی اور غم کا مجموعہ ہے جس میں خوشیاں کم اور غم زیادہ ہیں لیکن پھر بھی وہ

زندگی سے محبت کرتے ہیں۔ غزل کا لہجہ امید اور رجائیت بھرا ہے۔

جب تمام شاعر اپنا کلام سنا چکے تو صدر محفل نے مشاعرے کے اختتام کا اعلان کیا۔ اس طرح یہ پُر رونق محفل رات ۲ بجے اختتام پذیر ہوئی۔ ۴۳۹

"بزم اہل قلم"، میرپور کے زیر اہتمام مشاعرے کی روئیداد:

۱۹۸۰ء میں بزم اہل قلم نے مشاعرہ کرایا جس کی صدرات کے لیے (اس وقت کے) صدر آزاد جموں و کشمیر جنرل (ر) حیات خان کو مدعو کیا گیا سیکرٹری کے فرائض منیر احمد یزدانی نے ادا کیے۔ پروگرام کی ابتداء رات ۹ بجے کی گئی مشاعرے کی ابتداء کلام پاک سے کی گئی۔ تلاوت سید معصوم حسین زندہ نے کی سید مسعود اعجاز بخاری نے نعت پیش کی۔ یوسف کمال نے سپاس نامہ پیش کیا اور مشاعرے میں تشریف لانے والے تمام معزز مہمانان گرامی کا شکرایہ ادا کیا۔

منیر احمد یزدانی نے مشاعرے کی ابتداء اپنی غزل سنا کر کی اشعار ملاحظہ ہوں:

پگھلی برف کی حدت لیے ہوئے
تڑپا ہے دل تیرے پیار کی شدت لیے ہوئے
تیرے لب و رخسار کا رنگ چرایا ہے گلوں نے
اور میں فقط تیری آنکھوں کی لذت پیئے ہوئے ۴۴۰

حدت اور شدت میں تجنیس مضارع ہے۔

شاعر نے محبوب کے سراپے اور حسن و جمال کی تعریف کی ہے۔

سید مسعود اعجاز بخاری نے آزاد نظم "زندگی" سنائی۔

نظم ملاحظہ ہو:

زندگی

زندگی اک ایسا
بے آب و گیاہ صحرا ہے
جس میں چلتے چلتے آدمی
خود تو ختم ہو جاتا ہے
مگر اسے پا نہیں سکتا ۴۴۱

شاعر نے چھوٹی سی چند مصرعوں کی نظم میں انسانی زندگی کی آفاقی حقیقت کو پرکاری سے سمویا ہے۔

اس نظم کے بعد انھوں نے ایک اور نظم "جادۂ انسانیت" پرسوز آواز میں سنائی چند اشعار ملاحظہ ہوں:

انسانیت کا رستہ
کس قدر دشوار
صبر آزما اور اذیت ناک ہے
کوئی نہیں جانتا
ابھی چند لوگوں میں
ہم بھی شامل ہیں

جو دوسروں کی خوشی کے لیے
اپنا آپ لہولہان کرتے رہے ہیں
مگر جادۂ انسانیت سے نہیں ہٹتے ۴۴۲

شاعر نے بلا تفریق رنگ و نسل اور مذہب و ملت تمام بنی نوع انسان سے محبت و الفت کا پیغام دیا ہے۔

پروفیسر محمد سعید ثاقب نے غزل سنائی اشعار ملاحظہ ہوں:

مجھے جب سے تو نے دیکھا ہے
میں تب سے خود کو تکتا ہوں
وہ جب سے مجھ میں رہتا ہے
میں خود کو اچھا لگتا ہوں ۴۴۳

غزل سر اور لے کے ساتھ ساتھ نغمگی کا حسین امتزاج ہے۔ آپ کا لہجہ رجائیت اور کومل جذبات کا حامل ہے۔ غزل میں شوق و نشاط اور جذب و سرور کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ غزل سہل ممتنع کی عمدہ مثال ہے۔

بوٹا خان راجس نے دو غزلیں سنائیں پہلی غزل کا شعر بطور نمونہ حاضر ہے:

میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور زبان پہ پہرہ ہے
اس پہ اور ستم کہ میرے شہر کا منصف بہرہ ہے ۴۴۴

پاکستان کے حالات کے زیر اثر دیگر اداروں کی طرح عدالتی نظام جس بدعنوانی کا شکار ہے شاعر نے اس کا اظہار بڑی جرات اور بے باکی سے کیا ہے۔

راجس نے جو دوسری غزل سنائی۔ اس کے مطلع کو سب نے پسند کیا ملاحظہ ہو:

تیری نگاہ کی ایسی شراب ہوتی ہے
پئیں نہ ہم تو طبعیت خراب ہوتی ہے ۴۴۵

نگاہ یار کی مستی کو شراب کی مستی سے تشبیہہ دینا اردو شاعری کی پرانی ریت ہے جس کو راجس نے اچھوتے پیرائے میں باندھا ہے۔

جابر آزاد نے غزل سنائی غزل کے اس شعر پر انہیں خوب داد ملی:

بیٹھا ہوا منبر پہ مرے عہد کا واعظ مسجد میں نئی نسل کو شر بانٹ رہا ہے ۴۴۶

کلاسیکی شعراء کا من پسند موضوع ہے واعظ اور ملا سے چھیڑ خوانی۔ جابر آزاد نے اس کلاسیکی مضمون کو غزل میں سمو کر موجودہ دور میں مسلمانوں کے درمیان پائی جانے والی فرقہ بندی کے اسباب کو بہترین طریقے سے اجاگر کیا ہے۔

محمد اکرم طاہر نے غزل سنائی تو ایک سماں بندھ گیا۔

اشعار دیکھئے:

میری تنہائی کے ہونٹوں پہ دعا تیری ہے
قریہ جاں میں جو گونجی ہے صدا تیری ہے
میرے اشعار جو سانچے میں ڈھلے ہیں ان میں
رنگ میرا ہے تو خوشبوئے وفا تیری ہے ۴۴۷

شاعر نے دلفریب انداز میں بتایا کہ کیسے تنہائی میں اسے محبوب کی یاد ستاتی ہے اور اس کی غزل کا ہر شعر محبوب کی یاد کی خوشبو میں ڈوبا ہوا ہے۔

پروفیسر رفیقؔ بھٹی نے غزل سنائی چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بستی بستی، لرزاں لرزاں، گھر گھر میں طوفان لگے
دامن دامن، کرچی کرچی، نظر نظر ویران لگے
محفل محفل، شورش شورش، غزل غزل، شکوہ شکوہ
مصرعہ مصرعہ، نشتر نشتر، شعر شعر پیکان لگے ۴۴۸

یہ غزل اردو ادب میں فنی لحاظ سے ایک نیا اضافہ ہے شاعر نے مسلسل لفظی تکرار سے غزل میں موسیقیت، ترنم اور تاثیر پیدا کی ہے۔

پروفیسر نذیر انجمؔ کشمیر کے اردو ادب میں مزاحمتی شاعر کے طور پر ابھرے ہیں جب سٹیج پر کلام سنانے کی ان کی باری آئی تو انھوں نے گونج دار آواز میں غزل سنائی۔ غزل کا ایک ایک لفظ سننے والے کو اپنے دل میں اترتا محسوس ہو رہا تھا نمونہ کلام:

طوق و سلاسل کی جھنکاریں ہم سے مسلسل کہتی ہیں
سوچ کی سرحد پر پہرے ہیں سچ پہ ہے تعزیر بہت
کوئی دیس مناتا ہے جب دن اپنی آزادی کا
دل کا درد سلگ اٹھتا ہے یاد آئے کشمیر بہت ۴۴۹

شعروں میں نغمگی ہے نذیر انجمؔ کی شاعری میں وطن سے محبت کا جذبہ ٹھاٹھیں مارتا محسوس ہوتا ہے۔ یہ نظم ان کی رفعت تخیل اسلوب بیان اور بندش الفاظ کا دلآویز مرقع ہے۔

نصیر احمد ناصرؔ کی غزل کے اس شعر کو سب نے پسند کیا:

جدائی راستوں اور موسموں کے ساتھ چلتی ہے
اداسی آسمانوں کی طرح بے انت ہوئی ہے ۴۵۰

انسانی دکھ درد اور ہجر کی صعوبتوں کا ذکر کیا ہے۔

پروفیسر بشیر احمد مغل نے جو غزل سنائی اس کے ان اشعار کو سب نے پسند کیا ہے نمونہ کلام:

ہے حق کا وعدہ ملے گا بقا کا جام تمھیں
مئے یقین کے اے بادہ کشو! سلام تمھیں
جبین وقت پہ تحریر ہے تمہارا نام
خدا نے بخشی فقط شہرت دوام تمھیں ۴۵۱

شاعر نے کشمیر کے مجاہدین کو سلام پیش کرتے ہوئے شہید کی دائمی زندگی اور بقائے دوام کا ذکر کیا ہے۔
سامعین نے ان سے مزید غزل سنانے کی فرمائش کی تو وہ تالیوں کے گونج میں غزل سرا ہوئے۔ نمونہ کلام:

جب بھی دیکھو وہی عالم دل بیمار کا ہے
جبر قائم ابھی زلف لب و رخسار کا ہے
خول چہروں پہ چڑھائے ہوئے سب پھرتے ہیں
ان دنوں رنگ عجب زیست کے بازار کا ہے ۴۵۲

ان کے ہاں محبوب کے زلف و رخسار کی ستم رانی اور جبر کے ذکر کے ساتھ ساتھ موجودہ دور کی منافقت پر طنز اور حیرت کا اظہار بھی ہے۔ غزل میں نغمگی اور موسیقیت ہے۔

تمام شعراء اپنا کلام سنا چکے تو سیکرٹری نے صدر محفل جنرل (ر) حیات خان کو دعوت دی کہ وہ سٹیج پر آئیں اور مشاعرے کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ جنرل صاحب نے مشاعرے میں شریک تمام شعراء کے کلام کو سراہا انہوں نے اہل بزم کی فرمائش پر انہیں لائبریری کے قیام کے لیے سرکاری گرانٹ دینے کا وعدہ کیا۔

آخر میں سیکرٹری انجمن منیر احمد یزدانی نے حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے محفل کے برخاست ہونے کا اعلان کیا۔ ۴۵۳

"کل پاکستان بزم فکر ونظر"، میرپور کے زیر اہتمام یوم تاسیس کشمیر کے حوالے سے مشاعرے کی روئیداد:

۲۴ اکتوبر ۲۰۰۴ء کو "کل پاکستان بزم فکر ونظر" کے زیر اہتمام ایک مشاعرے کا انعقاد کیا گیا مشاعرہ یوم تاسیس کشمیر کے حوالے سے منعقد کیا گیا تھا۔ مشاعرہ پریس کلب میرپور کے ہال میں منعقد کیا گیا۔

پروگرام:

صدارت : پروفیسر منیر احمد یزدانی

سیکرٹری : عظمت رشید کیانی

شرکائے محفل : مقامی شعراء

دن ۱۰ بجے تلاوت کلام اور نعت رسول ﷺ مقبول سے پروگرام کا آغاز کیا گیا سب سے پہلے فاروق اسیر کو دعوت سخن دی گئی انہوں نے کشمیر پر لکھا ہوا ترانہ سنایا۔ ایک بند ملاحظہ ہو:

تیرا کشمیر ہے، یہ میرا کشمیر ہے
اس کے پاؤں میں پڑی غلامی کی زنجیر ہے
یہ شہیدوں کے لہو کی بولتی تحریر ہے
شاعر مشرق کے سندر خواب کی تعبیر ہے
یہ جیالے نوجوانوں کے دلوں کی ہیر ہے
اس کے پاؤں میں پڑی غلامی کی زنجیر ہے ۴۵۴

شاعر نے خوبصورت تشبیہات کے انتخاب سے ترانے میں موسیقیت اور روانی پیدا کر دی ہے۔

ساجد محمود ساجد نے بھی ترانہ سنایا بند ملاحظہ ہو:

میری آنکھوں کا تارہ ہے کشمیر
میرے جینے کا سہارا ہے کشمیر
محبتوں میں لازوال چاہتوں کی پہچان
امن کا گہوارہ ہے کشمیر ۴۵۵

شاعر نے وطن سے بے لوث محبت کا اظہار کیا ہے۔

قمر جرال کو دعوت کلام دی گئی تو انہوں نے ترنم کے ساتھ یہ نظم سنائی۔ شعر ملاحظہ ہو:

جن کے لیے غلامی سراسر عذاب ہے
ایسے ہی جاں فروشوں سے میرا خطاب ہے ۴۵۶

شاعر نے وطن کی موجودہ صورتحال پر دکھی ہے وہ وطن کی آزادی کی خاطر جہاد کرنے والوں کو سلام کر رہا ہے۔ نظم میں روانی اور بہاؤ کی کیفیت ہے۔

پروفیسر محمد سعید ثاقب نے بھی کشمیر کے حوالے سے نظم سنائی ایک بند ملاحظہ ہو:

دیکھ کے دشمن اپنے گھر میں
دھرتی ماں دلگیر ہے
مجھے بتاؤ میرے یارو
کیسا یہ کشمیر ہے ۴۵۷ے

نظم میں سوز و گداز کے ساتھ نغمگی اور جوش بھی ہے شاعر نے اہل وطن کی غلامی اور بے بسی کی عکاسی بہترین انداز میں کی ہے۔

پروفیسر محمد رفیق بھٹی نے اپنے مخصوص انداز میں نظم سنائی ان کی نظم کے ہر شعر کو خوب سراہا گیا نمونہ کلام:

اہل وطن کے لاشے کب تک اٹھائے گا تو
جور وجفا کے منظر کب تک چھپائے گا تو
بہتر یہی ہے اپنی تو روک لے روانی
ہے آبرو اسی میں جم جائے تیرا پانی ۴۵۸ے

اہل کشمیر کے لیے جہلم ایک دریا ہی نہیں بلکہ ایسی علامت ہے جو کشمیر کے دونوں حصوں کے باسیوں کو ایک ہونے کا احساس دلاتی ہے جہلم اہل کشمیر پر ہونے والے مظالم کو خاموشی سے دیکھتا ہے مگر کہتا کچھ نہیں اسی لیے شاعر نے رو جہلم سے مخاطب ہو کر اغیار کی چیرہ دستیوں کا ذکر کیا ہے۔

پروفیسر رفیق بھٹی نے سامعین کے پر زور اصرار پر ایک اور نظم سنائی نظم کا ایک بند ملاحظہ ہو:

لت پت ہے خون میں وادیٔ لولاب آج کل
حیرت زدہ ہیں جھیل کے گرداب آج کل
آب ولر ہے موجۂ خوناب آج کل
اس ظلم کے خلاف میں تدبیر کیا کروں ۴۵۹ے

شاعر نے کشمیر کی مخصوص علامتوں لولاب اور ولر کو نظم کے پیکر میں کمال فن کاری سے سمویا ہے۔ نظم میں ولر کے پانی کو موجۂ خوناب سے تشبیہہ دی ہے۔ اس تشبیہہ میں جدت اور دلکشی ہے۔ شاعر نے ولر کی خون آلود لہریں کے ذریعے بھارتی ظلم وستم کی عکاسی کی ہے۔

پروفیسر نذیر انجمؔ کو دعوت سخن ملی تو انہوں نے اپنا کلام سنایا ان کو ان اشعار پر خوب داد ملی:

شاخساروں پہ داغ داغ ہیں برگ
کھوئی کھوئی سی ہے عروس بہار
چشم نرگس سے خوں ٹپکتا ہے
سہمے سہمے کھڑے ہیں سرو و چنار
سنبل و نسترن ہیں افسردہ
گل زمین کا بجھا بجھا ہے نکھار ۴۶۰ے

داغ، داغ، کھوئی کھوئی، سہمے سہمے، اور بجھا بجھا میں تکرار ہے۔ اسی تکرار کی بدولت غزل کی تاثیر اور دلکشی میں اضافہ ہو گیا ہے۔ نذیر انجمؔ نے خوبصورت تشبیہات کا استعمال کر کے غزل کے حسن کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ نظم میں موسیقیت اور نغمگی ہے۔

نذیر انجمؔ نے غزل سنائی ہی تھی کہ ''غیر کو تیرے مقدر کا خدا کہتے ہیں'' کی آواز سامعین کی طرف سے سنائی دی چنانچہ انہیں اپنا وہ مشہور قطعہ بھی سنانا پڑا ملاحظہ ہو:

ظلم کو امن، عداوت کو وفا کہتے ہیں
کیسے ناداں ہیں صر صر کو صبا کہتے ہیں
میرے کشمیر! ذرا جاگ کہ کچھ جاہ طلب
غیر کو تیرے مقدر کا خدا کہتے ہیں ۶۱؎

امن عداوت اور صرصر، صبا میں تضاد ہے نذیر انجمؔ کی شاعری مزاحمتی شاعری ہے اور یہ قطعہ اس کی بہترین مثال ہے قطعے کا آخری مصرع

ع ''غیر کو تیرے مقدر کا خدا کہتے ہیں''

زبان زد خاص و عام ہو کر اب محاورہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

تمام شعراء اپنا اپنا کلام سنا چکے تو صدر محفل پروفیسر منیر احمد یزدانیؔ نے تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کرنے کے بعد مشاعرہ کے اختتام کا اعلان کیا۔۶۲؎

''کل پاکستان بزم فکر و نظر''، میرپور کے زیر اہتمام ادبی نشست کی روئیداد:

۲۱ اپریل ۲۰۰۵ء کو ''کل پاکستان بزم فکر و نظر'' کے زیر اہتمام اقبال فہمی کے حوالے سے لیکچر کا اہتمام کیا گیا۔ پروگرام جبیر ہوٹل (میرپور) کے ہال میں منعقد کیا گیا۔ محفل میں سامعین کی تعداد ساٹھ کے قریب تھی لیکچر منیر احمد یزدانیؔ نے دینا تھا۔

پروگرام:

صدر محفل: محمد اکرم طاہرؔ
معتمد : سید مسعود اعجاز بخاری
مقرر : پروفیسر منیر احمد یزدانیؔ
عنوان : علامہ اقبال اور لاہور کی شعری مجالس

دن ۱۰ بجے جبیر ہوٹل کے ہال میں تمام سامعین اور صدر محفل پہنچ گئے تو تلاوت کلام سے پروگرام کا آغاز کیا گیا۔ نبی کریم ﷺ کے حضور ہدیہ عقیدت پیش کرنے کی سعادت سید مسعود اعجاز بخاری نے حاصل کی۔ پروفیسر منیر احمد یزدانیؔ سے درخواست کی کہ وہ سٹیج پر آئیں اور اقبال فہمی کے حوالے سے ''علامہ اقبال اور لاہور کی شعری مجالس'' کے موضوع پر تحقیقی وتنقیدی مقالہ سامعین کے سامنے پیش کریں۔

پروفیسر منیر احمد یزدانی نے مقالہ پڑھنا شروع کیا مقالہ دلچسپ اور معلوماتی تھا۔ سامعین نہایت توجہ اور خاموشی سے ہمہ تن گوش ہو کر مقالہ سن رہے تھے انہوں نے مختلف حوالہ جات سے ثابت کیا کہ اقبال نے ۱۸۹۶ء میں پہلی مرتبہ مشاعرے میں شرکت کر کے خوب داد وتحسین حاصل کی تھی۔ یہ وہی مشاعرہ تھا جس میں اقبال نے غزل پڑھی اور اس غزل کا یہ شعر بہت مشہور ہوا تھا:

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے میرے عرق انفعال کے ۶۳؎

اس بات کو ثابت کرنے کے لیے انھوں نے ڈاکٹر جاوید اقبال کی '' زندہ رود'' جلد اول اور عبدالحمید سالک کی کتاب '' ذکر اقبال''، ''بزم اقبال'' سے حوالے دیئے ہیں کہ ان دونوں کا ماننا ہے کہ اقبال نے نومبر ۱۸۹۵ء میں پہلی مرتبہ مشاعرے میں شرکت کی تھی مگر پھر وہ اس بات کی تردید محمد عبداللہ قریشی کے حوالے سے کرتے ہیں۔ اس

مقصد کے لیے انہوں نے محمد عبداللہ قریشی کی کتاب ''حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں'' سے یہ ثابت کیا ہے کہ اقبال ۱۸۹۵ء میں کسی مشاعرے میں شریک نہیں ہوئے اس مقصد کے لیے انہوں نے محمد عبداللہ قریشی کے حوالے سے بتایا کہ رسالہ '' شور محشر'' کے شمارہ دسمبر ۱۸۹۵ء میں مشاعرے میں شریک تمام شعراء کے نام کی فہرست چھپی تھی اس فہرست میں اقبال کا نام شامل نہیں تھا۔ اس کے بعد انہوں نے سر عبدالقادر کے مضمون ''اقبال کی شاعری کا ابتدائی دور'' کی مثال دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ:

''اب تک کی بحث سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ اقبال نے ۱۸۹۶ء میں پہلی مرتبہ لاہور کے کسی مشاعرے میں شرکت کی۔'' ۶۴؎

انہوں نے مزید بتایا کہ ۱۸۹۶ء میں حکیم شجاع الدین کی وفات کے بعد تمام شعراء حضرات حکیم شہباز الدین کی بیٹھک میں جمع ہونے لگے ان میں اقبال بھی شریک تھے پھر وہ محمد عبداللہ قریشی کے حوالے سے بتاتے ہیں:

'' اقبال بھی جب تک ان بزرگوں کو اپنا کلام نہ سنا لیتے ان کی تسلی نہ ہوتی تھی اور اسے کسی مجلس عام میں نہ پڑھتے ''نالہ یتیم''، ''یتیم کا خطاب ہلال عید سے''، ''پنجاب کے مسلمانوں سے''، '' فریاد امت''، ''تصویر درد'' اور ''شمع و شاعر'' کی سی معروف نظمیں پہلے انہیں لوگوں کے سامنے پڑھیں اور ان سے داد سخن پا کر پھر انہیں انجمن حمایت اسلام جلسوں میں پیش کیا''۔ ۶۵؎

منیر احمد یزدانی نے اپنے مقالے کا خاتمہ ان الفاظ پر کیا:

''لاہور کے مشاعروں اور انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں علامہ اقبال کی شرکت کے واقعات سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ علامہ اقبال لاہور کی علمی و ادبی فضا پر چالیس سال تک چھائے رہے''۶۶؎

سید مسعود اعجاز بخاری نے پروفیسر محمد اکرم طاہر کو دعوت دی کہ وہ مقالہ و مقالہ نگار کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ چنانچہ پروفیسر محمد اکرم طاہر نے کہا کہ پروفیسر منیر احمد یزدانی نے سامعین کو مربوط منظم اور سیر حاصل مواد مہیا ہے۔ ان کا یہ مضمون مفید اور معلوماتی ہے۔ انہوں نے لاہور کی شعری مجالس اور کلام اقبال کے ان گوشوں پر خامۂ فرسائی کی ہے جو ابھی تک سب کی نظروں سے اوجھل تھے۔ انہوں نے ہر واقعہ کی صحت کو مختلف حوالوں سے پرکھا ہے۔ جو ان کے ذمہ دار محقق ہونے کا ثبوت ہے۔

آخر میں سید مسعود اعجاز بخاری نے تمام سامعین کا شکریہ ادا کیا۔ جن کی آمد سے یہ محفل مزید پر رونق ہوگئی تھی۔ ۶۷؎

''ادارہ تعبیر''، میر پور کے زیر اہتمام تقریب ''بیادِ فیض'' کی روئیداد:

دسمبر ۱۹۹۸ء ادبی ثقافتی ادارہ '' تعبیر'' میر پور آزاد کشمیر کے زیر اہتمام فیض احمد فیض کی تیرھویں برسی کے موقع پر ایک تقریب ''بیادِ فیض'' ادارہ کے ہال میں منعقد کی گئی۔ تقریب کا پروگرام کچھ اس طرح تھا:

صدارت	:	پروفیسر نذیر انجمؔ
معتمد	:	ارشد رانا
نظامت کے فرائض	:	محمد فاروق جرال
شرکائے محفل	:	پروفیسر نذیر انجمؔ پروفیسر صغیر آسیؔ، پروفیسر نذیر تبسم، پروفیسر محمد حنیف خواجہ، خواجہ خورشید احمد، تصدق حسین اثرؔ اور جنید انصاری۔

تقریب کا آغاز ۹ بجے صبح کیا گیا۔ تلاوت قرآن مجید کی سعادت خواجہ وحید احمد نے حاصل کی۔ سٹیج سیکرٹری

نے سب سے پہلے پروفیسر محمد صغیر آسی کو دعوت دی کہ وہ سیرت فیض اور کلام فیض پر اظہار خیال کریں۔

پروفیسر آسی نے اپنے مضمون میں کہا کہ فیض نے اردو زبان اور شاعری کو نیا آہنگ دیا جس کی وجہ سے ان کلام دلوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔ انہوں نے مثال کے طور پر متفرق اشعار پیش کیے:

ادھر ایک حرف کہ کشتنی یہاں لاکھ عذر تھا گفتنی
جو کہا تو سن کے اڑا دیا جو لکھا تو پڑھ کے مٹا دیا ۶۸؎

اک سخن مطرب زیبا کہ سلگ اٹھے بدن
اک قدح ساقیِ مہوش جو کرے ہوش تمام ۶۹؎

کف باغباں پہ بہار گل کا ہے قرض پہلے سے بیشتر
کہ ایک پھول کے پیرہن، میں نمود میرے لہو کی ہے ۷۰؎

پروفیسر نذیر تبسم نے کہا کہ فیض نے حقیقت شناسی کی راہوں سے آشنا ہونے کے بعد اپنی ولولہ انگیز شاعری کے ذریعے ظلم کی چکی میں پستی ہوئی خلق خدا میں ذہنی اور جسمانی غلامی کی زنجیروں کو توڑ پھینکنے اور خودداری اور آزادی سے جینے کا جذبہ ابھارا جیسے فیض کی غزل کی مشہور اشعار ہیں:

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی تو کوئی بات نہیں
گر بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنا ہارے بھی تو بازی مات نہیں ۷۱؎

پروفیسر محمد حنیف خواجہ نے کہا کہ فیض کی شاعری میں وطن، اہل وطن اور مظلوم طبقات سے محبت کا جذبہ نمایاں ہے۔

خواجہ خورشید احمد نے کہا کہ علامہ اقبال اور فیض نے اپنی اعلیٰ تعلیم، بلند فکر اور صلاحیتوں کے بل بوتے پر اہم عہدوں پر فائز رہ کر یہ بات ثابت کر دی کہ شاعر صرف شاعری نہیں کرتا بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں اہم خدمات سرانجام دے سکتا ہے۔

تصدیق حسین آثر نے کہا کہ فیض کے گیت لفظوں اور آوازوں کی ایسی سر مالا ہے جو راگ کی ڈوری سے بندھی ہے۔ قاری ان کے سیل رواں میں بہتا چلا جاتا ہے۔ انہوں نے مثال میں کچھ گیت پیش بھی کیے:

اب کیا دیکھیں راہ تمہاری
بیت چلی ہے رات
چھوڑو
چھوڑو غم کی بات
تھم گئے آنسو
تھک گئیں اکھیاں ۷۲؎

دوسرا گیت:

ہم تیرے پاس آئیں
سارے بھرم مٹا کر
سب چاہتیں بھلا کر
کتنے اداس آئے ۷۳؎

جنید انصاری نے کلام فیضؔ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ رجائیت اور نکتہ آفرینی نے ان کے رومانیت آمیز اسلوب کو مزید دل کش بنا دیا۔ سیاسی جدوجہد میں قدم قدم پر ناکامی اور شدید ردعمل یہ ایسے عوامل ہیں جن کی زہرناکی بیان کی حلاوت میں تلخیوں کا زہر گھول دیتی ہے۔ لیکن فیضؔ کے ہاں ایسے مقامات بہت کم ہیں۔ جہاں جذبے کی شدت نرمی گفتار پر غالب آ گئی ہو۔ پھر جنید انصاری نے فیضؔ کے اشعار بطور مثال پیش کیے:

متاعِ لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے
کہ خونِ دل میں ڈبو لی ہیں انگلیاں میں نے
زباں پہ مہر لگی ہے تو کیا کہ رکھ دی ہے
ہر ایک حلقۂ زنجیر میں زباں میں نے ۷۴؎

آخر میں نذیر انجم کو خطاب کرنے کی دعوت ملی تو انہوں نے کہا کہ فیضؔ کی شاعری ہمیں محبت اور رواداری اور امن پسندی کا سبق دیتی ہے۔ عصر حاضر کے شعراء میں علامہ اقبالؔ کے بعد فیضؔ کا رتبہ سب سے بلند ہے انہوں نے مزید کہا کہ فیضؔ بنیادی طور پر حسن اور محبت کے شاعر ہیں لیکن سیاسی حالات انہیں انقلابی شاعری کی طرف لے گئے مگر اس کے باوجود کلام فیض میں غنائیت اور رنگ تغزل بڑی عمدگی کے ساتھ موجود ہے جس کے باعث وہ دیگر ترقی پسند شعراء کے مقابلے میں زیادہ مقبول ہوئے۔

انہوں نے بطور ثبوت فیض کی مختلف غزلوں کے اشعار پیش کیے:

کٹتے بھی چلو، بڑھتے بھی چلو، بازو بھی بہت ہیں، سر بھی بہت
چلتے بھی چلو، کہ اب ڈیرے منزل ہی پہ ڈالے جائیں گے ۷۵؎

چشم نم، جان شوریدہ کافی نہیں
تہمت عشق پوشیدہ کافی نہیں
آج بازار میں پا بجولاں چلو ۷۶؎

درد تھم جائے گا غم نہ کر غم نہ کر
یار لوٹ آئیں گے دل ٹھہر جائے گا، غم نہ کر غم نہ کر ۷۷؎

کوئے ستم کی خامشی آباد کچھ تو ہو
کچھ تو کہو ستم کشو فریاد کچھ تو ہو
بیداد گر سے شکوۂ بیداد کچھ تو ہو
بولو، کہ شورِ حشر کی ایجاد کچھ تو ہو ۷۸؎

آخر میں نذیر انجم نے شاعری میں فیض کی پیروی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:

کوئی مذاق نہیں پیروی فیضؔ انجم
خود اپنے خوں میں ڈبو دی ہیں انگلیاں میں نے ۷۹؎

پروفیسر نذیر انجمؔ کے خطاب کے خاتمے کے بعد سٹیج سیکرٹری نے تقریب کے ختم ہونے کا اعلان کیا اس طرح یہ خوبصورت محفل ۱۰:۰۰ بجے ختم ہو گئی۔ ۸۰؎

''ادبیکا''، کا میرپور کے زیرِ اہتمام ادبی نشست کی روئیداد:

۱۹۹۹ء میں ''ادبیکا'' کے دفتر میں ادبی نشست کا اہتمام کیا گیا اس نشست میں پروفیسر احمد یزدانی کو علامہ اقبال کے حوالے سے تحقیقی مقالہ پیش کرنے کے لیے مدعو کیا۔

پروگرام:

صدارت	:	عارف حسین نقوی
سیکرٹری	:	مبشر غفور مبشر
ادبی نشست	:	تحقیقی مقالہ
عنوان مقالہ	:	علامہ اقبال کا فلسفہ سخت کوشی
مقالہ نگار	:	پروفیسر منیر احمد یزدانی

صبح ۹ بجے تلاوت کلام پاک سے تقریب کا آغاز کیا گیا۔ معتمد بزم نے پروفیسر منیر احمد یزدانی سے درخواست کی کہ وہ سٹیج پر تشریف لائیں اور اپنا مقالہ پیش کریں۔ منیر احمد یزدانی نے بسم اللہ پڑھ کر مقالہ پڑھنا شروع کیا۔ انہوں نے مقالے کی ابتداء کرتے ہوئے بتایا کہ علامہ اقبال کے نظام فکر کی بنیاد فلسفہ خودی پر قائم ہے اور ان کا نصب العین آدمیت کی تعمیر وتکمیل ہے۔ خودی کے ذریعے انسان کائنات کی ہر شے کو زیر نگین کر کے اپنی تخلیق کے مقاصد کو حاصل کر سکتا ہے۔ علامہ خودی کی تعریف یوں کرتے ہیں:

خودی کیا ہے؟ راز درون حیات
خودی کیا ہے؟ بیداری کائنات ؎۸۱

مقالہ نگار نے بات جاری رکھتے ہوئے بتایا کہ خودی کو قوت بخشنے والے عوامل عشق، شجاعت، فقر، رواداری، کسب حلال، مقصد آفرینی اور سخت کوشی بھی اقبال کے فلسفہ حرکت کی ذیل میں آتے ہیں۔ خودی کا ہر مرحلہ پیکار و کشمکش اور حصول قوت کا مطالبہ کرتا ہے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں کہ سستی، کاہلی، بزدلی اور کمزوری تو مرگ مفاجات کی طرف لے جاتی ہے۔ جیسے اقبال نے اپنے اشعار میں کہا ہے:

چیتے کا جگر چاہیے شاہین کا تجسس
جی سکتے ہیں بے روشنی دانش و فرہنگ ؎۸۲

شاہین کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا
پُر دم ہے اگر تو تو نہیں خطرہ اُفتاد ؎۸۳

منیر احمد یزدانی نے بتایا کہ علامہ اقبال قوت اور طاقت کو پسند کرتے ہیں۔ وہ جلال میں بھی جمال دیکھتے ہیں مگر اقبال طاقت اور قوت کو اخلاقیات کے تابع رکھنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر قوت کو اخلاقی نظم و ضبط کا پابند نہ کیا جائے تو یہ قوت زندگی کے لیے لعنت بن سکتی ہے۔ علامہ اپنی ملت کے نوجوانوں میں بھی قوت اور طاقت کا عنصر دیکھنا چاہتے ہیں:

تیرا اندیشہ افلاکی نہیں ہے
تیری پرواز لولاکی نہیں ہے
یہ مانا کہ اصل شاہینی ہے تیری
تری آنکھوں میں بے باکی نہیں ہے ؎۸۴

انہوں نے کہا کہ علامہ اقبال سخت کوشی کو زندگی میں جاری و ساری دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک زندگی کاراز حرکت اور قوت میں پوشیدہ ہے۔ اسی لیے انہوں نے ترک دنیا، سکون پرستی اور رہبانیت کو موت قرار دیا ہے۔ وہ سکون و ثبات کو فریب نظر قرار دیتے ہیں۔ وہ ذوق پرواز کو زندگی کا راز بتاتے ہوئے کہتے ہیں:

دمادم رواں ہے یم زندگی
ہر اک شے سے پیدا رم زندگی ۸۵؎

فریب نظر ہے سکون وثبات
تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات

سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی
فقط ذوق پرواز ہے زندگی ۸۶؎

علامہ اقبال سمجھتے تھے کہ مسلمانوں نے جوتن آسانی، بے عملی اور کشمکش حیات سے گریز کی راہ اختیار کر رکھی ہے اس کا علاج سخت کوشی، جفاطلبی اور عمل پیہم کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اسی لیے علامہ اقبال نے فرمایا کہ:

یہ زور دست و ضربت کاری کا ہے مقام
میدانِ جنگ میں نہ طلب کر نوائے چنگ ۸۷؎

ان کے نزدیک ایسی زندگی جس میں ذوق وشوق اور جذبہ تسخیر و فتح نہ ہو یقیناً موت سے بدتر ہے:

جس میں نہ ہوا انقلاب موت ہے وہ زندگی
روحِ امم کی حیات کشمکش انقلاب ۸۸؎

اپنے فلسفہ سخت کوشی کو سمجھانے کے لیے اقبال نے اپنی شاعری میں مختلف مثالیں دی ہیں جیسے وہ الماس اور شبنم کے قطرے کی مثال دے کر یہ واضح کرتے ہیں کہ انسان کو اپنی حفاظت کے لیے الماس بننا چاہیے نہ کہ شبنم کا کمزور قطرہ جسے ایک معمولی پرندہ بھی ختم کرسکتا ہے:

غافل از حفظ خودی یک دم مشو
ریزۂ الماس شو، شبنم مشو ۸۹؎

در رہ دیں سخت چوں الماس زی
دل بحق بربندو بے وسواس زی ۹۰؎

منیر احمد یزدانی نے اقبال کے حوالے سے بتایا کہ دین کی حفاظت اور اشاعت کا کام امت مسلم کے ذمے ہے اس لیے ہر مسلمان کو اس مقصد کے لیے سخت جان بننا چاہیے وہ کانٹے اور ریشم کا مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں:

حفاظت پھول کی ممکن نہیں ہے
اگر کانٹے میں ہو خوئے حریری ۹۱؎

منیر احمد یزدانی نے کہا کہ میں ساری بحث کو سمیٹتے ہوئے اقبال کے فلسفہ سخت کوشی کے بارے میں اتنا ہی کہوں گا کہ:

"علامہ اقبال کے فلسفہ خودی یعنی فلسفہ حیات کی تعمیر وتکمیل کے لیے قوت اور سخت کوشی بنیادی عوامل ہیں جن کے بغیر کار زار حیات میں انسان

> اپنے فرائض احسن طریقے سے ادا نہیں کر سکتا اور علامہ اقبال ایک مومن میں ان خصوصیات کو بدرجہ اتم دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ دنیا میں امن و آشتی قائم کرے اور کائنات کو تسخیر کر کے اپنے مقصد تخلیق کو حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخرو ہو سکے۔ ۹۲؎

پروفیسر منیر احمد یزدانی مقالہ ختم کر چکے تو معتمد بزم نے عارف حسین نقوی کو خطاب کرنے کی دعوت دی۔ عارف حسین نقوی نے کہا کہ علامہ اقبال نے کم و بیش بیس ہزار شعر کہے ہیں۔ ان میں سے اکثریت ایسے اشعار کی ہے جن میں اقبال نے قوم کو حرکت اور عمل کا درس دیا ہے۔ پروفیسر منیر احمد یزدانی نے اقبال کے اس شعور کو بھرپور انداز میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ انہوں نے بلاتکان علامہ اقبال کے افکار کو دل بیدار کے ساتھ صفحہ قرطاس کی زینت بنا دیا ہے۔

سید عارف حسین نقوی کے خطاب کے بعد معتمد بزم نے محفل کے اختتام کا اعلان کر دیا۔ اس طرح یہ دلچسپ ادبی نشست ۱ بجے اختتام کو پہنچ گئی۔ ۹۳؎

"مجلس تحقیق فکر و فلسفہ پاکستان"، میرپور کے زیر اہتمام ماہانہ تنقیدی نشست کی روئیداد:

"مجلس تحقیق فکر و فلسفہ پاکستان" میرپور کے زیر اہتمام ہر ماہ باقاعدگی سے مشاعرہ/ مذاکرہ/تنقید نشست کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس روایت کو نبھاتے ہوئے اپریل ۲۰۰۳ء کو جبیر ہوٹل (میرپور) کے ہال میں تنقیدی نشست کا اہتمام کیا گیا پروگرام کی ترتیب یوں رکھی گئی تھی۔

صدارت	:	محمد اکرم طاہر
سیکرٹری	:	سید معصوم حسین زندہ
شرکائے محفل	:	منیر احمد یزدانی، بابا نجابت حسین اویسی اور عظمت رشید کیانی
ادبی نشست	:	تنقید (نظم)
عنوان	:	"بساط عالم پہ رقص ابلیس!"

رات ۸ بج کر ۳۰ منٹ پر تلاوت کلام پاک اور نعت رسول مقبول ﷺ سے پروگرام کا آغاز کیا گیا۔ سیکرٹری سید معصوم حسین زندہ نے سید مسعود اعجاز بخاری کو دعوت دی کہ وہ آئیں اور اپنی نظم تنقید کے لیے پیش کریں۔ سید مسعود اعجاز بخاری نے سٹیج پر آکر نظم تحت اللفظ پڑھ کر سنائی نظم کے کچھ بند ملاحظہ ہوں:

ظلم و بربریت کے اس عالمی بازار میں
جہل و ریا کی اس دھند میں
تمیز خیر و شر مٹ چکی ہے
جب سے ہم
خوف خدا اور حب الٰہی سے عاری ہوئے
ہم پر اغیار کا خوف طاری ہے
ہم بندہ حر اور مردان حق و صداقت سے

دوسرا بند

اس امر کی گواہ ہیں
کہ سچائی اور خیر کے منکر
مکالمہ پر قطعاً یقین نہیں رکھتے
وہ صرف اور صرف طاقت کی زبان سمجھتے ہیں

ان سے اسی زبان میں
بات ہوگی
خدا معلوم کہ خیروشر کا یہ آخری معرکہ ہو
اور ہم فتح مند اور سرخرو ٹھہریں ۴۹۴؎

جب سید مسعود اعجاز بخاری نظم پیش کر چکے تو سٹیج سیکرٹری نے عظمت رشید کیانی کو دعوت دی کہ وہ آئیں اور نظم کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ عظمت رشید کیانی نے کہا کہ نظم میں موجودہ علامتیں اور اشارے زندگی سے جڑے ہوئے ہیں وہ ملکی و بین الاقوامی مسائل کو شاعری کا موضوع بنا کر حب الوطنی کے جذبات اور انقلابی خیالات کو بڑی خوبصورتی سے شاعرانہ انداز میں بیان کرتے ہیں ان کی نظمیں امید اور رجائیت کا پیغام دیتی نظر آتی ہیں شاعر نے ان مسلمانوں پر طنز کی ہے جو شرکی عالمی قوتوں کے سامنے جھک کر اپنے ہی مسلمان بھائیوں پر آگ اور خون کی بارش کرا رہے ہی نظم میں بعض مقامات پر شاعر کا لہجہ تلخ ہو جاتا ہے۔

بابا نجابت حسین اویسی نے شریک گفتگو ہوتے ہوئے کہا آج امت مسلمہ تباہی، بربادی اور زوال کا شکار ہے بے شمار ''ابرہے'' اسلام اور مسلمانوں کو مٹانا چاہتے ہیں۔ بخاری نے نظم میں ان سب کی نقاب کشائی کی ہے۔ ان کی یہ نظم مسلمان نوجوان میں فکری انقلاب پیدا کرے گی۔

منیر احمد یزدانی نے کہا کہ اس نظم میں شاعر نے استعماریت اور جدید دور کی یزیدیت کے خلاف جہاد کا اعلان کیا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ناپاک عزائم سے آگاہ کیا ہے۔ نظم میں انہوں نے مسلمانوں کو فتح اور کامیابی کی نوید بھی سنائی ہے تاکہ کہیں مسلمان بدل ہو کر بھٹک نہ جائیں۔

آخر میں پروفیسر محمد اکرم طاہر کو دعوت خیال دی گئی تو انہوں نے یہ معرکہ الآرا نظم لکھنے پر شاعر کو مبارک باد پیش کی۔ انہوں نے کہا کہ مسعود اعجاز نے موجودہ حالات کے تناظر میں یہ نظم تحریر کر کے اپنا مذہبی اور قومی فرض ادا کیا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کو عملی جہاد پر ابھارتے ہوئے کہا ہے:

ع ''وہ صرف اور صرف طاقت کی زبان سمجھتے ہیں''

ان کی نظم ایک درمند مسلمان کے دل کی پکار ہے۔

محمد اکرم طاہر کے خطاب کے بعد سیکرٹری انجمن نے جلسے کے خاتمے کا اعلان کیا اس طرح یہ علمی و ادبی محفل اختتام پذیر ہوئی مگر اس کی یاد ہمیشہ دلوں میں برقرار رہے گی۔ ۴۹۵؎

''سیف الملوک اکیڈمی''، میرپور کے زیر اہتمام نعتیہ مشاعرے کی روئیداد:

۱۲ جولائی ربیع الاول ۱۹۹۴ء کو ''سیف الملوک اکیڈمی'' میرپور نے ایک نعتیہ مشاعرے کا اہتمام کیا۔ مشاعرہ مزار میاں محمد بخشؒ کی احاطے میں منعقد کیا گیا۔ پروگرام کی ترتیب کچھ اس طرح تھی۔

صدارت	:	پروفیسر محمد رفیق بھٹی
مہمان خصوصی	:	وزیر اعظم آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم خان
سیکرٹری	:	سید معصوم حسین زندہ
شرکائے محفل	:	مقامی شعراء

رات ۸ بجے تلاوت کلام پاک سے مشاعر کا آغاز کیا گیا۔ سب سے پہلے محمد خلیل ثاقب کو دعوت دی گئی کہ وہ نعتیہ کلام سنائیں نمونہ کلام:

وہ آئے یہاں بن کے شاہ امم
کریں گے شفاعت وہ روز عدم

مٹے ان کے آنے سے رنج والم
ہوئی جن پہ آ کے نبوت ختم ۹۶؎

نعت میں روانی اور تسلسل بیان ہے۔ خوشنما الفاظ وتراکیب کی بدولت نغمگی پیدا ہو گی ہے۔

پروفیسر محمد سعید ثاقبؔ نے جو نعت سنائی اس کے چند اشعار دیکھیے:

آؤ شاہِ امم کی بات کریں
نگہ لطف و کرم کی بات کریں
جن کی آنکھوں میں گنبد خضرا
کیوں بھلا جام جم کی بات کریں ۹۷؎

گنبد خضرا اور جام جم میں تلمیح ہے یہ نعت عشق و محبت اور سوز و گداز کا مرقع ہے جو ہر عاشق رسول ﷺ کے دل میں موجود ہے۔

امین طارق قاسمیؔ نے نعتیہ کلام پیش کیا نمونہ کلام:

کیا بات ہوئی معراج کی شب سب لفظ و بیاں ہیں مہر بلب
وہ حسن طلب، وہ حسن عطاء سبحان اللہ سبحان اللہ
طارقؔ ہے یہ میرا بخت رسا، لکھوں میں نبیؐ کی مدح و ثنا
گونجی ہے فضاؤں میں یہ صدا سبحان اللہ،سبحان اللہ ۹۸؎

نعت میں صنعت سجع ہے۔ ہر مصرع میں دو دو قافیے ہیں اس صفت کی وجہ سے نعت میں نغمگی پیدا ہوگئی ہے نعت کے ہر لفظ سے عقیدت رسول ﷺ اور حب نبی ﷺ جھلکتی ہے۔

وجیہ الحسن صفدر شفیقؔ کو دعوت سخن دی گئی تو انہوں نے نعت ترنم کے ساتھ پڑھ کر سنائی اشعار ملاحظہ ہوں:

جو کچھ عطا ہوا مجھے خیرالانام سے
کیسے بیان ہو بھلا حسن کلام سے
ہوتے ہیں اس پہ راز حقیقت کے آشکار
لیتا ہے نام آپؐ کا جو احترام سے ۹۹؎

نبی ﷺ سے محبت اہل ایمان کا خاصا ہے نبی کریم ﷺ سے بے لوث عقیدت اور محبت کا اظہار ہے نعت کے الفاظ نعت کے شایان شان ہیں جو شفیقؔ کے بہترین ذخیرہ الفاظ کی نشانی ہیں۔

سید مسعود اعجاز بخاریؔ نے نعت سنائی آزادنظم کی صورت میں تھی:

ستاروں کے جھرمٹ میں
بیچ سے اک روشنی پھوٹتی ہے
اک اسی کے دم سے
یہ سب روشنی ہے
آؤ! اسی کے دربار میں
نظریں جھکائے باادب چلیں
تاکہ سرخرو ہوں
اور بامراد لوٹیں
وہ دربار!
دربارِ مصطفیٰؐ ہے

آؤ!

ہم سب چلیں

اور اپنی اپنی مرادیں پائیں ۵۰۰ؔ

شاعر نے نعت میں سادہ بیانیہ انداز اختیار کیا ہے۔ ہر عاشق رسولؐ کی طرح شاعر کا دل بھی روضہ رسولؐ کی زیارت کے لیے تڑپ رہا ہے۔ اسی بیقراری کا اظہار نعت میں کیا گیا ہے۔

آخر میں سٹیج سیکرٹری سید معصوم حسین زندہ نے رفیق بھٹی کو دعوت دی۔ پروفیسر محمد رفیق بھٹی نے نعت سنائی تو ایک سماں بندھ گیا۔ شعر ملاحظہ ہوں:

تیری یاد وجہ سکون، تیرا ذکر شان نیاز ہے

تیرا نام جس میں نہ آ سکے وہ اذان ہے نہ نماز ہے

تیری عظمتوں کی دلیل ہے جو کلام رب جلیل ہے

تو ہی رمز آئینہ کن فکاں تو ہی سر حسنِ مجاز ہے ۵۰۱ؔ

شاعر نے نبیؐ کی کبریائی بیان کی ہے۔ الفاظ اور تراکیب بھی نعت کے شایانِ شان ہیں۔ آخر میں وزیراعظم سردار محمد عبدالقیوم خان نے نبیؐ کی شانِ بابرکت کے بارے میں اظہارِ خیال کیا اور شعراء کو اتنی اچھی نعتیں لکھنے پر مبارک باد پیش کی۔

آخر میں امت مسلمہ کی بہتری اور دنیا میں ان کی نیک نامی کے لیے دعا کی گئی۔ اس کے بعد یہ روحانی محفل اختتام پذیر ہوگئی۔ ۵۰۲ؔ

حواشی

۱۔ غیر مطبوعہ

۲۔ غیر مطبوعہ

۳۔ غیر مطبوعہ

۴۔ غیر مطبوعہ

۵۔ غیر مطبوعہ

۶۔ غیر مطبوعہ

۷۔ انٹرویو بمقام رہائش گاہ، ڈاکٹر محمد عالم، پتا کھہ کوٹلی، مورخہ ۱۰ جون ۲۰۰۷

۸۔ رسالہ مطلع، جلد ۲، شمارہ ۳، بابت ماہ جون تا اگست ۲۰۰۵، ص ۳۹

۹۔ شفیق راجہ، میں حرف حرف سمیٹوں، طلوع ادب باغ آزاد کشمیر، طبع اول، ۲۰۰۲، ص ۴۵

۱۰۔ ایضاً، ص ۳۲

۱۱۔ رسالہ مطلع شمارہ ۲، محولہ بالا، ص ۳۰

۱۲۔ ایضاً، ص ۳۱

۱۳۔ رسالہ مطلع، باغ، جلد ۲، شمارہ ۱، بابت ماہ مارچ تا مئی ۲۰۰۵، ص ۲۹

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۸

۱۵۔ رسالہ مطلع، باغ، والیم ۱، شمارہ ۱، بابت ماہ ستمبر تا نومبر ۲۰۰۵، ص ۲۵

۱۶۔ رسالہ مطلع، شمارہ ۱۰، محولہ بالا، ص ۲۹

۱۷۔ رسالہ مطلع، والیم ۱، محولہ بالا، ص ۲۱

۱۸۔ ایضاً، ص ۲۶

۱۹۔ رسالہ مطلع، شمارہ ۱۰، محولہ بالا، ص ۲۹

۲۰۔ رسالہ مطلع، شمارہ ۲، محولہ بالا، ص ۳۲

۲۱۔ ایضاً، ص ۳۰

۲۲۔ رسالہ مطلع، والیم ۱، محولہ بالا، ص ۲۰

۲۳۔ رسالہ مطلع، شمارہ ۲، محولہ بالا، ص ۳۰

۲۴۔ رسالہ مطلع شمارہ ۲، محولہ بالا، ص ۳۹-۴۰

۲۵۔ رسالہ باغ و بہار، ریڑہ، جلد نمبر ۱، شمارہ نمبر ۱، بابت ماہ اپریل تا جون ۲۰۰۷، ص ۳۴

۲۶۔ ایضاً، ص ۳۵

۲۷۔ ایضاً، ص ۳۵

۲۸۔ ایضاً،ص ۳۵

۲۹۔ ایضاً،ص ۳۵

۳۰۔ ایضاً،ص ۳۷

۳۱۔ ایضاً،ص ۲۲

۳۲۔ ایضاً،ص ۱۸

۳۳۔ ایضاً،ص ۳۹

۳۴۔ مجلہ مائل،گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج باغ اے۔کے،شمارہ ۲۰۰۷،ص ۲۱۶

۳۵۔ رسالہ باغ وبہار،محولہ بالا،ص ۴۳

۳۶۔ شفیق راجہ،حرف حرف سمٹوں،محولہ بالا،ص ۲۷

۳۷۔ مجلہ مائل،شمارہ ۲۰۰۷،محولہ بالا،ص ۲۱۸

۳۸۔ رسالہ صدائے باغ،باغ،جلداول،شمارہ 1،بابت ماہ ستمبر،اکتوبر ۲۰۰۷،ص ۳۵

۳۹۔ رسالہ باغ وبہار،شمارہ ا،محولہ بالا،ص ۳۸

۴۰۔ صابرآفاقی (ڈاکٹر)،نئے موسموں کی بشارت،دستاویز مطبوعات لاہور،طبع اول،۲۰۰۰،ص ۵۶

۴۱۔ عمران حمید گیلانی،سید،مکتوب بنام مقالہ نگار،محررہ ۲۰ جولائی ۲۰۰۷

۴۲۔ محمد اکرم طاہر،شام کی دہلیز،عمیر پبلشرز لاہور،۱۹۹۴،ص ۶۳

۴۳۔ محمد اکرم طاہر،خواب دیکھے جاؤ،خزینہ علم وادب،لاہور ۲۰۰۴،ص ۴۳

۴۴۔ وجیہہ الحسن صفدر شفق،مکتوب بنام مقالہ نگار،محررہ ۳ جون ۲۰۰۷

۴۵۔ بشیراحمد مغل،پروفیسر،شام زندگی،مغل برادرز پنڈی،سکھر وال میرپور اے۔کے،۱۹۸۴،ص ۲۰

۴۶۔ ہفت روزہ کشمیر،راولپنڈی،۲۴ اپریل ۱۹۸۴،ص ۱۶

۴۷۔ نذیر انجم،پروفیسر،قرض سخن،ارشد بک سیلرز،میرپور،اشاعت اول ۱۹۹۸،ص ۲۵۴

۴۸۔ محمد عارف کمپلوی،خون تحریریں ہیں،کاشر پبلشرز میرپور،۲۰۰۰،ص ۳۳

۴۹۔ بوٹا خان راجس،کلیات راجس،ریز پبلیکیشنز راولپنڈی،۲۰۰۳،ص ۸۷

۵۰۔ مجلہ پتن،گورنمنٹ ڈگری کالج بھمبر اے۔کے شمارہ ۲۰۰۵،ص ۱۹۸

۵۱۔ ایضاً،ص ۲۰۱

۵۲۔ وجیہہ الحسن صفدر شفق،مکتوب محولہ بالا

۵۳۔ ایضاً

۵۴۔ اخبار اُردو،اسلام آباد،جلد ۲۱،شمارہ ۲۰،بابت ماہ فروری ۲۰۰۵،ص ۱۳۰

۵۵۔ ایضاً،ص ۱۳۰

۵۶۔ ایضاً،ص ۱۲۶

۵۷۔ مخلص وجدانی،صلیبوں کا شہر،ادبیات مظفرآباد، طبع دوم،۲۰۰۶،ص ۵۳
۵۸۔ صابرآفاقی (ڈاکٹر)، نئے موسموں کی بشارت،محولہ بالا،ص ۳۷
۵۹۔ شفیق راجہ،حرف حرف سمیٹوں،ص ۶۷
۶۰۔ محمد اکرم طاہر،موسم اندر باہر کے موسم،محولہ بالا،ص ۲۸
۶۱۔ سید نثار حسین ہمدانی (ڈاکٹر)،چنار، چاندنی اور چنبیلی،میری ناگ پبلشرز میر پور،طبع اول ۱۹۹۳،ص ۱۹
۶۲۔ ماہ نو، لاہور،جلد ۵۸،شمارہ ۱،بابت ماہ جنوری ۲۰۰۵،ص ۲۹
۶۳۔ امجد اسلام امجد (مرتب) جواد حسین جعفری،قلم کے محاذ سے،کشمیر اکیڈمی مظفرآباد،طبع اول،۱۹۹۵،ص ۹۸۔۹۹
۶۴۔ محمد صغیر خان (ڈاکٹر)،مکتوب بنام مقالہ نگار،محررہ ۱۷ اکتوبر ۲۰۰۵
۶۵۔ غیر مطبوعہ
۶۶۔ غیر مطبوعہ
۶۷۔ غیر مطبوعہ
۶۸۔ غیر مطبوعہ
۶۹۔ محمد اقبال میر،مکتوب بنام مقالہ نگار محررہ ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۷
۷۰۔ غیر مطبوعہ
۷۱۔ غیر مطبوعہ
۷۲۔ غیر مطبوعہ
۷۳۔ غیر مطبوعہ
۷۴۔ غیر مطبوعہ
۷۵۔ غیر مطبوعہ
۷۶۔ غیر مطبوعہ
۷۷۔ محمد اقبال میر،مکتوب محولہ بالا
۷۸۔ صابر حسین صابر،دشت تنہائی، بزم قلم وقرطاس پاکستان،۱۹۸۴،ص ۵۷
۷۹۔ اسرار ایوب،برف سے حرف،اشاعت اول،۱۹۹۵،ص ۹۵
۸۰۔ آمنہ بہار رونا، سید،چناروں کی آگ،۱۹۸۷،ص ۲۵
۸۱۔ انوار فیروز،قلم کے محاذ سے،محولہ بالا،ص ۱۹
۸۲۔ نادرہ آرزو،درد کی سند،بار اول،۱۹۹۹،ص ۳۱
۸۳۔ مجلہ ادبیات،اسلام آباد،جلد ۱۷،شمارہ ۶۸،بابت ماہ ۲۰۰۵، ص ۶۵
۸۴۔ در شہوار،قلم کے محاذ سے،محولہ بالا،ص ۸۳
۸۵۔ مجلہ ادبیات،اسلام آباد،جلد ۱۷، شمارہ ۷۲، بابت ماہ جولائی، ستمبر ۲۰۰۶،ص ۱۹۳

۸۶۔ احسان اکبر، قلم کے محاذ سے، محولہ بالا، ص ۱۸
۸۷۔ محمد صغیر خان، سردار (ڈاکٹر)، مکتوب محولہ بالا
۸۸۔ رسالہ مطلع، شمارہ ۲، محولہ بالا، ص ۴۰
۸۹۔ اخبار اُردو، شمارہ ۲، محولہ بالا، ص ۱۳۶
۹۰۔ ایضاً، ص ۱۳۷
۹۱۔ محمد صغیر خان، سردار (ڈاکٹر)، مکتوب محولہ بالا
۹۲۔ صابر آفاقی (ڈاکٹر) مکتوب بنام مقالہ نگار، محررہ ۱۱ اکتوبر ۲۰۰۷
۹۳۔ مجلہ تدریب، گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن برائے ایلمنٹری باغ اے۔کے، شمارہ ۲۰۰۰، ص ۶۲
۹۴۔ اسرار ایوب، سرسوں برسوں کی، اشاعت اول ۱۹۹۴، ص ۴۹
۹۵۔ ماجد نذر، محبت پیراہن میرا، خواب پبلشرز لاہور، بار اول ۱۹۹۶، ص ۱۶
۹۶۔ اسلم راجا، کونپل کا بدن، ادارہ معارف کشمیر ہاڑی گہل باغ، ۱۹۸۴، ص ۲۰
۹۷۔ اخبار اُردو، شمارہ ۲، محولہ بالا، ص ۱۳۳
۹۸۔ مخلص وجدانی، صلیبوں کا شہر، محولہ بالا، ص ۴۷
۹۹۔ ایضاً، ص ۳۴
۱۰۰۔ صابر آفاقی (ڈاکٹر) خندہ ہائے بیجا، الحمد پبلیکیشنز، لاہور، بار اول، ۱۹۹۴، ص ۴۶
۱۰۱۔ صابر آفاقی (ڈاکٹر)، مکتوب محولہ بالا
۱۰۲۔ سردار محمد صغیر خان (ڈاکٹر) مکتوب محولہ بالا
۱۰۳۔ اسرار ایوب، برف سے حرف، اشاعت اول، ۱۹۹۵، ص ۱۹
۱۰۴۔ اخبار اردو، شمارہ ۲، محولہ بالا، ص ۱۳۳
۱۰۵۔ ایضاً، ص ۱۳۷
۱۰۶۔ روزنامہ جنگ، راولپنڈی، مورخہ ۱۹۹۳-۹-۱۷
۱۰۷۔ عبدالرزاق بیکل، ہنگام جنون، ص ۱۶
۱۰۸۔ رسالہ روابط انٹرنیشنل، جلد ۱، شمارہ ۹، بابت ماہ اگست ۲۰۰۶، ص ۳۳
۱۰۹۔ غیر مطبوعہ
۱۱۰۔ سردار محمد صغیر خان، سردار (ڈاکٹر)، مکتوب، محولہ بالا
۱۱۱۔ شفیق راجہ، مکتوب بنام مقالہ نگار، محررہ ۳۱ اگست ۲۰۰۶
۱۱۲۔ صابر آفاقی (ڈاکٹر)، مکتوب، محولہ بالا
۱۱۳۔ غیر مطبوعہ
۱۱۴۔ غیر مطبوعہ

۱۱۵۔ محمد حفیظ شاکر، کرب آرزو، بار اول، ۱۹۹۶، ص ۵۲

۱۱۶۔ غیر مطبوعہ

۱۱۷۔ غیر مطبوعہ

۱۱۸۔ غیر مطبوعہ

۱۱۹۔ رسالہ مطلع، جلد شمار ۲، محولہ بالا، ص ۳۹

۱۲۰۔ رسالہ مطلع، شمارہ ا، محولہ بالا، ص ۲۷

۱۲۱۔ صابر آفاقی (ڈاکٹر)، نئے موسموں کے بشارت، محولہ بالا ص، ۶۰

۱۲۲۔ صابر آفاقی (ڈاکٹر) مکتوب مقالہ نگار، محررہ ۲۲ نومبر ۲۰۰۵

۱۲۳۔ غیر مطبوعہ

۱۲۴۔ غیر مطبوعہ

۱۲۵۔ غیر مطبوعہ

۱۲۶۔ غیر مطبوعہ

۱۲۷۔ غیر مطبوعہ

۱۲۸۔ غیر مطبوعہ

۱۲۹۔ غیر مطبوعہ

۱۳۰۔ غیر مطبوعہ

۱۳۱۔ غیر مطبوعہ

۱۳۲۔ مسعود احمد خان، سردار، مکتوب بنام مقالہ نگار، محررہ ۱۶ جولائی ۲۰۰۷

۱۳۳۔ غیر مطبوعہ

۱۳۴۔ غیر مطبوعہ

۱۳۵۔ غیر مطبوعہ

۱۳۶۔ غیر مطبوعہ

۱۳۷۔ مجلّہ ضوفشاں، پوائز ڈگری کالج پلندری اے ۔ کے شمارہ نمبر ۱۹۹۵، ص ۶۲

۱۳۸۔ غیر مطبوعہ

۱۳۹۔ غیر مطبوعہ

۱۴۰۔ ماہ نو، لاہور، جلد ۵۸، شمار نمبر ۱۱، بابت ماہ نومبر ۲۰۰۵، ص ۲۳

۱۴۱۔ غیر مطبوعہ

۱۴۲۔ کوثر سلمان، پروفیسر، مکتوب بنام مقالہ نگار، محررہ ۱۴ جولائی ۲۰۰۷

۱۴۳۔ محمد اقبال، علامہ، بانگ درا، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۷۱، ص ۱۹

۱۴۴۔ ایضاً، ص ۲۱

۱۴۵۔ ایضاً، ص ۲۱

۱۴۶۔ ایضاً، ص ۲۴

۱۴۷۔ ایضاً، ص ۱۲، ۱۷

۱۴۸۔ ایضاً، ص ۱۴

۱۴۹۔ محمد اقبال، علامہ، بال جبریل، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۷۲ء، ص ۱۹۸

۱۵۰۔ انٹرویو بمقام رہائش گاہ، محمد منظور قریشی، نزد محلہ شاہی کوٹلی، مورخہ ۲۵ نومبر ۲۰۰۷

۱۵۱۔ محمد اکرم طاہر، شام کی دہلیز، عمیر پبلشرز لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۱۴۸

۱۵۲۔ غیر مطبوعہ

۱۵۳۔ رسالہ دی کوٹلینز کوٹلی اے ، ۲۰۰۵ء، ص ۲۴۹

۱۵۴۔ غیر مطبوعہ

۱۵۵۔ بروشر میلہ مویشیاں کھوئی رٹہ، کوٹلی ، اے ، کے ۱۹۸۶ء، ص ۱۰۲

۱۵۶۔ ایضاً، ص ۱۰۰

۱۵۷۔ غیر مطبوعہ

۱۵۸۔ بروشر میلہ مویشیاں، محولہ بالا، ص ۹۹

۱۵۹۔ وجیہہ الحسن صفدر شفق، ویران گلی میں، آر پرنٹرز لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۱۰۵

۱۶۰۔ ساگر کاشمیری، ادھورے سپنے، کاشر پبلشرز، میرپور، اشاعت اول، ۱۹۹۹ء، ص ۲۵

۱۶۱۔ نوید سحر، گورنمنٹ ڈگری کالج کوٹلی اے ۔ کے، شمارہ ۲۰۰۲ء، ص ۲۱۴

۱۶۲۔ ایضاً، ص ۲۰۸

۱۶۳۔ غیر مطبوعہ

۱۶۴۔ انٹرویو، بمقام رہائش گاہ، محمد افضل صابری، نزد محلہ پرتھان کوٹلی، مورخہ ۲۵ نومبر ۲۰۰۷

۱۶۵۔ ایضاً

۱۶۶۔ محمد خالد کاشمیری، صدائے حق، کاشر پبلشرز میرپور، طبع اول، ۲۰۰۱ء، ص ۲۴

۱۶۷۔ سروش، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج میرپور اے ۔ کے، شمارہ ۵۸-۱۹۵۷ء، ص ۳۸

۱۶۸۔ صابر آفاقی (ڈاکٹر)، نئے موسموں کی بشارت، محولہ بالا، ص ۲۵

۱۶۹۔ ایضاً، ص ۱۱۲

۱۷۰۔ غیر مطبوعہ

۱۷۱۔ غیر مطبوعہ

۱۷۲۔ بروشر میلہ مویشیاں، محولہ بالا، ص ۱۰۰

۱۷۳۔ ایضاً، ص ۱۰۰

۱۷۴۔ ایضاً، ص ۱۰۱

۱۷۵۔ حبیب کیفوی، کشمیر میں اردو، مرکزی بورڈ لاہور، طبع اول، ۱۹۷۹ء، ص ۳۳۲

۱۷۶۔ محمد اکرم طاہر، خواب دیکھتے جاؤ، خزینہ علم و ادب لاہور، ۲۰۰۴، ص ۱۰

۱۷۷۔ ماہ نو، لاہور، جلد ۶۰، شمارہ ۳، بابت ماہ مارچ ۲۰۰۷، ص ۴۷

۱۷۸۔ ضمیر جعفری، سید، من مندری، دوست پبلیکیشنز اسلام آباد، ص ۳۷

۱۷۹۔ ضمیر جعفری سید، آگ اک تارہ، دوست پبلیکیشنز اسلام آباد، ۲۰۰۱، ص ۱۱۸

۱۸۰۔ انٹرویو بمقام رہائش گاہ، الطاف شاکر، نزد محلہ جامع مسجد کوٹلی اے۔ کے مورخہ ۱۵ جون ۲۰۰۶

۱۸۱۔ کوٹلینز، محولہ بالا، ص ۲۶۵

۱۸۲۔ غیر مطبوعہ

۱۸۳۔ کوٹلینز، محولہ بالا، ص ۲۵

۱۸۴۔ ایضاً، ص ۲۵۴

۱۸۵۔ ایضاً، ص ۲۵۴

۱۸۶۔ ایضاً، ص ۲۵۰

۱۸۷۔ محمد خالد کاشمیری، صدائے حق، محولہ بالا، ص ۱۳۵

۱۸۸۔ زکریا شاد (مرتب) اعجاز نعمانی، اس گلی میں ہے بیل پھولوں کی، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، بار اول، ۲۰۰۵، ص ۱۰۲

۱۸۹۔ غیر مطبوعہ

۱۹۰۔ محمد یامین، (مرتب) اعجاز نعمانی، اس گلی میں ہے بیل پھولوں کی، محولہ بالا، ص ۴۹

۱۹۱۔ محمد اکرم طاہر، شام کی دہلیز، عمیر پبلشرز لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۲۵

۱۹۲۔ انٹرویو بمقام رہائش گاہ، عرفان صدیقی، محلّہ شاہی مسجد کوٹلی اے۔ کے مورخہ ۲ فروری ۲۰۰۶

۱۹۳۔ محمد خالد کاشمیری، صدائے حق، محولہ بالا، ص ۱۰۳

۱۹۴۔ منصور راٹھور، چلو میں ہار جاتا ہوں، ہم خیال پبلشرز فیصل آباد، ۱۹۹۹ء، ص ۱۲۲

۱۹۵۔ کوٹلینز، محولہ بالا، ص ۲۶۳

۱۹۶۔ غیر مطبوعہ

۱۹۷۔ کوٹلینز، محولہ بالا، ص ۱۳۳

۱۹۸۔ ایضاً، ص ۲۵۹

۱۹۹۔ ایضاً، ص ۲۶۱

۲۰۰۔ مجلّہ نوید سحر، محولہ بالا ص ۲۱۳

۲۰۱۔ کوٹلینز، ص ۲۵۷

۲۰۲۔ ایضاً، ص ۲۶۵

۲۰۳۔ زکریا شاد (مرتب) اعجاز نعمانی، اس گلی میں ہے بیل پھولوں کی، محولہ بالا، ص ۹۵

۲۰۴۔ غیر مطبوعہ

۲۰۵۔ انٹرویو بمقام رہائش گاہ، بشیر بیگ، گلپور کوٹلی اے۔ کے، ۳ نومبر ۲۰۰۷

۲۰۶۔ کوٹلی ٹائمز کوٹلی اے کے، شمارہ ۱۷، جلد ۲۸، مورخہ ۷ تا ۱۳ اکتوبر ۲۰۰۷

۲۰۷۔ کوٹلینز، محولہ بالا، ص ۲۶۷

۲۰۸۔ ایضاً، ص ۲۵۰

۲۰۹۔ کشمیر نیوز انٹرنیشنل، کوٹلی، اے کے، شمارہ ۹ تا ۱۶ فروری ۱۹۹۵

۲۱۰۔ کشمیر نیوز انٹرنیشنل کوٹلی اے کے، شمارہ جون ۱۹۹۵

۲۱۱۔ کوٹلینز، محولہ بالا، ص ۲۷۰

۲۱۲۔ ایضاً، ص ۲۵۹

۲۱۳۔ ایضاً، ص ۲۶۰

۲۱۴۔ ایضاً، ص ۲۵۶

۲۱۵۔ ایضاً، ص ۲۵۷

۲۱۶۔ زکریا شاد (مرتب) اعجاز نعمانی، اس گلی میں ہے بیل پھولوں کی، محولہ بالا، ص ۱۰۱

۲۱۷۔ غیر مطبوعہ

۲۱۸۔ محمد افضل صابری، دھرتی ماں! یہ عہد ہے میرا، کشمیر نیوز پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ ص ۸۶

۲۱۹۔ انٹرویو محمد افضل صابری، محولہ بالا

۲۲۰۔ محمد افضل صابری، دھرتی ماں! یہ عہد ہے میرا، محولہ بالا، ص ۳۱، ۳۲

۲۲۱۔ انٹرویو محمد افضل صابری، محولہ بالا

۲۲۲۔ حبیب کیفوی، کشمیر میں اردو زبان، محولہ بالا، ص ۱۶۰

۲۲۳۔ ایضاً، ص ۱۶۱ تا ۱۶۴

۲۲۴۔ ایضاً، ص ۱۵۷ تا ۱۶۷

۲۲۵۔ ایضاً، ص ۱۶۸

۲۲۶۔ ایضاً، ص ۱۶۸

۲۲۷۔ ایضاً، ص ۱۶۹

۲۲۸۔ ایضاً، ص ۱۶۹

۲۲۹۔ ایضاً، ص ۱۶۹

۲۳۰۔ ایضاً، ص ۱۷۰

۲۳۱۔ ایضاً، ص ۱۷۰

۲۳۲۔ ایضاً، ص ۱۷۰

۲۳۳۔ ایضاً، ص ۱۷۱

۲۳۴۔ ایضاً، ص ۱۷۱

۲۳۵۔ ایضاً، ص ۱۷۱

۲۳۶۔ ایضاً، ص ۱۷۲

۲۳۷۔ ایضاً، ص ۱۷۲

۲۳۸۔ ایضاً، ص ۱۷۲

۲۳۹۔ ایضاً، ص ۱۷۲

۲۴۰۔ ایضاً، ص ۱۷۳

۲۴۱۔ ایضاً، ص ۱۷۳

۲۴۲۔ ایضاً، ص ۱۷۳

۲۴۳۔ ایضاً، ص ۱۷۳

۲۴۴۔ ایضاً، ص ۱۷۴

۲۴۵۔ ایضاً، ص ۱۷۴

۲۴۶۔ ایضاً، ص ۱۶۷ تا ۱۷۵

۲۴۷۔ ایضاً، ص ۴۲۷

۲۴۸۔ ایضاً، ص ۴۱۲

۲۴۹۔ غیر مطبوعہ

۲۵۰۔ منور قریشی، دہلیز شب، اتفاق پرنٹنگ پریس مظفرآباد، ۲۰۰۰، ص ۴۳

۲۵۱۔ بلبل کاشمیری، خندہ گل، ادارہ فروغ اردو لاہور، بار اول، ۱۹۹۸، ص ۱۵۶

۲۵۲۔ حبیب کیفوی، کشمیر میں اردو، محولہ بالا، ص ۴۴۷

۲۵۳۔ آذر عسکری، کشت زعفران، کشمیر نیشنل بک فاؤنڈیشن مظفرآباد، ۱۹۸۶، ص ۷

۲۵۴۔ محمد خان نشتر، لمحات نشتر، نیلم پبلیکیشنز مظفرآباد، بار اول، ۲۰۰۲، ص ۱۱۲، ۱۱۳

۲۵۵۔ صابر آفاقی (ڈاکٹر)، شہر تمنا، دستاویز مطبوعات لاہور، ۱۹۸۰، ص ۴۵

۲۵۶۔ انٹرویو، بمقام رہائش گاہ، ڈاکٹر صابر آفاقی، لوئر پلیٹ مظفرآباد، ۱۲ جولائی ۲۰۰۷

۲۵۷۔ محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال (فارسی)، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، طبع دوم، ۱۹۷۵، ص ۳۴۹

۲۵۸۔ محمد اقبال، علامہ، ارمغان حجاز، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۸۶، ص ۳۶

۲۵۹۔ ایضاً، ص ۳۵

۲۶۰۔ ایضاً، ص ۳۶

۲۶۱۔ ایضاً، ص ۳۷

۲۶۲۔ ایضاً، ص ۳۸

۲۶۳۔ ایضاً، ص ۴۲

۲۶۴۔ صابر آفاقی (ڈاکٹر)، جلوہ کشمیر، سنگ میل پبلیکشنز لاہور، اشاعت اول، ۱۹۸۸، ص ۲۰۹ تا ۲۲۴

۲۶۵۔ غیر مطبوعہ

۲۶۶۔ منور قریشی، ویلیز شب، محولہ بالا، ص ۶۳

۲۶۷۔ محمد خان نشتر، لمحات نشتر، محولہ بالا، ص ۹۹

۲۶۸۔ مسعود قریشی، (مرتب) جواد حسین جعفری، قلم کے محاذ سے، محولہ بالا، ص ۱۸!

۲۶۹۔ غیر مطبوعہ

۲۷۰۔ حبیب کیفوی، کشمیر میں اردو، محولہ بالا، ص ۴۲۷

۲۷۱۔ میر عبدالعزیز، (مرتب) جواد حسین جعفری، قلم کے محاذ سے، محولہ بالا، ص ۱۸۹

۲۷۲۔ ہفت روزہ ''شعور'' مظفرآباد، مورخہ ۲۲۔۸۔۱۹۹۰

۲۷۳۔ غیر مطبوعہ

۲۷۴۔ بلبل کاشمیری، خندہ گل، محولہ بالا، ۱۳۴

۲۷۵۔ ضیا الحسن ضیاء، حرف و حکایت، ارشد بک سیلرز، میرپور، ص ۲۱۳

۲۷۶۔ آزر عسکری، بحوالہ ریکارڈنگ آرڈیو لائبریری، آزاد کشمیر ریڈیو مظفرآباد۔

۲۷۷۔ احمد فراز، درد آشوب، دوست پبلیکشنز، اسلام آباد، ۱۹۹۸، ص ۱۴

۲۷۸۔ ایضاً، ص ۱۶۲

۲۷۹۔ انٹرویو، بمقام رہائش گاہ، میاں محمد اسحاق سوز، دومیل سیداں، مورخہ یکم اگست ۲۰۰۷

۲۸۰۔ کشمیر ڈائجسٹ، مظفرآباد، جلد اول، شمارہ ۷، بابت سال ۱۹۸۷، ص ۴۷

۲۸۱۔ مجلّہ آئینہ، گورنمنٹ ڈگری کالج مظفرآباد، شمارہ ۱۹۷۷، ص ۲۹

۲۸۲۔ کشمیر ڈائجسٹ، محولہ بالا، ص ۳۹، ۴۰

۲۸۳۔ غیر مطبوعہ

۲۸۴۔ فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، مکتبہ کارواں لاہور، سن ندارد، ص ۷۸

۲۸۵۔ عبدالرشید ملک مکتوب بنام مقالہ نگار، محررہ ۳ دسمبر ۲۰۰۵

۲۸۶۔ محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال (فارسی)، محولہ بالا، ص ۳۴۹

۲۸۷۔ ایضاً، ص ۴۰۵

۲۸۸۔ محمد اقبال، علامہ، بانگ درا، محولہ بالا، ص ۱۹۹

۲۸۹۔ محمد اقبال، علامہ، پیام مشرق، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۱ء، ص ۱۶۰

۲۹۰۔ محمد اقبال، علامہ، جاوید نامہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۷۲ء، ص ۱۶۱

۲۹۱۔ محمد اقبال، علامہ، پیام مشرق، محولہ بالا، ص ۱۵۵

۲۹۲۔ محمد اقبال، علامہ، جاوید نامہ، محولہ بالا، ص ۶۲

۲۹۳۔ محمد اقبال، علامہ، ارمغان حجاز، محولہ بالا، ص ۳۹

۲۹۴۔ صابر آفاقی (ڈاکٹر)، مکتوب محولہ بالا

۲۹۵۔ تہذیب، کشمیر کلچرل اکیڈمی مظفرآباد، شمارہ فروری تا مئی ۲۰۰۷ء، ص ۸۵

۲۹۶۔ صابر آفاقی بحوالہ ایضاً، ص ۸۸

۲۹۷۔ ایضاً، ص ۸۸

۲۹۸۔ ایضاً، ص ۸۸

۲۹۹۔ ایضاً، ص ۸۸

۳۰۰۔ ایضاً

۳۰۱۔ ایضاً، ص ۸۹

۳۰۲۔ ایضاً، ص ۹۰

۳۰۳۔ ایضاً

۳۰۴۔ ایضاً

۳۰۵۔ ایضاً، ص ۹۳

۳۰۶۔ ایضاً

۳۰۷۔ ایضاً، ص ۹۴

۳۰۸۔ صابر آفاقی (ڈاکٹر) مکتوب بنام مقالہ نگار، ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۶

۳۰۹۔ زاہد کلیم، نغمہ تار حیات، نیلم پبلیکشنز مظفرآباد، ۱۹۸۱ ص ۶۰ تا ۶۲

۳۱۰۔ انٹرویو بمقام رہائش گاہ، زاہد کلیم، نزد گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج مظفرآباد، مورخہ ۲۸ جولائی ۲۰۰۷

۳۱۱۔ جی۔ ایم۔ لولابی محفل مشاعرہ بزم آزر مظفرآباد، ۱۹۸۶ء، ص ۶۸

۳۱۲۔ ایضاً، ص ۴۷

۳۱۳۔ ایضاً، ص ۵۱

۳۱۴۔ غیر مطبوعہ

۳۱۵۔ منور قریشی، دہلیز شب، محولہ بالا، ص ۲۲

۳۱۶۔ زاہد کلیم، نغمہ تار حیات، محولہ بالا، ص ۶۵، ۶۶

۳۱۷۔ غیر مطبوعہ

۳۱۸۔ محمد خان نشتر، لمحات نشتر، محولہ بالا، ص ۸۳،۸۴

۳۱۹۔ بلبل کاشمیری، خندہ ہائے گل، محولہ بالا، ص ۱۲۲،۱۲۳

۳۲۰۔ الطاف قریشی، مرتب غلام نبی خیال، فغان کشمیر، اکادمی ادبیات کشمیر اسلام آباد، طبع اول، ۱۹۹۹، ص ۱۲۵

۳۲۱۔ صابر آفاقی (ڈاکٹر)، نئے موسموں کی بشارت، محولہ بالا، ص ۴۹

۳۲۲۔ کشمیر ڈائجسٹ، محولہ بالا، ص ۱۱۲

۳۲۳۔ غیر مطبوعہ

۳۲۴۔ حبیب کیفوی، کشمیر میں اردو، محولہ بالا، ص ۴۴۷

۳۲۵۔ مخلص وجدانی، پیار کے پھول، نیلم آرٹ پریس مظفر آباد، بار اول، ۲۰۰۳، ص ۹۸

۳۲۶۔ انٹرویو، زاہد کلیم، محولہ بالا

۳۲۷۔ عارف ادیب کیانی، محفل مشاعرہ، محولہ بالا، ص ۵۶

۳۲۸۔ ایضاً، ص ۷۲

۳۲۹۔ ایضاً، ص ۷۹

۳۳۰۔ غیر مطبوعہ

۳۳۱۔ غیر مطبوعہ

۳۳۲۔ افتخار حسین مغل (ڈاکٹر) انکشاف، اساطیر لاہور، ۲۰۰۳، ص ۲۱۵

۳۳۳۔ مخلص وجدانی، صلیبوں کا شہر، محولہ بالا، ص ۵۰

۳۳۴۔ صابر آفاقی (ڈاکٹر)، شہر تمنا، محولہ بالا، ص ۶۱

۳۳۵۔ انٹرویو، بمقام رہائش گاہ، ابراہیم گل، مدینہ مارکیٹ مظفر آباد، مورخہ ۱۵ جولائی ۲۰۰۷

۳۳۶۔ جواد جعفری، احتجاج، نیلم ایونیو مظفر آباد، ۱۹۹۴، ص ۴۷

۳۳۷۔ مجلہ سلسلہ نمبر وجدان، مظفر آباد، شمارہ ۱۹۹۳

۳۳۸۔ ایضاً

۳۳۹۔ میاں کریم اللہ قریشی، خضر دیکھتا ہے دل کنارے، بزم سوز کشمیر مظفر آباد، اشاعت اول، ۱۹۹۵، ص ۱۰۰

۳۴۰۔ غیر مطبوعہ

۳۴۱۔ غیر مطبوعہ

۳۴۲۔ غیر مطبوعہ

۳۴۳۔ غیر مطبوعہ

۳۴۴۔ غیر مطبوعہ

۳۴۵۔ ناز مظفر آبادی، دسترس، مثال پبلشرز فیصل آباد، بار اول، ۲۰۰۴، ص ۵۹

۳۴۶۔ احمد حسین مجاہد (مرتب) اعجاز نعمانی، اس گلی میں ہے بیل پھولوں کی، محولہ بالا ص ۱۶

۳۴۷۔ افتخار حسین مغل (ڈاکٹر) ۔ایضاً۔ ص ۳۳

۳۴۸۔ آمنہ بہار رونا، سیدہ ۔ایضاً۔ ص ۴۶

۳۴۹۔ ایم یامین ۔ایضاً۔ ص ۵۱

۳۵۰۔ توصیف خواجہ ۔ایضاً۔ ص ۸۸

۳۵۱۔ زاہد کلیم، نغمہ تار حیات، محولہ بالا ص ۲۰

۳۵۲۔ نثار حسین ہمدانی (ڈاکٹر) چنار، چاندنی اور چنبیلی، محولہ بالا ص ۴۶

۳۵۳۔ ۔ایضاً۔ ص ۴۸

۳۵۴۔ واحد اعجاز ہمدانی، میر، راستہ مت بدل، خزینہ علم و ادب لاہور، ۲۰۰۴، ص ۲۶

۳۵۵۔ مخلص وجدانی، صلیبوں کا شہر، محولہ بالا، ص ۵۶

۳۵۶۔ غیر مطبوعہ

۳۵۷۔ صابر آفاقی (ڈاکٹر)، نئے موسموں کی بشارت، محولہ بالا، ص ۵۰

۳۵۸۔ انٹرویو بمقام رہائش گاہ سید ڈاکٹر نثار حسین ہمدانی، نزد امام بارگاہ مظفر آباد، مورخہ ۱۴ جولائی ۲۰۰۷

۳۵۹۔ ناز مظفر آبادی، دسترس، محولہ بالا، ص ۶۱

۳۶۰۔ مسعود کشفی، کارواں بک سنٹر، راولپنڈی، اشاعت اول، ۱۹۸۹، ص ۳۲

۳۶۱۔ ماہنامہ تہذیب، مظفر آباد، شمارہ ستمبر ۱۹۹۴، ص ۲۲

۳۶۲۔ غیر مطبوعہ

۳۶۳۔ غیر مطبوعہ

۳۶۴۔ غیر مطبوعہ

۳۶۵۔ احمد حسین مجاہد، (مرتب) اعجاز نعمانی، اس گلی میں ہے بیل پھولوں کی، محولہ بالا، ص ۱۷

۳۶۶۔ ۔ایضاً۔ ص ۳۱

۳۶۷۔ ۔ایضاً۔ ص ۳۹۔۴۰

۳۶۸۔ ۔ایضاً۔ ص ۶۱

۳۶۹۔ ۔ایضاً۔ ص ۶۷

۳۷۰۔ ۔ایضاً۔ ص ۱۹۰

۳۷۱۔ واحد اعجاز ہمدانی، میر، راستہ مت بدل، محولہ بالا، ص ۲۰

۳۷۲۔ جواد جعفری احتجاج، محولہ بالا، ص ۳۰

۳۷۳۔ زاہد کلیم، نغمہ تار حیات، محولہ بالا، ص ۲۹

۳۷۴۔ مخلص وجدانی، صلیبوں کا شہر، محولہ بالا، ص ۴۰

۳۷۵۔ نثار حسین ہمدانی، سید (ڈاکٹر)، چنار، چاندنی اور چنبیلی، محولہ بالا، ص ۲۴

۳۷۶۔ ایضاً، ص ۳۰

۳۷۷۔ ایضاً، ص ۱۱۴

۳۷۸۔ غیر مطبوعہ

۳۷۹۔ صابر آفاقی (ڈاکٹر) نئے موسموں کی بشارت، محولہ بالا، ص ۹۹

۳۸۰۔ ایضاً، ص ۷۳، ۷۶

۳۸۱۔ ادبیات، اسلام آباد، جلد ۱۸، شمارہ ۷۶، بابت ماہ جولائی یا ستمبر ۲۰۰۷، ص ۲۰۴

۳۸۲۔ ماہ نو لاہور، جلد ۶۰ شمارہ ۸/۹، بابت ماہ اگست/ستمبر ۲۰۰۷، ص ۵

۳۸۳۔ ایضاً، ص ۵

۳۸۴۔ ایضاً، ص ۵

۳۸۵۔ انٹرویو نثار حسین ہمدانی سید، (ڈاکٹر)، محولہ بالا

۳۸۶۔ احمد عطا اللہ (مرتب) اعجاز نعمانی، اس گلی میں ہے بیل پھولوں کی، محولہ بالا ص ۷۱

۳۸۷۔ ایضاً۔ ص ۷۵

۳۸۸۔ ایضاً۔ ص ۸۳

۳۸۹۔ ایضاً۔ ص ۱۰۶

۳۹۰۔ نثار حسین ہمدانی سید (ڈاکٹر)، چنار، چاندنی اور چنبیلی، محولہ بالا، ص ۱۲۱

۳۹۱۔ احمد حسین مجاہد، (مرتب) اعجاز نعمانی، اس گلی میں ہے بیل پھولوں کی، محولہ بالا، ص ۱۳

۳۹۲۔ ایضاً، ص ۶۰

۳۹۳۔ واحد اعجاز ہمدانی، میر، راستہ مت بدل، محولہ بالا، ص ۴۹

۳۹۴۔ افتخار حسین مغل (ڈاکٹر) انکشاف، محولہ بالا، ص ۱۲۴، ۱۲۵

۳۹۵۔ ظل ہما، (مرتب) اعجاز نعمانی، اس گلی میں ہے بیل پھولوں کی، محولہ بالا، ص ۱۲۳

۳۹۶۔ غیر مطبوعہ

۳۹۷۔ زید اللہ فہیم، محفل مشاعرہ، محولہ بالا، ص ۲۸

۳۹۸۔ مخلص وجدانی، صلیبوں کا شہر، محولہ بالا، ص ۲۳، ۲۴

۳۹۹۔ ناز مظفر آبادی، دسترس، محولہ بالا، ص ۳۳

۴۰۰۔ غیر مطبوعہ

۴۰۱۔ غیر مطبوعہ

۴۰۲۔ ماہ نو، لاہور، جلد ۵۸، شمارہ ۸، بابت ماہ اگست ۲۰۰۵، ص ۹

۴۰۳۔ انٹرویو بمقام رہائش گاہ اعجاز نعمانی، دومیل سیداں مظفر آباد۔ اے۔ کے، مورخہ ۲ اگست ۲۰۰۷

۴۰۴۔ مجلّہ بانگ، ریڈیو آزاد کشمیر مظفرآباد، شمارہ اکتوبر ۱۹۹۳

۴۰۵۔ غیر مطبوعہ

۴۰۶۔ غیر مطبوعہ

۴۰۷۔ غیر مطبوعہ

۴۰۸۔ غیر مطبوعہ

۴۰۹۔ غیر مطبوعہ

۴۱۰۔ غیر مطبوعہ

۴۱۱۔ انٹرویو بمقام رہائش گاہ، ڈاکٹر افتخار حسین مغل، چھاڑ مغل آباد مشتمبہ، مظفرآباد، مورخہ ۱۳ اگست ۲۰۰۷

۴۱۲۔ مخطوطہ، بتوسط اعجاز نعمانی

۴۱۳۔ انٹرویو اعجاز نعمانی محولہ بالا

۴۱۴۔ ایضاً

۴۱۵۔ غیر مطبوعہ

۴۱۶۔ آمنہ بہار رونا، سیدہ، (مرتب) غلام نبی خیال، فغانِ کشمیر، اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد، بار اول، ۱۹۹۹، ص ۱۲۶

۴۱۷۔ واحد اعجاز ہمدانی میر، راستہ مت بدل، محولہ بالا، ص ۲۰

۴۱۸۔ افتخار حسین مغل (ڈاکٹر)، انکشاف، محولہ بالا، ص ۱۱۲

۴۱۹۔ جواد حسین جعفری، احتجاج، محولہ بالا، ص ۴۴، ۴۵

۴۲۰۔ زید اللہ فہیم (مرتب) جواد جعفری، قلم کے محاذ سے، محولہ بالا، ص ۹۵

۴۲۱۔ ایضاً، ص ۱۵۵

۴۲۲۔ تہذیب، مظفرآباد، خصوصی کشمیر نمبر، شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵، ص ۱۰۵

۴۲۳۔ ذاتی ملاقات، مقالہ نگار، ہمراہ علامہ جواد حسین جعفری بمقام دفتر کشمیر کلچرل اکیڈمی مظفرآباد، مورخہ ۳۰ جولائی ۲۰۰۷

۴۲۴۔ غیر مطبوعہ

۴۲۵۔ غیر مطبوعہ

۴۲۶۔ بوٹا خان راجس، کلیات راجس، محولہ بالا، ص ۸۹

۴۲۷۔ ایضاً۔ ص ۱۱۶

۴۲۸۔ مسعود اعجاز بخاری، سید، اس عہد کے ابراہہ کے لشکری، مجلس تحقیق فکر و فلسفہ کل پاکستان میرپور، باراول ۲۰۰۳، ص ۱۶۰

۴۲۹۔ مجلّہ سروش، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج میرپور، شمارہ ۱۹۸۰ تا ۱۹۹۷، ص ۱۴۴

۴۳۰۔ غیر مطبوعہ

۴۳۱۔ وجیہہ الحسن صفدر شفق، ویران گلیوں میں بارش، محولہ بالا، ص ۴۰

۴۳۲۔ محمد صغیر آسی، ہائیکو آسی، الفضل کتاب گھر میرپور، ۱۹۹۱، ص ۳۵

۴۳۳۔ نذیر انجم، پروفیسر، پلک پلک زنجیر، کاشر پبلشرز، میرپور، ۱۹۹۲، ص ۳۹

۴۳۴۔ نذیر انجم، پروفیسر، قرض سخن، محولہ بالا، ص ۲۴۳

۴۳۵۔ بشیر احمد مغل، پروفیسر، کشت لالہ وگل، بھٹی پبلشرز میرپور، ۱۹۹۸، ص ۳۸۰

۴۳۶۔ مشتاق شاد، ریگ رنگ، ماورا پبلشرز لاہور، ۱۹۹۲، ص ۲۰۳

۴۳۷۔ محمد اکرم طاہر، پروفیسر، موسم اندر باہر کے، عمیر پبلشرز لاہور، بار اول، ۱۹۹۶، ص ۶۸

۴۳۸۔ ایضاً، ص ۹۷

۴۳۹۔ انٹرویو بمقام رہائش گاہ، منیر احمد یزدانی، ۳۲ بی۔۳ پارٹ سیکنڈ میرپور اے کے، مورخہ ۳۰ اکتوبر ۲۰۰۷

۴۴۰۔ غیر مطبوعہ

۴۴۱۔ مسعود اعجاز بخاری سید، اس عہد کے ابراہہ کے لشکری، محولہ بالا، ص ۱۱۷

۴۴۲۔ ایضاً۔ ص ۸۰

۴۴۳۔ مجلہ سروش، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج میرپور اے کے، شمارہ ۲۰۰۰، ص ۱۴۸

۴۴۴۔ بوٹا خان راجس، کلیات راجس، محولہ بالا، ص ۱۱۳

۴۴۵۔ ایضاً، ص ۱۲۳

۴۴۶۔ غیر مطبوعہ

۴۴۷۔ محمد اکرم طاہر، پروفیسر، شام کی دہلیز پر، محولہ بالا، ص ۱۹

۴۴۸۔ فرحت مشتاق، ایک شام پروفیسر محمد رفیق بھٹی کے نام، پنچال پبلشرز میرپور، سن و سال ندارد، ص ۱۶۲

۴۴۹۔ نذیر انجم، پروفیسر، قرض سخن، محولہ بالا، ص ۱۵۷

۴۵۰۔ نصیر احمد ناصر، جدائی راستوں کے ساتھ چلتی ہے، لیو بکس اسلام آباد، ۱۹۹۴، ص ۴۹

۴۵۱۔ بشیر احمد مغل، پروفیسر، شام زندگی، محولہ بالا، ص ۱۲۰

۴۵۲۔ بشیر احمد مغل، پروفیسر، صبح زندگی، حلقہ ارباب ادب، میرپور بار اول، ۱۹۸۴، ص ۵۷

۴۵۳۔ انٹرویو منیر احمد یزدانی، محولہ بالا

۴۵۴۔ محمد صغیر آسی، شعرائے کشمیر، الفضل کتاب گھر میرپور اے۔کے، ۱۹۹۳، ص ۳۹۷

۴۵۵۔ ساجد محمود ساجد، آنکھیں صحرا ہوئیں، پرفیکٹ ملٹی میڈیا، سروسز میرپور، ۲۰۰۵، ص ۱۸

۴۵۶۔ غیر مطبوعہ

۴۵۷۔ مجلہ سروش، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج میرپور، شمارہ ۱۹۹۸، ص ۱۳۳

۴۵۸۔ محمد رفیق بھٹی، ستون دار، پنچال پبلشرز میرپور اے۔کے، ۱۹۹۴، ص ۳۹

۴۵۹۔ محمد رفیق بھٹی، لہو نگر پنچال پبلشرز، میرپور اے۔کے، ۱۹۹۷، ص ۳۷

۴۶۰۔ نذیر انجم، پروفیسر، قرض سخن، محولہ بالا، ص ۱۷۵
۴۶۱۔ ایضاً، ص ۷۸
۴۶۲۔ انٹرویو منیر احمد یزدانی، محولہ بالا
۴۶۳۔ عبدالواحد معینی، سید، باقیات اقبال، آئینہ ادب لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۳۸۹
۴۶۴۔ منیر احمد یزدانی پروفیسر، شعور اقبال، ادبستان لاہور، بار اول، ۲۰۰۱ء، ص ۱۳۳
۴۶۵۔ محمد عبداللہ قریشی، حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں، بزم اقبال لاہور، ۱۹۸۲ء، ص ۶۵، ۶۹
۴۶۶۔ منیر احمد یزدانی، پروفیسر، شعور اقبال، محولہ بالا، ص ۱۴۴
۴۶۷۔ انٹرویو منیر احمد یزدانی، محولہ بالا
۴۶۸۔ فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، محولہ بالا، ص ۲۵۵
۴۶۹۔ ایضاً، ص ۴۴۱
۴۷۰۔ ایضاً، ص ۴۳۰
۴۷۱۔ ایضاً، ص ۲۵۵
۴۷۲۔ ایضاً، ص ۵۶۳
۴۷۳۔ ایضاً، ص ۵۶۵
۴۷۴۔ ایضاً، ص ۱۰۷
۴۷۵۔ ایضاً، ص ۱۳۸
۴۷۶۔ ایضاً، ص ۳۳۳
۴۷۷۔ ایضاً، ص ۴۰۲
۴۷۸۔ ایضاً، ص ۴۸۰
۴۷۹۔ نذیر انجم، پروفیسر، پلک پلک زنجیر، محولہ بالا، ص ۱۸
۴۸۰۔ ہفت روزہ قلم، مظفر آباد، جلد ۱، شمارہ ۱۹، بابت ماہ دسمبر ۱۹۹۷ء، ص ۳
۴۸۱۔ محمد اقبال علامہ، بال جبریل، محولہ بالا، ص ۱۷۲
۴۸۲۔ ایضاً، ص ۱۰۹
۴۸۳۔ محمد اقبال علامہ، کلیات اقبال، (اردو) شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۷۹ء، ص ۵۳۴
۴۸۴۔ ایضاً، ص ۵۸۵
۴۸۵۔ ایضاً، ص ۴۱۷
۴۸۶۔ ایضاً، ص ۴۱۸
۴۸۷۔ ایضاً، ص ۴۷۲
۴۸۸۔ ایضاً، ص ۳۹۲

۴۸۹۔ محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال (فارسی) شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۸۳ء، ص ۵۵

۴۹۰۔ ایضاً، ص ۹۲۷

۴۹۱۔ محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال (اردو)، محولہ بالا، ص ۶۷۴

۴۹۲۔ منیر احمد یزدانی، پروفیسر، شعور اقبال، محولہ بالا، ص ۱۷۸

۴۹۳۔ مظہر جاوید حسن، مکتوب بنام مقالہ نگار، محررہ ۱۲ دسمبر ۲۰۰۷

۴۹۴۔ مسعود اعجاز بخاری، سید، اس عہد کے ابراہہ کے لشکری، محولہ بالا، ص ۶۱، ۶۳

۴۹۵۔ انٹرویو بمقام رہائش گاہ، سید مسعود اعجاز بخاری، ۳۲ اے سیکٹر بی تھری۔ پارٹ سیکنڈ میرپور اے کے، ۲۸ اکتوبر ۲۰۰۷

۴۹۶۔ محمد خلیل ثاقب، ندائے حق، الفضل کتاب گھر، میرپور اے کے، ۱۹۹۶ء، ص ۲۳

۴۹۷۔ مجلہ سروش گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج میرپور، شمارہ، ۱۹۹۶ء، ص ۲۶۱

۴۹۸۔ ایضاً، ص ۴

۴۹۹۔ وجیہہ الحسن صفدر شفق، ویران گلیوں میں بارش، محولہ بالا، ص ۱۹

۵۰۰۔ مسعود اعجاز بخاری، سید، اس عہد کے ابراہہ کے لشکری، محولہ بالا، ص ۴۵

۵۰۱۔ مجلہ زربان، گورنمنٹ ڈگری کالج اسلام گڑھ اے کے، شمارہ ۲۰۰۱ء، ص ۸

۵۰۲۔ معصوم حسین زندہ، سید، مکتوب بنام مقالہ نگار، محررہ ۷ نومبر ۲۰۰۷

باب چہارم

انجمنوں کے رسائل و جرائد کی ادبی خدمات

آزاد کشمیر کی ادبی انجمنوں کے رسائل و جرائد کی ادبی خدمات:

رسالے ہر ملک اور ہر زبان میں اہم تہذیبی فریضہ ادا کرتے ہیں۔ اخبارات کا بنیادی مقصد تو محض روزمرہ کی خبروں کو عوام تک پہنچانا ہوتا ہے۔ لیکن رسالے خاص مقصد کے لئے جاری کیے جاتے ہیں۔ رسائل سے کسی ملک کے تہذیبی، فکری رجحانات، علمی و ادبی سرگرمیوں اور معیار تعلیم کا اندازہ ہوتا ہے۔ انیسویں صدی میں برصغیر کے مختلف علاقوں میں مختلف ادبی رسائل و جرائد کا اجراء کیا گیا۔ پنجاب اور کشمیر کے درمیان علاقائی اتصال ہے۔ اس اتصال کے نتیجے میں کشمیر میں اردو زبان کو فروغ حاصل ہونے لگا تو لاہور (پنجاب) کے راستے ۱۹۱۴ء کے قریب اردو کے دو مشہور اخبارات ''زمیندار'' اور ''الہلال'' کشمیر میں متعارف ہوئے۔ اہل کشمیر ان کی خبروں اور مضامین کو بڑی رغبت سے پڑھتے اور سنتے۔ ان اخبارات کے زیر اثر اہل کشمیر میں بھی اخبارات کے اجراء کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ کشمیر میں پہلا ہفتہ وار اخبار ۱۹۲۴ء میں زبیر لالہ ملک راج صراف نے جاری کیا۔ دوسرا ہفت روزہ اخبار ''پاسبان'' ۱۹۳۴ء میں معراج الدین احمد نے جاری کیا۔ اس کے بعد کشمیر میں ۴۰ کے قریب اردو اخبارات مختلف ناموں سے جاری کیے گئے۔ یہ اخبارات خالصتاً ادبی نہیں تھے۔ بلکہ ان کا مقصد مسلمانوں کے اندر جذبہ حریت پیدا کرنا تھا۔

پھر ۱۹۴۷ء میں تقسیم برصغیر کے نتیجے میں کشمیر دو حصوں میں بٹ گیا تو مقبوضہ کشمیر سے نقل مکانی کر کے آتے ہوئے۔ اہل علم و قلم حضرات آزاد کشمیر کے مختلف علاقوں میں آباد ہو گئے۔ انھوں نے یہاں کی علم و ادب سے عاری فضا میں ادبی ارتعاش پیدا کرنے کے لئے ۱۹۴۹ء میں بزم ادب کے نام سے آزاد کشمیر میں پہلی ادبی انجمن کی بنیاد رکھی۔ کشمیری ادباء و شعراء مختلف علاقوں میں مختلف ادبی انجمنیں بنا کر اپنے ذوق کی تسکین کرتے رہے ہیں یا پھر پاکستانی ادبی جرائد'' فنون''، ماہ نو'' اور''ادبیات'' وغیرہ میں اپنی تخلیقات چھپنے کے لئے بھیجتے رہے ہیں۔ کیونکہ آزاد کشمیر کی ادبی انجمنوں کے پاس اتنے مالی وسائل نہیں تھے کہ وہ ادبی جریدوں کا اجراء کر سکیں۔ صرف چند ادبی انجمنوں نے مختلف اوقات میں ادبی جرائد جاری کیے۔ ان میں سے بھی دو ادبی جرائد ہی اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ یہ جرائد نہ صرف اردو زبان و ادب کی ترویج و فروغ کر رہے ہیں بلکہ انھوں نے تحریک آزاد کشمیر کے مقاصد کے حصول میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان جرائد کی بدولت کشمیری اہل قلم حضرات کو اپنی تحریریں چھپوانے کے لئے پاکستانی رسائل کا مرہون منت نہیں ہونا پڑتا۔ اہل کشمیر میں ادبی ذوق پروان چڑھانے میں ان جرائد کا خاصا ہاتھ ہے۔ آزاد کشمیر کی سطح پر جو ادبی جرائد جاری کیے گئے ہیں وہ ادبی انجمنوں سے وابستہ افراد کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ یہ جرائد ان انجمنوں کے مقاصد کی ترجمانی کا فریضہ بھی ادا کر رہے ہیں۔ وقتاً فوقتاً جاری کیے جانے والے ان جرائد کی تفصیل و وقتاً فوقتاً کارکردگی درج ذیل ہے۔

''ارتعاش''

۱۹۸۴ء میں ضلع میر پور آزاد کشمیر کی ادبی انجمن'' بزم فکر و نظر'' کے زیر اہتمام ماہنامہ مجلہ ''ارتعاش'' جاری کیا گیا۔

اغراض و مقاصد

مجلّے کے اغراض و مقاصد درج ذیل ہیں۔

"۱۔ کشمیری تخلیق کاروں کی تحریروں کو منصۂ شہود پر لانا۔

۲۔ اردو زبان و ادب کو کشمیر کی علاقائی زبانوں اور ثقافتوں کے قریب لانا۔

۳۔ نئے لکھنے والوں کی تعلیم و تربیت کرنا۔" [۱]

قواعد و ضوابط:

"۱۔ اشاعت کے لئے بھیجی جانے والی نگارشات فل سکیپ کاغذ پر لکھی ہونی چاہیں۔

۲۔ تحریر صاف، خوشخط، کاغذ کے ایک طرف اور ایک سطر چھوڑ کر لکھی ہونی چاہیے۔

۳۔ لکھنے کے لئے پنسل یا بال پوائنٹ استعمال نہ کریں۔

۴۔ تراجم کے سلسلے میں اصل مصنف اور کتاب کا حوالہ ضرور ہونا چاہیے۔

۵۔ تحریر کے ساتھ لکھنے والے کا مکمل پتا ہونا ضروری ہے۔

۶۔ نگارشات پہلے سے شائع شدہ نہ ہوں۔" [۲]

"ارتعاش" $7\frac{1}{2} \times 9\frac{1}{2}$ کی تقطیع کے درمیانے سائز کے صفحات پر شائع ہوا ہے۔ رسالے کے کل ۴۳ صفحات ہیں۔ سرورق اور آخری صفحہ کو بھی شمار کیا گیا ہے۔ سرورق پر ایک عورت کی پینٹنگ بنی ہے۔ دوسرے صفحے پر ساغر صدیقی کی نعت چھاپی گئی ہے۔ تیسرے صفحہ پر دائیں طرف اوپر ماہنامہ "ارتعاش میرپور" لکھا ہے۔ نیچے شمارہ : جولائی-اگست ۱۹۸۴ء درج ہے۔ اس کے نیچے مجلس ادارت

نگران مجلس ادارت: سید مسعود اعجاز بخاری

مدیر اعلیٰ : منیر قاسم

مدیر و ناشر : سید مطلوب احمد

مدیر معاون : اشتیاق احمد شہزاد

مجلس مشاورت اعزازی:

محمد ذاکر نسیم مقصود حسین آسی

مجلّے کی قیمت درج ہے۔

فی پرچہ : ۵ روپے

سالانہ چندہ: ۲۰ روپے

رجسٹرڈ پوسٹ: ۲۵ روپے

اس صفحے پر بائیں طرف عکس معلوم کا عنوان دے کر فہرست مضامین لکھی گئی ہے۔

رسالے کے صفحات کے دائیں جانب ۳/۴ بائیں جانب ۳/۴ بالائی جانب ۱/۲ اور زیریں جانب ۱/۴ پر حاشیہ بنا ہوا ہے۔ رسالے کے صفحہ ۱۱ پر ڈاکٹر اختر علی کا مضمون ہے۔ ملی تشخیص کے لئے ملی لباس کا ہونا ضروری ہے"۔ اس میں انھوں نے قومی لباس کی اہمیت اور افادیت کو اجاگر کیا ہے۔ انھوں نے زور دے کر یہ بات سمجھائی ہے کہ قومی پرچم، ترانہ، زبان اور قومی لباس ملک کی آزادی، وقار اور خود مختاری کی علامت ہیں۔ نشاط فاطمہ کا کہانی "ابھی چناروں نے رنگ نہیں بدلے" کشمیر کے حالات کے پس منظر میں لکھی گئی کہانی ہے۔ کہانی میں منظر کشی، مکالمہ نگاری کے علاوہ اسلوب بیان بھی عمدہ ہے۔ غزلیات کے حصے میں میرپور کے شعراء کی غزلیات شامل ہیں۔ شاعری کا چناؤ مدیران مجلہ

کے بہترین شعری ذوق کا آئینہ دار ہے۔

"تبصرہ کتب" میں ایک نثری کتاب" اور ایک "شعری مجموعہ" پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ "نثری کتاب" میں قمر حجازی اور حافظ محمد صدیق کی کتاب "ماہ طیبہ" ہے اور شعری مجموعہ میں قمر حجازی کا نعتیہ کلام ہمارے "نبیؐ جیؐ" شامل ہے۔ دونوں کتابوں پر تبصرہ باریک بینی اور محنت سے کیا ہے۔ نعتیہ مجموعہ کلام کو فنی و عروضی، معنوی عشق رسولؐ کے حوالے سے پرکھا گیا ہے۔ جس کو پڑھ کر قاری کو قمر حجازی کی شاعری سمجھنے میں آسانی ہو گی۔

مجلّے میں منیر احمد یزدانی (قاسم) نے "بزم فکر و نظر" کے حوالے سے یوم پاکستان (۲۳ مارچ) کی تقریب کی روئیداد بھی چھاپی ہے۔ جس سے بزم کی کارکردگی اور اس کی اردو ادب کے فروغ کے لئے کی گئی کوششوں کے بارے میں بھی آگاہی حاصل ہوتی ہے۔

قارئین کے خطوط چھاپنے سے رسالے کے بارے میں قارئین کی رائے سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ "ارتعاش" میں چھپے ہوئے خطوط اس کی عوام میں مقبولیت کا پتا دیتے ہیں۔ خطوط میں ڈاکٹر سید عبد اللہ ناظم اعلیٰ انجمن ترقی اردو کا خط بھی شامل ہے۔ انھوں نے مدیر مجلّہ کو یہ علمی و ادبی رسالہ چھاپنے پر مبارک باد بھی دی ہے۔ اس کے علاوہ گورنمنٹ ڈگری کالج ٹھٹھہ کے پرنسپل ڈاکٹر مسعود احمد، اوکاڑہ سے قمر حجازی اور لالہ موسیٰ سے اسحاق آشفتہ جیسے نامی گرامی لوگوں کے خطوط بھی چھاپے گئے ہیں ان کے خطوط پڑھ کر مجلّے کی مقبولیت کی سند مل جاتی ہے۔

"ارتعاش" نے اردو ادب کی خدمت کرنے کی مقدور بھر کوشش کی ہے۔ شاعری کا حصہ زیادہ معیاری ہے۔ رسالے میں تحقیقی و تنقیدی مضامین شامل نہیں ہیں جو قاری کے ذہن کو ادبی وسعت عطا کرتے ہیں۔ شاعری کے حصے میں عطا الحق قاسمی، جلیل عالی اور ساغر صدیقی جیسے نامور شعراء کا کلام بھی موجود ہے جو اس رسالے کے معیاری ہونے کا ثبوت ہے۔

مجلّہ میں شامل غزلیات کی فنی و فکری خوبیوں پر ایک نظر:

مجلّے میں شامل غزلیات کا ادبی مرتبہ بلند ہے۔ ان غزلیات کے مختلف ادبی محاسن یہ ہیں:

محمد ذاکر نسیم کی غزل کے مطلع میں تجنیس مضارع ہے:

دربان کھڑا ہے شہر وفا اب پہروں پر
کیوں اہل سخن کو شکوہ ہے بے بہروں پر ۳؎

اس رسالے میں لکھنے والے شعرا اردو ادب کا دامن نئی تشبیہات اور استعارات سے بھر رہے ہیں۔ مظہر جاوید حسن نے غزل کے شعر میں نئی تشبیہہ اور استعارہ کے ذریعے غزل کا لطف دوبالا کر دیا ہے:

رکھا ہوا جو ہاتھوں کی رحل پہ چہرہ
گو سورتوں سے مزین مگر کتاب سا ہے ۴؎

غزل ایک بڑی خوبی خلوص ہے جس میں شاعر اپنے واردات قلبی اور ذاتی احساسات و جذبات کا اظہار اس طرح سے کرتا ہے کہ اس کے کلام میں نشریت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی خوبی راحیل احمد راحیل کی غزل میں موجود ہے۔ نمونہ کلام دیکھیے:

کر سکیں جس پہ اپنا تن من فدا
سنسار میں ہمارا کوئی تو ہو ۵

عطا الحق قاسمی کی غزل کا یہ شعر اجمال و اختصار کی بہترین مثال ہے:

جب تک وہ بھی خول سے باہر نہ آ جائے
پیار بھرے خط لکھنا نیچے اپنا نام نہ لکھنا ۶

غزل میں آہنگ اور موسیقیت نہ ہو تو اس میں اثر پیدا نہیں ہوتا۔ ارشد اقبال ملک نے غزل میں ردیف قافیہ کی تکرار سے ترنم اور نغمگی پیدا کی ہے:

محبت کریں جان واری کریں
صنم ہو تو پوجا تمہاری کریں

تری مست زلفوں کے سائے تلے
بسر زندگی کیوں نہ ساری کریں ۷

ساغر صدیقی کی نعت سوز و گداز، ترنم اور تشبیہات و استعارات کا بہترین مرقع ہے:

بیتابی الفت کی دھن میں ہم دیدہ دل کے بربط پر
توحید کے نغمے گائیں گے جب ہم بھی مدینہ جائیں گے
زم زم میں بھگو کر دامن کو سرمستی عرفان پائیں گے
کوثر کے سبو چھلکائیں گے جب ہم مدینے جائیں گے ۸

ان تمام خوبیوں سے ذریعے پتا چلتا ہے کہ مجلّے میں صرف معیاری اور اعلیٰ پائے کی شاعری ہی چھاپی گئی ہے۔

مجلّے میں "ارتعاش" کو اشتہارات دینے کی اپیل بھی موجود ہے۔ اس شمارے میں اشتہارات کی تعداد کم ہے صرف پانچ اشتہارات ہیں اور ایک پورا صفحہ اشتہارات کے لئے مختص کیا گیا ہے۔

مجلّے میں عوام سے اپیل کی گئی ہے کہ ان کا فرض ہے کہ وہ قرآنی آیات و احادیث نبوی کا احترام کریں۔ اس لئے جن صفحات پر قرآنی آیات اور احادیث لکھی ہوں انھیں بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔۹

سرمائے کی کمی کے باوجود رسالے کا اجراء اچھی کوشش ہے۔

"کشمیر ڈائجسٹ" مظفر آباد

"بزم شمع ادب سوسائٹی" مظفر آباد نے اپنے مقاصد کا پرچار کرنے اور اردو زبان و ادب کو فروغ دینے کے لئے ۱۹۸۷ء میں کشمیر ڈائجسٹ کے نام سے ایک ادبی مجلّہ کا اجراء کیا۔ مجلّے کے اجراء کے مندرجہ ذیل اغراض و مقاصد تھے:

"۱۔ کشمیری اہل قلم کی تخلیقات کو چھاپنا تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہو سکے۔
۲۔ اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت کرنا۔

۳۔ نئے لکھنے والوں کو ایک پلیٹ فارم مہیا کرنا۔

۴۔ نئے لکھنے والی کی تعلیم و تربیت کرنا۔" ۱۰

"کشمیر ڈائجسٹ" ۲/۱-۵ x ۳/۴-۷ کی تقطیع کے چھوٹے سائز کے صفحات پر شائع ہوا ہے۔ رسالے کے کل ۱۲۸ صفحات ہیں۔ سر ورق اور آخری ورق نمبر شمار سے مستثنٰی ہیں۔ سر ورق سفید رنگ کے عمدہ کاغذ کا ہے جس پر دائیں جانب اوپر آزاد کشمیر سے شائع ہونے والا پہلا ڈائجسٹ چھوٹے حروف میں لکھا ہے۔ اس سے نیچے موٹے حروف میں کشمیر ڈائجسٹ مظفر آباد سبز رنگ کی روشنائی سے لکھا ہے۔

سرورق کے نیچے اسلامی فوج کی نمائندگی کرتے نیزہ بردار گھڑ سوار لشکر کی تصویر سبز روشنائی سے چھاپی گئی ہے۔ اوپر پاکستان کا سبز ہلالی پرچم لہلہاتا ہوا دکھایا گیا ہے پرچم کے ساتھ شعر درج ہے:

اے وطن ہم ہیں تیری شمع کے پروانوں میں
زندگی ہوش میں ہے، جوش ہے ایمانوں میں ۱۱

پہلے صفحہ پر "کشمیر ڈائجسٹ" مظفرآباد آزاد کشمیر لکھا ہے۔ پھر لائن لگا کر دائیں جانب ادارہ کی طرف سے یہ اعلان چھاپا گیا ہے کہ:

"کشمیر ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی تمام کہانیوں، افسانوں کے واقعات، مقامات فرضی ہیں کسی بھی واقعہ مقام یا نام سے مطابقت یا مشابہت محض اتفاقیہ تصور ہوگی اور ادارہ اس ضمن میں کسی مشابہت کا حصہ دار نہیں ہوگا۔ ہر مضمون نگار حضرات کے خیالات سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔" ۱۲

اس تحریر کے بائیں جانب لکھا ہے:

مدیر اعلیٰ : محمد خان نشتر

مدیر : زاہد کلیم

معاونین

- نعیم اختر نعیم۔ ارشد گیلانی، مخلص وجدانی
- اسد محمود۔ جمیل انور کاشمیری۔ راجہ رحمت علی

نیچے خط و کتابت کا پتا درج ہے۔

ماہنامہ "کشمیر ڈائجسٹ" نیلم پبلیکیشنز چوک خواجہ بازار مظفرآباد آزاد کشمیر۔

آخر میں جلد ۱ شمارہ ۷ ۱۹۸ء درج ہے۔

صفحہ ۲ اور ۳ پر فہرست چھاپی گئی ہے اس کی ترتیب کچھ یوں ہے۔

صفحہ کے دونوں طرف فہرست مضامین اور مصنفین کے نام ہیں۔ درمیان میں بسم اللہ لکھی ہے۔

مجلّے کے اوراق کا کاغذ سستا ہے۔ صفحہ کے دائیں جانب ۳/۴ بائیں جانب ۳/۴ بالائی جانب ۱/۲ اور زیریں جانب ۱/۲ کا حاشیہ بنا ہوا ہے۔ صفحہ نمبر ۶ پر نبی کریمؐ کی صاحبزادیوں اور صاحبزادوں کے نام مع احوال درج ہیں۔ جبکہ صفحہ ۷ پر نبیؐ کی ازواج مطہرات کے بارے میں تفصیلی مضمون ہے۔

ڈاکٹر صابر آفاقی کا مضمون ''اقبال اور کشمیر'' خاصے کی چیز ہے۔ انھوں نے مضمون میں اقبال کے اردو اور فارسی کلام میں مثالیں دے کر ثابت کیا ہے کہ اقبال کو اپنے کشمیری الاصل ہونے پر کتنا فخر ہے۔

صاحب مضمون نے بتایا ہے کہ جب اقبال ۱۹۲۱ء میں کشمیر کی سیاحت کے لئے آئے تو انھوں نے اپنا زیادہ وقت جھیل ڈل، نشاط باغ اور نسیم باغ میں گزارا۔ کشمیر میں قیام کے دوران علامہ اقبال نے فارسی میں وہ تین نظمیں کہیں جو ''ساقی نامہ'' کشمیر اور ''غنی کاشمیری'' کے عنوان سے'' پیام مشرق'' میں شامل ہیں۔ ان نظموں میں انھوں نے کشمیر کے کوہ و دامن، مرغزاروں، آبشاروں، سبزہ زاروں، لالہ چمن، مرغ بہار، خاک شرر شرر، آب شکن شکن اور مرغان خوش نوا کا ذکر کر کے کشمیریوں کی زبوں حالی پر آنسو بہائے ہیں۔ پھر انہوں'' پیام مشرق'' اور'' جاوید نامہ'' کے اشعار کی مثالیں دے کر بتایا ہے کہ اقبال کشمیریوں کی حالت زار کو دیکھ کر کتنے دکھی تھے۔ وہ ان میں بیداری اور انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے'' ارمغان حجاز'' میں ''ملازادہ ضغیم لولابی کشمیری کا بیاض'' کے نام سے نظم لکھی۔

جس میں انھوں نے کشمیر کے ملا سے شکایت کی ہے کہ اس کی نظر فراست سے خالی ہے اور اس کی نوا میں تاثیر نہیں جس سے کشمیریوں کے خوابیدہ دل بیدار ہوسکیں۔

یہ مضمون ڈاکٹر صابر آفاقی کا لکھا ہوا ہے جو ماہر اقبالیات اور نامور محقق ہیں۔ اس لئے مضمون کا ادبی معیار بھی کافی بلند ہے۔ زبان آسان اور موضوع سے مطابقت رکھتی ہے۔ مضمون نگار نے کلام اقبال کے اردو و فارسی اشعار کا برمحل استعمال کر کے مضمون کی تمام جزئیات کو اس خوبی سے سمیٹا ہے کہ موضوع کی تفصیل تشنہ بیان نہیں رہی۔

ناصر زیدی کا مضمون ''اقبال کی تصور عشق'' معلوماتی ہے انھوں نے ''کلام اقبال'' سے مثالیں دیتے ہوئے بتایا ہے کہ کیوں اقبال نے عشق کو عقل پر فوقیت دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اقبال کے نزدیک:

'' عشق ایک ایسا شدید اور لافانی جذبہ ہے جو انسان کی مقصد حقیقی کی

طرف رہنمائی کرتا ہے۔ انسان کی خودی عشق و محبت کے ذریعے پائندہ تر،
زندہ تر، سوزندہ تر، اور تابندہ تر ہو جاتی ہے۔''

نقطہ نوری کہ نام او خودی است
زیر خاک ماشرار زندگی است
از محبت می شود پائندہ تر!
زندہ تر، سوزندہ تر، تابندہ تر ! [۴۱]

مضمون معلوماتی ہے۔ فارسی اور اردو اشعار کا برمحل استعمال ثابت کرتا ہے کہ مضمون نگار کو کلام اقبال پر مکمل عبور حاصل ہے۔ رحمت علی خان کا مضمون ''فردوسی'' مجلّے کا خوبصورت اور لاجواب معلوماتی مضمون ہے۔ انھوں نے فردوسی (ایرانی شاعر اور شاہنامہ ایران کا خالق) کے بارے میں نادر معلومات فراہم کی ہیں۔ فردوسی کا نام تو ہر پڑھا لکھا شخص جانتا ہے مگر اس کی موت اور مزار کے بارے میں معلومات نئی ہیں۔ مضمون کی زبان آسان اور رواں ہے۔ مضمون میں وحدت بیان ہے۔ کہیں بھی کوئی جھول نہیں ہے۔

''ویرانہ دل'' افسانہ ہے جس میں ایک ناکام محبت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ افسانہ کا پلاٹ سادہ ہے۔ اس میں پیچیدگی نہیں ہے۔ افسانہ متاثر کن ہے۔ پڑھنے والے کے دل پر غم اور افسردگی طاری کر دیتا ہے۔

اسی طرح صفحہ ۱۰۳ پر جمیل قریشی کا افسانہ ''خون مسیحا'' بھی دلچسپ ہے۔ افسانہ پڑھ کر قدیم داستانوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جن میں مافوق الفطرت واقعات بیان کیے جاتے تھے۔ افسانے میں بھی مافوق الفطرت کہانی بیان کی گئی ہے۔ بہرحال افسانہ پڑھتے ہوئے قاری اس مادی دنیا سے کٹ کر خود کو ایک دوسری ہی دنیا کا فرد محسوس کرنے لگتا ہے۔ افسانہ متاثر کن اور ڈراؤنا ہے۔ پلاٹ مربوط ہے۔ اس میں یک دم پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے جس سے قاری چونک جاتا ہے اور اس کے اندر سنسنی پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر نقطہ عروج پر جا کر غیر متوقع اختتام پر پہنچ کر افسانہ ختم ہو جاتا ہے۔

عبد الحلیم شرر کا افسانہ '' محبت'' بھی مجلّے میں شامل کیا گیا ہے۔ یہ صلیبیوں اور مسلمانوں کے درمیان ہونے والی صلیبی جنگوں کے پس منظر میں لکھا جانے والا افسانہ ہے۔ اس کو پڑھ کر ذہنوں میں حق و باطل کے ان عظیم معرکوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ جس میں فتح مسلمانوں کی ہی ہوئی تھی۔ افسانہ کو پڑھ کر قاری کے اندر جرات و حریت پیدا ہوتی ہے اور وہ بھی اسلام کا نام بلند کرنے کے لئے جہاد کا علم بلند کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

''قائد کی باتیں'' اور'' فیلڈ مارشل'' ادبی مضامین نہیں ہیں۔ یہ خالصتاً سیاسی مضامین ہیں اسی طرح ''نباتات کی دنیا'' سائنس اور حکمت سے تعلق رکھتا ہے۔

مجلّے میں شاعری کا کوئی مخصوص حصہ نہیں ہے۔ ایک ادبی یا تحقیقی مضمون کے بعد نظم چھاپی گئی ہے۔ مجلّے میں نو غزلیات ہیں ۔ غزلیات کے لئے بھی صفحات مختص نہیں کیے گئے ہیں۔ بلکہ مضمون کے آخر میں بچ جانے والی جگہ پر غزل چھاپی گئی ہے۔

مجلّے میں ناصر زیدی کے کلام سے تین غزلیات منتخب کر کے'' انتخاب کلام'' کے عنوان سے چھاپی گئی ہیں۔

غزلیات کے چناؤ میں معنوی و شعری خوبی کو مدنظر رکھا گیا ہے۔غزلیات کے متفرق اشعار بطور نمونہ:

کتنی خواہش ہے مری ترک طلب کے باوصف
نام تیرا بھی میرے ساتھ ہی لکھا جاتا ۱۳؎

رہے گا وہ تہی دامن خرد کی دولت سے
غموں کی دھوپ میں چادر جو تان لیتا ہے

تمام شہر مخالف ہوا کرے ناصر
میں مطمئن ہوں کہ اس حلقہ نگار میں ہوں ۱۵؎

مجلّے میں شامل غزلیات کا ادبی معیار بلند نہیں ہے۔ جبکہ نظمیں عمدہ اور معیاری ہیں ۔ مجلّے میں شامل غزلیات میں ابراہیم گل، عارف ادیب کیانی ، نعیم اختر اور سیدہ آمنہ بہار رونا جیسے شعراء کی غزلیات بھی شامل ہیں ۔ ابراہیم گل کی غزل میں کوئی گہرائی نہیں ہے ردیف قافیہ مترنم ہے الفاظ عام فہم ہیں ۔نمونہ کلام:

قدم قدم پہ فریبوں کے جال جو کہ بنے
وہ دوستوں ہی کی ہستی ہے گل جی بچ کے چلو ۱۶؎

عارف ادیب کیانی کی غزل میں روایتی انداز غزل ہے۔ وہی محبّ و محبوب کے معاملات، وہی روٹھنا مناتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

شربت دید سے خدا جانے
کب بجھاؤ گے تشنگی مری
اب تو آ جاؤ تم خدا کے لئے
اب تو حالت ہے دیدنی میری ۱۷؎

سیدہ آمنہ بہار رونا کی غزل الفاظ کا گورکھ دھندہ ہے۔ جذبات و احساسات جو غزل کی روح ہیں اس میں ناپید ہیں۔نمونہ کلام دیکھنے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ شاعرہ کے ہاں احساسات و جذبات کی کمی ہے اور انھوں نے صرف الفاظ کی خشت بندی کر دی ہے:

تجھ کو تیری خوشنوائی کی قسم اے نغمہ گر
بزم میں آ جا کہ رونا گوش بر آواز ہے ۱۸؎

مجلّے میں صرف تین نظمیں شامل ہیں۔ تینوں نظمیں زبان، خیالات اور بندش الفاظ کے لحاظ سے معیاری ہیں ۔ پہلی نظم صفحہ نمبر ۳۹ پر محمد خان نشتر کی نظم ’’ علامہ اقبال‘‘ اثر انگیز نظم ہے۔ محمد خان نشتر نے نظم میں بتا یا ہے کہ ہم

یوم اقبال تو بڑے جوش و خروش سے مناتے ہیں۔ لیکن فرمودات اقبال کو بھول چکے ہیں۔ آج ہمارا ہر عمل کلام اقبال کے منافی ہے۔ پھر وہ قوم سے سوال کرتے ہیں:

کیا ملے گا فقط عقیدت سے؟
ہوں نہ پیدا جو ہم میں وہ احوال
دہر میں جن سے انقلاب آئے
جو ہوں صورت گر جلال و جمال
چشم اقبال سے اگر دیکھو
جلوۂ دانش زمانہ حلال
جس کو کہتے ہیں آدمی کا عروج
ہے فقط اک طلسم و ہم خیال [۱۹]

نظم کا ردیف قافیہ مترنم ہے۔ محمد خان نشتر نے نظم میں اقبال کی پسندیدہ تراکیب کا استعمال کیا ہے۔ جیسے بزم ہستی، چراغ فکر و خیال، آرزوئے وصال، اوج کمال، علم و عرفان و آگہی، اسیرن رنگ و نسل، جلوہ دانش اور طلسم و ہم خیال۔ تراکیب کا استعمال ظاہر کرتا ہے کہ محمد خان نشتر کلام اقبال سے بہت متاثر ہیں۔ ان کی نظم میں کہیں کہیں کلام اقبال کی کورانہ تقلید بھی نظر آتی ہے۔ مجلّہ میں ارشد گیلانی نے آزاد نظم ”علامہ اقبال کی یاد میں“ میں علامہ اقبال کو منظوم خراج تحسین پیش کی ہے۔ نظم میں عام سادہ بیانیہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔ لیکن نظم کے الفاظ اور خیالات میں یکسانیت کی گرانباری نہیں ہے۔ انداز بیان ملاحظہ ہو:

اک کرن مشرق کے افق سے
لے کر درس خودی کا ابھری
اور اندھیرے چھٹتے چھٹتے
چادرے خودی اور درس عمل نے
امیدواروں کے پھول کھلائے [۲۰]

رئیس امروہوی کی نظم ”کشمیر“ ان کی شاعرانہ مہارت، پختگی اور پرکاری کی دلیل ہے۔ نظم میں روانی اور ترنم ہے۔ قافیہ خوبصورت اور اچھوتا ہے۔ تراکیب اور الفاظ کا چناؤ بڑی احتیاط اور مہارت سے کیا گیا ہے۔ نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اللہ اللہ یہ وادی صد رنگ
اف یہ حسین اضافی کشمیر
کوثر لطف و سلسبیل نشاط
چشمۂ آب صافی کشمیر
عشرت دو جہاں سے بہتر ہے
عیش کافی و وافی کشمیر

رقص روح طرب و طواف اس کا
جان و دل ہیں طوافِ کشمیر
باغ سے اختلاف کیسے؟
کون ہے اختلافی کشمیر ہے؟

مجلّہ میں ادبی مضامین زیادہ ہیں۔ خاص طور پر علامہ اقبال پر لکھے گئے مضامین کا ادبی معیار خاصا بلند ہے۔ اسی طرح شاعری میں نظموں کا معیار اعلیٰ ہے۔ نظمیں شعراء کے تخلیقی جوہر، اظہار میں جدت اور متوازن اسلوب کی آئینہ دار ہیں۔ غزلیات کا حصہ کمزور ہے۔ غزلیات شعراء کی ذہنی ناپختگی اور سچے روحانی جذبات کے فقدان کی عکاسی کرتی ہیں۔

ادبیات کا شر

''ادبیات کاشر'' ادبی تنظیم ''ادبیکا کا نمائندہ مجلّہ ہے۔ ''ادبیکا'' نے اردو زبان کی ترویج اور کشمیری قلم کاروں کو ایک پلیٹ فارم مہیا کرنے کے لئے مارچ ۱۹۹۲ء میں اس کا اجراء کیا۔

جریدے کے اغراض و مقاصد

'' ا۔ جریدہ مکمل طور پر غیر سیاسی، علمی، سماجی اور ثقافتی ہو گا۔
۲۔ اردو ادب اور صحافت کے ناساز گار ماحول کو صاف کرنا۔
۳۔ کشمیر میں ادبی روایت کو مستحکم کرنا۔
۴۔ نئے لکھنے والوں کی تحریر شائع کر کے ان کی حوصلہ افزائی کرنا۔
۵۔ ادیبوں ، شاعروں اور دانشوروں کے سوانحی حالات اور ان کے فن کو مجلّے کی زینت بنانا۔
۶۔ نئی چھپنے والی تخلیقات تبصرے شائع کرنا۔
۷۔ شاعر یا نثر نگار کا تعارفی انٹرویو بھی شائع کرنا۔
۸۔ شعراء کی شاعری چھاپنا۔

قواعد وضوابط

- مجلّہ ماہنامہ ہو گا۔
- تحریر بھیجنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ تحریر سرقہ یا چربہ نہ ہو۔
- پہلے سے شائع شدہ نہ ہو۔
- تحریر کاغذ کے ایک طرف خوشخط لکھی ہو۔

○ تحریر بھیجنے والے کا نام اور پتا واضح طور پر تحریر ہونا چاہیے۔

○ ادارہ تحریر میں مناسب رد و بدل کا حق رکھتا ہے۔" ۲۲

مجلہ اخباری سائز میں شائع ہوتا ہے بالکل عام اخبارات کی طرح پہلے صفحہ پر اوپر" ادبیات کا شر" موٹے حروف میں لکھا ہوا ہے۔ اس سے نیچے مدیر اعلیٰ مظہر جاوید حسن درج ہے۔ پھر شمارہ نمبر جنوری ۲۰۰۷ء زر تعاون ۱۰روپے درج ہے۔ ایک صفحہ پر سات کالم ہیں۔ تصاویر بھی شائع ہوئی ہیں۔ پہلے اور آخری ورق کے حروف کی روشنائی کا رنگ کالا ہے۔ جبکہ اندرونی صفحات کی روشنائی کا رنگ سرخ ہے۔

جنوری ۲۰۰۷ء کے شمارے میں کراچی کی معروف " شاعرہ" شہناز نور" کا انٹرویو چھاپا گیا ہے۔ جس میں ان کی شاعری کے حوالے سے دلچسپ گفتگو شامل ہے۔

صفحہ نمبر۲ پر صائمہ نفیس کا " کملی" کے عنوان سے افسانہ شائع ہوا ہے۔ افسانہ ونی کی گئی لڑکی کے بارے میں ہے۔ افسانہ میں کردار نگاری عمدہ ہے۔ افسانے کی کہانی میں بے ربطی نہیں ہے۔ اسلوب بیان میں وحدت زمان ومکان ہے۔ افسانے کی زبان عام فہم اور روز مرہ کے مطابق ہے۔ پلاٹ کی تمام کڑیاں مربوط ہیں کہیں بھی بے ربطی نظر نہیں آتی۔ افسانے میں افسانہ نگار نے ہمارے معاشرے کی ونی کی رسم بد کے نتائج کے بارے میں بتایا ہے۔ اس کے ساتھ ہی محسن بھوپالی کی تحریر" شمال کی آواز...... مظہر جاوید حسن" ہے۔ اس میں محسن بھوپالی نے مظہر جاوید حسن کی صحافت اور شاعری کو زیر بحث لایا ہے۔ انھوں نے مظہر کی غزلوں، ماہیے، ہائیکو اور مختصر نظم کے بارے میں پر مغز گفتگو کی ہے۔ پھر انھوں نے ان کی شاعری میں موجودہ دور کی کرب ذات اور مسائل کا جائزہ لیتے ہوئے بطور نمونہ چند اشعار دیئے ہیں:

کتنے قلاش ہو گئے ہیں لوگ
اوڑھ کر جسم سو گئے ہیں لوگ ۲۳

آؤ روشن کریں سروں کے چراغ
بجھ نہ جائیں کہیں گھروں کے چراغ
دل میں جھانکا تو آنکھ میں اپنی
جل بجھے کتنے منظروں کے چراغ ۲۴

اس صفحہ پر علامہ اقبال محمد حسنین السابقی کا " حضرت امام جعفر صادقؒ" کے بارے میں مضمون ہے۔ مضمون کی زبان رواں اور عام فہم ہے۔ اس میں ان کے حالات زندگی کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

صفحہ نمبر۳ پر مختلف کہانیوں کے بقیہ حصے ہیں ساتھ ہی چار کالم شاعری کے لئے مختص کیے گئے ہیں۔ غزلیات میں سید ضامن علی حیدری کی غزل عمدہ ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

میرے احساسات نطقوں پہ لب گفتار پر
آج بھی پہرے لگے ہیں جرأت گفتار پر

گاؤں کے سر پنچ کو ضامن مرا پیغام دو
تجھ میں ہمت ہے اگر تو سامنے سے وار کر ۲۵

غزل میں موجودہ دور میں صاحب اقتدار اور صاحب حیثیت جس طرح عام عوام پر ظلم و تشدد کی انتہا کرتے ہیں اس کو موثر پیرائے میں بیان کیا ہے۔

صابر براری نے نعت میں الفاظ نعت کی شان و مرتبے کے مطابق استعمال کیے ہیں۔ ایک شعر دیکھیے:

صابر یہ آرزو ہے جب آخری گھڑی ہو
میری جبیں ہو ان کے روضہ کے سنگ در پر ۲۶

آخری اور چوتھے صفحہ پر منیر احمد فردوس کا مضمون ''پہلی افسانوی اڑان'' ہے جس میں سمیرا نقوی کی افسانہ نگاری پر بحث کی گئی ہے۔ ان کی افسانہ نگاری کے محاسن گنواتے ہوئے انہیں بہترین افسانہ نگار قرار دیا ہے۔ مجلّے کے باقی حصے پر اشتہارات ہیں۔ مجلّے کے اوراق کم ہیں۔ شاعری کا حصہ کمزور ہے۔ اچھے شعراء کا کلام اس پرچے میں موجود نہیں ہے۔ جن شعراء کا کلام چھاپا گیا ہے وہ تاثیر اور اثر انگیزی نہیں رکھتا۔ مجلّے میں کوئی تنقیدی مضمون بھی شامل نہیں ہے۔ تنقید کے ذریعے ہی تخلیق کار کو تخلیق کی خوبیوں اور خامیوں کے بارے میں پتا چلتا ہے۔ مجلّے میں تنقیدی مضمون کی کمی صاف طور پر محسوس کی جا سکتی ہے۔ سرمائے کی کمی کے باوجود مجلّے کا اجراء مظہر جاوید حسن کا احسن اقدام ہے۔ لیکن انھیں مجلّے کے ادبی معیار کو بلند کرنے پر بھی توجہ دینی چاہیے۔

''ادبیات کاشر''

شمارہ ۷، ۲۰۰۶ء

اس کا سائز بھی اخبار والا ہے۔ پہلے صفحہ پر واصف علی واصفؔ کے عرس پر الحمرا میں منعقد سیمینار کا احوال درج ہے۔ اس میں واصف علی واصف کے حوالے سے جو تقاریر ہوئیں ان کی مختصر تلخیص چھاپی گئی ہے۔ زیادہ تر تقاریر واصف علی واصفؔ کی ادب میں روحانیت کے بارے میں ہیں۔

دوسرے صفحہ پر شبیر رانا کا خاکہ '' منچو'' ہے۔ خاکہ فرضی ہے۔ جس کے ذریعے ایک بدکار شخص کا انجام بتایا گیا ہے۔ تکنیک و ترتیب لا جواب ہے پڑھنے والا خاکے کے سحر سے اسی وقت آزاد ہوتا ہے جب خاکہ ختم ہوتا ہے۔

اس کے بعد جاوید صدیق بھٹی کے شعری مجموعے ''سوکھا پھول اور میں'' کی تقریب رونمائی کی روئیداد درج ہے۔ تقریب کی روئیداد دلچسپ ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے قاری خود اس تقریب میں موجود ہے اسی صفحہ پر پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ (مرحوم) کا ''اقبال کا فلسفہ عشق'' بھی ہے۔ انھوں نے اس مضمون میں اقبال کے تصور عشق کو عقل پر فوقیت دی ہے کرم شاہ صاحب نے اس مضمون میں یہ بتایا ہے کہ اقبال کا تصور عشق دیگر شعراء کے تصور عشق سے جدا ہے۔ وہ اقبال کے بارے میں کہتے ہیں:

'' اقبال کا وجود اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت عظمیٰ ہے جس کی سپاس گزاری سے ملت اسلامیہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ اس کی ضرب کلیمی نے جبر و استبداد

کے ہر پیکر کو چور چور کیا اس کی بانگ درا نے آسودہ خواب غفلت قوم کو بیدار کیا۔" ۲۷

صفحہ تین پر محمد تقی راجپوت کی غزل ہے غزل سہل ممتنع کو خوبصورتی سے استعمال کیا گیا ہے۔ نمونہ کلام:

شیخ صاحب غم بھلانے کے لئے
میکدے میں جا رہے ہیں آج کل ۲۸

صفحہ چار پر تنویر الاسلام کا تحقیقی مضمون "میر پور تاریخ کے آئینے میں" میر پور کے لوگوں کی جد و جہد حریت کی داستان ہے۔ مضمون نگار نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے لے کر آج تک میر پور کے نامور لوگوں کے کارنامے سنائے جاتے ہیں۔

اس شمارے میں اشتہارات کی بھرمار ہے۔ چار صفحات میں سے ½۱ صفحہ پر اشتہارات ہیں۔ اشتہارات کی کثرت کے باعث شاعری کا حصہ بھی کم ہے صرف ایک غزل اور ایک آزاد نظم شمارے میں بھی شامل کی گئی ہے جو خاص معیاری نہیں۔ خیالات اور بندش الفاظ کے لحاظ سے بھی شاعری کمزور ہے۔

مجلہ "شوق"

"بزم اہل ذوق کوٹ جیمل" بھمبر نے اپنے مقاصد کی ترویج واشاعت کے لیے ادبی جریدے کا اجراء کیا۔ رسالے کا اجراء جنوری ۱۹۹۵ء میں کیا گیا۔

رسالے کے اغراض ومقاصد درج ذیل ہیں۔

" ا۔ جریدہ خالصتاً ادبی مقاصد کا حامل ہوگا۔
طنز ومزاح، نظمیں اور غزلیں شامل ہوں گی۔
۲۔ کشمیری اہل قلم کے علاوہ نامور پاکستانی اہل قلم کی تخلیقات کو بھی شائع کیا جائے گا۔
۴۔ نئے لکھنے والے مقامی لکھاریوں کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔" ۲۹

سرورق پر اوپر سہ ماہی شوق میر پور لکھا ہوا ہے۔ سرورق کا رنگ میرون ہے۔ سرورق پر ایک اینٹوں سے بنی پرانی عمارت کے دالان کی تصویر چھاپی گئی ہے۔ دالان میں ایک بوڑھا آدمی لاٹھی ٹیکے کھڑا ہے۔ مجلے میں سال اشاعت درج نہیں صرف والیم نمبر ۲ درج ہے۔

صفحہ نمبر ا پر آزاد کشمیر کا پہلا ادبی مجلہ سہ ماہی "شوق" والیم نمبر ۲ درج ہے۔ پھر قیمت فی شمارہ ۱۵ روپے اور زرسالانہ ۵۰ روپے درج ہے۔ ورق کے دائیں طرف چیف ایڈیٹر راجہ محمد آصف، سرکولیشن منیجر محمد صغیر حیدر لکھا ہے۔ معاونین میں رحمت خان حسرت، محمد عارف جرال، ساجد یوسف اور ارشد محمود (لاہور) کے نام لکھے ہیں۔ اس سے

نیچے شعبہ اشتہارات انچارج ملک محمد ریاض اعوان اور محمد لقمان جرال کے نام لکھے ہیں۔اسی صفحہ کے بائیں طرف رابطہ: ایڈیٹر سہ ماہی شوق پوسٹ آفس کوٹ جیمل بھمبر ضلع میرپور (آزاد کشمیر) لکھا ہے۔

پھر کمپوزنگ گلیمر کمپوزنگ میڈیا

شائع کردہ: بزم اہل ذوق کوٹ جیمل میرپور آزاد کشمیر۔

سرورق: محمد الیاس لکھا ہے۔

صفحہ نمبر۲ پر فہرست مضامین کو اس طرح ترتیب دیا گیا ہے۔

ادار یہ میں رسالے کے اجراء کے مقاصد اور اس سلسلے میں پیش آنے والی مشکلات کا مختصراً ذکر ہے۔ مجلّے کے صفحہ نمبر ۵ پر انور سدید کا مضمون ''وارث شاہ کی اُردو شناسی'' ہے اس میں انہوں نے بتایا ہے کہ وارث شاہ اٹھارویں صدی عیسوی کے شاعر تھے اور اس دور میں اُردو شاعری کلاسیک کا درجہ حاصل کر چکی تھی۔ اس لیے وارث شاہ نے پنجابی شاعری میں اُردو کے الفاظ لاشعوری طور پر استعمال کیے ہیں۔ پھر انہوں نے اُردو الفاظ کی فہرست بھی دی ہے۔ مضمون نگار چونکہ خود ایک محقق ہیں اس لیے انہوں نے پنڈت دتاتریہ کیفی ،اشفاق احمد، حافظ محمود شیرانی، مولوی محبوب

عالم،ڈاکٹر جمیل جالبی کے حوالے دے کر وارث شاہ کی پنجابی غزل جو اُردو غزل کے مزاج میں رچی بسی ہے کے ذریعے انہیں اُردو زبان کا شناسا قرار دیا ہے۔مشتاق شاؔد(مرحوم) کا تنقیدی مضمون ''خندہ ہائے بیجا ہے'' یہ ڈاکٹر صابؔر آفاقی کے شعری مجموعے کا نام ہے۔مشتاق شاد نے پہلے ڈاکٹر صابؔر آفاقی کے فن وشخصیت پر بات کرنے کے بعد ان کی مزاحیہ شاعری کو زیر بحث لایا ہے۔وہ ان کی مزاحیہ شاعری کے بارے میں کہتے ہیں:

> ''طنزیہ اور مزاحیہ شاعری میں کبھی مخصوص افتادِ طبع،کبھی خیال وفکر اور کبھی زبان کی مدد سے طنز ومزاح پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن صابؔر آفاقی نے جس انداز میں شاعری کی ہے۔ان کا مزاح،پھکڑ پن اور سطحیت سے محفوظ رہا ہے یہ گمان بھی نہیں ہوتا ہے کہ انہوں نے محض لفظی ہیر پھیر سے خندہ ہائے بیجا کی کہیں کوشش کی ہو۔خیال کی ندرت،تیکھے پن اور لطافت کے باعث آفاقی کی شاعری کو آفاقی کہا جاسکتا ہے۔'' ۳۰

مشتاق شاؔد کا لوک گیت بے مثال ہے گیت ،پہاڑی میں ہے مگر اس میں پنجابی اور اُردو دونوں شانہ بشانہ موجود ہیں۔اُردو کے الفاظ اجنبی محسوس نہیں ہورہے بلکہ یوں محسوس ہوتا جیسے لذیذ میوہ اسی زبان کا ہے نمونہ کلام:

بابلا دے کی دے گیوں،اک چاک سلیٹے دا
میتوں سولھواں سال وے،برسٹھاں وے چیٹے دا
بابلادے کی دے گیوں،شملہ پٹواری دا
میں گھر بیٹھی سوبھدی،برکسے نہ کاری دا ۳۱

ان اشعار میں،چاک،سولھواں سال،کی،شملہ،گھر بیٹھی اور کاری اُردو الفاظ ہیں جو پہاڑی میں عام استعمال کیے جاتے ہیں۔

منزہ اختر شاؔد کے ''ماہیے'' کشمیر کے سنگین حالات کے حوالے سے ہیں۔انہوں نے ان میں کشمیر کی روایتی علامات چنار،وادی اور شکارا کا استعمال کرکے اہل کشمیر کی اداسی،چپکے چپکے سلگنے،قربانی دینے اور خوفزدگی جیسی کیفیات کی عکاسی کی ہے۔ یہ علامات کشمیریوں کی حریت پسندی اور وطن پرستی کے لیے بھی مستعمل ہیں۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ہے اگ چناروں کی
پت جھڑ نے پکڑی
اب باگ،بہاروں کی

گلرنگ ہے وادی
کانٹے ختم کرو
مل جائے گی آزادی ۳۲

محمد جمیل اجمل کی نظم ''بے روزگاری'' طویل ہے مگر طوالت کے باوجود کہیں جھول نہیں ہے۔
نظم میں ترنم اور روانی ہے نظم مسدس میں لکھی گئی ہے بے روزگاری کے حوالے سے لکھی گئی یہ نظم ہر بے روزگار شخص کی حالت کی عکاسی ہے بند ملاحظہ ہو:

مری بے روزگاری پر سبھی افسوس کرتے ہیں
کچھ ایسے ہیں جو بچوں کو پڑھانے سے بھی ڈرتے ہیں
مجھے جب دیکھتے ہیں تو اک آہ سرد بھرتے ہیں
یہاں تک اب مرے سائے سے بھی بچ کر گزرتے ہیں
کہیں درگور کرنے کو زمانہ نہ چلا آئے
مجھے ڈر ہے مرے گھر میں صفِ ماتم نہ بچھ جائے ۳۳

راجہ محمد آصف کی آزاد نظم ''رقص ابلیس'' میں کشمیر میں بھارتی مظالم کی پردرد انداز سے تصویر کشی کی ہے نمونہ کلام دیکھیے:

کشمیر میں جاری ہے رقص ابلیس
کچھ شیطانی بلائیں، پہن کے انسانی لبادہ
اپنے مکروہ چہروں پر نقاب چڑھائے
اپنے پروں کو پھڑ پھڑاتی
یہ خون آشام بلائیں
چلی آرہی ہے دانت نکو سے
بے گناہوں کا خون چوسے
رات کے پرہول سناٹے میں
ان کے قدموں کی آوازیں
بن رہی ہیں ۳۴

محمد سلیمان چوہان کی پہاڑی نظم ''ساون'' میں ہندی اور اُردو الفاظ کا استعمال ترنم اور موسیقیت پیدا کرتا ہے۔

نمونہ کلام:

دیکھ سہیلی ساون آیا
گیت ملہار ساون آیا
ہجر دی گرمی سہندیاں سہندیاں
اکھیاں نیر بہاون آیا
چھم چھم برکھا برسن لاگی
گیت پیار دے گاون آیا ۳۵

دیکھ سہیلی ساون آیا، گیت، ہجر اور گرمی اُردو الفاظ ہیں جبکہ برکھا، لاگی اور ملہار ہندی الفاظ ہیں۔

مجلّے میں شامل تینوں افسانے عمدہ ہیں۔ پہلا افسانہ ''باداموں والی گلی'' ایک کام چور راج، راج محمد کی کہانی ہے۔ کہانی کے ذریعے کام چوری، نکما پن اور نظربازی کا انجام بتایا ہے۔ افسانے کے واقعات میں تسلسل ہے آغاز سے لے کر اختتام تک قاری افسانے کے سحر سے نکل نہیں سکتا اور یہی اس کی خوبی ہے۔

تیسرا افسانہ ''سرخ سرخ پھول'' رانا فضل حسین کا لکھا ہوا ہے افسانہ اہل کشمیر پر بھارتی فوج کے مظالم کے

بارے میں ہے۔افسانہ پڑھ کر طبیعت پر بوجھل پن طاری ہوجاتا ہے۔ذہن دکھ اور اداسی کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔

تینوں افسانوں کی زبان سادہ اور عام فہم ہے۔افسانوں کی زبان تو اُردو ہے لیکن کہیں کہیں پہاڑی الفاظ کا بھی استعمال نظر آتا ہے۔

جیسے''سرخ سرخ پھول'' میں سروار کہتا ہے۔

''پندرہ سال پہلے تجھے پھلیک (بیگار) کے لیے یہاں ہی پکڑ ہوا تھا۔یہاں فوجی کیمپ تھا'' ۳۶؎

''پولنگ اسٹیشن''ایک مزاحیہ مضمون ہے۔راجہ محمد آصف نے پاکستان وآزادکشمیر کے انتخابات میں پولنگ اسٹیشن پر دھاندلی اور سرکاری ملازمین کی جو بے توقیری کی جاتی ہے اس کو طنزومزاح کے پردے میں لپیٹ کر بیان کیا ہے۔لیکن غور کرنے پر ہمیں اپنے معاشرے کی وہ خرابیاں نظر آتی ہیں جن کے باعث ہمارا ملک عالمی سطح پر بدنام ہورہا ہے۔

غزلیات میں شاعری کی تمام خوبیاں موجود ہیں شاعرانہ خیال کی پہلی خوبی اصلیت ہے یعنی جس چیز سے متعلق وہ خیال ہواس کا وجود درحقیقت میں ہو یا عقل یا اعتقاد کی رو سے ممکن ہو یا مان لیا گیا ہو:

نفرت ملی تو اپنے مقدر پہ ہنس دیئے
اور پیار سے کسی نے پکارا تورو پڑے ۳۷؎

مرزا عمران سرشت کی غزل کے اس شعر میں اصلیت ہے:

ہیں دل میں جاگزیں عجب انجانے وسوسے
کل شام ہم تو اپنے ہی سائے سے ڈر گئے ۳۸؎

دوسری خوبی خیال کی سادگی ہے اس سے مراد ہے خیال میں پیچیدگی اور الجھاؤ نہ ہو:

راشد اسیر کی غزل کے ان اشعار میں خیال کی سادگی موجود ہے:

دل میں جس کا سخن اتر جائے
وہی اچھا خطیب ہوتا ہے
روشنی کی وہی علامت ہے
جو اندھیرا مہیب ہوتا ہے ۳۹؎

تیسری خوبی بلندی خیال ہے یعنی بات عجیب اورانوکھی کہی جائے لیکن رکیک اور عامیانہ نہ ہو۔

امین طارق قاسمی کی غزل کا یہ شعراس کی بہترین مثال ہے:

ایک نہیں طارق یہاں قیدحیات وبند غم
وقت ان دونوں کے سنگم کے سوا کچھ بھی نہیں ۴۰؎

چوتھی خوبی خیال کی باریکی ہے۔یعنی خیال سطحی نہ ہوبلکہ انسانی فطرت کے گہرے مطالعے اورکائنات کے وسیع مشاہدے کا نتیجہ ہو۔

کرامت بخاری کے شعر میں خیالی کی باریکی ہے:

ذہن کے پاتال میں
خوف کا خنجر نہاں ۴۱؎

عاصی کاشمیری کا یہ شعر بھی اسی خوبی کا حامل ہے:

شمع کے جلنے سے خوشبوئے وفا تو آ گئی
جاںنثاروں میں مگر آیا نہ پروانے کا نام ۴۲

ہوگیا مانوس مجھ سے اس قدر دردِ فراق
اب نہیں لیتا مرے دل سے کہیں جانے کا نام ۴۳

پانچویں اور آخری خوبی تڑپ ہے یعنی خیال کے ساتھ ساتھ جذبات بھی شامل ہوں۔ اس کی غیر موجودگی میں شعر ایک بے جان یا گل بے رنگ و بو ہے۔

افتخار حسین مغل کے اس شعر میں یہ خوبی بدرجہ اتم موجود ہے:

تو مجھ سے میرے زمانوں کا پوچھتی ہے، سن
ترا جنوں، ترا سودا، تری طلب، تری یاد ۴۴

شاعرانہ بیان کی خصوصیت مجلّے کی غزلیات میں موجود ہیں۔ شاعرانہ بیان کی پہلی خوبی بیان کی سادگی ہے۔ اس کا انحصار کئی چیزوں پر ہے اور پہلی چیز ہے سلاست۔ سلاست سے مراد ہے مشکل الفاظ کا استعمال نہ کیا جائے وہی الفاظ استعمال کیے جائیں جن سے زبان مانوس اور کان آشنا ہوں۔

کرامت بخاری کی غزل کے اس شعر میں سلاست ہے:

موت کے ماحول میں زندگی کی بستیاں ۴۵

پروفیسر وجیہہ الحسن صفدر شفق کی غزل کا یہ شعر سلاست کی خوبصورت مثال ہے:

جب سے تیرا حسن رچا ہے آنکھوں میں
رنگوں کی برسات لیے پھرتا ہوں میں ۴۶

دوسری خوبی تعقید لفظی ہے۔ اس سے مراد ہے کہ لفظوں کی ترتیب قواعدِ زبان اور اصول بیان کے مطابق ہو یعنی اگر نثر کریں تو بھی وہی الفاظ ہوں گے۔

محمد اکرم طاہر کی غزل کے اس شعر میں یہی خوبی موجود ہے:

جینے نہیں دیتا مجھے مرنے نہیں دیتا
کچھ کام زمانہ مجھے کرنے نہیں دیتا ۴۷

محمد فیضان مرزا کے شعر میں بھی تعقید لفظی ہے:

شرمندہ ہے وہ شخص تو اپنے ہی کیے پہ
اس واسطے اکثر وہ دکھائی نہیں دیتا ۴۸

تیسری خوبی تعقید معنوی ہے۔ مضمون کا کوئی ایسا جزو چھوٹ نہ جائے جو مطلب کے سمجھنے میں دقت پیدا نہ کرے۔

راشد اسیرؔ کے ان اشعار میں تعقید معنوی ہے:

جب نگاہیں کسی سے ملتی ہیں
حادثہ اک عجیب ہوتا ہے
مصنف شہر کے کٹہرے میں
روز رسوا غریب ہوتا ہے ۴۹؎

چوتھی خوبی تشبیہ و استعارہ ہے۔ یعنی ایسی تشبیہیں اور استعارے نہ لائے جائیں جن تک ذہن کی رسائی مشکل ہو:

پروفیسر نذیر انجمؔ کی غزل کے اس شعر میں استعارہ ہے:

چلے تھے اک بت کافرادا کو اپنانے
خود اپنے آپ سے بھی ہو گئے ہیں دیوانے ۵۰؎

اسی طرح مرزا عمران سرشتؔ کے اس شعر میں بھی استعارہ ہے:

شاید ہو آج شام وہ مہتاب جلوہ گر
اس آرزو میں زیست کے لمحے گزر گئے ۵۱؎

پروفیسر نذیر انجمؔ کے اس شعر میں تشبیہ ہے:

صدائیں اپنی ہی ٹکرا کے لوٹ آتی ہیں
ہوں جیسے گنبد بے در ہمارے کاشانے ۵۲؎

پانچویں خوبی تلمیح ہے یعنی شعر میں کسی مشہور قصہ یا روایت کی طرف اشارہ کرنا۔

امین طارقؔ قاسمی کے اس شعر میں صنعت تلمیح کو بڑی خوبصورتی سے برتا گیا ہے:

اس جہاں کے ظاہر و باطن پہ ہے میری نظر
جام کی وقعت یہاں جم کے سوا کچھ بھی نہیں ۵۳؎

شاعرانہ بیان کی دوسری بڑی خوبی اختصار ہے۔ یعنی کم سے کم لفظوں میں مطلب ادا کیا جائے۔

کرامتؔ بخاری کی غزل اختصار کی بہترین مثال ہے۔ شعر ملاحظہ ہو:

ہم انہیں ملتے کہاں
دوریاں تھیں درمیاں ۵۴؎

تیسری خوبی مناسبت الفاظ ہے۔ یعنی لفظ کی مناسبت سے خیال لایا جائے۔ امین طارقؔ قاسمی کی غزل کے اس شعر میں مناسب الفاظ نے تاثیر پیدا کر دی ہے:

زخم وہ دل پر لگا ہے جو نہیں مرہم طلب
چارہ گر کے پاس مرہم کے سوا کچھ بھی نہیں ۵۵؎

غزلیات کا معیار بلند ہے۔ ان میں شعر کی لفظی معنوی خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں جو اردو ادب میں آزاد

کشمیر کے شعراء کو بلند مقام عطا کرتی ہیں۔

۶۱ صفحہ پر قارئین کے خطوط چھاپے گئے ہیں۔ ان میں انور سدید، شفقت تنویر مرزا، رانا فضل حسین (بابائے گوجری)، کرامت بخاری اور مرزا صابر بیگ صابر کے خطوط شامل ہیں۔ انور سدید کا اردو ادب میں ایک معتبر نام ہے۔ انھوں نے مجلّے کی تعریف کرتے ہوئے ایڈیٹر کو اس کے اجراء پر مبارک باد پیش کی ہے۔ انور سدید کا مجلّے کو پسند کرنا ثابت کرتا ہے کہ مجلّہ معیاری ہے۔ اس میں اردو ادب کی تاریخ میں اپنا نام رقم کرنے کی صلاحیت بھی موجود ہے۔

آخری صفحہ پر ادبی خبریں ہیں۔ ان خبروں میں محمد الیاس کا افسانوی مجموعہ اور عاصی کاشمیری کا شعری مجموعہ چھپنے کی خبریں بھی شامل ہیں۔

آخر میں گزارش چھاپی گئی ہے کہ اگر آپ ''شوق'' کے سالانہ خریدار بننا چاہتے ہیں تو درج ذیل پتہ پر زر سالانہ (پچاس روپے) بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں:

راجہ محمد آصف اسسٹنٹ ایڈیٹر سہ ماہی ''شوق'' ڈاکخانہ کوٹ جیمل تحصیل بھمبر ضلع میر پور (آزاد کشمیر) (بھمبر ۱۹۹۵ء میں میر پور کی تحصیل تھی)۔

مجلّے میں اشتہارات کی تعداد کم ہے۔ مجلّے میں تمام تر مضامین، غزلیں اور نظمیں خالصتاً ادبی ہیں۔ شوق اگرچہ صرف دو سال جاری رہنے کے بعد مالی مجبوریوں کے باعث بند کر دیا گیا لیکن اس کا موازنہ آزاد کشمیر کے باقی ادبی مجلوں سے کیا جائے تو اس کا معیار سب سے بلند ہے۔ یہ واحد ادبی مجلّہ ہے جس کی نثر سادہ وسلیس ہونے کے علاوہ رواں دواں، بامحاورہ اور سریع الفہم ہے۔ اس کے لفظوں اور جملوں میں بے پناہ توازن پایا جاتا ہے۔ اس میں اکتا دینے والی یکسانیت اور ناہمواری قطعاً نہیں پائی جاتی۔ مجلّے کے افسانوں میں ایسی پر تاثیر فضا پیدا کی گئی ہے کہ قاری اس میں کھو جاتا ہے۔ جس کے باعث قاری ان کو ختم کیے بغیر چین نہیں لیتا۔ تنقیدی مضامین مغربی تنقید کے اصولوں سے معراء ہیں۔ شاعری کا حصہ جاندار ہے۔ اس میں فنی وفکری دونوں خوبیاں موجود ہیں۔ آزاد کشمیر کا اردو ادب ''شوق'' کی ادبی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کر سکے گا۔

ماہنامہ ''تہذیب''

''کشمیر کلچرل اکیڈمی'' آزاد کشمیر کا واحد سرکاری ادارہ ہے جو اُردو زبان وادب کے فروغ اور ترویج کا کام کر رہا ہے۔ اس ادارے کے تمام اخراجات حکومت برداشت کرتی ہے۔ رسالے کا اجراء ۱۹۹۶ء میں کیا گیا۔ رسالے کے اجراء کا مقصد کشمیری اہل قلم کو ایک مرکز پر جمع کرنا تھا۔ یوں تو رسالہ ہر ماہ جاری کیا جاتا ہے۔ لیکن کبھی کبھار مالی وسائل کی عدم دستیابی کی وجہ سے اس کی اشاعت متاثر ہو جاتی ہے۔ عام نمبروں کے علاوہ اس کے خصوصی نمبر بھی شائع کیے گئے ہیں جن میں ''شاہ ہمدان نمبر اور رومی کشمیر میاں محمد بخش نمبر'' خصوصیت کے حامل ہیں۔

اغراض ومقاصد

اس مجلّے کے مقاصد درج ذیل ہیں:

"۱۔ کشمیری ثقافت کے فروغ کے اقدامات کرنا

۲۔ کشمیری اور پاکستانی اہل قلم کی کشمیر کے حوالے سے لکھی ہوئی تحریریں شائع کرنا۔

۳۔ اہل قلم کی فکری لام بندی کے لیے ایک پلیٹ فارم مہیا کرنا۔

۴۔ کشمیر کی علاقائی زبانوں کے حوالے سے نایاب کتابوں کی دوبارہ اشاعت کا اہتمام کرنا" ۵۶

اصول وضوابط درج ذیل ہیں۔

"۱۔ رسالہ ماہنامہ ہوگا۔

۲۔ مجلے میں ادبی سرگرمیوں کی تفصیلات بھی چھاپی جائیں گی جس سے آزاد کشمیر کی سطح پر ہونے والی ادبی کوششیں منظر عام پر آئیں گی۔

۳۔ ہر قسم کے مراسلات بنام ڈائریکٹر کشمیر کلچرل اکیڈمی مظفرآباد کے پتہ پر ارسال کرنے چاہیں۔" ۵۷

رسالہ "تہذیب کشمیر نمبر"

رسالہ ۵ ۱/۴ اور ۸ ۱/۲ کی تقطیع کے چھوٹے صفحات پر شائع ہوا ہے۔اس کے کل صفحات ۱۳۶ ہیں سرورق اور آخری ورق نمبر سے مستثنیٰ ہیں۔رسالے کے سرورق پر کشمیر کے سرسبز پہاڑوں کی تصویر چھپی ہے۔تصویر کے اوپر پاکستان اور کشمیر کے پرچم بنے ہیں۔پرچم سے نیچے تہذیب موٹے حروف میں لکھا ہے اس سے نیچے خصوصی کشمیر نمبر کے الفاظ درج ہیں۔سرورق کے اندروالے صفحے پر تصاویر چھاپی گئی ہیں۔صفحہ نمبر 1 پر تہذیب اور خصوصی "کشمیر نمبر" کے علاوہ ملنے کا پتہ اور فون نمبر درج ہے۔شمارے کے صفحات کے دائیں جانب ۳/۴ بائیں جانب ۱/۴ بالائی جانب ۱/۴ اور زیریں جانب ۱/۴ کا حاشیہ بنا ہوا۔

صفحہ نمبر ۳ پر ترتیب نگارشات کا عنوان دے کر مجلّہ میں شامل مضامین کی فہرست ہے۔فہرست کی ترتیب یوں ہے۔

اداریہ میں مسئلہ کشمیر اور اس کے حل کے لیے کی جانے والی کوششوں کے بارے میں ڈائریکٹر اکیڈمی نے

اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔دوسرا موضوع ہے''کشمیر جغرافیائی خدوخال''یہ غلام احمد پنڈت کی کتاب کا اقتباس ہے جس میں کشمیر کے دریاؤں ،راستوں،آب وہوا،زرعی و صنعتی پیداوار،کشمیر کی آب وہوا کی تاثیر،کشمیر کے مختلف صحت افزاء مقام اور وہاں کے پانی کی کیا تاثیر کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

> ''چشمہ شاہی نقائص ہاضمہ کے لیے اکسیر ہے اسی طرح ایک اور صحت افزاء مقام ''کنگڑ ناگ'' کو''پلیوری''اور''دمے'' کے علاج کے لیے مفید قرار دیا گیا ہے جہاں تک''اچھا بل''کا تعلق ہے اس کی آب وہوا کو''مثانے''اور''گردے'' کے امراض کا دارو تصور کیا جاتا ہے کہ اس کا پانی مختلف قسم کے''بخاروں''خاص طور پر''تپ دق'' کے لیے اکسیر ہے۔''ناسبل''جو ایک اور صحت افزا مقام ہے اس کا پانی بھی''دق'' کے لیے موزوں تصور کیا جاتا ہے جبکہ''پہلگام کی''آب وہوا کئی امراض کا تریاق ہے مثلاً بھوک کی کمی،بدہضمی اور''جسمانی کمزوری وغیرہ اب جہاں تک ٹنرگ کا تعلق ہے جو گلمرگ کے دامن میں واقع ہے اور تموٹ جو بانہال کی طرف سے جموں کو جانے والی شاہراہ پر واقع ہے۔ ان مقامات کی آب وہوا میں یہ تاثر پائی جاتی ہے کہ یہ ''پھیپھڑوں'' کی بیماری کے لیے مفید ہے رہا اسلام آباد تو اس کے چشمے جلدی امراض کا مجرب علاج ہیں''

مضمون معلوماتی اور دلچسپ ہے۔مضمون کی زبان ادبی نہیں ہے ۔لیکن مجموعی طور پر یہ مفید اور معلوماتی ہے ایک مضمون محمد اکرم سہیل کا''فکر اقبال اور امن'' ہے مضمون نگار نے علامہ اقبال کے مختلف اشعار کا حوالہ دے کر ثابت کیا ہے کہ جب انسان اپنی تعمیر خودی کرلیتا ہے تو اس کی یہ کوشش حقیقی امن کی منزل کے حصول کے لیے ہوتی ہے۔پھر اکرم سہیل نے اپنی قوم کے نوجوانوں کو کہا ہے کہ اپنی عزت نفس کو بیدار کرو تو تمہارے قلب ونظر میں وہ انقلاب بیدار ہوگا جس سے تمہاری غلامی کی زنجیریں کٹ جائیں گی۔

مضمون نگار نے اقبال کے اشعار کا برمحل استعمال کیا ہے۔اشعار کا چناؤ اور مضمون کی زبان مضمون نگار کی علمیت اور اُردو ادب سے اس کے شغف کا ثبوت ہے۔

چونکہ یہ تہذیب کا خصوصی''کشمیر نمبر'' ہے اس لیے اس میں شامل تمام تحریریں کشمیر کے حوالے سے ہیں۔رسالے کی چوتھی تحریر ڈاکٹر محمد صغیر خان کی''جموں وکشمیر''مختصر تاریخی پس منظر ہے۔جس میں انہوں نے مختلف روایات کے حوالے سے لفظ کشمیر کی وجہ تسمیہ بیان کرکے اصل وجہ تسمیہ تک پہنچے کی سعی کی ہے اس کے ساتھ ہی انہوں نے کشمیر میں انسانی آبادکاری کے اولین سراغ تک پہنچنے کی بھی کوشش کی ہے۔مضمون تحقیقی ہے ۔مضمون نگار نے مختلف کتابوں کے حوالے دے کر اپنی بات کو ثابت کیا ہے۔

صفحہ ۶۳ پر''کشمیر کلچرل اکیڈمی'' کے زیر اہتمام''یوم شہدائے کشمیر'' کے حوالے سے منعقد ہونے والے مشاعرے کی روئیداد موجود ہے ۔اس میں شامل شعراء کے کلام کا نمونہ بھی دیا گیا ہے۔روئیداد دلچسپ ہے۔اس روئیداد کے

ذریعے افتخار عارف، آفتاب اقبال شمیم، احسان اکبر، شبنم شکیل، جلیل عالی اور بشیر حسین ناظم جیسے شعراء کا کشمیر کے حوالے سے کلام پڑھنے کا موقع ملتا ہے۔

سردار مختار خان ایڈووکیٹ کا مضمون کچھ یادیں کچھ باتیں تحریک آزاد کشمیر کے حوالے سے لکھا گیا ہے مضمون پڑھ کر ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء سے لے کر ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء تک کے تمام واقعات ذہنوں میں تازہ ہو جاتے ہیں۔

مقصود احمد راہی کا مضمون "کشمیر تاریخ کے آئینے میں" کشمیر میں مسلمانوں کی آمد اور تبلیغ اسلام کے حوالے سے ہے۔

شاعری کے حصے میں افتخار عارف، احسان اکبر، بشیر حسین ناظم، جلیل عالی، شبنم شکیل، انوار فیروز اور وفا چشتی جیسے بڑے شعراء کا کلام چھاپا گیا ہے۔ جو اس مجلّے کے معیاری ہونے کا ثبوت ہے۔ شاعری زبان، خیال اور بندش الفاظ کے حوالے سے معیاری اور عمدہ ہے۔

قارئین کے خطوط میں ڈاکٹر توصیف تبسم اور بابائے گوجری رانا فضل حسین جیسے بڑے اہل قلم کے خطوط شامل ہیں۔ ان خطوط کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ مجلّے کا ادبی معیار بلند ہے۔ اسی لیے نامور اہل قلم حضرات نے اس کی تعریف کی ہے۔

مجلّہ حکومت آزاد کشمیر کی اُردو ادب سے محبت کا ثبوت ہے۔ اس کا معیار اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ آزاد کشمیر کے حکمران اُردو زبان وادب کے فروغ کے لیے کتنی کوششیں کر رہے ہیں آخری ۶ صفحات پر کشمیر اکادمی کے زیر اہتمام منعقد کیے جانے والے سیمینارز کی تصاویر چھاپی گئی ہیں۔ جن سے پتا چلتا ہے کہ اکادمی کی تقاریب میں کون کون سی نامی گرامی شخصیات شرکت کرتی رہتی ہیں۔

مجلّہ "تہذیب"، "زلزلہ نمبر":

رسالہ $8\frac{1}{2} \times 5\frac{1}{2}$ کی تقطیع کے چھوٹے صفحات پر شائع ہوا ہے۔ اس کے کل صفحات ۱۳۳ ہیں۔ سرورق اور آخری ورق کو حسب سابق شمار نہیں کیا گیا۔ سرورق اور آخری ورق پر زلزلے میں برپا ہونے والی تباہی کی تصاویر چھاپی گئی ہیں۔ سرورق کی پیشانی پر تہذیب اور نیچے "کشمیر کلچرل اکیڈمی" لکھا ہے۔ صفحہ نمبر ۱ پر "ترتیب" کا عنوان دے کر رسالے میں چھاپے گئے مضامین کی فہرست ہے۔ اس کی ترتیب یوں ہے:

شمارے کے صفحات کے دائیں طرف ½، بائیں طرف ½، بالائی طرف ³⁄₄ اور زیریں طرف ³⁄₄ کا حاشیہ بنا ہوا ہے۔ صفحہ نمبر ۴ پر ''زلزلے کے بعد'' جواد جعفری کا لکھا ہوا اداریہ ہے جس میں انھوں نے ۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء کے زلزلے کے سانحے میں پاکستانی قوم کی عظیم قربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

''میری ماں تو شہید ہو گئی لیکن خدا کا شکر ہے میری قوم زندہ ہے'' ۵۹

یہ الفاظ پڑھنے والے کے ذہن پر ہتھوڑا بن کر برستے ہیں کہ اپنوں کے لیے قربانیاں دینے والی قوم کو اب کس کی نظر لگ گئی ہے۔

صفحہ نمبر 5 پر مظہر امام کا مضمون ''جموں و کشمیر میں اردو شاعری کا نیا مزاج'' خاصے کی چیز ہے۔ اس مضمون میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح مقبوضہ جموں کے ادباء و شعراء نے ہندوستان اور پاکستان کے اردو لکھنے والوں کے درمیان اپنی شناخت برقرار رکھی ہے۔ مضمون نگار نے ہر شاعر کا نام لے کر اس کی شاعرانہ خوبیاں بیان کی ہیں۔ مظہر امام نے ان شعراء کا نمونہ کلام بھی دیا ہے تاکہ قاری شاعری کو پڑھ کر ان شعراء کا اردو ادب میں مقام متعین کر سکے۔

ڈاکٹر صابر آفاقی کا مضمون ''وادی نیلم کی شاردا یونیورسٹی تاریخی تناظر میں'' دلچسپ اور معلوماتی ہے۔ اس میں صاحب مضمون نے بتایا ہے کہ وادی نیلم کا پرانا نام دراوا تھا جو یہاں آباد درد قوم کے نام سے موسوم تھا۔ اور دریائے نیلم کو کشن گنگا کہا جاتا ہے۔ وادی کشن گنگا (وادی نیلم) کا ایک اہم مقام شاردا ہے۔ قدیم زمانے میں شاردا کو دیوی کا مسکن سمجھ کر اس کی پوجا کی جاتی تھی۔ یہاں بنے مندروں کے کھنڈر اب بھی موجود ہیں۔ ڈاکٹر صابر آفاقی نے شاردا کی قدیم عظمت اور ہندومت میں اس کی اہمیت کے حوالے سے معلوماتی مضمون لکھا ہے۔ صفحہ ۵۴ پر ''خواب کی تعبیر'' کے عنوان سے مقصود احمد راہی کی زلزلے کے حوالے سے تحریریں مختلف عنوانات کے تحت چھاپی گئی ہیں۔ اس میں آٹھ افسانے ہیں۔ ان افسانوں میں ''فرشتہ رو پڑا''، ''تقدیر کا کھیل''، ''موت کا رقص''، ''اندھیرا ہی اندھیرا'' اور ''اللہ تیری ہی رضا ہے'' شامل ہیں۔ یہ تمام افسانے افسانہ نگاری کے فن پر پورے اترتے ہیں۔ ان افسانوں میں قصہ، پلاٹ، کردار نگاری، وحدت تاثر، اسلوب اور ارتقاء کی خوبیاں موجود ہیں۔ زبان عام فہم اور سادہ ہے۔ عبارت میں روانی اور تسلسل بیان کی خوبی بھی موجود ہے۔

سید سلیم گردیزی کا مضمون ''چکڑی بہک سے دارالحکومت تک'' مظفرآباد شہر کے ارتقائی سفر کا احوال ہے۔ مضمون کی زبان خوبصورت ہے۔ مضمون نگار نے خوبصورت اردو الفاظ کو موقعے کی مناسبت سے استعمال کیا ہے۔ انداز بیاں دلچسپ اور موثر ہے۔

رانا غلام سرور نے ''حالیہ زلزلے سے مظفرآباد ڈویژن میں تعلیمی شعبہ کی تباہی'' کے عنوان سے جو مضمون لکھا

ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ کس طرح زلزلے میں آزاد کشمیر کے تعلیمی ادارے ہزاروں طلباء کا مدفن بن گئے۔

حصہ شاعری ۲۱ صفحات پہ پھیلا ہوا ہے۔ اردو میں سات غزلیں، آٹھ نظمیں اور آٹھ آزاد نظمیں ہیں۔ ایک پہاڑی، ایک کشمیری اور تین گوجری نظمیں بھی ہیں۔ تمام شاعری زلزلے (۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء) کی تباہی کے روح فرسا واقعات پر مبنی ہے۔ اردو غزلوں میں افتخار عارف اور امجد اسلام امجد جیسے بلند مرتبت شاعروں کی غزلیں بھی موجود ہیں۔ تمام غزلوں میں زلزلے کی تباہی کے مناظر کا سماں فطری انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ غزلوں اور نظموں میں زلزلے کی ابتلا و آزمائش کی گھڑی میں انسانی جذبات کی بہترین تصویر کشی کی گئی ہے۔ جیسے امجد اسلام امجد کی نظم "بچوں کی صدائیں" کے یہ اشعار:

"ملبے میں دبے چیختے بچوں کی صدائیں
یوں کان میں آئیں
جیسے کوئی برچھی ہو ہر اک حرف نوا میں" ۶۰

اسلم کوسرتی کی نظم "آنکھیں روئی روئی":

بکھرے بکھرے بال اور صورت کھوئی کھوئی
من گھائل کرتی ہیں آنکھیں روئی روئی ۶۱

نثار ترابی کی غزل:

دعا کو ہاتھ اٹھائے، دلوں پہ زخم لئے
ملول ماؤں کے چہرے دہائی دیتے ہیں ۶۲

ایاز الحق کا قطعہ ملاحظہ ہو:

خاک میں بچے بلکتے رہ گئے
باپ ماں بھائی سسکتے رہ گئے
آنکھ سے آنسو نکلتے رہ گئے
بے بسی سے لوگ تکتے رہ گئے ۶۳

سید نثار احمد مجتبیٰ کی نظم "زلزلہ ۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء":

فلک گونجا زمین تھرتھرائی
مرد و زن پکارے اے اللہ دہائی ۶۴

مجلے میں موجو زلزلے کے حوالے سے شاعری میں شعراء نے منظر نگاری کے ایسے مرقعے تراشے ہیں کہ زلزلے کی اصل کیفیت قاری کی آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے۔ زلزلے کی تباہی کا ذکر اس تفصیل سے کیا ہے کہ شاعری نقاشی بن گئی ہے۔ جیسے غلام حسین بٹ کی نظم کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

ہر درخت و پہاڑی محو لرزاں تھی
آن کی آن میں ہر بستی ویراں تھی
قیامت بپا تھی فضا خون سے مسحور تھی
ہر سمت غبار کے بادل خدائی مقہور تھی

موت کے سائے میں زندگی رواں تھی
زمین لہو لہو تھی فضا دھواں دھواں تھی ۴۵؎

اس مجلّہ میں صفحہ نمبر ۱۲۹ پر زلزلے کے حوالے سے ایک پہاڑی نظم ہے۔ اس نظم میں بھی اردو کے الفاظ کو براہ راست پرکاری سے برتا گیا ہے۔ ایک بند ملاحظہ ہو:

اس پہو نچا لے
ادھا کشمیر اجاڑی شوڑیاں
ادھوں نے سارے منظر
اکھاں اگے پھرتے
فر دل نی کتیا
جے نظم لکھاں ۴۶؎

اس میں سارے منظر، نظم اور دل اردو کے الفاظ ہیں۔

اردو کا اثر صرف پہاڑی پر نظر نہیں آتا بلکہ کشمیری زبان پر بھی نظر آتا ہے۔ کشمیر کی علاقائی زبانوں پر اردو کا اثر کشمیر میں اس کی مقبولیت اور دلپذیری کا ثبوت ہے۔ اسی مجلّہ کے صفحہ نمبر ۱۳۰ پر غلام حسین بٹ کی کشمیری نظم (زلزلے کے احوال کے بارے میں ہے) ہے جس میں بے شمار اردو الفاظ موجود ہیں لیکن یہ الفاظ عبارت میں سقم پیدا کرنے کی بجائے اس کے حسن میں اضافہ کرتے ہیں۔

چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں:

آسمان خون خون ہاراں گو زمینک سینہ چاک
کہسار کراں نالہ مت متار گیہ پیوند خاک
گبر روٹھ ماجہ مالس لوچھ طناب گیہ تار تار
ززر پی پوشہ و تھرن اتھن ایواں سنگ و خار ۴۷؎

ان میں آسمان، خون، گو، سینہ چاک، کہسار، پیوند خاک، تار تار اور سنگ و خار اردو اور فارسی کے الفاظ ہیں۔

مجموعی طور پر مجلّہ کا شاعری کا حصہ ادبی لحاظ سے معیاری ہے۔ شاعری میں فصاحت و بلاغت جیسی فنی خوبیوں کے علاوہ اثر آفرینی بھی ہے۔ مجلّے کے آخری ورق پر زلزلے کی تباہی کے دلدوز مناظر کی تصاویر چھپی ہیں جو دیکھنے والے پر لرزہ طاری کر دیتی ہیں۔

مجلّہ کا خصوصی نمبر ''زلزلے'' کے حوالے سے تھا۔ اس لیے مجلّے میں موجود تمام تحریریں، شاعری اور تصاویر موضوع سے مناسبت رکھتی ہیں۔ زلزلے کی ہولناک تباہی میں جو انسانی ضیاع ہوا اس کی بہترین تصویر کشی (الفاظ کی صورت میں) کے باعث یہ تحریریں اور شاعری اردو ادب کا یادگار سرمایہ ہیں۔ تہذیب کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے اس عالم گیر تباہی پر لکھے جانے والے عمدہ ادبی سرمائے کو ایک مرکز پر جمع کر لیا۔

''تہذیب''، ''میاں محمد بخشؒ نمبر''

رسالہ ۵½ x ۹ کی تقطیع کے صفحات پر شائع ہوا ہے۔ ورق کا کاغذ عمدہ ہے۔ اس کے کل ۴۰۵ صفحات ہیں۔ سرورق اور آخری ورق کو شمار نہیں کیا گیا۔ سرورق پر میاں محمد بخش کی پینٹنگ بنی ہوئی ہے۔ دوسرے صفحے پر بھی میاں محمد بخشؒ کی بلیک اینڈ وائٹ تصویر چھاپی گئی ہے۔ اس کے بعد والے صفحے کے اوپر تہذیب موٹے حروف میں لکھا ہوا ہے۔ اس کے نیچے شمارہ فروری تا مئی ۲۰۰۷ء درج ہے۔ اس سے نیچے ''رومی کشمیر حضرت میاں محمدؒ بخش'' کی صد سالہ تقریبات کے حوالے سے ''خصوصی اشاعت'' لکھا ہے۔ صفحے کے آخر میں کشمیر کلچرل اکیڈمی۔ ڈی ۶ اپر چھتر مظفرآباد، آزاد کشمیر لکھا ہوا ہے۔ فہرست کو ترتیب کا عنوان دے کر:

صفحات کے دائیں جانب ۳۰۳۰ بائیں جانب ۴۳ بالائی جانب ۱ اور زیریں جانب ۴۳ کا حاشیہ بنا ہوا ہے۔ اداریہ میں چیئرمین کشمیر کلچرل اکیڈمی نے بتایا ہے کہ ۲۰۰۷ء کو حضرت میاں محمد بخشؒ کے سال کے طور پر منا رہے ہیں۔ اس لیے اس شمارے میں میاں محمد بخشؒ کی سیرت اور فن پر لکھے گئے مضامین اور شاعری ہی چھاپی جائے گی۔

شمارے میں سید ضمیر جعفری کا مضمون ''زندگی کی دھوپ میں غنیم برگد کی چھاؤں'' بھی شامل ہے جس میں ضمیر جعفری نے بتایا ہے کہ میاں محمد بخشؒ کے صوفیانہ کلام سے ان کا اولین رشتہ عہد طفولیت میں ہی استوار ہو گیا تھا۔ جب ان کی والدہ رات کے پچھلے پہر چکی پیستے ہوئے میاں محمد بخشؒ کی ابیات گاتی تھیں ۔ پھر انھوں نے کلام میاں محمد بخشؒ کا منظوم اردو ترجمہ کر کے میاں صاحب کے اشعار کی بصیرت و دانش، سوز و گداز، لفظوں کی نغمگی اور شیرینی اور ان کی فکری عظمت کو اردو دان طبقے کے سامنے لایا ہے۔

ڈاکٹر غلام حسین اظہر کا مضمون ''میاں محمد اور اقبال'' رسالے کی زینت ہے۔ ڈاکٹر اظہر نے کلام اقبال کا میاں محمد بخشؒ کی مثنوی سے موازنہ کرنے کے بعد ثابت کیا ہے کہ دردمندی، دل سوزی، استقامت، جہد مسلسل، رزق حلال کا تصور، اخوت و مساوات کی پاسداری اور خود داری کا درس دونوں میں مشترک ہے اور کیوں نہ ہو۔ بقول ڈاکٹر غلام حسین اظہر:

> ''دونوں کے فکری سوتے بھی ایک ہی ہیں، عطارؒ، رومیؒ، سعدیؒ اور حافظؒ سے دونوں نے فیض اٹھایا ہے۔ دونوں نے سماجی اور معاشرتی حالات کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد ایک ہی نسخہ کیمیا تجویز کیا۔ میاں محمد نے اگر یہ کہا ہے:
>
> رستہ چھوڑ بنی دا ٹریاں کوئی نہیں منزل لگدا
>
> تو علامہ اقبال نے بھی اس امر پر ہی زور دیا ہے۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست

گر بہ او نرسیدی ہمہ بولہبی است ۶۸؎

اس شمارے کے صفحہ ۶۷ پر سید محمود آزاد کا مضمون ''سیف الملوک کا واقعاتی پس منظر'' ایک بلند پایہ ادبی اثاثہ ہے۔ سید محمود آزاد نے مختلف کتابوں کا حوالے دے کر ثابت کیا ہے کہ سیف الملوک کے دو مرکزی افسانوی کردار سیف الملوک اور بدیع الجمال کے پہلے خالق میاں صاحب نہیں بلکہ یہ قصہ سب سے پہلے ترکی زبان میں لکھا گیا۔ فارسی زبان میں پہلی مرتبہ اسے محمد عمر نامی شاعر نے مثنوی میں نظم کیا بعد میں ۱۶۲۵ء میں دکنی شاعر ملا غواصی نے اسے دکنی زبان میں مثنوی میں نظم کیا۔ ۱۸۲۸ء میں ابراہیم نے بنگالی زبان میں نظم کیا۔ پنجابی زبان میں سب سے پہلے مولانا لطف علی بہاولپوری نے مثنوی کی طرز میں برتا اور پھر بقول سید محمود آزاد:

> ''آخر میں یہ ناتراشیدہ ہیرا حضرت میاں محمد بخش کے ہاتھ لگا جنھوں نے اسے پنجابی شاعری کا کوہِ نور بنا دیا'' ۶۹؎

مضمون سید محمود آزاد کی بہترین ادبی و تحقیقی کاوش ہے۔

ڈاکٹر صابر آفاقی کا مضمون ''میاں محمد اور مولانا رومی'' مجلّے کو وقیع بناتا ہے۔ ڈاکٹر صابر آفاقی نے مولانا روم کی مثنوی معنوی اور میاں محمد بخش کی سیف الملوک کا موازنہ کر کے بتایا ہے کہ میاں محمد بخش کے خیالات پر مولانا روم کا گہرا اثر ہے۔

پروفیسر محمد جاوید اظہر نے اپنے مضمون ''میاں محمد بخش ایک صوفی، ایک شاعر'' میں سیف الملوک کے شعری محاسن کا جائزہ پیش کیا ہے۔ انھوں نے ان کے کلام کی خوبیوں مثلاً عجز و انکسار، سوز و گداز، اخلاقی تعلیم اور زندگی کے وسیع اثرات جدوجہد، محنت کا درس، شاعری اور قصہ گوئی کے لوازم، نظریہ وحدت الوجود اور عشق حقیقی پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ مضمون نگار کا طرزِ تحریر اور اندازِ بیاں شگفتہ اور پر تاثیر ہے۔

ان مضامین کے علاوہ ڈاکٹر نصر اللہ خان ناصر کا مضمون حضرت محمد بخش کے ''فکر و فن کا جمال و جلال'' ایک خوبصورت اور اچھوتی تخلیق ہے۔ وہ میاں صاحب کی سیف الملوک کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''مجاز اور حقیقت کے ہالے میں انھوں نے جمال و جلال کے رنگ بھر کر موضوعیت اور معروضیت کا حسن نکھارا'' ۷۰؎

انھوں نے مختلف مثالیں دے کر ثابت کیا ہے کہ کلام میاں محمد بخشؒ جلال و جمال کا حسین امتزاج ہے۔ حصہ شاعری میں جواد جعفری کا سیف الملوک کا منظوم اردو ترجمہ بھی موجود ہے جس میں فکرِ میاں محمد بخش کی اصل روح کو برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

باقی تمام شاعری قومی ترانوں پر محیط ہے۔ ان ترانوں میں سے بہترین ترانہ محمد سفیر قاضی کا ترانہ ہے۔ ترانے میں موسیقیت اور روانی ہے۔ کشمیر کی روایتی علامات دیودار اور چناروں کا استعمال کیا گیا ہے۔ ترانہ میں جوش اور ولولہ پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔

سید نذیر الدین قمر کا ترانہ حب الوطنی کے جذبات سے لبریز ہے۔ شاعر نے محاکات نگاری کے ذریعے کشمیر کے حسین مناظر آنکھوں کے سامنے لا کھڑے کیے ہیں۔ جیسے:

یہ سر سبز جنگل اور وادیاں
یہ ضامن امن کی آبادیاں
بہاریں ہر سو چھائی ہوئی
خوشبو ہوائیں لائی ہوئی اے

مجلّے میں کشمیر کلچرل اکیڈمی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے پروگراموں کی تصاویر بھی شائع ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ یوم یکجہتی کشمیر کے موقع پر منعقد ہونے والی تقریب میں جن اہل قلم حضرات کو آزاد حکومت اور کشمیر کلچرل اکیڈمی کے اشتراک سے کشمیر ایوارڈ دیئے گئے ان کی تصاویر بھی شائع کی گئی ہیں۔ آخری صفحہ پر میاں محمد بخش کے مزار کی تصویر چھاپی گئی ہے۔

مجلّے میں ۳۴۵ صفحہ پر یوم یکجہتی کشمیر کے موقع پر ہونے والے تقریب کی روئیداد درج ہے۔ جلسے کی تقریب کا حال نہایت دلچسپ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

تہذیب کا یہ خصوصی نمبر نہایت معلوماتی اور دلچسپ ہے۔ اس کو پڑھ کر میاں محمد بخش کی سیف الملوک کے اسلوب، انداز فکر، فنی وفکری خوبیوں سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ تمام مضامین معیاری ہیں۔ تہذیب نے میاں محمد بخش پر مضامین لکھوا کر اردو ادب میں ایک قیمتی اثاثے کا اضافہ کیا ہے۔

مجلّے میں صرف ایک پہاڑی نظم ''مہاڑی تہرتی سوہنی تہرتی'' شامل ہے۔ یہ نظم محمد فاروق جرال کی ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ دیکھئے:

ایہہ تہرتی شاہ ہمدان نی اے
ایتھے رحمت رب رحمان نی اے
اس نے منظر ہن پیارے پیارے
اس کی آکھن جنت سارے اے[۲]

ترانے میں رحمت رب رحمان، اے، اس، منظر، پیارے، جنت اور سارے اردو الفاظ ہیں۔ شاعر نے اردو الفاظ کو پہاڑی میں اس طرح سمویا ہے کہ اجنبیت کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ ادبی انجمنوں اور ان کے جریدوں کی کوششوں کے باعث آزاد کشمیر میں اردو کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ اس مقبولیت کا اثر پہاڑی تصانیف اور شاعری پر صاف نظر آتا ہے۔ پہاڑی کے تخلیق کار بے ساختہ اردو الفاظ اور تراکیب کو پہاڑی میں برت رہے ہیں۔ ان ادبی انجمنوں کے باعث پہاڑی کا دامن نئے الفاظ اور تراکیب کی بدولت وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ اردو اور پہاڑی کے درمیان لسانی روابط نے ان دونوں زبانوں کو آپس میں باندھ رکھا ہے۔

''مطلع''

ضلع باغ کی ادبی انجمن ''طلوع ادب'' نے اردو زبان کی ترویج و اشاعت کے لئے کی جانے والی کوششوں کو ایک مرکز فراہم کرنے کے لئے ادبی جریدے کے اجراء کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اراکین بزم کی اجتماعی کاوشوں کے نتیجے میں سہ ماہی جریدہ ''مطلع'' کو ستمبر ۲۰۰۱ء میں جاری کیا گیا۔

جریدے کے اغراض و مقاصد:

''۱۔ خطہ کشمیر بالخصوص باغ میں ادب و ثقافت کو فروغ دینا۔

۲۔ کشمیری ادباء و شعراء کی انفرادی سرگرمیوں کو اجتماعیت دینا۔

۳۔ جریدے کے ذریعے اہل قلم حضرات کی صلاحیتوں کی آبیاری کرنا۔

ضوابط درج ذیل ہیں:

- رسالہ سہ ماہی ہو گا۔ ہر تین ماہ بعد '' طلوع ادب'' باغ کی طرف سے شائع ہو گا۔
- قیمت فی شمارہ ۲۰ روپے ہو گی۔
- مستقل پرچہ جاری کرانے کے لئے ۸۵ روپے سالانہ پیشگی ادا کرنے ہوں گے۔
- ہر قسم کے مراسلات مجلے میں دیئے گئے پتے پر ارسال کرنے ہوں گے۔
- تحریر بھیجنے والے کے لئے ضروری ہے کہ تحریر صاف اور واضح الفاظ میں کاغذ کے ایک طرف لکھی ہوئی چاہیے۔
- اجرت اشتہارات کا صدر'' طلوع ادب'' سے کہا جائے گا۔
- تخلیق پہلے سے شائع شدہ نہ ہو'' ۳ے

رسالہ:

'' مطلع '' کا پہلا شمارہ ۸ x $\frac{1}{2}$۱۰ کی تقطیع کے بڑے صفحات پر شائع ہوا ہے۔ اس کے کل ۳۲ صفحات ہیں۔ سرورق اور آخری ورق صفحات کے نمبر سے مستثنیٰ ہیں۔ رسالے کے سرورق پر دو بلند پہاڑوں کے درمیان سے طلوع ہوتے ہوئے سورج کی تصویر بنی ہے۔ پہاڑوں کے اوپر صاف نیلا آسمان بنا ہے۔ جو رسالے کے نام سے مناسبت رکھتا ہے۔ سرورق کے اوپر دائیں طرف موٹے الفاظ میں مطلع لکھا ہے۔ اس کے نیچے سہ ماہی باغ آزاد کشمیر لکھا ہے۔ صفحہ نمبر ا پر دائیں طرف اوپر مطلع موٹے حرف میں لکھا ہے۔ نیچے سہ ماہی لکھا ہے۔ سامنے سر زمین باغ کا پہلا ادبی، تاریخی، ثقافتی اور ادبی تنظیم '' طلوع'' کا نمائندہ جریدہ اور اس سے نیچے ستمبر تا نومبر ۲۰۰۱ء والیم ا شمارہ نمبر ا درج ہے۔

پھر ادارت لکھا ہے۔ اس سے نیچے لکھا ہے:

مدیر اعلیٰ	:	پروفیسر محمد شفیق راجہ
مدیر	:	دلشاد احمد فراز
معاون	:	پروین رمضان
		شاہد جعفری

مجلس مشاورت:

پروفیسر محمد کبیر چغتائی پرنسپل پوسٹ گریجویٹ کالج باغ، پروفیسر نگار احمد پرنسپل کالج آف ایجوکیشن باغ، خواجہ غلام حسین وانی وائس پرنسپل ایلمنٹری کالج، پروفیسر محمد شفیق راجہ، پروفیسر خاور ندیم، غلام عباس بانڈے اس کے نیچے قیمت فی شمارہ، سالانہ خریداری اور خط وکتابت کا پتہ: ڈان بک ڈپو باغ آزاد کشمیر لکھا ہے۔

اس صفحہ پر دائیں طرف مجلّہ میں شامل مضامین کی فہرست ہے۔ انداز یوں ہے:

دامان مجلّہ میں

رسالے کے صفحات پر دائیں جانب ۱/۲، بائیں جانب ۱/۲، بالائی جانب ۳/۴ اور زیریں جانب ۳/۴ کا حاشیہ بنا ہوا ہے۔ ہر صفحے پر دو کالم ہیں اور ہر کالم میں ۲۸ سطریں ہیں۔ مجلّے میں پروفیسر شفیع الدین خان کا مضمون "مجید امجد۔ روایتی اسلوب سے نئی تخلیقی زبان تک" خاصے کی چیز ہے۔ مضمون نگار مجید امجد کی آزاد نظم کا موازنہ ن۔م راشد، میراجی، قیوم نظر اور مختار صدیقی کی آزاد نظم سے کرنے کے بعد ثابت کرتا ہے کہ مجید امجد کی آزاد نظم منفرد اور جاندار ہے۔حصہ شاعری میں غزلیات کی تعداد زیادہ ہے۔ غزلیات معیاری ہیں۔ محض الفاظ کا گورکھ دھندہ نہیں ہیں۔ غزلیات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باغ کے شاعر اپنے خیالات و احساسات کو خوش اسلوبی، ہنرمندی اور چابک دستی سے نظم کرنا جانتے ہیں۔ الفاظ کا چناؤ بھی احتیاط اور باریک بینی سے کیا گیا ہے۔ علمی و ادبی مراکز سے دور رہنے والوں کی اتنی عمدہ شاعری اس علاقے میں اردو کی مقبولیت اور اثر ورسوخ کا ثبوت ہے۔ رسالے میں شاعری کے جو نمونہ شامل کیے گئے ہیں ان میں آزر عسکری (مرحوم) کے چند اشعار بھی شامل ہیں۔ جن میں انگریزی الفاظ Hat اور پینٹ کو اس طرح سمویا ہے کہ الفاظ اجنبی محسوس نہیں ہوتے۔ مختلف شعراء نے اپنی غزلوں میں محاورات کو اس خوبصورتی سے برتا ہے کہ زبان و بیان کا لطف دوبالا ہو گیا ہے۔

جیسے مرزا زید اللہ فہیم کا شعر:

زباں زد خاص عام جن کی وفا شعاری رہی ہے برسوں
پڑی جو مشکل تو ہم نے دیکھا نظر چراتے ہیں لوگ اکثر ۴؎

اس شعر میں زبان زد خاص و عام ہونا اور نظر چرانا محاورے ہیں۔ ان دونوں محاوروں کے استعمال نے شعر میں معنوی گہرائی اور لطف پیدا کر دیا ہے۔

اسی طرح شفیق راجہ کی غزل کا شعر بھی صنعت ایراد المثل کی بہترین مثال ہے:

میں اپنی جان ہتھیلی پہ رکھ کے آؤں گا
تم اپنے دل سے عدو کو نکال کر رکھنا ۵؎

جان ہتھیلی پہ رکھنا بھی محاورہ ہے اس کے استعمال سے شاعر نے شعر کی تاثیر میں اضافہ کر دیا۔

نسیم چغتائی کی غزل کا شعر ملاحظہ ہو:

زندگی پہلے بھی ایسی ابتر نہ تھی
پر اب خوب سے خوب تر ہو گئی ۶؎

اس کے علاوہ تلمیحات اور صنعتوں کا استعمال بھی برمحل کیا گیا ہے۔ جس سے شعروں میں دلکشی پیدا ہو گئی ہے۔ ان تمام مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ کشمیری اہل قلم اردو زبان پر مکمل عبور رکھتے ہیں وہ نہ صرف الفاظ و تراکیب کو بلکہ محاورات کو بھی برمحل استعمال کرنا جانتے ہیں۔

پروفیسر چوہدری عبد الحق کا مضمون "بلا عنوان" دلچسپ اور مزاحیہ مضمون ہے۔ مضمون نگار نے مزاحیہ انداز میں گھریلو ملازمین کے مکر و فریب کا پردہ چاک کیا ہے۔ اس کے علاوہ مرغیوں کی اقسام کے حوالے سے بھی دلچسپ

انکشافات کیے ہیں۔

رسالے میں اشتہارات بھی ہیں لیکن ان کی بھرمار نہیں ہے۔ ۳۶ صفحات کے رسالے میں سے صرف ۳ صفحات اشتہارات کے لئے مخصوص ہیں۔ مجلّے میں استعمال ہونے والا کاغذ سستا ہے۔

"مطلع" مارچ تا مئی ۲۰۰۵

مجلّے کا دوسرا شمارہ ۷ x ۹½ کی تقطیع کے درمیانے سائز کے صفحات پر شائع ہوا ہے۔ اس کے کل ۴۴ صفحات ہیں۔ سرورق اور آخر ورق صفحات کے نمبر سے مستثنیٰ ہیں۔ رسالے کے سرورق پر ابر آلود آسمان، جنگل اور تہہ در تہہ بنے ہوئے کھیت ہیں۔ ان کھیتوں پر نمودار ہوتا سورج بنا ہے۔ سرورق پر بنا منظر کشمیر کے پہاڑی کھیتوں اور جنگلوں کا ہے۔ سرورق پر رسالے کا نام درج ہے۔ پہلے صفحہ پر دائیں طرف صفحہ کے اوپر مطلع موٹے حروف میں لکھا ہے۔ نیچے سہ ماہی مارچ تا مئی ۲۰۰۵ء جلد ۲ شمارہ نمبر ۱ درج ہے۔ اس کے بعد ادارت میں مدیر اعلیٰ اور مدیر کے نام جلد اول والے ہی ہیں۔ مگر معاون مدیران کے نام تبدیل کیے گئے ہیں۔ پروین رمضان اور شاہد جعفری کی بجائے بشیر چغتائی اور وجیہہ پروین کے نام لکھے گئے ہیں۔ مجلس مشاورت میں صرف عبد الحق مراد، وجاہت گردیزی، خاور ندیم، غلام حسین دانی اور سردار اشتیاق کے نام لکھے ہیں۔ خط و کتابت کا پتہ بھی تبدیل کر کے احمد بک کارنر رتن مارکیٹ باغ آزاد کشمیر درج ہے۔ ساتھ ہی رابطہ فون نمبر بھی درج ہے۔

اسی صفحے پر بائیں طرف لکھا ہے۔

غزلیات

شفیق راجہ، مرزا زید اللہ فہیم، عبد الرزاق بیکل، ڈاکٹر افتخار مغل، میر واحد اعجاز ہمدانی، ایاز عباسی، سید شہباز گردیزی، دلشاد احمد فراز، فرہاد علی، شیخ عمران جاوید، سید امجد گردیزی، شازیہ احمد گیلانی، سردار بشیر خان چغتائی، آسیہ نسیم افسر، نسیم چغتائی دھڑے، جمیل نجمی، زبیر حسن زبیری، ٹی آئی راشدی، راجا اشتیاق ساگر، محمد طارق کیانی، عبد الحق مراد، وجیہہ پروین، سید ممتاز کاظمی، نورین، ریحانہ نور احمد شاہ، حکیم محمد صدیق اور راجہ محمد صدیق خان۔

رسالے کے صفحات پر دائیں جانب ۲/۱، بائیں جانب ۲/۱، بالائی جانب ۲/۱ اور زیریں جانب ۲/۱ ۱ حاشیہ بنا ہوا ہے۔ اس شمارے میں'' ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا'' اور مسئلہ کشمیر'' ماضی حال اور مستقبل، ادبی مضمون نہیں۔ ان میں بلکہ سیاسی انداز سے مسئلہ کشمیر کو اجاگر کیا گیا ہے۔ ادب اور تدریس ادب کا جواز میں فاضل مصنف نے بتانے کی کوشش کی ہے کہ ادب کی تدریس کے کیا کیا فوائد ہیں۔ شمارے میں'' عبد الرزاق بیکل'' کے ساتھ ایک نشست میں بیکل کا انٹرویو چھاپا گیا ہے۔ جو ان کی شاعری، رجحانات اور مطمع نظر کو اجاگر کرتا ہے۔ مجلّے میں چھپی ہوئی شاعری عمدہ ہے اس کا ادبی معیار بھی بلند ہے۔ شاعری ثابت کرتی ہے کہ کشمیری شعراء کے پاس کہنے کا مواد ہی نہیں بلکہ انھیں الفاظ کو گرفت میں لینے اور اظہار کو زیادہ جاذب اور پرتاثیر بنانے کا فن بھی آتا ہے۔

اردو غزل نگاری کی خوبیاں مجلّے میں چھپی ہوئی تمام غزلیات میں موجود ہیں۔ غزل کی پہلی خوبی رمز وایمائیت ہے اور یہ جمیل نجمی کی غزل کے اس خوبصورت شعر میں موجود ہے:

خود کو محفوظ کیا تھا تیری آغوش میں سر رکھ کر
کیا خبر تھی تو ہی میرا قاتل ہو گا ۷۷

محسوس ہو رہا ہے کہ قاتل حسین تھا مقتول کے چہرے پر جو مسکان بہت ہے ۷۸

دوسری بڑی خوبی موسیقیت بھی ان غزلوں میں موجود ہے جیسے:

پیار کرو گے دکھ پاؤ گے
جیتے جی تم مر جاؤ گے ۸۰

اور بات بنتی نظر، نہیں آئی
رات کٹتی نظر، نہیں آتی ۸۱

غزلوں کی زبان سادہ اور لطیف ہے۔ شعراء نے عام الفاظ میں واردات قلبی اور ذاتی جذبات و احساسات کو شاعری میں بیان کیا ہے۔ ان غزلیات میں سے اکثر سہل ممتنع کی عمدہ مثالیں ہیں ان غزلوں کے اشعار میں مختلف صنعتوں کو بھی برتا گیا ہے جیسے اس شعر میں صنعت ترصیع ہے:

بات بنتی نظر نہیں آتی
رات کٹتی نظر نہیں آتی ۸۲

مجلّے میں اشتہارات ہیں۔ مگر ان کی تعداد کم ہے۔ اشتہارات میں عامیانہ تصاویر نہیں ہیں۔ بلکہ سکولوں اور ہسپتالوں کے بارے میں اشتہار زیادہ ہیں۔ جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ ادارہ کو اپنے رسالے کے معیار کا کتنا خیال ہے۔

''مطلع'' جون تا اگست ۲۰۰۵ء

مطلع کا تیسرا شمارہ ۸ x ۱۱ کی تقطیع کے بڑے سائز کے صفحات پر شائع ہوا ہے۔ کل ۴۳ صفحات ہیں۔ سرورق پر خصوصی اشاعت درج ہے۔ فہرست، قرآنی آیات اور حدیث مبارکہ والے صفحات نمبر شمار سے مستثنٰی ہیں۔ ہر صفحے پر تین کالم بنے ہیں۔ رسالے کے آخری تین صفحات جن پر اشتہارات چھاپے گئے ہیں نمبر شمار سے مستثنٰی ہیں۔

سرورق پر ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال باغ کی تصویر چھپی ہے۔ دوسرے صفحے پر دائیں طرف مطلع کا نام مع جلد ۲ شمارہ نمبر ۲ جون تا اگست ۲۰۰۵ء درج ہے۔ اس کے نیچے مجلس مشاورت درج ہے مجلس مشاورت میں جلد ۲ شمارہ ۱۰ میں خاور ندیم کا نام لکھا تھا مگر اس شمارہ میں عبدالرزاق بکل کا نام لکھا گیا ہے۔

نمائندگان (ان کی ترتیب اسی طرح ہے)

مظفرآباد : اعجاز نعمانی

باغ: زبیر حسن زبیری

میرپور: محمد اعجاز

راولاکوٹ: حمید کامران

کہوٹہ: اسلم ظفر

راولپنڈی: فرہاد شاہ

اسلام آباد: امجد گردیزی

خط و کتابت کا پتا شمار نمبر ا والا ہی ہے۔

صفحہ کے بائیں جانب اوپر مدیر اعلیٰ، مدیر اور معاون مدیران کے نام درج ہیں۔

مگر اس میں مدیر کا نام دلشاد اریب اور معاون مدیران میں سید شہباز گردیزی، بشیر چغتائی اور وجیہہ پروین کا نام لکھا ہے۔

شمارے میں ''باغ ہسپتال تاریخ کے آئینے میں'' سے لے کر تعمیر شخصیت یعنی گیارہ مضامین ادبی نہیں ہیں بلکہ یہ طب و امراض سے متعلق ہیں۔

''گنجا پن'' کے عنوان سے گنجا پن کی وجوہات کو مزاحیہ انداز سے بیان کیا ہے۔ مضمون کا مقصد تفریح مہیا کرنا ہے۔''غلام حسین وانی قمر کے ساتھ نشست'' میں غلام حسین وانی قمر کی شاعری، اسلوب بیان اور ان کے تحقیقی کام کے حوالے سے گفتگو ہے۔ جسے پڑھ کر وانی قمر کا ادب میں مقام متعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔

ڈاکٹر محمد صغیر کا مضمون ''مختلف اور منفرد'' مخلص وجدانی کی شاعری پر تنقید ہے۔ ڈاکٹر صغیر نے مخلص وجدانی کے شعری مجموعہ ''صلیبوں کا شہر'' سے مختلف اشعار بطور نمونہ لے کر ان پر تعمیری تنقید کی ہے۔ یہ مضمون پڑھ کر مخلص وجدانی کی شاعری کو سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے۔ وہ مخلص وجدانی کی شاعری کے حوالے سے کہتے ہیں۔

> ''مخلص محض غم جاناں کا قتیل نہیں بلکہ وہ اس قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے جو غم دوراں سہنے اور سجانے کا حوصلہ بھی رکھتے ہیں۔''[۸۴]

پھر انھوں نے مثال میں مخلص کے شعری مجموعہ ''صلیبوں کا شہر'' سے چند اشعار پیش کیے ہیں:

''کوئی منزل کا نشان بھی تو بتاؤ مجھ کو
تم کہاں لے کے چلے رہنماؤ مجھ کو

جو شب کے پہریداروں میں نہ کوئی غیر تھا مخلص
کھلا کیسے وہ دروازہ جو اندر سے مقفل تھا

موسم ہے سر کشی کا ہوا گردباد کی
لو چل رہی ہے تیز عدم اعتماد کی
پہرہ ہے گھر پہ رات کا لیکن فقیہہ شہر
تفسیر کر رہے ہیں ابھی اجتہاد کی ۸۴

اگرچہ مضمون مختصر ہے لیکن مضمون نگار نے مخلص وجدانی کی شاعری کی علامتوں، زبان و بیان اور فنی وفکری خوبیوں کو اس طرح بیان کیا ہے۔ گویا سمندر کو کوزے میں بند کر ڈالا ہے۔

''غزل اس نے چھیڑی'' میں مختلف شعراء کی غزلوں اور نظموں کو شامل کیا گیا ہے۔ شاعری پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے شعراء کو موضوع کے انتخاب پر مکمل دسترس حاصل ہے۔ اسی لئے وہ موضوع کے مطابق زبان، الفاظ اور تراکیب کا استعمال کرتے ہیں۔ مجلے میں پانچ صفحات شاعری کے لئے مختص کیے گئے ہیں۔ ساری شاعری ضلع باغ کے شعراء کی ہی ہے۔ ان شعراء نے جہاں موجودہ دور کے مسائل، دکھ اور پریشانیوں کو غزل کا موضوع بنایا ہے وہیں ان کے ہاں قدیم غزل کے مضمون بھی کثرت سے ملتے ہیں جیسے:

انجم بلال کاظمی کا شعر:

عمر ساری رہا میکدے میں مگر
تیرے آنے پہ جاناں خمار آئے گا ۸۵

نسیم چغتائی کا شعر روایتی گل و چمن اور حنائی ہاتھوں کا فسانہ ہے:

حنائی ہاتھ ہیں میرے جگر کے خون سے رنگیں
گل لالہ چمن میں شرمگیں معلوم ہوتا ہے ۸۶

اسی طرح طارق کیانی نے روایتی انداز کو اپناتے ہوئے محبوب کے لبوں کو گلاب اور بالوں کو رات سے تشبیہ دی ہے:

ان کی آنکھیں بھی بات کرتی ہیں
ان کے لب تو گلاب لگتے ہیں
بال کھولیں تو رات ہو جائے
مسکرائیں تو خواب لگتے ہیں ۸۷

اردو زبان دوسری زبانوں کے الفاظ کو اپنے اندر سمونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ مجلے میں شامل بعض شعراء نے اپنی غزلوں میں انگریزی اور عربی کے علاوہ پنجابی کے الفاظ کو بھی اس خوبی سے برتا ہے کہ ان کا استعمال طبعیت پر گراں نہیں گزرتا۔ ان الفاظ کے استعمال سے غزل کا لطف دو آتشہ ہو گیا ہے:

جیسے نسیم چغتائی نے پنجابی لفظ دوجا کا برمحل استعمال کیا ہے:

تصور بھی ترا بے حد حسین معلوم ہوتا ہے
حسین تجھ سا کوئی دوجا نہیں معلوم ہوتا ہے ۸۸

محمد بشارت تشنیط نے عربی الفاظ کن فکان کا استعمال کر کے اشعار میں گہرائی پیدا کر دی ہے۔

بے وجہ تو نہیں ہے کٹھن راستہ
کن سے ہوتا ہے فوراً فکان عشق میں ۸۹

عبدالحق مراد نے انگریزی الفاظ کا استعمال کر کے مزاح پیدا کیا ہے:

قدر ہے ڈاکٹر کی اور ڈسپنسر کی پہچانی
کہیں گر زہر پینے کو، وہی مشروب ہے ہم کو ۹۰

مجلّے کے صفحہ نمبر ۳۳ پر '' نثرانے'' ہیں۔ اس صنف سخن کے بھی نمونے عمدہ ہیں ۔ فرہاد شاہ، امجد گردیزی، راجہ محمد صدیق، محمد الیاس طائر اور حکیم صدیق نے نثرانے میں اپنی طبیعت کی جولانی خوب دکھائی ہے۔

'' شعر میں نے چنا'' میں مختلف شعرا کے کلام کا انتخاب چھاپا گیا ہے۔ جن شعرا کے کلام کا انتخاب چھاپا گیا ہے۔ ان میں احمد فراز، امجد اسلام امجد اور نوشی گیلانی (پاکستانی شعراء) شامل ہیں۔ کشمیری شعراء میں شفیق راجہ، میر واحد اعجاز ہمدانی، عبدالرزاق بیکل اور ڈاکٹر صابر آفاقی کا کلام منتخب کیا گیا ہے۔ غزلوں کا انتخاب کرتے ہوئے ان کے صوتی حسن، معنوی گہرائی، الفاظ کی ادائیگی، صنعتوں کا استعمال ، مضامین ، ندرت خیال، جدت ادا اور اثر انگیزی کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ تا کہ پڑھنے والے ادبی استحسان حاصل کر سکیں۔

پروفیسر خاور ندیم کا تحقیقی مضمون '' پہاڑی زبان ایک جائزہ'' دلچسپ اور معلوماتی ہے۔ انھوں نے مختلف حوالوں سے ثابت کیا کہ جب کشمیر پر بدھ مت کے پیروکار حکومت کرتے تھے تو انھوں نے سارے ہندوستان میں تبلیغ کرنے کے لئے سنسکرت کی بجائے پہاڑی زبان کو ذریعہ بنا مگر جب انقلاب زمانہ نے بدھوں کو زوال سے ہمکنار کیا تو پہاڑی بولنے والوں کی تعداد صرف کشمیر اور اس کے ملحقہ علاقوں تک ہی محدود ہو کر رہ گئی پھر مقالہ نگار نے پنجابی اور پہاڑی الفاظ درج کیے ہیں جو معمولی ردو بدل سے دونوں زبانوں میں بولے جاتے ہیں۔

'' پہاڑی الفاظ	پنجابی الفاظ	اردو الفاظ
اتھا	اتھے	یہاں
بچ	وچ	درمیان
کتھا	کتھے	کہاں
اتھا	اتھے	وہاں
رن	رن	بیوی
جتھا	جتھے	جہاں
اتا	اتے	اوپر'' ۹۱

'' یہ کیا ہوا'' میں بیکل کے شعری مجموعے کی تقریب رونمائی کی روئیداد تفصیلاً درج ہے۔

اور اس تقریب کے اختتام پر منعقد ہونے والے مشاعرے کی مختصر روئیداد بھی بیان کی گئی ہے۔ آخر میں '' نامے میرے نام کے'' کے عنوان سے مدیر کے نام ارسال کیے جانے والے خطوط کو چھپایا گیا ہے۔ خطوط مجلّے کی عوامی مقبولیت کا ثبوت ہیں۔

رسالے میں چار رنگین صفحات پر ڈسٹرکٹ ہسپتال باغ کے مختلف شعبہ جات کے تصاویر شائع کی گئی ہیں۔

جن کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باغ ہسپتال کا معیار کتنا بلند ہے۔ اس میں علاج کی بے شمار سہولتیں ہیں شعبہ امراض قلب میں جدید ترین مشینیں ہیں۔ اس کے علاوہ Diolysis کی سہولت بھی میسر ہے۔ مجموعی طور پر جریدے نے اردو ادب کے پرچار کا فریضہ بخوبی نبھایا ہے۔

رسالہ "باغ و بہار" (ریڑہ)

باغ کی ادبی انجمن "مہرادب" نے اپنے مقاصد کی ترجمانی کے لیے ادبی جریدے کے اجراء کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ انجمن نے اپنے منصوبے کو مکمل کرنے کے لیے ایک سہ ماہی جریدہ "باغ و بہار" کے نام سے اپریل ۲۰۰۷ء میں جاری کیا۔

<u>اغراض ومقاصد</u>

اس پرچہ کے مقاصد حسب ذیل ہیں۔

"

۱۔ اپنی تہذیب وثقافت کا تحفظ کرنا۔

۲۔ اُردو زبان کو اس کا اصل مقام دلوانا۔

۳۔ علمی واخلاقی مضامین چھاپنا۔

۴۔ انجمن "مہرادب" کی ادبی کارگزاریاں عوام کے سامنے لانا۔

۵۔ آزاد کشمیر کے اہل قلم حضرات کی تحریروں کو منصہ شہود پر لانا۔

رسالہ کے ضوابط حسب ذیل ہیں۔

۱۔ رسالہ سہ ماہی ہوگا۔ ہر تین ماہ بعد "مہرادب" ریڑہ سے شائع ہوگا۔

۲۔ عام قیمت ۳۰ روپے ہوگی۔ وہ رقم جو رسالہ کے صرف سے بچے گی اس کو انجمن لائبریری کے قیام پر خرچ کرے گی۔

۳۔ ہر قسم کے مراسلات بنام معتمد "مہرادب" ریڑہ باغ یا دفتر روزنامہ خبریں مسجد روڈ ریڑہ باغ آزاد کشمیر کے پتا پر ارسال کرنے چاہیں۔

۴۔ قیمت بھیجنے والے اصحاب کو چاہیے کہ علیحدہ اپنا پورا اور صاف پتا تحریر کریں ورنہ سید وغیرہ پہنچنے کی انجمن ذمہ دار نہ ہوگی۔

۵۔ جو حضرات مستقل پرچہ جاری کرانا چاہیں۔ انہیں پرچہ بذریعہ وی پی ارسال کیا جائے گا اور ایسے خریدار ۱۲۰ روپے اندرونِ ملک اور ۱۵ ڈالر بیرونِ ملک سالانہ قیمت پیشگی ادا کرنے کے ذمہ دار ہوں گے۔

۶۔ اجرت اشتہارات کا فیصلہ بذریعہ مراسلت مہتمم "مہرادب" ریڑہ اور مدیر اعلیٰ "باغ و بہار" سے ہوگا۔" ۹۲

رسالہ:

''باغ بہار'' رسالہ ۸ x ۴/۳ ۱۰ کی تقطیع کے بڑے صفحات پر شائع ہوتا ہے۔کل ۴۸صفحات ہیں۔سرورق اور آخری ورق صفحات کے نمبر سے مستثنیٰ ہیں۔رسالے کا سرورق خوبصورت تصویر سے مزین ہے۔یہ تصویر ریٹرہ کی ہے۔سرورق کے اوپر کی طرف سرزمین ریٹرہ کا پہلا علمی،ادبی،تاریخی وسماجی مجلّہ کے الفاظ درج ہیں۔

اس سے نیچے گلوب بنا ہے جس پر سہ ماہی باغ وبہار ریٹرہ درج ہے گلوب کے نیچے اپریل تاجون ۲۰۰۷ء لکھا ہے۔

صفحات کے دائیں جانب ۴/۱ بائیں جانب ۴/۳ ۱ بالائی جانب ۴/۱ اور زیریں طرف ۴/۱ کا حاشیہ بنا ہوا ہے۔

سرورق کے بعد صفحہ نمبر۱پر دائیں جانب رسالے کا نام ''باغ وبہار'' اس سے نیچے جلد نمبر۱ شمارہ نمبر۱ اپریل تاجون ۲۰۰۷ء درج ہے پھر مجلس ادارت موٹے الفاظ میں لکھا ہے۔

مجلس ادارت میں لکھا ہے۔

نقیب اعلیٰ:	حافظ محمد انور ستاوی
مدیر اعلیٰ:	محمد بشارت تشیط
مدیران:	محمد تقویم طائر،سید عمران حمید گیلانی
معاون مدیران:	شفیق اے کمالؔ
	فیاض نور کسانہؔ
	خالد اقبال سحرؔ
مجلس مشاورت:	پروفیسر جعفر حسین شاہ گیلانی
	پروفیسر دلشاد اریبؔ
	عرفان دانش
	عدالت ماگرےؔ
	ارم بلوچ
	پروفیسر یونس صدیقی
	اشفاق احمد شادؔ
	سید یاور عباس شاہ
	رفاقت عاجز

نمائندگان:

باغ:	شہباز گردیزی،ڈاکٹر عبدالحفیظ راجہ
مظفرآباد:	اعجاز نعمانی،نوید انجم
فارورڈ کہوٹہ	اسلم گیلانی،اسلم ظفر
چکار:	شکیل احمد
نیلم:	طارق مقبول خواجہ،خلیل الرحمان انجم

لاہور: عامر صدیق

کوئٹہ: نوید انجم، عرفان رزاق

کراچی: راجہ اشتیاق، حنیف مغل

راولپنڈی: عاصم سلیم بٹ، رانا ظفر

میرپور: ابرار مغل، ارشد مغل

اسی صفحے کے دائیں جانب رسالے میں شائع ہونے والے مضامین کی فہرست اس طرح ہے۔

عنوان	مضمون نگار	صفحہ
حمد ونعت	محمد بشارت تخلیط واحمد ندیم قاسمی	۲
اداریہ		۳
باغ و بہار	دلشاد اریب	۴
عصری ادب ارتقائی تعریف کی ضرورت	حافظ انور سماوی	۶
ریڈیو کی تاریخی حیثیت	سید عمران گیلانی	۸
عورت کو اسلام نے معراج بخشی	اکسیر کنول	۱۰
تذکرہ امام العصر	مولانا رشید احمد	۱۱
یادرفتگان	مسز شفیق اے کمال	۱۲
ہم بھی انتظار میں ہیں	یاور عباس شاہ	۱۳
اُردو شاعری میں طنز و مزاح	یونس صدیقی	۱۵
معاشرے میں عورت کا اصل مقام	مریم فاطمہ	۱۸
مجھے ہسپتال جانا چاہیے	راجہ محمد صدیق	۱۹
ہم سناتے جو کوئی درد ہمارا سنتا	خالد کھوکھر	۲۰
کفن	منشی پریم چند	۲۳
آگہی	خرم ناز کشمیری	۲۷
بات سے بات	عرفان دانش	۲۹
تعلیم کے ساتھ تربیت	شمیم اعظم	۳۱
مہرادب ایک جائزہ	تقویم طائر	۳۲
جہاں سخن		۳۴
ڈیپریشن	حکیم محمد اخلاص	۳۶

ہر صفحے پر دو کالم ہیں اور ہر کالم میں ۲۵ سطریں ہیں۔رسالے میں ''ہم سناتے جو کوئی درد ہمارا سنتا'' زلزلے کے حوالے سے لرزہ خیز مبنی بر حقیقت کہانی ہے۔''اُردو شاعری میں طنز و مزاح'' ایک تحقیقی مضمون ہے۔

صاحب مضمون نے مختلف شعراء کی مزاحیہ شاعری سے مثالیں دیتے ہوئے بتایا ہے کہ احساس مزاح کا مقصد یہ ہے کہ:

''وہ انسان کی بے مہار آرزوؤں منہ زور امنگوں اور پراسرار خوابوں پر متبسم انداز سے تنقید کرے اور اسے حقائق کی دنیا میں لاکر آباد کرے۔ احساس مزاح کا ایک روشن پہلو یہ بھی ہے کہ اس کی موجودگی معاشرے کی بنیادوں کو مستحکم کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ طنز جہاں کسی ناسورزدہ معاشرے کے لیے ایک ایسے نشتر کا کام کرتا ہے جو اس کے جملہ ناسوروں سے گندے مواد کو کاٹ باہر کرے وہاں دوسری طرف مزاح افراد کو ہنسنے اور ہنسانے کے ذریعے باہم مربوط ہونے کی ترغیب دیتا ہے''۔۹۳

حافظ محمد انور سماوی کا مضمون ''عصری ادب'' ارتقائی تعریف کی ضرورت'' معلوماتی ہے انہوں نے ادب کے لغاتی مفاہیم تلاش کر کے بتایا ہے کہ:

''ادب کی اجمالی سی تعریف یہ ہے کہ''ادب'' حسن حکمت تمام، حسن کلامِ تمام کو ''شیریں وسحرکار'' الفاظ کا جامہ پہنا کر''حسن اسلوب تمام'' کے رواں اور نیلگوں پانیوں میں نہلا کر اور حسن ترتیب کے عطر سے بھگو بھگو کر قلوب عالم واذہان عالم ''پرساون'' کی دھاروں کی مانند نظم در نظم اتارنے کا نام ہے۔'' ۹۴

مضمون نگار نے مضمون میں برمحل فارسی الفاظ وتراکیب کا استعمال کیا ہے۔ادب کے مفاہیم کی یہ بحث ادب کے طالب علم کے لیے ایک قیمتی سرمایہ ہے۔

رسالے میں شامل نثر عمدہ ہے۔نثر کی زبان سادہ اور رواں ہے۔رسالے میں کتابت کی غلطیاں نہیں ہیں۔مضامین میں اشعار موقع کی مناسبت سے استعمال کیے گئے ہیں۔

منشی پریم چند کا معروف افسانہ''کفن'' بھی رسالے کی زینت ہے۔کفن ایک ایسا افسانہ ہے جو پڑھنے والے کو ہر بار نیا لطف دیتا ہے۔

جہاں سخن کا گوشہ شاعری کے لئے مخصوص ہے۔جس میں مقامی وریاستی شعراء کے علاوہ پاکستانی شعراء کی شاعری بھی شامل کی گئی ہے۔مقامی شعراء میں شفیق اے کمالؔ،عدالت ماگرےؔ،الیاس طاہرؔ،کاتب اعوانؔ،یونس صدیقیؔ،تبریز شمسیؔ،فیاض نورکسانہ،بشیر چغتائیؔ،زبیر حسن زبیریؔ،میرواحد اعجاز ہمدانی،خواجہ نصیرالدین بابرؔ۔

آمنہ بہاررونا،ؔ ظل ہماؔ، شہباز گردیزی، احمد عطااللہ، شفیق راجہ، حافظ انور سماویؔ، ڈاکٹر افتخار مغل، محمد اسلم راجہ،اشفاق احمد شادؔ،اختر رضا سلیمیؔ،احمد حسین مجاہد،اسلم انصاری،محمد تقویم طاہرؔ،ظفر جمیل ساقی اور محمد بشارت تشنہؔ۔

مجلّے میں شامل شعراء کی شاعری میں اُردو شاعری کے روایتی مضامین حسن وشباب کے تذکرے، معشوق کی بے رخی،شب ہجر اور سوز وگداز وغیرہ زیادہ ہیں۔

الیاس طاہر کی غزل سراپا عشقیہ غزل ہے جس میں محبوب کی جدائی میں عاشق کی حالت زار کو مختلف طریقوں سے ثابت کیا ہے:

مجھے پھر جدائی ستانے لگی ہے
تیری یاد مجھ کو جو آنے لگی ہے
بھنور میں ہے کشتی میری زندگی کی
مگر اس کو قسمت گنوانے لگی ہے ۹۵

محبوب کے تیرِ ستم سے گھائل ہونا اُردو شاعری کی قدیم ریت ہے۔اس کو لطیف حسین صمیم کے انداز میں دیکھیے:

میٹھی نظروں سے مجھے دیکھا تو گھائل کر دیا
کیا عجب تیرِ ستم ہے کیا عجب بے داد ہے ۹۶

رسالے میں شامل شاعری شعراء کے وسیع مطالعہ اور ذخیرہ الفاظ کی وسعت کی عکاس ہے۔شاعری کا انتخاب مدیران رسالہ کی سخن فہمی کی دلیل ہے کوئی بھی غزل/نظم عامیانہ نہیں ہے۔اُردو شاعری کے علاوہ گوجری اور کشمیری شاعری کے نمونے بھی شامل ہیں۔

حصہ شاعری میں حافظ انور سماوی کا مرثیہ ادبی لحاظ سے معیاری ہے۔انہوں نے مرثیہ غزل کی ہیئت میں لکھا ہے۔مگر اس میں اُردو مرثیے کی خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں۔اسے پڑھ کر غم والم کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ مرثیہ سات اشعار پر مشتمل ہے جس میں زلزلے کے واقعات کو تسلسل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس میں اثر آفرینی ہے زلزلے کی تباہی کی تصویر کشی بھی کسی حد تک موجود ہے۔شاعر نے تشبیہ واستعارہ کی مدد سے زلزلے میں مرنے والے نونہالان وطن کی یاد میں آنسو بہاتے ہوئے اپنے دردِ دل اور دکھی جذبات کا اظہار کیا ہے نمونہ کلام دیکھیے:

شگوفے، غنچے، کلیاں، اور بہارِ صحنِ چمن
پل بھر میں لٹ گئے کہکشاں جنت حسین ۹۷

مجلّے کے صفحہ ۴۴ پر دو پہاڑی نظمیں موجود ہیں۔پہلی نظم کا عنوان ''پہاڑی ترانہ'' ہے جو یونس خان رضا کی لکھی ہوئی ہے نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

لاہور پہنچی مرشد اپنے ملساں تے سہی
چڑیا گھروی گیساں نالے سیر سپاٹے دی
چل چھوڑ رہنا اتھیں اے جتھیں پیار محبت نال ہووے
چل چلیے راولاکوٹ چھوڑی ہن لاہور، پنڈی، مظفر آباد، مری ۹۸

اس نظم میں استعمال کیے گئے الفاظ پہنچی مرشد اپنے سہی، چڑیا گھر سیر سپاٹے اُردو الفاظ ہیں جنھیں شاعر نے پرکاری سے برتا ہے۔اس صفحہ پر ''ضمیر ذوق ماگرے'' کی پہاڑی غزل چھپی ہے۔اس کے چند اشعار دیکھیے:

نہ او رات سہانی رہئی
نہ ہن ساڑی جوانی رہئی

اج سفیدی پھری نہ یاد آیا
اے زندگی ہمیشہ فانی رہئی ۹۹

اس غزل میں بھی رات، سہانی، جوانی، سفیدی، یاد آیا، اے زندگی، ہمیشہ اور فانی اُردو الفاظ ہیں جن کے لاشعوری استعمال سے شاعر نے غزل میں شیرینی اور مٹھاس پیدا کر دی ہے۔

اُردو اور پہاڑی کے گہرے لسانی روابط ہیں۔ریاست جموں وکشمیر میں پینتیس سے چالیس لاکھ لوگ پہاڑی بولتے ہیں۔ریاست کی دوسری زبانوں کشمیری، ڈوگری اور گوجری کی نسبت خطے کے ہر کونے میں پہاڑی بولنے والے

لوگ آباد ہیں۔اُردو اور پہاڑی کی کئی مشترک قدروں میں سب سے اہم اورنمایاں ان کارسم الخط ہے۔پہاڑی کی تمام آوازوں کے لیے بھی وہی علامات یا حروف استعمال ہوتے ہیں۔جن پراُردو رسم الخط کی عمارت کھڑی ہوئی ہے اُردو اور پہاڑی الفاظ کی مماثلت دونوں زبانوں کے آریائی تعلق کی غماد ہے۔کیونکہ ڈاکٹر سلیم اختر کی رائے میں:

''اُردو آریائی ہندوستان کے تمام شہروں میں پیدا ہوئی۔اس کی لفظی ساخت یکساں تھی اور اس کے ذخیرہ الفاظ میں مقامی بولیوں کی آمیزش تھی۔'' ۱۰۰

اسی طرح پہاڑی بھی اُردو کی ہی نسل سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ کھاشہ قبائل برصغیر میں وارد ہونے والے آریاؤں کاوہ گروہ ہے جو اپنے اصل وطن مشرقی یورپ اور وسط ایشیا سے ہجرت کرنے کے بعدصدیوں مشرقی ایران میں قیام پذیر رہا اور۱۵۰۰قبل مسیح یااس سے کچھ پہلے ہندوکش کے جنوب میں گلگت بلتستان اورکشمیر میں آبسا۔گریرسن نے کھاشہ قبائل کی زبان کوسنسکرت سے قریب اورایرانی سے ہم آہنگ بتایا ہے۔۱۰۱

تحقیق سے تو یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ پہاڑی اور اُردو کے بیشتر الفاظ مشترک ہیں لیکن آزادکشمیر کی پہاڑی میں اُردو الفاظ کو برتنے کا سلیقہ ادبی انجمنوں کے مرہون منت ہے۔ادبی انجمنوں کے زیراہتمام منعقد ہونے والے مشاعرے اُردوزبان میں ہوتے ہیں جنہیں عام لوگوں کو بھی سننے کی اجازت ہوتی ہے۔ عام لوگ ان مشاعروں سے متاثر ہوکراشعار کوگفتگو کے دوران اپنی مادری زبان میں استعمال کرتے ہیں جس کے باعث غیرمحسوس طریقے سے اُردو کے الفاظ پہاڑی میں شامل ہو رہے ہیں اس کے علاوہ ان مشاعروں میں مسلسل شرکت کرتے والے عام اورتعلیم یافتہ حضرات کاپہاڑی لب ولہجہ بھی اُردو جیساہوگیا ہے۔میاں کریم اللہ قریشی کرناہی اُردو اور پہاڑی الفاظ کی صوتی یکسانیت کے بارے میں کہتے ہیں:

''یہ بات حقیقت کے قریب تر ہے کہ پہاڑی اور اُردو کے مصوتوں کی تعداد اورحیثیت تقریباً یکساں ہے۔'' ۱۰۲

مصوتہ وہ کلامی آواز جو مُنھ میں کسی جگہ رکے بغیر باہرنکل آئے۔۱۰۳

انجمنوں کے اراکین کے علاوہ بھی آزادکشمیر کے جوتخلیق کار پہاڑی میں ادب تخلیق کررہے ہیں وہ بھی نادانستہ طور پرپہاڑی میں اُردو الفاظ کوسموکر انہیں پہاڑی کاحصہ بنا کرپہاڑی میں شیرینی اورمٹھاس پیداکررہے ہیں۔

رسالہ معیاری ہے شاعری اورنثر دونوں میں زبان دانی کالطف برقرار ہے۔مجلّے کی زبان رواں اورشستہ ہے۔اُردو الفاظ کے ساتھ ساتھ ہندی اورفارسی الفاظ کابھی برمحل استعمال اس طرح کیا گیا ہے کہ وہ الفاظ اجنبی محسوس نہیں ہوتے شاعری میں موقع کی مناسبت سے کہاوتیں اورمحاورے بھی خوبی سے استعمال کیے گئے ہیں۔رسالے کے معیار کودیکھتے ہوئے کہاجاسکتا ہے کہ آنے والے دنوں میں اس کاادبی معیار مزید بلندہوگا اوراس کے لکھنے والوں کے اشہب قلم میں مزید جولانی پیداہوگی۔

آزاد کشمیر میں جرائد کی اردو خدمات

اردو رسائل و جرائد نے اردو زبان کی ترویج و ترقی، فروغ اور اشاعت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ کسی بھی زبان کے جرائد رسائل اس ملک اور قوم کی تہذیب وثقافت، طرز فکر، علم و ادب اور تعلیم و تربیت کے عکاس ہوئے ہیں۔ برصغیر میں انیسویں صدی سے ہی اردو زبان میں رسائل جرائد کا وجود ملتا ہے۔ تقسیم برصغیر کے بعد آزادکشمیر میں بھی اُردو اخبارات کے ساتھ ساتھ رسائل و جرائد کا آغاز بھی ہوا۔ ان میں سے اکثر ادبی جرائد نہیں ہیں۔ لیکن جہاں ان اُردو رسائل و جرائد نے تحریک آزادی کو مہمیز لگائی وہیں اُردو زبان و ادب کے فروغ میں بھی جاندار کردار ادا کیا ہے۔ جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

ماہنامہ "عزیمت" مظفرآباد

عزیمت پہلا باقاعدہ مجلّہ ہے۔ جو محکمہ اوقاف آزادحکومت ریاست جموں وکشمیر کی سرپرستی میں چھپتا رہا۔ اس کے صفحات کا حجم ۱۰۰ کے اگ بھگ رہا ہے۔ یہ ریاست جموں وکشمیر کی آزادی اور الحاق کا علمبردار رہا ہے اس مجلّہ نے آزادکشمیر میں تحریر وتقریر کے فروغ اور تحریک آزادی کشمیر میں اہم کردار ادا کیا۔ سید محمود آزاد(مصنف تاریخ کشمیر) اس کے بانی مدیر تھے انہوں نے اس کی تمام اشاعتوں کو ترتیب بھی دیا۔ اس کا پہلا مقصد تحریک آزادی کشمیر کو عالمی سطح پر حق خودارادیت کے حصول کے لئے منظم اور فعال کرنا تھا اور دوسرا مقصد مسلم کانفرنسی حکومتوں کے کارناموں اور کاوشوں کو بھی بیان کرنا تھا۔ لیکن اس کی اشاعتوں کے متنوع موضوعات نے آزادی کشمیر میں اُردو زبان و ادب کے فروغ میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ آزادکشمیر کے معروف اہل قلم حضرات نے عزیمت میں لکھا ہے۔ تاریخی شخصیات کی تخلیقات اور تاریخی مضامین بھی اس مجلّے میں شائع ہوئے ہیں۔ امجد اسلام امجد کے مضمون "اقبال اور اکیسویں صدی" کی چند سطور درج ذیل ہیں:

> "یوں تو ہر بڑا شاعر "عندلیب گلشن ناآفریدہ ہوتا ہے۔ کہ اس کے ذہن کازماں، اس کے جسم کے زماں و مکاں سے جدا، مختلف اور آگے ہوتا ہے عام طور پر شعراء کے ہاں یہ فرق ایک تجریدی انداز اور حال میں رونما ہوتا ہے لیکن اقبال کا کمال یہ ہے کہ ان کی شاعری بیک وقت نہ صرف ماضی، حال اور مستقبل کے تینوں ایوانوں میں گونجی ہے بلکہ وہ مستقبل میں رونما ہونے والے تغیرات کو اتنی وضاحت، صراحت اور جزئیات کے ساتھ دیکھتے ہیں اور دکھاتے ہیں۔ جیسے یہ سب کچھ کسی گزرتے ہوئے وقت کا حصہ ہو۔ اقبال کی آنکھیں تو بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں بند ہوگئیں لیکن ان کی رسائی آنے والے وقتوں کے لئے کچھ ایسی تھی کہ آج اس صدی کے آخری برسوں میں بھی وہ ہمارے اردگرد پھیلے ہوئے حالات پر تبصرہ کرتے

نظر آتے ہیں ۵۰۴

اس میں سیاست، مذہب اور آزادی کشمیر کے موضوعات کے پر مضامین چھپتے تھے۔ برصغیر کے مسلمان حکمرانوں کی تاریخ اور مذہبی کارنامے بھی اس کا موضوع رہے ہیں۔ جس سے اردو زبان کے علاوہ تاریخ کا طالب علم بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ سید محمود آزاد کا مضمون "فتاویٰ عالمگیر" جو عزیمت کے شمارہ نمبر ۱۹۸۹ء میں چھپا تھا۔ اس کی چند سطور اس طرح ہیں:

> "ہندوستان میں اورنگزیب عالمگیر کا عہد اس لحاظ سے ایک یادگار عہد کہلاتا ہے کہ اس عظیم المرتبت مسلمان بادشاہ نے لاکھ جنگی مصروفیات اور اندرونی شورشوں کے باوجود اپنی توجہ دین اسلام کے تحفظ کی طرف مبذول رکھی اور اپنی نگرانی میں "فتاویٰ عالمگیریہ ہندیہ" ایسی نادر الوجود کتاب مرتب کرائی۔ جسے فقہ حنفیہ پر ایک سند کا درجہ حاصل ہے اور جس کی شہرت عرب وعجم میں یکساں ہے۔" ۵۰۵

عزیمت کے مختلف پرچوں میں چھپنے والے مقالات اور مضامین کے متنوع موضوعات کا اندازہ چند شماروں سے اخذ شدہ عنوانات سے لگایا جا سکتا ہے۔

صرف کشمیر کے عنوانات پر لکھنے والوں کے نام یہ ہیں:

	عنوان	مصنف	شمارہ نمبر
ا۔	پاکستان مسئلہ کشمیر کو کبھی فراموش نہیں کرسکتا	نیاز اے نائیک	عزیمت فروری ۱۹۸۹ء
۲۔	مقبوضہ کشمیر میں بھارتی مظالم	شہاب ثاقب	عزیمت نومبر ۱۹۹۲ء
۳۔	۲۴ اکتوبر تحریک آزادی کشمیر	جواد جعفری	عزیمت نومبر ۱۹۹۲ء
۴۔	کشمیریوں کی جدوجہد آزادی	ص۔م	عزیمت اپریل ۱۹۹۳ء
۵۔	کشمیر مسلمانوں کے عہد میں	پروفیسر علم الدین سالک	عزیمت اپریل ۱۹۹۳ء
۶۔	کشمیر لہولہان	ڈاکٹر الطاف حسین	عزیمت اپریل ۱۹۹۳ء
۷۔	مسئلہ کشمیر کا حل اقوام متحدہ کی قراردادیں	ایڈیٹر	عزیمت اپریل ۱۹۹۳ء
۸۔	خود مختار کشمیر۔ بڑی طاقتوں کا منصوبہ	ایڈیٹر	عزیمت اپریل ۱۹۹۳ء
۹۔	کشمیر جنت نظیر	الیاس مرزا	عزیمت اپریل ۱۹۹۳ء
۱۰۔	مقبوضہ کشمیر میں بھارتی مظالم	شہاب ثاقب	عزیمت اپریل ۱۹۹۳ء
۱۱۔	کشمیر آہوں اور سسکیوں میں ڈوب چکا ہے	ابو آصف جیلانی	عزیمت جولائی ۱۹۹۳ء
۱۲۔	مقبوضہ کشمیر میں بھارتی مظالم کی رپورٹ	کشمیر پریس انٹرنیشنل	۱۱ نومبر ۱۹۹۴ء
۱۳۔	نیلہ بٹ تحریک آزاد کشمیر کا جائزہ	اشفاق ہاشمی	اگست ۱۹۹۴ء

ماہنامہ "کشمیر ٹوڈے" مظفرآباد

کشمیر لبریشن سیل مظفرآباد کی پرستی میں چھپتا رہا جس کی مجلس مشاورت میں میجر جنرل (ریٹائرڈ) طارق نظامی اور مجلس ادارت میں میاں کریم اللہ قریشی شامل ہیں۔ یہ ایک مختصر کتابچہ ہے اس مجلّہ میں تحریک آزادی کشمیر کے حوالے سے اقدامات اور تازہ ترین صورت حال بیان ہوتی ہے۔ اس میں مختلف اخبارات کے حوالے سے بھی اطلاعات اور تجزیوں کو شامل کیا جاتا ہے۔تحریک آزادی کے حوالے سے ایک اہم میگزین ہے۔ اس کا بنیادی مقصد تحریک آزادی کشمیر کو عالمی سطح پر اجاگر کرنا تھا۔ یہ اپنے بنیادی مقصد کے ساتھ ساتھ اُردو زبان و ادب کے فروغ کا سبب بن رہا ہے۔

ماہنامہ "مجاہد" کوٹلی

سید ابرار گردیزی کی ادارت میں ۱۹۹۲ء میں اس کا اجرا ہوا۔ اس کا بڑا مقصد نوجوانوں میں کم عمری سے تحریک آزادی کشمیر کے تصور کو اجاگر کرنا اور جہاد کشمیر کے لیے ذہنی طور پر تیار کرنا ہے۔ نوجوانوں میں حصول علم کا جذبہ بھی پیدا کیا جاتا ہے۔

پندرہ روزہ "جہاد کشمیر" مظفرآباد/راولپنڈی

اس کے مدیر عبدالہادی احد ہیں۔ یہ جریدہ اپریل ۱۹۹۱ء میں جاری ہوا۔ اس میں شہداء کی قربانیوں اور مجاہدین کے کارناموں کا ذکر ہوتا ہے۔ اس مجلّہ کے ذریعے دنیا کو جہاد کی فضیلت سے روشناس کرایا جاتا ہے۔ ۔ یہ رسالہ جماعت اسلامی کے پلیٹ فارم سے جاری ہوا۔اس نے اپنے مقاصد کے ساتھ ساتھ اردو زبان و ادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔

ماہنامہ "عروج" مظفرآباد

اس کے بانی ایڈیٹر افتخار حسین مغل اور سرپرست مشتاق وانی (مرحوم) تھے۔ یہ مجلّہ آل پارٹیز حریت کانفرنس کا ترجمان تھا۔ اس کے ۸۴ صفحات اردو اور ۲۴ صفحات انگریزی کے لیے مختص تھے۔ یہ جریدہ بین الاقوامی معیار کا تھا۔ اس میں حریت کانفرنس کے کارناموں کا ذکر ہوتا تھا۔ اس کے ذریعے حریت لیڈروں کے بیانات کو موثر انداز سے عوام تک پہنچایا جاتا تھا۔جس سے اُردو زبان کی ترویج و اشاعت میں مدد ملتی تھی۔

ماہنامہ بصیرت راولاکوٹ/راولپنڈی

بصیرت کا اجراء ۱۸ جنوری ۱۹۷۸ء کو ہوا۔سید بشیر حسین جعفری اس کے ایڈیٹر ہیں۔جنہوں نے جہاد آزادی کشمیر اور مختلف موضوعات پر پاکستان کے تمام رسائل وجرائد میں بے شمار مضامین لکھے ہیں وہ ایک مایہ ناز اہل قلم ہیں۔اس ماہنامہ میں آزاد کشمیر کی تعلیمی ،سماجی اور عمومی زندگی پر مضامین ،خبریں،تبصرے اور تاثرات شائع ہوتے رہے ہیں۔یہ مجلّہ

۱۹۹۲ء تک باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا ہے۔بعدازاں ایڈیٹر کی خرابی صحت اور مالی مجبوریوں کے باعث بند ہوگیا۔چودہ برس کی اشاعت کے دوران اس کا ادبی صفحہ تسلسل سے جاری رہا۔اس میں شاعری افسانے اور سفرنامے چھپتے رہے ہیں۔

سہ ماہی ''اقراء'' مظفرآباد

یہ جمعیت اساتذہ جموں وکشمیر کا مجلہ ہے۔اس کے نگران اعلیٰ مولانا پروفیسر عبدالرزاق ہیں ''اقراء'' کے اجراء کے درج ذیل مقاصد ہیں:

- اساتذہ کو ایک مرکز پر جمع کرنا۔
- ان کے حقوق کی حفاظت کرنا۔
- اساتذہ کی ذہنی وفکری تربیت کرنا۔
- اساتذہ کی دینی اور تعمیری سوچ کو اجاگر کرنا۔
- اساتذہ میں سوشلزم اور سرمایہ دارانہ سوچ کو ختم کرنا۔
- اساتذہ میں تحریر وتقریر کا جذبہ پیدا کرنا۔
- اساتذہ کو قرآن وحدیث کے علوم سے واقف کرنا۔

رسالے کی کوششوں کے ذریعے اساتذہ میں مثبت سوچ پیدا ہوئی اس نے اساتذہ کو درست اُردو لکھنے کی طرف راغب کیا۔

سہ ماہی ''تسطیر'' میرپور

لاہور سے جاری ہونے والے سہ ماہی تسطیر کے مدیر نصیر احمد ناصر ہیں۔اس کا شمار پاکستان کے صف اول کے جرائد میں ہوتا ہے اس کی اشاعت لاہور میں ہوتی ہے میرپور لاکر تقسیم کیا جاتا ہے۔اس نے آزادکشمیر میں اُردو ادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔اس کی تحریریں مختلف ادبی موضوعات اورمقالات پر مشتمل ہوتی ہیں۔تسطیر میں آزادکشمیر کے نامور اہل قلم کی تخلیقات بھی چھپتی ہیں۔تسطیر کے شمارہ نمبر۲ میں ڈاکٹر صابر آفاقی کی جو غزل چھپی تھی اس کے چند اشعار یہ ہیں:

بسنا ہو تو قصر دل محبوب میں بسے
رہنا ہو تو تاریخ کے اوراق میں رہنا
وہ غرب کی ظلمات کو خاطر میں نہ لائے
مل جائے جسے جلوۂ اشراق میں رہنا [۱۰۶]

ان رسائل وجرائد کے علاوہ آزادکشمیر سے درج ذیل جرائد بھی شائع ہوئے جنہوں نے دیگر مقاصد کے علاوہ علمی وادبی خدمات بھی انجام دیں:

سہ ماہی ''پربت''	باغ	مدیر	محمد سعید اسعد
سہ ماہی ''وادی''	سماہنی بھمبر	سرپرست	سید ضمیر جعفری
		مدیراعلیٰ	محمد جمیل اجمل
		بانی	افتخار ساجد
پندرہ روزہ ''ندائے حق''	بھمبر	مدیراعلیٰ	محمد علی اختر
جریدہ ''مینار کشمیر''	منگ راولاکوٹ	سرپرست اعلیٰ	مولانا عبیداللہ فاروقی
''صدائے جہاد''	کوٹلی	مدیراعلیٰ	ایم۔آئی کشمیری

''عکس کشمیر''	میرپور	نگران	خواجہ محمد رفیق
		سرپرست	پروفیسر نذیر انجم
ہفت روزہ ''حالات''	میرپور	مدیر اعلیٰ	خواجہ بشیر تاج
سہ ماہی ''آزادی''	میرپور	نگران	فیض اللہ خان
ماہنامہ ''جہلم''	منگلا، میرپور	مدیر اعلیٰ	ارشد ولی
سہ ماہی ''تخلیق''	میرپور	مدیر	محمد عارف خان
ماہنامہ ''مری آواز''	میرپور	مدیر	انور ایوب راجہ
پندرہ روزہ ''مستقبل''	اسلام گڑھ میرپور	مدیر اعلیٰ	سید صابر حسین راجوروی

آزاد کشمیر میں اخبارات کی اُردو خدمات

کسی زبان کی ترویج وارتقاء کا انحصار بڑی حد تک اخبارات و رسائل کا مرہون منت ہوتا ہے۔اخبارات ورسائل سے عوام کا زیادہ واسطہ رہتا ہے کہ یہ ان کی دسترس سے زیادہ دور نہیں ہوتے اس لیے ملک میں اُن کی اہمیت وافادیت کو محسوس کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ریاست جموں وکشمیر میں بھی ان کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر وقتاً فوقتاً اُردو و رسائل شائع ہوتے رہے۔ ۱۹۴۷ء سے قبل ضلع مظفرآباد سے ہفت روزہ ''زمیندار گزٹ'' پونچھ (مقبوضہ کشمیر) سے ہفت روزہ ''صادق'' اور میرپور سے ''سچ'' نکلتے رہے۔ان علاقوں میں زیادہ تر اخبارات سرینگر، جموں اور لاہور سے آتے تھے۔

جموں میں سب سے پہلا ہفتہ وار اخبار زیر لالہ ملک صراف ۱۹۲۴ء میں جاری کیا۔اس کے بعد ۱۹۳۲ء میں ہفت روزہ ''پاسبان'' معراج الدین احمد کی ادارت میں شائع ہوا۔جو مسلمانوں کے حقوق کا پاسبان تھا۔ ''پاسبان'' کے اجراء کے بعد بہت سے اخبارات نہ صرف جموں اور سرینگر سے جاری ہوئے۔

۱۹۴۷ء کی تقسیم کے نتیجے میں بہت سے اخبار نویس اور ناشرین سیاسی اور صحافتی آزادی چھن جانے کے بعد جموں، سرینگر اور پونچھ وغیرہ سے ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ان لوگوں نے اس ملک اور آزاد کشمیر کی آزاد فضا میں حق وصداقت اور آزادی کشمیر کے لیے اخبارات ورسائل کے ذریعے اپنی آواز بلند کی۔

تقسیم برصغیر ۱۹۴۷ء کے بعد کشمیر سے جن اخبارات کا اجراء ہوا ان کی تفصیل کچھ یوں ہے:

ہفت روزہ ''آزاد کشمیر''

حکومت آزاد کشمیر کے محکمہ اطلاعات نے سب سے پہلے ایک پندرہ روزہ پھر ہفت روزہ ''آزاد کشمیر'' اخبار جاری کیا۔تقسیم کشمیر کے بعد آزاد کشمیر میں یہ صحافت کا نقش اولین تھا۔یہ اخبار تحریک آزادی کشمیر کا علمبردار تھا۔جس میں سیاسی مضامین کے ساتھ ادبی مضامین اور شاعری بھی چھپتی رہی۔آزاد کشمیر میں صحافت اور ادب دونوں شعبوں میں یہ اخبار اپنی خدمات انجام دیتا رہا۔جس سے اس خطہ میں اُردو زبان وادب کے فروغ میں بڑی مدد ملی۔اخبار بڑے صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔اس کا کاغذ عمدہ ہوتا تھا۔

معروف شاعر عبدالعزیز فطرت کی ایک غزل آزاد کشمیر میں ۱۹۵۶ء میں چھپی۔اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تبسم نگاہ کرم دور ساغر   ہوئے جمع پھر چند اسباب ساقی
ہر اک رگ لرزنے لگی ساز دل کی   تیری کم نگاہی تھی مضراب ساقی
تیرے در پہ جینا تیرے در پہ مرنا   یہی ہے مرا خواب شاداب ساقی   ۱۰۷

ہفت روزہ ''انصاف''

میر عبدالعزیز نے آزاد کشمیر کے ڈیکلیریشن پر ۱۴ دسمبر ۱۹۵۲ء کو راولپنڈی سے ہفت روزہ آواز حق جاری کیا پھر ستمبر ۱۹۵۵ء میں عبدالعزیز نے ہفت روزہ انصاف شائع کیا۔ میر عبدالعزیز ایک منجھے ہوئے صحافی تھے۔ جو فارسی اور انگریزی پر بھی عبور رکھتے تھے۔ ان کے ہفت روزہ ''انصاف'' نے آزاد کشمیر میں صحافت وادب ہر دوشعبوں میں اپنی خدمات انجام دیتے ہوئے بے حد کامیابی حاصل کی۔

ہفت روزہ ''کشیر''

آزاد کشمیر کے ہفت روزہ اخبارات میں ایک اہم اخبار ہفت روزہ ''کشیر'' ہے جس کے مدیر خواجہ عبدالصمد وانی ہیں۔ یہ اخبار یکم جنوری ۱۹۶۶ء کو جاری ہوا۔ اس اخبار میں کشمیر کی تحریک آزادی، تاریخ، تہذیب وتمدن اور سیاست حاضرہ پر بڑے عمدہ مضامین شائع ہوئے ہیں۔ اس کی اشاعت تقریباً بارہ ہزار تک ہے۔ اگرچہ اس میں شاعری کے لیے کوئی مخصوص صفحہ نہیں پھر بھی ہر شمارے میں کوئی نہ کوئی ایسی تحریر مل جاتی ہے جو اُردو زبان کے ساتھ ادب کے فروغ کا باعث بھی ہے۔

روزنامہ ''سیاست'' مظفر آباد

آزاد کشمیر کی صحافتی تاریخ کا پہلا روزنامہ ہے۔ جس کی اشاعت ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۷ء کو یوم تاسیس آزاد کشمیر کے موقع پر شروع ہوئی۔ نثار احمد راٹھر اس روزنامہ کے ایڈیٹر ہیں۔ یہ خالصتاً ریاستی اخبار ہے۔ جس میں مقامی خبریں ہوتی ہیں۔ عوام کے مسائل بیان کیے جاتے ہیں اور ان کے حل کی کوشش ہوتی ہے مقامی لکھنے والے ادب، سیاست اور مذہب وغیرہ پر لکھتے ہیں۔ ادب کے مختلف شعبوں پر معلوماتی اور تحقیقی مضامین شائع ہوتے ہیں۔

ہفت روزہ ''حیات'' میر پور

اس اخبار کا اجراء ۱۹۸۵ء میں ہوا۔ یہ ۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی اشاعت ۲۰۰۰ تک ہے اس کے ۸ صفحات ہوتے ہیں۔ صوفی اللہ دتہ خاکسار اس کے چیف ایڈیٹر ہیں۔ آزاد کشمیر کے علاوہ بیرون ملک برطانیہ اور سعودی عرب بھی جاتا ہے۔ صوفی اللہ دتہ خاکسار نے اپنا دوسرا اخبار ماہنامہ ''پرواز'' دسمبر ۱۹۹۸ء میں جاری کیا۔ اس کی اشاعت بھی ۲۰۰۰ تک ہے۔ ان شماروں میں مقامی شعراء کی تخلیقات کو بطور خاص جگہ دی جاتی ہے۔

ہفت روزہ ''کوٹلی ٹائمز'' کوٹلی

اس ہفت روزہ کا اجراء ۱۹۸۰ء میں ہوا۔ محمد منظور قریشی اس کے چیف ایڈیٹر ہیں۔ ۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اشاعت تقریباً ۱۵۰۰ ہے آزاد کشمیر کے علاوہ پاکستان کے شہروں میں بھی جاتا ہے۔ برطانیہ اور مقبوضہ کشمیر میں بھی جاتا ہے۔ اس اخبار میں خبروں کے علاوہ اداریہ اور بزرگان دین کے بارے میں مضامین، عارفانہ کلام، ادبی تخلیقات اور اشتہارات ہوتے ہیں۔ اس میں ادب کے لئے کوئی صفحہ مختص نہیں تاہم اس کے ہر شمارے میں اصناف ادب نظم ونثر میں سے کچھ نہ کچھ ضرور شامل ہوتا ہے۔

روزنامہ ''محاسب'' مظفر آباد

آزاد کشمیر میں سیاست کے بعد یہ دوسرا روزنامہ ہے۔ اس کا اجراء ۲۱ مئی ۱۹۹۸ء کو ہوا۔ ظفر حجازی اس کے چیف ایڈیٹر ہیں۔ یہ اخبار روزنامہ ''الاخبار'' اسلام آباد کی شاخ ہے۔ مقامی خبروں کے علاوہ ملکی اور بین الاقوامی خبروں کے لیے ''الاخبار'' ہی سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ اس اخبار میں مقامی چھوٹے بڑے مسائل اجاگر کیے جاتے ہیں۔ اس کی اشاعت ۲۰۰۰ تک ہے۔ اس روزنامہ کے ذریعے مقامی شعراء کو اپنی تخلیقات عوام تک پہنچانے کا موقع ملتا ہے۔ جس

سے اُردو زبان کو براہ راست فائدہ پہنچا تا ہے۔

ان اخبارات کے علاوہ آزاد کشمیر سے شائع ہونے والے اخبارات ذیل ہیں

ہفتہ روزہ "پاک کشمیر" راولپنڈی/مظفر آباد۔	ایڈیٹر	سردار فیاض عباسی
ہفتہ روزہ "آغاز" مظفر آباد	//	نورالدین/حفیظ اللہ سالب
ہفتہ روزہ "سرفروش" راولاکوٹ	//	سردار گلاب خان
ہفتہ روزہ "قائد" راولپنڈی/مظفر آباد	//	جی۔ایم مفتی
ہفتہ روزہ "جمیل" "و" "البرق" میرپور	//	محمد زبیر زخمی
ماہنامہ روزہ "کشمیر ڈائجسٹ" مظفر آباد	//	محمد خان نشتر
ہفت روزہ "شعور" مظفر آباد	//	زاہد کلیم
ہفت روزہ "عقاب" راولاکوٹ	//	سردار محمد اسحاق خان
ہفت روزہ "شمشیر" مظفر آباد	//	لطیف مغل
ہفت روزہ "چنار" چناری مظفر آباد	//	سید غلام نبی شاہ
ہفت روزہ "حقیقت" مظفر آباد	//	راجہ بشیر احمد
ہفت روزہ "ملت" مظفر آباد	//	خواجہ عبدالرشید
ہفت روزہ "قیادت" مظفر آباد	//	سید بشیر احمد
ہفت روزہ "آزاد" مظفر آباد	//	احمد مسعود بٹ
ہفت روزہ "شعلہ" مظفر آباد	//	سلیم اختر پروانہ
ہفت روزہ "مضراب" مظفر آباد	//	غلام احمد ترابی
ہفت روزہ "ہمقدم" مظفر آباد	//	نثار احمد راتھر
ہفت روزہ "مظفر آباد ٹائمز" مظفر آباد	//	ناز بٹ
ہفت روزہ "صدائے وقت" مظفر آباد	//	اعجاز احمد
ہفت روزہ "برق" مظفر آباد	//	افراسیاب درانی
ہفت روزہ "ترجمان کشمیر" میرپور	//	عبدالمجید قریشی
ہفت روزہ "ترجمان کشمیر" میرپور	ایڈیٹر	منظورالحق
ہفت روزہ "جدید کشمیر" مظفر آباد/راولپنڈی	"	
ماہنامہ "بانگ" ریڈیو مظفر آباد تراڑکھل کا ترجمان	"	
ہفت روزہ "المشیر" مظفر آباد	"	آزر عسکری
ہفت روزہ "چنگاری" میرپور	"	شاہد مرزا
ہفت روزہ "منظر کشمیر" مظفر آباد	"	نسیم اختر کیانی
پندرہ روزہ "صدائے حریت" مظفر آباد	"	ایس امین چیف ایڈیٹر عارف بہار
ہفت روزہ "قم" "گوجر بانڈی" مظفر آباد	"	سید محمد اسحاق نقوی
پندرہ روزہ "ہلال کشمیر" میرپور	"	شوکت علی کیانی
ہفت روزہ "باب کشمیر" بھمبر	"	خالد حسین بٹ
ہفت روزہ "تنظیم" بھمبر/گجرات	"	ملک فضل کریم برنالوی
ہفت روزہ "نوائے انقلاب" منگ پلندری	"	تنویر کاشمیری

ماہنامہ 'کائنات' میرپور	,,	محمد یاسین اعجاز/محمد ندیم پاشا
ہفت روزہ 'پیام انقلاب میرپور	,,	ڈاکٹر یعقوب ظفر
ہفت روزہ 'شمشیر' مظفرآباد		
ہفت روزہ 'حرمت کشمیر' مظفرآباد		
ہفت روزہ 'آتش چنار' مظفرآباد		
ہفت روزہ 'منظر کشمیر	,,	نسیم اختر کیانی
ہفت روزہ 'کشمیر بنے گا پاکستان' چکار		
ہفت روزہ 'کشمیر انٹرنیشنل' کوٹلی	,,	زاہد بیگ

آزادکشمیر سے وقتاً فوقتاً جاری ہونے والے اخبارات جوزیادہ تر ہفت روزہ ہیں ان کی فہرست توطویل ہے۔مگران میں سے صرف چنداخبارات ایسے ہیں جو کافی عرصہ شائع ہوئے یااب بھی شائع ہورہے ہیں زیادہ تر اخبارات اپنی اشاعت زیادہ عرصہ تک جاری نہ رکھ سکے اور اپنی اشاعت کے بعد جلد ہی بند ہوگئے۔آزادکشمیر میں اخبارات کی بندش کی دوبڑی وجوہات ہیں:

پہلی وجہ آزادکشمیر میں اُردو صحافت کے ابتدائی تیس چالیس سال پریس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ پرنٹنگ پریس کی سہولت نہ ہونے کے باعث مشکلات اور محرومی کے برس تھے۔اخبارات شائع کرنے والے اشاعت کا ڈیکلریشن تومظفرآباد سے لیتے لیکن طباعت/اشاعت کے لیے حکومت پنجاب یاسرحد سے رجوع کرنا پڑتا۔دوسری بڑی وجہ جس کے باعث اکثراخبار کچھ عرصہ چل کر بند ہوتے رہے وہ مالی مشکلات تھیں۔آزادکشمیر کے اخبارات کواشتہارات بہت کم ملتے تھے اور ان کے بلات کی ادائیگی بھی بڑی مشکل سے ہوتی تھی۔امراء اورحکمرانوں نے ان کی اہمیت کوکم محسوس کیا اورجائزمدد نہ کرسکے۔

دراصل صحافت کوریاست کاچوتھا ستون کہاجاتا ہے۔لیکن آزادکشمیر کے اندراخبارات کے اجراء اوربندش کودیکھتے ہوئے کہاجاسکتا ہے کہ یہاں یہ ستون ایک نرم ونازک تنے کی طرح رہا ہے۔پھربھی ان اخبارات وجرائد نے نامساعدحالات کے باوجود آزادکشمیر میں صحافتی خدمات کے علاوہ اُردو زبان وادب کے فروغ میں اپنا کرداراداکیا۔ان اخبارات کی صحافتی وادبی خدمات کوفراموش نہیں کیا جاسکتا۔

۱۹۴۷ء کی جنگ آزادی کے بعدآزادکشمیر میں انتہائی نامساعدحالات میں جن جن عظیم اورباہمت شخصیات نے صحافت کی پرخاروادی میں پاؤں رکھ کرکشمیر کی آزادی کے لیے سالہاسال تک قلمی خدمات سرانجام دیں وہ ہماری دنیائے صحافت کے مہروماہ ہیں جنہیں ہم کسی طرح بھی فراموش نہیں کرسکتے۔

ان حضرات نے اخبارات میں آزادکشمیر کے جو سیاسی ،سماجی اور اقتصادی حالات لکھتے ہیں ان سے آزادکشمیر کی مبسوط تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے۔آزادکشمیر سے درجنوں اخبارات کے اجراء نے یہاں صحافتی انقلاب پیداکیا ہے۔بلاشبہ آزادکشمیر کے اخبارات اُردو زبان وادب کے فروغ میں اہم کردار اداکررہے ہیں۔

حواشی

۱۔ انٹرویو بمقام رہائش گاہ، منیر احمد یزدانی، ۳۲۔بی تھری پارٹ سیکنڈ میرپور، مورخہ ۳۰ اکتوبر ۲۰۰۷
۲۔ ماہنامہ ''ارتعاش'' میرپور، شمارہ جولائی، اگست ۱۹۸۴ء، ص ۵
۳۔ ۔ایضاً، ص ۲۶
۴۔ ۔ایضاً، ص ۳۱
۵۔ ۔ایضاً، ص ۳۳
۶۔ ۔ایضاً، ص ۸
۷۔ ۔ایضاً، ص ۹
۸۔ ۔ایضاً، ص ۲
۹۔ ۔ایضاً، ص ۲۹
۱۰۔ انٹرویو بمقام رہائش گاہ، زاہد کلیم، نزد گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج مظفرآباد، مورخہ ۲۸ جولائی ۲۰۰۷
۱۱۔ ماہنامہ ''کشمیر ڈائجسٹ'' مظفرآباد، شمارہ ۱۹۸۷ء، ص سرورق
۱۲۔ ۔ایضاً، ص ۱
۱۳۔ ۔ایضاً، ص ۴۴، ۴۵
۱۴۔ ۔ایضاً، ص ۷۲
۱۵۔ ۔ایضاً، ص ۷۳
۱۶۔ ۔ایضاً، ص ۷۹
۱۷۔ ۔ایضاً، ص ۷۹
۱۸۔ ۔ایضاً، ص ۱۱۷
۱۹۔ ۔ایضاً، ص ۴۰
۲۰۔ ۔ایضاً، ص ۴۷
۲۱۔ ۔ایضاً، ص ۴۹
۲۲۔ مظہر جاوید حسن، مکتوب بنام مقالہ نگار، محررہ ۱۲ دسمبر ۲۰۰۷
۲۳۔ ماہنامہ ''ادبیات کاشر'' میرپور، شمارہ جنوری ۲۰۰۷، ص ۲
۲۴۔ ۔ایضاً،
۲۵۔ ۔ایضاً، ص ۳
۲۶۔ ۔ایضاً، ص ۳
۲۷۔ ماہنامہ ''ادبیات کاشر'' میرپور، شمارہ دسمبر ۲۰۰۷، ص ۲

۲۸۔ ۔ایضاً، ص۳

۲۹۔ مظہر جاوید حسن، مکتوب بنام مقالہ نگار، محررہ ۱۲ دسمبر ۲۰۰۷

۳۰۔ سہ ماہی ''شوق'' میرپور، شمارہ، ص ۱۰

۳۱۔ ۔ایضاً، ص ۲۹

۳۲۔ ۔ایضاً، ص ۳۶

۳۳۔ ۔ایضاً، ص ۳۷

۳۴۔ ۔ایضاً، ص ۳۸

۳۵۔ ۔ایضاً، ص ۳۹

۳۶۔ ۔ایضاً، ص ۵۱

۳۷۔ ۔ایضاً، ص ۵۲

۳۸۔ ۔ایضاً، ص ۶۰

۳۹۔ ۔ایضاً، ص ۶۰

۴۰۔ ۔ایضاً، ص ۵۶

۴۱۔ ۔ایضاً، ص ۵۲

۴۲۔ ۔ایضاً، ص ۵۳

۴۳۔ ۔ایضاً، ص ۵۳

۴۴۔ ۔ایضاً، ص ۵۴

۴۵۔ ۔ایضاً، ص ۵۲

۴۶۔ ۔ایضاً، ص ۵۷

۴۷۔ ۔ایضاً، ص ۵۳

۴۸۔ ۔ایضاً، ص ۵۵

۴۹۔ ۔ایضاً، ص ۶۰

۵۰۔ ۔ایضاً، ص ۵۶

۵۱۔ ۔ایضاً، ص ۶۰

۵۲۔ ۔ایضاً، ص ۵۶

۵۳۔ ۔ایضاً، ص ۵۶

۵۴۔ ۔ایضاً، ص ۵۲

۵۵۔ ۔ایضاً، ص ۵۶

۵۶۔ انٹرویو جواد حسین جعفری، بمقام دفتر کشمیر کلچرل اکیڈمی مظفرآباد، مورخہ ۳۰ جولائی ۲۰۰۷

۵۷۔ ۔ایضاً،

۵۸۔ ماہنامہ ''تہذیب'' مظفرآباد، خصوصی کشمیر نمبر، شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵، ص ۱۳
۵۹۔ ماہنامہ ''تہذیب'' مظفرآباد، خصوصی زلزلہ نمبر، ص ۲
۶۰۔ ۔ایضاً، ص ۱۱۲
۶۱۔ ۔ایضاً، ص ۱۱۳
۶۲۔ ۔ایضاً، ص ۱۱۴
۶۳۔ ۔ایضاً، ص ۱۲۸
۶۴۔ ۔ایضاً، ص ۱۳۳
۶۵۔ ۔ایضاً، ص ۱۲۰، ۱۲۱
۶۶۔ ۔ایضاً، ص ۱۲۶
۶۷۔ ۔ایضاً، ص ۱۳۰
۶۸۔ ماہنامہ ''تہذیب'' مظفرآباد خصوصی نمبر میاں محمد بخشؒ، شمارہ فروری تا مئی ۲۰۰۷، ص ۵۳
۶۹۔ ۔ایضاً، ص ۸۰
۷۰۔ ۔ایضاً، ص ۱۹۲
۷۱۔ ۔ایضاً، ص ۳۸۵
۷۲۔ ۔ایضاً، ص ۳۸۴
۷۳۔ سہ ماہی ''مطلع'' باغ، شمارہ نمبر ۱، والیم نمبر ۱، بابت ماہ ستمبر تا نومبر ۲۰۰۱، ص ۱۹
۷۴۔ ۔ایضاً، ص ۴۰
۷۵۔ ۔ایضاً، ص ۴۱
۷۶۔ ۔ایضاً، ص ۴۲
۷۷۔ سہ ماہی ''مطلع'' باغ، شمارہ نمبر ۱، جلد نمبر ۲، بابت ماہ مارچ تا مئی ۲۰۰۵ء، ص ۳۰
۷۸۔ ۔ایضاً، ص ۲۸
۷۹۔ ۔ایضاً، ص ۳۱
۸۰۔ ۔ایضاً، ص ۳۰
۸۱۔ ۔ایضاً، ص ۳۰
۸۲۔ ۔ایضاً،
۸۳۔ سہ ماہی ''مطلع'' باغ، شمارہ ۲، جلد نمبر ۲، ستمبر تا نومبر ۲۰۰۵ء، ص ۲۸
۸۴۔ ۔ایضاً، ص ۲۸
۸۵۔ ۔ایضاً، ص ۳۰
۸۶۔ ۔ایضاً، ص ۳۱

۸۷۔ ۔ایضاً، ص ۳۱

۸۸۔ ۔ایضاً، ص ۳۱

۸۹۔ ۔ایضاً، ص ۳۲

۹۰۔ ۔ایضاً، ص ۳۲

۹۱۔ ۔ایضاً، ص ۳۸

۹۲۔ شفیق راجہ، مکتوب بنام مقالہ نگار، محررہ ۳۱ جولائی ۲۰۰۶

۹۳۔ سہ ماہی، ''باغ و بہار'' باغ، شمارہ ۱۰، جلد نمبر ۱، بابت ماہ اپریل تا جون ۲۰۰۷، ص ۱۵، ۱۶

۹۴۔ ۔ایضاً، ص ۶

۹۵۔ ۔ایضاً، ص ۳۵

۹۶۔ ۔ایضاً، ص ۷

۹۷۔ ۔ایضاً، ص ۲۶

۹۸۔ ۔ایضاً، ص ۴۴

۹۹۔ ۔ایضاً، ص ۴۴

۱۰۰۔ سلیم اختر (ڈاکٹر)، اردو زبان کی مختصر تاریخ، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، طبع اول، ۱۹۹۵، ص ۱۹

۱۰۱۔ G.A Grierson, Linguistic Survey of India, Vol. IX, Part iv, Motilal Banarsidass, Delhi, Varanasi, Patna, P.7

۱۰۲۔ کریم اللہ قریشی کرناہی، میاں، (مرتب) پاکستان میں اردو، جلد پنجم از پروفیسر فتح محمد ملک، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع اول، ۲۰۰۶، ص ۳۹۸

۱۰۳۔ عصمت جاوید (ڈاکٹر)، ''نئی اردو قواعد'' پہلا ایڈیشن، ترقی اردو بیورو نئی دہلی، ۱۹۰۳، ص ۳۰

۱۰۴۔ ماہنامہ ''عزیمت'' مظفرآباد، شمارہ نمبر ۱۱، بابت ماہ ۱۹۹۹، ص ۱۵

۱۰۵۔ ماہنامہ ''عزیمت'' مظفرآباد، شمارہ نمبر ۱۳، بابت ماہ جولائی ۱۹۸۹، ص ۴۵

۱۰۶۔ سہ ماہی ''تسطیر'' میرپور، شمارہ ۲، بابت ماہ جولائی تا ستمبر ۱۹۹۷، ص ۱۸

۱۰۷۔ ہفت روزہ ''آزاد کشمیر'' مظفرآباد/راولپنڈی، شمارہ جون ۱۹۵۶، ص ۶

باب پنجم

آزاد کشمیر کی ادبی انجمنوں کی
مجموعی کارکردگی کا جائزہ

محمود غزنوی نے ۱۰۰۱ء سے ۱۰۲۶ء کے دوران ہندوستان پر سترہ حملے کیے۔ اس کے نتیجے میں لاہور میں غزنوی حکومت پونے دو سو سال تک رہی۔ اس دوران یہاں اسلام آہستہ آہستہ پھیلنے لگا۔ پھر ۱۲۰۶ء میں قطب الدین ایبک نے دہلی پر قبضہ کر کے ہندوستان میں پہلی اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ ۱۲۰۶ء سے لے کر ۱۸۵۷ء تک مسلمانوں کا اقتدار مختلف صورتوں میں قائم رہا۔ اس عرصہ میں مبلغین اسلام اور مشائخ عظام بھی برصغیر آئے۔ ان کی تبلیغ سے یہاں اسلام کو تیزی سے پھیلنے کا موقع ملا۔ مسلمان حکمرانوں کے عہد میں برصغیر کی زبان، تہذیب و ثقافت اور مذہب پر اسلام کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ اسلامی خیالات ہندو مت میں کثرت سے سما گئے۔ اسی طرح اسلامی خیالات ہندو مت سے متاثر ہوئے تو یوں ایک گنگا جمنی تہذیب وجود میں آگئی جسے ''ہندوستانی کلچر'' کا نام دیا گیا۔

مسلمانوں کا کلچر فاتح قوم کا کلچر تھا جو مضبوط کلچر تھا۔ اس میں زندگی کی وسعتوں کو اپنے اندر سمیٹنے کی پوری قوت اور لچک موجود تھی۔ اس کلچر اور فاتحین کی زبان نے جب ہندوستان کے کلچر کو نئے انداز سکھائے اور یہاں کی مقامی بولیوں پر اثر ڈالا تو مقامی افراد اور فاتح اقوام کے میل ملاپ سے ایک نئی زبان کے خدوخال ظہور پذیر ہونے لگے جسے مسلمان اپنے ساتھ عرب ایران، افغانستان یا ترکستان سے ساتھ نہیں لائے بلکہ یہ ہندو مسلم مخلوط تمدن کی پیداوار ہے۔ یہ نئی زبان (اردو) عربی، فارسی، شورسینی، اپ بھرنش پراکرت اور برج بھاشا وغیرہ کے میل ملاپ سے وجود میں آئی۔ چونکہ یہ نئی زبان مسلمان فاتحین کی بدولت وجود میں آئی تھی۔ اس لیے مسلمان فاتحین ہندوستان میں جہاں جہاں جاتے رہے ہیں ان کے ساتھ ساتھ یہ زبان بھی پہنچتی رہی۔

چودھویں صدی عیسوی کے عظیم فارسی شاعر امیر خسرو نے اس نئی زبان میں شاعری کی۔ ان کا کچھ کلام آج بھی ملتا ہے۔ ان کے بہت سے اشعار کا ایک مصرع فارسی کا ہے اور دوسرا نئی زبان اردو کا ہے۔ جب سلطان محمد تغلق نے دہلی کے بجائے دولت آباد (دکن) کو اپنا پایہ تخت بنایا اور دہلی کے تمام لوگوں کو نقل مکانی پر مجبور کیا تو دہلی کی تہذیب، زبان و ادب اور رسم و رواج سب دکن منتقل ہو گئے۔ بعد میں سلطان محمد تغلق نے دوبارہ دہلی کو پایہ تخت بنایا اور دولت آباد سے واپسی کا حکم دیا تو بہت سے لوگ واپس لوٹنے کی بجائے وہیں آباد ہوگئے۔ ان کے ساتھ ہی وہ مخلوط زبان جو دہلی میں بولی جاتی تھی یہاں منتقل ہوگئی۔

محمد تغلق کے آخری زمانے میں جب سارے ملک میں انتشار پیدا ہوگیا تو دکن میں ظفر خان علاؤ الدین بہمنی شاہ (۱۳۱۷ء) کے لقب سے خود مختار بادشاہ بن گیا۔ تو اس نے سلطنت کی دفتری اور کاروباری زبان کے لیے فارسی کے بجائے ہندوی (اردو) کو پسند کیا۔ جس کے باعث اسے انتظام سلطنت میں آسانیاں پیدا ہوئی ہی تھیں۔ اردو زبان و ادب کی بھی بڑا فائدہ پہنچا۔ اس وقت تک شمالی ہند میں اردو بول چال کی حد سے آگے نہ بڑھی تھی مگر جنوبی ہند میں اس زبان کو عام بول چال کے چبوترے سے اٹھا کر ادبی سنگھاس پر لا بٹھایا گیا۔

جنوبی ہند میں صوفیہ نے مقامی زبان ہندوی (اردو) کو تبلیغ اسلام کا ذریعہ بنایا۔ صوفیہ کے علاوہ دکن کی ریاستوں (گولکنڈہ، بیجاپور اور احمد نگر) کے بادشاہوں نے بھی اردو کی سرپرستی کی اور اسے اپنی سرکاری و دفتری زبان قرار دیا۔ محمد علی قطب شاہ والی گولکنڈہ اردو(ہندوی) کا پہلا صاحب دیوان شاعر تھا۔ دکن میں اردو زبان کا جو بنیادی ڈھانچا تیار ہوا اس کی ملی جلی زبان، اصناف اور بحور میں اردو شاعری نے پرورش پائی۔

اکبر کے زمانے میں شمالی ہند کی سرکاری زبان فارسی تھی۔ اس سے لسانی سطح پر یہ فائدہ ہوا کہ ہندو جو گھروں میں ہندی بولتے اور دفتروں میں فارسی سے کام لیتے تھے فارسی کی آشنائی کا اثر ان کی اپنی زبان پر بھی پڑا اور اس طرح ہندی اور فارسی کے ملاپ سے اردو کے فروغ میں برابر مدد ملتی رہی۔ جلال الدین اکبر نے ۱۵۷۳ء میں گجرات فتح کیا تو شمالی ہند کی فارسی یہاں بھی اثر انداز ہوئی۔ گجرات کی خود مختاری کے خاتمے کے ساتھ ہی یہاں کے علماء اور شعراء بیجاپور اور گولکنڈہ کی جانب رخ کرنے لگے جہاں پہلے ہی اردو شاعری کی آواز درباروں میں گونج رہی تھی اور فارسی تہذیب و زبان کے اثر کی نشاندہی کر رہی تھی۔ مقامی عناصر کی آمیزش شدہ گجراتی شاعری جب ان ریاستوں میں پہنچی تو ہندوی روایت اور فارسی اثرات نے مل جل کر اردو شاعری کی ایک خاص شکل پیدا کر دی۔ اب مثنوی، غزل، قصیدہ، اور رباعی جیسی فارسی اصناف اردو میں اس طرح برتی گئیں کہ مقامی عناصر کی آمیزش نے ان کا ایک خاص مزاج بھی بنا دیا۔ یہ نہ خالص فارسی ہیں نہ خالص ہندی نہ یکسر اجنبی ہیں نہ بالکل مقامی بلکہ دونوں کی نکھری ہوئی شکل یعنی اردو شاعری ہے۔

جہانگیر اور شاہ جہاں کے زمانے تک ہندوی (اردو) زبان میں فارسی الفاظ زیادہ استعمال ہونے لگے۔ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں اردو فارسی زبان کی جگہ لینے کی تیاری کرنے لگی۔ اور اس کی وفات کے بعد تو اردو شاعری کا رواج جنوبی ہند کے علاوہ شمالی ہند میں بھی ہو گیا۔ اردو کو شمالی ہند میں متعارف کرانے کا سہرا ولی دکنی کے سر ہے۔ جب ولی کا دیوان جلوس محمد شاہی کے دوسرے سال ۱۷۱۸ء دہلی میں پہنچا تو وہاں کے شعراء ولی کی طرز سے ایسے متاثر ہوئے کہ انہوں نے اسی رنگ سخن کی پیروی شروع کر دی۔ اس کے ساتھ شمالی ہند میں نئی شاعری کا آغاز ہوا۔ ولی نے مقامی ریختہ اور فارسی کو ملا کر ریختہ کے نئے ادبی روپ کی افزائش کی تھی جس سے دکن اور شمال کی زبان مل کر علاقائی سطح سے بلند ہو کر ہمہ گیر ہو گئی۔ اس میں پورے ہندوستان کے ادبی عناصر کا کیمیائی امتزاج موجود تھا۔ اس کے باعث لسانی اعتبار سے شمال و جنوب کے درمیان امتیاز کی سب حد بندیاں ختم ہو گئیں اور نئی زبان وجود میں آ گئی۔ یہ نئی زبان شمال اور جنوب دونوں کے لیے بیک وقت قابل قبول تھی۔

مغلیہ دور کے آخری عرصہ میں برصغیر میں اردو نثر کی بجائے شاعری پر زیادہ توجہ دی گئی۔ اردو شاعری میں سے بھی غزل، قصیدہ، مثنوی، مرثیہ، رباعی اور شہر آشوب کو زیادہ برتا گیا۔ اس دور میں غزل نگاری کا فن پورے عروج پر نظر آتا ہے۔ اسی دور میں اردو زبان کو نکھارنے اور نامانوس الفاظ سے پاک کرنے کا کام شروع کیا گیا۔ سب سے پہلے شاہ حاتم نے اردو زبان میں سے بھاشا اور ہندی کے الفاظ موقوف کر کے فارسی اور عربی کے شیریں اور مانوس الفاظ لائے۔ خواجہ میر درد نے بھی ہندی کے ٹھیٹ الفاظ اپنے کلام سے نکال دیئے۔ ناسخ نے ہندی کے کرخت الفاظ کی بجائے عربی اردو فارسی کے سبک الفاظ اردو میں شامل کیے۔

مغلیہ سلطنت کے دور زوال میں انگریز جو تاجر بن کر آئے تھے اور تاجور بن بیٹھے۔ انہوں نے کلکتہ میں ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج قائم کیا جس کا مقصد انگریزوں کو مقامی بولیاں خاص طور پر اردو سکھانا تھا۔ کیونکہ اردو ہی ایک ایسی زبان تھی جو پورے برصغیر میں بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ کالج کو انگریزوں نے بنایا تو اپنے مقصد کے لیے تھا لیکن غیر محسوس طریقے سے اس نے اردو ادب کی بہت خدمت کی۔ فورٹ ولیم کالج میں اردو نثر پر بہت توجہ دی گئی۔ اس سے پہلے اردو نثر بہت مقفّیٰ و مسجع ہوتی تھی۔ کالج کے زیر اثر جو نثر تخلیق کی گئی اس کی زبان عام فہم اور سادہ تھی اس میں عربی اور فارسی کے مشکل الفاظ نہیں تھے۔

پھر ملکی حالات بدلے اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی برپا ہوئی۔ اس کے نتیجے میں برصغیر پر عملاً انگریز قابض ہو گئے۔ مسلمانوں کے لیے یہ عرصہ انتہائی مایوسی کا تھا۔ ایسے وقت میں سرسید احمد خان نے آگے بڑھ کر مسلمان قوم کی ڈوبتی کشتی کو بچایا۔ انہوں نے علی گڑھ کالج قائم کر کے مسلمانوں کی تعلیمی و سیاسی تربیت کا فریضہ انجام دینا شروع کیا۔ علی گڑھ کے زیر اثر بامقصد مفید اور تعمیری ادبی تخلیقات پر زور دیا گیا۔ اردو ادب کی بنیاد عقلیت اور حقیقت پسندی پر رکھی گئی۔ بیان کی سادگی اور سلاست پر زور دیا گیا۔ ان کے تتبع میں پنجاب کے مسلمانوں نے بھی اپنی قوم کی تعلیم و تربیت کے لیے اپنی مدد آپ کے تحت کئی تعلیمی ادارے قائم کرنا شروع کیے۔

پنجاب اور صوبہ جموں کا علاقائی اتصال ہے۔ اس لیے پنجاب میں جنم لینے والی ہر تحریک کا براہ راست اثر جموں پر پڑتا تھا۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ برصغیر میں کی جانے والی اصلاحی اور تعلیمی مساعی کا اثر جموں پر ظاہر نہ ہوتا۔ جب سارے برصغیر کی طرح پنجاب میں اردو زبان کی ترویج و ترقی کے لیے کوشش کی جانے لگیں تو یہاں بھی اردو کی مقبولیت میں اضافہ ہونے لگا۔

اردو زبان سے پہلے فارسی ایک طویل عرصے تک کشمیر کی علمی و ادبی زبان رہ چکی تھی۔ جب باقی تمام ہندوستان کی طرح یہاں بھی فارسی کا چراغ ٹمٹمانے لگا تو اہل کشمیر کو اردو کو فارسی کے متبادل کے طور پر اپنانے میں کوئی تردد نہ ہوا۔ کیونکہ اہل کشمیر کے لیے فارسی اور اردو کشمیر کی مقامی بولیوں سے تال میل اور مماثلت کے باعث اجنبی اور بعید از فہم نہیں تھیں۔

ریاست کشمیر کا اردو سے تعلق تقریباً ڈیڑھ سو سال پرانا تعلق ہے۔ ریاست جموں و کشمیر میں جن عوامل کے باعث اردو کا اثر و نفوذ ہوا ان میں مغل فرماں رواؤں کی کشمیر آمد، مہاراجہ کا روہیلہ محافظ دستہ، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مہاراجہ کی فوج کی شمولیت، سیاحوں کی کشمیر آمد و رفت، دربار کشمیر میں دہلی کی نقیبوں کی آمد، مذہبی تحریکوں (عیسائی مشنریوں کی تبلیغ، محرم کی مجالس اور وہابی واعظ) کے اثرات، ناٹک کمپنیوں کی آمد، حصول ملازمت کے لیے برصغیر سے اہل علم کی آمد، اہل کشمیر کی پنجاب کی طرف نقل مکانی اور اہل کشمیر کا حصول علم کے لیے علی گڑھ اور پنجاب جانا زیادہ قابل ذکر ہے جبکہ تحریک آزادی کشمیر کے دوران سیاسی جماعتوں کے اردو لٹریچر اور برصغیر کے اردو اخبارات نے بھی جموں و کشمیر میں اردو زبان کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ ان تمام عوامل کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات آسانی سے سمجھ آتی ہے کہ تقسیم برصغیر (۱۹۴۷ء) کے وقت اردو ہی جموں و کشمیر میں واحد رابطہ زبان تھی۔

ریاست کشمیر میں اردو کے ابتدائی تحریری نمونے سترہویں صدی کے اواخر میں لکھے گئے کیونکہ اس وقت اکبر کے زمانے میں مغل فوج کشمیر پر حملہ آور ہو چکی تھی۔ جموں و کشمیر میں اردو کے ابتدائی نثری نمونے لالہ بوتا مل کا رسالہ (تحریر کردہ ۱۸۵۷ء) اور چوہدری شیر سنگھ کا سفرنامہ (تحریر کردہ ۱۸۶۶ء) ہیں۔ جب کہ نظم میں غلام محی الدین میرپور کی مثنوی (تحریر کردہ ۱۸۷۱ء) "گلزار فقیر" ہے۔ کشمیر میں اردو کی ابتدائی تحریروں پر کشمیری اور دیگر مقامی زبانوں کا اثر دکھائی دیتا ہے مگر بعد میں جب اردو ترقی یافتہ دور میں داخل ہوئی تو اسے خواجہ شیداؔ، پنڈت کیفی دہلوی، اثر صہبائی، قمر رازیؔ اور درگا سہائے شوقؔ جیسے شعراء نے کشمیر میں اردو شاعری کو معراج کمال تک پہنچایا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد فرنگی حکمرانوں نے اپنے اقتدار کو دوام بخشنے اور ہندوستانی عوام اور حکومت کے درمیان پائی جانے والی خلیج کو پاٹنے کے لیے انجمن بنانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کے بعد دس سال کے اندر پورے ہندوستان میں سینکڑوں مذہبی، اصلاحی تعلیمی اور ادبی انجمنوں کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی

کے بعد مسلمان تعلیمی لحاظ سے پسماندہ ہو گئے تھے۔ اس لیے مسلمانان برعظیم نے اپنی مدد آپ کے تحت جو انجمنیں اور سوسائیٹیاں قائم کیں ان کے دو ہی مقاصد تھے:

۱۔ مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کو دور کرنا۔

۲۔ انگریز حکومت اور ان کے درمیان پائے جانے والے اختلافات کو ختم کرنا۔

۱۸۷۳ء میں کرنل ہالرائیڈ اور محمد حسین آزاد نے لاہور میں انجمن پنجاب قائم کی۔ جس کے مشاعروں کی دھوم سارے ملک میں مچی تو اس کی دیکھا دیکھی سارے صوبہ پنجاب میں ادبی انجمنیں قائم ہونا شروع ہو گئیں۔ بلکہ ۱۸۸۹ء کی آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی رپورٹ کے مطابق صوبہ پنجاب میں ۱۴۲ انجمنیں قائم تھیں۔ ان انجمنوں نے پنجاب کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت کو سدھارنے میں اہم کردار ادا کیا۔

چونکہ پنجاب اور کشمیر کے درمیان گہرے سیاسی، سماجی اور مذہبی روابط کے علاوہ علاقائی اتصال بھی ہے اس لیے پنجاب میں ادبی انجمنوں کی کارکردگی کو دیکھتے ہوئے کشمیری مسلمانوں نے ریاست جموں و کشمیر میں بھی انجمن سازی کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ سب سے پہلے ۱۸۹۲ء میں مسلمانوں کی سیاسی، تعلیمی اور معاشی بدحالی کو دور کرنے کے لیے جموں کے مسلمانوں نے انجمن اسلامیہ جموں کی بنیاد رکھی۔ اس کی دیکھا دیکھی یکے بعد دیگرے کشمیر کے طول و عرض میں انجمنیں بننا شروع ہو گئیں۔ ان میں سے انجمن نصرت الاسلام سرینگر (۱۸۹۷ء)، ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن جموں (۱۹۰۹ء)، بزم سخن جموں (۱۹۰۹ء)، انجمن اسلامیہ پونچھ (۱۹۱۱ء) بزم مشاعرہ جموں (۱۹۱۴ء)، ریڈنگ روم سری نگر (۱۹۳۰ء)، بزم اردو جموں و کشمیر (۱۹۳۷ء) آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس (۱۹۳۹ء) اور مفرح القلوب سرینگر زیادہ مشہور ہیں۔ جہاں ان تمام انجمنوں نے کشمیری مسلمانوں کے سیاسی و سماجی مسائل کو حل کرنے کی کوششیں کیں۔ وہیں تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے کے لئے تعلیمی ادارے بھی قائم کیے۔ ان انجمنوں نے اپنے مقاصد کی ترویج کے لیے رسائل، جرائد اور پمفلٹ شائع کیے۔ جو اردو زبان میں شائع ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ انجمنوں کی تمام کارروائیاں اور اجلاس اردو زبان میں ہوتے تھے جس کے باعث اردو کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ ان ادبی انجمنوں سے وابستہ اہل علم و قلم حضرات نے اردو زبان کو بہت سے نئے مقامی الفاظ سے بھی متعارف کرایا۔

ان انجمنوں کے علاوہ انجمن کشمیری مسلمانان لاہور (۱۸۹۶ء) اور آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس (۱۹۰۸ء) دو ایسی انجمنیں ہیں جو لاہور میں مقیم کشمیریوں نے اہل کشمیر کی تعلیمی اور سیاسی پسماندگی کو دور کرنے کے لیے بنائیں۔ ان دونوں انجمنوں کے جلسوں میں علامہ اقبال باقاعدگی سے شرکت کرتے اور اپنے کلام سے خوابیدہ کشمیری قوم کو بیدار کرنے کی کوشش کرتے۔ ان انجمنوں کی تعلیمی کاوشیں ریاست کشمیر میں غیر محسوس طریقے سے اردو پھیلانے کا سبب بنیں۔ اردو ۱۹۴۷ء سے پہلے افراد اور انجمن سازی کے ذریعے جموں و کشمیر کے طول و عرض میں رابطے کی زبان بن چکی تھی۔ اس لیے اس نے ترویج و اشاعت کی منازل تیزی کر ساتھ عبور کیں۔ ۳ جون ۱۹۴۷ء کی رو سے برصغیر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس تقسیم کے اثرات ریاست جموں و کشمیر پر بھی پڑے۔ چونکہ کشمیر مسلم اکثریتی ریاست تھی اس لیے یہاں کے عوام پاکستان کے ساتھ الحاق کرنا چاہتے تھے۔ مگر مہاراجہ کشمیر ہری سنگھ نے ایک سازش کے تحت کشمیر کا جبری الحاق ہندوستان سے کر دیا۔ اس الحاق کے خلاف کشمیری مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے اور ۵۱۳۴ مربع میل پر مشتمل علاقہ بزور بازو ڈوگرہ اور ہندوستانی فوج سے آزاد کرا لیا۔ مجاہدین نے ۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو اس علاقے پر ''آزاد کشمیر'' کے نام سے ایک عارضی اور انقلابی حکومت قائم کر لی۔

قیام پاکستان کے بعد اردو کی تشکیل جدید شروع ہوئی۔ کیونکہ اردو برصغیر پاک و ہند کی اس مخلوط تہذیب کی عکاس ہے جو عربوں، ایرانیوں، ترکوں اور مقامی باشندوں کے مدت دراز کے میل جول اور خلط ملط ہونے سے وجود میں آئی۔ ''اردو'' برصغیر میں مسلم تہذیب و ثقافت کی آئینہ دار ہے اس لیے ہندو اور انگریز اسے ختم کرنے کے درپے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد اردو کو قومی زبان قرار دیا گیا کیونکہ پاکستانی قوم کو ایک لڑی میں پروئے رکھنے کے لیے اردو کا قومی زبان ہونا ضروری تھا۔ فرمان قائد کی تقلید میں پاکستانی قوم سے اتحاد و یکجہتی برقرار رکھنے کے لیے آزاد کشمیر میں اردو کو قومی زبان کا درجہ دیا گیا۔

تقسیم کشمیر سے قبل جموں اور سرینگر کے تخلیق کاروں نے اردو زبان کے نثری و شعری سرمائے کا ایک گراں قدر ذخیرہ پیدا کر لیا تھا۔ جس میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندوؤں نے بھی بھرپور حصہ لیا تھا۔ جبکہ آزاد کشمیر کے شہر سرینگر اور جموں کی نسبت پسماندہ، غیر ترقی یافتہ اور تہذیبی اقدار سے ناآشنا تھے۔ ۱۹۴۷ء سے قبل میرپور، مظفرآباد اور راولاکوٹ میں ہائی سکول تو تھے۔ مگر کالج نہیں تھے۔ ایسے ماحول میں ادبی و تخلیقی جوہر کیسے دکھائے جا سکتے تھے۔

۱۹۴۷ء کی تقسیم کے نتیجے میں کشمیر بھی دو حصوں میں تقسیم ہوا تو مقبوضہ کشمیر کے رہنے والے آگ و خون کا دریا عبور کر کے آزاد کشمیر پہنچے تو ہجرت کر کے آنے والے مہاجر اہل قلم حضرات نے یہاں کی تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ مہاجر اہل علم نے مقامی لوگوں کے ساتھ مل کر ادبی انجمنیں بنانے کا منصوبہ بنایا۔ انجمن سازی کے ذریعے اہل کشمیر نے یہ مقاصد حاصل کیے:

- اردو کو سارے آزاد کشمیر کی واحد رابطہ زبان بنایا جائے کیونکہ آزاد کشمیر کے مختلف علاقوں میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں۔ مظفرآباد کے لوگ کشمیری، گوجری اور پہاڑی بولتے ہیں میرپور اور کوٹلی کے لوگ پنجابی، پہاڑی اور ڈوگری بولتے ہیں جبکہ ریاست پونچھ کے لوگ پہاڑی اور پنجابی بولتے ہیں۔ چنانچہ ان خطوں کے عوام کے درمیان باہمی رابطے کی زبان کو ترقی دینے کی ضرورت تھی اور یہ ضرورت ادبی انجمنیں بہتر طریقے سے پوری کر سکتی تھیں۔ چنانچہ ادبی انجمنوں نے مشاعروں اور ادبی تقریبات کے ذریعے عوام میں اردو بولنے، لکھنے اور پڑھنے کا ذوق پیدا کر کے اردو کو سارے آزاد کشمیر کی واحد رابطہ زبان بنایا۔
- ان انجمنوں کے ذریعے نقل مکانی کر کے آنے والے مہاجرین اور مقامی افراد کے درمیان افہام و تفہیم کی فضا پیدا کی گئی۔ ادبی جلسوں میں مل بیٹھنے سے قوم میں علمی و ادبی بیداری پیدا ہوئی وہیں انہیں یہ شعور بھی ملا کہ اپنی بقا کے لیے موجودہ حکومت سے تعاون کرنا ضروری ہے۔
- نقل مکانی کر کے آنے والے افراد اور مقامی افراد کے درمیان پائی جانے والی خلیج کو پاٹنے اور دلوں کی کدورت کو دور کرنے کے لیے ادبی انجمنوں کے زیر اہتمام مشاعروں اور ادبی مجلسوں کا انعقاد کیا گیا جس کے باعث ان کے درمیان موجود دوریاں ختم ہو گئیں۔
- ہجرت کر کے آنے والوں کے دلوں میں وطن کی تقسیم، اپنوں کی جدائی اور بے سروسامانی کا احساس پنہاں تھا۔ انھیں دکھی جذبات و احساسات کی ترجمانی کرنے کے لیے ایک پلیٹ فارم کی ضرورت ہے۔ چنانچہ انہوں نے انجمنیں بنا کر ایک مرکز حاصل کر لیا۔ جہاں وہ جمع ہو کر کشمیر کے حوالے سے مزاحمتی ادب تخلیق کر کے اپنے دلوں کا بوجھ ہلکا کرتے۔

- مہاجرین کی اکثریت جموں پونچھ اور سرینگر کا رہائشی ہونے کے باعث تعلیم یافتہ تھی۔ وہ اردو زبان و ادب کے شیدائی تھے۔ انہوں نے آزاد خطہ کی تعلیمی پسماندگی کو محسوس کرتے ہوئے اس کمی کو دور کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس لیے انہوں نے آزاد کشمیر میں اردو زبان و ادب کے فروغ اور اس کی ترویج کے لیے انجمنیں بنائیں۔ ان انجمنوں میں شرکت کرنے کے باعث عام عوام میں بھی علم و ادب کا ذوق پیدا ہوا ہے۔ آج آزاد کشمیر کے دور افتادہ علاقوں کے رہنے والے شعراء بھی بہترین ادب تخلیق کر رہے ہیں۔ یہ سب ان انجمنوں کا فیضان ہے۔
- انجمنوں کے جلسوں میں قوم کی فلاح و بہبود، ہمدردی، علمی و تعلیمی بیداری، رسومات قبیحہ کے خاتمے، سماجی رویوں کا ادراک، اتفاق و یگانگت، سیاسی و شعوری آگاہی، اندوہ غریب الوطنی، اسلاف کے کارہائے نمایاں، معاشرتی مسائل کا ادراک، امن عالم کا آدرش، مذہبی رسوم و روایات کی پاسداری، صنعت و حرفت کی ترقی ایسے موضوعات پر شاعری/ تقاریر ضرور ہوتیں جن سے متاثر ہو کر عوام اپنے معاشرتی، تعلیمی، مذہبی اور ثقافتی اقدار میں بہتری لانے کی کوشش کرتے۔
- ان انجمنوں نے اردو کو عملاً قومی، دفتری اور تدریسی زبان بنانے کے لیے کوششیں کیں تا کہ سرسید کا تعلیمی نقطہ نظر عام ہو سکے اور مسلمان اپنا کھویا ہوا وقار بحال کر سکیں۔

چنانچہ ان مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ۱۹۴۹ء میں ''بزم ادب'' کے نام سے پہلی ادبی انجمن کی بنیاد مظفرآباد میں رکھی گئی۔ اس کے بعد مظفرآباد میں حلقہ ارباب ذوق (۱۹۵۳ء)، بزم فروغ اردو کھوڑی (۱۹۵۳ء)۔ انجمن ترقی (۱۹۵۵ء) بزم اقبال (۱۹۶۰ء) بزم فکر و دانش (۱۹۶۵ء) وغیرہ بنائی گئیں۔ ان انجمنوں نے آزاد کشمیر میں اردو زبان کی ترویج و اشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔ انجمن ترقی اردو کی مساعی کے نتیجے میں آزاد کشمیر کی قومی زبان اردو قرار دی گئی۔ کسی انجمن کے حوالے سے یہ ایک بے مثال کامیابی ہے۔ ان انجمنوں کے اتباع میں آزاد کشمیر کے ہر ضلع میں انجمنیں قائم کی گئیں۔ انجمنوں کا احوال مع کارکردگی مقالے کے باب نمبر۲ اور ۳ میں تفصیلاً درج ہے۔

ان انجمنوں کی ادبی خدمات کے باعث مظفرآباد اور میرپور دو بڑے ادبی مراکز بن کر ابھرے۔ ان شہروں کی انجمنوں کی ادبی کارگزاریوں کو دیکھتے ہوئے راولاکوٹ، باغ، کوٹلی اور بھمبر میں بھی کئی ادبی انجمیں وقتاً فوقتاً قائم کی گئیں۔ ان میں سے اکثر کچھ عرصہ فعال رہنے کے بعد ختم ہو گئیں۔ انجمنوں کے خاتمے کا بڑا سبب معاشی اور مالی مشکلات ہیں۔ آزاد کشمیر میں قائم اکثر ادبی انجمنیں گورنمنٹ کی امداد پر تکیہ کرنے کی بجائے اپنے اخراجات اراکین انجمن سے چندہ وصول کر کے یا صاحب حیثیت افراد کی امداد سے پورا کرتی ہیں۔ گورنمنٹ سے امداد نہ لینا ایک ایسی خوبی ہے جس کے باعث ان کی آزادیٔ اظہار میں رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔

یہ ادبی انجمنیں اپنے دائرہ کار میں بہترین انداز میں اردو کی ترویج و فروغ میں اچھی کارکردگی دکھا رہی ہیں۔ ان انجمنوں کے اجلاس پندرہ روزہ یا ماہانہ ہوتے ہیں۔ جن میں مشاعرے ادبی نشستیں/کتاب کی تقاریب رونمائی، تعزیتی ریفرنس کا انعقاد کیا جاتا ہے جن میں اراکین کے علاوہ عام لوگوں کو بھی شرکت کی اجازت ہوتی ہے جس سے عام لوگوں میں ادبی ذوق پیدا ہوتا ہے۔ آزاد کشمیر کے ہر ضلع میں دو تین انجمنیں ہمیشہ فعال رہتی ہیں۔ جس سے خطہ میں اردو شعر و ادب کی سرگرمیوں میں تسلسل برقرار رہتا ہے اور اس سے اردو زبان و ادب کو فروغ ملتا رہتا ہے۔ ان انجمنوں کے تحت ہونے والے جلسے بھی بے حد اہمیت کے حامل ہیں۔ ان جلسوں نے عوام کو ادبی، ثقافتی اور تمدنی طور

پر ایک نیا شعور عطا کیا۔ یہ جلسے ایک طرف انجمنوں کی مکمل روداد پیش کرتے ہیں تو دوسری طرف اعلیٰ سرکاری افسران کی شمولیت سے انجمنوں کی عمدہ کارکردگی کا اظہار ہوتا ہے۔ انجمنوں کے جلسوں میں طرح مصرع دینے کا رواج بھی ہے۔ جس سے اردو ادب کا دامن نئے خیالات اور تخلیقات سے مالا مال ہو رہا ہے۔ انجمن کے شعراء غزلوں اور نظموں کے علاوہ نئی اصناف پر بھی طبع آزمائی کر رہے ہیں۔ جیسے ڈاکٹر نثار حسین ہمدانی (مظفرآباد) اور پروفیسر صغیر آسی (میرپور) ہائیکو میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھا کر اردو ادب کا دامن وسیع کر رہے ہیں۔ اس طرح ضلع باغ کے شعراء نثرانے میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا رہے ہیں۔ کوٹلی کے ایم یامین آزاد نظم کو اپنے خیالات کے پرچار کا ذریعہ بنا رہے ہیں۔

آزاد کشمیر کی ادبی انجمنوں سے منسلک اراکین نے نثر کی طرف توجہ کم دی ہے۔ ناول نگاری، افسانہ نگاری، رپورتاژ، اور سفرنامہ نگاری پر بالکل توجہ نہیں دی گئی جبکہ راولاکوٹ کی ادبی انجمنوں کے بانی پروفیسر سردار محمد کبیر خان خود ناول نگار ہیں۔ (ان کا ناول وزننگ فادر ہے) لیکن ان کی بنائی گئی انجمنوں کے زیر اہتمام بھی نثر پر توجہ کم دی گئی ہے۔ انجمنوں کے جلسوں میں مشاعروں کا اہتمام زیادہ کیا جاتا ہے۔ انجمنوں سے منسلک ادیب اپنی نثری تخلیق بہت کم ہی جلسوں میں پیش کرتے ہیں۔ اس رجحان کے باعث آزاد کشمیر کے اردو شعری سرمائے کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شعراء نے اردو کی ساری اصناف نظم پر طبع آزمائی کی ہے۔ جن شعراء نے انجمنوں کے مشاعروں میں اپنا پڑھا ہوا کلام شعری مجموعے کی صورت میں جمع کر کے چھپوایا ہے ان کی تعداد ایک سو سے زائد ہے۔

آزاد کشمیر میں شعری ذوق کے پروان چڑھنے کے کچھ عوامل ہیں۔ ان میں سے پہلی وجہ چراغ حسن حسرت (پونچھ)، میاں محمد بخش (میرپور) اور ڈاکٹر عماد الدین سوز (میرپور) علامہ اقبال، محمد دین فوق اور حبیب کیفوی کا یہ آبائی وطن ہے۔ ان عظیم شعراء کی شاعری نے بھی آزاد کشمیر کے لوگوں کو شعر گوئی کی طرف راغب کیا۔ دوسری بڑی وجہ کشمیر کا لازوال حسن ہے۔ یہ بلند وبالا پہاڑوں، بہتی ندیوں، سبزہ زاروں، آتشیں چناروں، دلفریب گنگناتی آبشاروں، جھیلوں اور خوبصورت دریاؤں کی سرزمین ہے۔ ان خوبصورت مناظر فطرت کو دیکھ کر انسان خود بخود شاعر بن جاتا ہے۔ فطرت کی یہ رعنائیاں اسے شعر گوئی پر مجبور کر دیتی ہیں۔ شعری ذوق کے پروان چڑھنے کی سب سے بڑی وجہ کشمیر اور اہل کشمیر کی زبوں حالی بھی ہے۔ صدیوں سے کشمیری ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ پہلے ڈوگرہ حکمران ان پر ظلم کے پہاڑ توڑتے تھے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد بھارتی فوج ان کی نسل کشی کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ یہ ظلم وتشدد دیکھنے کے بعد دردمند صاحب دل کے پاس بھی ایک راستہ باقی رہتا ہے کہ وہ شاعری کے پردے میں اپنے درد و دکھ کو بیان کرے۔ اسی لیے کشمیری شعراء کی شاعری میں مزاحمتی عنصر زیادہ ہے۔ ان کی شاعری میں انقلاب، جہاد اور سوزوگداز کے عناصر ہیں۔ اسی رجحان کے پس نظر میں آزاد کشمیر کی ادبی انجمنوں کے زیر اہتمام تخلیق ہونے والی زیادہ تر شاعری بھی مزاحمتی شاعری ہے۔

شعراء کے ہاں احتجاج کی ایک سرکش رو ہے۔ جو ان کے کلام کو گرمی اور ولولہ عطا کرتی ہے۔ ان شعراء کی شاعری میں کشمیر کا حسن سوگوار، داستان درد و الم اہل کشمیر پر ہونے والے بھارتی مظالم اور نغمہ آزادی جیسے موضوعات زیادہ ہیں۔ ان ادبی انجمنوں میں کشمیر کے خاص دنوں (یوم شہدائے جموں، یوم شہدائے کشمیر، یوم تاسیس کشمیر، یوم سیاہ، یوم شہادت مقبول بٹ، اور یوم یک جہتی کشمیر) کے حوالے سے بھی جلسے اور مشاعرے منعقد کیے جاتے ہیں۔ جس کے باعث اردو ادب میں کشمیر کی تحریک آزادی سے متعلق مواد کافی وشافی جمع ہو گیا ہے۔ ان ادبی انجمنوں نے اردو

ادب کو نئی علامات، تشبیہات اور استعارات سے بھی روشناس کرایا ہے۔ یہ علامات، تشبیہات و استعارات چنار، مقبول بٹ، ولر، جہلم، ہاتو، نیلم، زعفران، ڈل جھیل نشاط، باغ، شالامار (سرینگر)، شال، پشمینہ، کانگڑی اور چشمہ شاہی ہیں۔ یہ وہ علامات، تشبیہات و استعارات ہیں جو کشمیر سے منسوب ہیں اور کشمیری شعراء کے ہاں ان کا استعمال ملتا ہے۔

اردو ایک لچک دار زبان ہے یہ اپنے اندر دوسری زبانوں کے الفاظ سمونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ کشمیری شعرائے نے کشمیری، انگریزی اور پہاڑی کے الفاظ اپنی اردو غزلیات میں اس خوبی سے استعمال کیے ہیں کہ زبان کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ انجمنوں کے جلسوں میں مقامی و انگریزی الفاظ کا مہارت سے استعمال کرتے میں آزر عسکری، صابر آفاقی، بلبل کاشیری، ابراہیم گل منور قریشی، مخلص وجدانی (مظفرآباد) شہباز گردیزی (باغ) اور مشتاق شاد (میرپور) وجیہ الحسن صفدر شفق (بھمبر) کو خاص ملکہ حاصل ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صابر آفاقی نے پہاڑی اسمائے صفت اور تراکیب کو اردو کے قالب میں اس طرح ڈھالا ہے کہ غرابت کا احساس نہیں ہوتا۔

انجمنوں کے زیر اثر تخلیق ہونے والی شاعری زبان و بیان کے اعتبار سے عمدہ ہے۔ ان شعراء نے یہاں کشمیر کی روایتی علامات، تشبیہات و استعارات سے اردو ادب کا دامن وسیع کیا ہے وہیں انہوں نے اردو شاعری کے روایتی مضامین حسن و شباب کے تذکرے، گلشن وگلزار، شراب و کباب، رندی و سرمستی، جفائے زمانہ، محرومی و نامرادی، آشفتگی و شوریدہ سری، محبوب کی کج ادائیاں، بدعہدئ رقیب، واردات عشق، معشوقانہ ناز، عاشق کی بے صبری اور شب ہجر وغیرہ کو بھی شاعری میں باندھا ہے۔ لیکن ان انجمنوں کے شعراء کی شاعری پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ ان کے ہاں جبرو اختیار، خیروشر، تصوف اور وحدت و کثرت کے مسائل نہیں ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان کی شاعری حال و قال کی شاعری نہیں ہے۔

آزاد کشمیر کے ادبی انجمنوں کے زیر اثر نثر کی تخلیق پر کم توجہ دی گئی ہے۔ صرف چند ایک انجمنیں ایسی ہیں جن کے ہاں کچھ تحقیقی مقالہ جات پڑھ کر سنائے گئے۔ تنقیدی نشستیں تو بالکل نہیں ہوئیں اگر ہوئی بھی ہیں تو ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ تنقیدی نشستوں کے منعقد نہ ہونے کے باعث آزاد کشمیر میں نقاد کم ہیں۔

آزاد کشمیر کی ادبی انجمنوں کے جلسوں میں پڑھی جانی والی شاعری میں فحاشی اور عریانیت نہیں۔ اس کی وجہ کشمیر میں مذہبی، تہذیبی اور ثقافتی اقدار کی مضبوطی ہے۔

انجمنوں سے منسلک شعراء اور انجمنوں کے مشاعروں میں پڑھی گئی شاعری پر کلام اقبال کے گہرے اثرات ہیں۔ ان شعراء نے خیالات، الفاظ اور تراکیب میں اقبال کی تقلید کرنے کے باجود اپنی انفرادیت کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ محمد خان نشتر کے ہاں بعض مقامات پر اقبال کی کورانہ تقلید ملتی ہے۔

انجمنوں کے جلسوں میں تحقیقی مقالات پڑھ کر سنانے کی طرح مستقبل میں اچھے محقق پیدا کرنے کا باعث بنے گی۔ اس سلسلے میں میرپور کی انجمنیں ''ادارہ تعبیر'' کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا جس نے صرف مشاعرہ کو ادبی تقریب سمجھ لینے کی روایت کو بدل کر اپنی تمام توجہ نثر کی خدمت پر مرکوز کی ہوئی ہے۔ اس کے جلسوں میں ناول، افسانے، تحقیقی مقالات اور تنقیدی نشستوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات مخصوص موضوع دے کر اراکین سے کہا جاتا ہے کہ وہ اس پر مضمون لکھ کر لائیں۔ ''ادارہ تعبیر'' کی کاوشوں سے آزاد کشمیر کی سطح پر نثر نگاری پر بھرپور توجہ دی جارہی ہے۔

حکومت آزاد کشمیر نے اردو زبان و ادب کی خدمت کے لیے مظفرآباد میں ''کشمیر کلچرل اکیڈمی'' کے نام سے

ایک ادارہ قائم کیا ہے۔ یہ ادارہ پاکستان اور کشمیر کے خاص قومی دنوں کے حوالے سے مشاعروں کا انعقاد کرتا ہے۔ اس کے علاوہ تقاریر اور تحقیقی مقالات کی نشستوں کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ مگر اس کے زیر اثر منعقدہ تقریری مقابلے سیاسی موضوعات کے حامل ہوتے ہیں جن میں ادب برائے نام ہوتا ہے اور سیاست زیادہ۔ اکیڈمی کی سیاسی اقربانوازی کی شکایت اکثر خبروں اور مضامین میں چھپتی رہتی ہے۔ اس سے قطع نظر اکیڈمی کا مجلہ ''تہذیب'' اردو ادب کی ترویج و اشاعت میں اہم کردار ادا کررہا ہے۔ اس میں ادبی مقالات، افسانے، مضامین اور شاعری چھپتی ہے۔ اس کی نثر اور شاعری دونوں ادبی معیار پر پورے اترتے ہیں لیکن افسوس تنقیدی مضامین کی یہاں بھی کمی محسوس ہوتی ہے۔

ضلع باغ میں ''طلوع ادب'' اور ''مہر ادب'' کے نام سے دو ادبی انجمنیں ادب کی خدمت بجالا رہی ہیں۔ ان دونوں ادبی انجمنوں کے زیر اہتمام ادبی جریدوں کا بھی اجراء کیا گیا ہے۔ ''طلوع ادب'' کا جریدہ ''مطلع'' اور ''مہرادب'' کا ''باغ بہار'' ہے۔ یہ جرائد دونوں انجمنوں کی علمی و ادبی سرگرمیوں کی ترویج و اشاعت میں نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔ ان انجمنوں کے تحت منعقد ہونے والے جلسوں کی کارروئیاں روداد کی شکل میں رسالوں کی زینت بنتی ہیں جن سے ادب کو فروغ ملتا ہے۔ ان جرائد میں زبان و ادب، سائنسی وفنی، سماجی و معاشرتی، صحافتی، تاریخی و جغرافیائی، اخلاقی و مذہبی اور صنعت و حرفت ایسے موضوعات پر ۷۰ سے زائد بیش قدر مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ یہ جرائد علمی وفنی مضامین کی اشاعت کے علاوہ اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت بھی کر رہے ہیں۔ ان کے مضامین نے کشمیری عوام کو ذہنی وفکری بالیدگی بخشنے، حکومت اور عوام کے مابین حائل خلیج کو پاٹنے کی کوشش کی ہے۔ ان جرائد میں اردو نظم ونثر کے نادر و نایاب نمونے بھی موجود ہیں۔ ان جرائد میں مقامی لکھاریوں کی تحریروں کو اولیت دی جاتی ہے جس سے مقامی لکھاریوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور وہ مزید اچھا لکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ان جرائد کے علاوہ میرپور کی تنظیم ''ادبیکا'' کا ادبی مجلہ ''ادبیات کاشر'' بھی اردو کی خدمت بڑی جانفشانی سے کر رہا ہے۔ لیکن اس کے صفحات کی تعداد کم ہے۔ اشتہارات کی کثرت کے باعث ادبی تحریروں کے لیے جگہ مزید کم ہوجاتی ہے۔ ''ادبیات کا شر'' کا ادبی معیار ''باغ و بہار'' اور ''مطلع'' کی نسبت کمتر ہے۔ اس میں تنقیدی وتحقیقی مضامین شائع نہیں ہوتے۔ شاعری کا معیار بھی بلند نہیں ہے۔ شاعری کے موضوعات میں عامیانہ پن ہے۔ الفاظ و تراکیب کی نشست و برخاست میں صوتی حسن کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ ''ادبیات کا شر'' میں ایسی شاعری کی تعداد کم ہے جسے پڑھ کر ادبی ذوق کی سیرابی ہو سکے۔

آزاد کشمیر کی مختلف ادبی انجمنوں نے مختلف ادبی جریدوں کا اجراء کیا۔ مگر مالی مجبوریوں اور کچھ انجمنوں کے ختم ہوجانے کے باعث جرائد بھی بند ہوگئے۔ ان میں مظفرآباد کی ''بزم شمع ادب سوسائٹی'' کا ''کشمیر ڈائجسٹ'' میرپور کی ادبی انجمن ''کل پاکستان بزم فکر ونظر'' کا ''ارتعاش'' اور بھمبر کی انجمن ''بزم اہل ذوق'' کوٹ جمیل کا ''شوق'' شامل ہیں۔

ان تینوں جرائد نے شعر و ادب کے رجحانات اور رویوں کو بہتر بنانے کی مقدور بھر کوششیں کیں۔ ان میں تحقیقی مضامین، تنقیدی مضامین، نظمیں اور غزلیں چھپتی تھیں۔ ان جرائد میں نامور اہل قلم شعراء کی تخلیقات چھپتی رہی ہیں جن کا تفصیلی ذکر باب چہارم میں کیا جا چکا ہے۔ ان جرائد نے آزاد کشمیر کو نیا ادبی شعور عطا کیا۔ ان جرائد نے عام عوام کو بھی نئے ادبی رجحانات سے روشناس کرایا جس کے باعث آج کشمیر کا ہر پڑھا لکھا شخص بھی ادب کا بہترین پارکھ ہے۔

آزاد کشمیر کے تمام جرائد کا موازنہ ''ماہ نو'' لاہور اور ''ادبیات'' (مجلس ترقی ادب کا مجلّہ) سے کیا جائے تو آزاد کشمیر کے مجلوں کا معیار کمزور نظر آئے گا۔ اس کی بنیادی وجہ سرمائے کی قلت ہے۔ جبکہ آزاد کشمیر میں انجمنوں سے وابستہ افراد نثر پر کم توجہ دیتے ہیں اور نظم وغزل پر زیادہ۔ اس لیے آزاد کشمیر کی ادبی انجمنوں کے مجلوں کا شاعری کا حصہ نثر سے زیادہ معیاری ہوتا ہے اور یہ بات بھی ان مجلوں کی نا مقبولیت میں اضافہ کرتی ہے۔

آزاد کشمیر کے ہر علاقے میں موجود ان انجمنوں نے یہاں کی مقامی زبانوں پہاڑی اور کشمیری پر گہرے لسانی اثرات بھی مرتب کیے ہیں۔ پہاڑی اور کشمیری کے ادبی سرمائے کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں زبانوں میں ۷۰ فیصد الفاظ اردو کے شامل ہو کر ان کا حصہ بن چکے ہیں۔ کیونکہ کسی بھی زبان کی حدود و حد بندی کا حتمی تصور ممکن نہیں ہے اس لیے پہاڑی میں مسلسل اردو الفاظ، اصطلاحات اور ضرب الامثال استعمال کیے جارہے ہیں۔ پہاڑی میں اردو الفاظ کا نفوذ اصناف ادب تک ہی محدود نہیں۔ عام بول چال میں بھی اردو کے الفاظ بکثرت استعمال ہوتے ہیں۔ پہاڑی شعر وسخن میں اردو کے اثر ونفوذ کے باعث اب پہاڑی کی مخصوص اصناف مثلاً سی حرفی، باراں ماہ ، چار بیتہ کے علاوہ حمد، نعت، منقبت، مرثیہ، قصیدہ، نظم، غزل، قطعہ، رباعی، مسدس، اور گیت کثرت سے تخلیق ہو رہے ہیں۔ پہاڑی میں اردو کے جو الفاظ مستعمل ہو رہے ہیں ان کو اسی طرح تلفظ کیا جاتا ہے اور اسی طرح لکھا جاتا ہے جس طرح اردو میں لکھا اور تلفظ کیا جاتا ہے۔ اور ان ہی معانی میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ انجمنوں کی اس خدمت کے باعث پہاڑی کا دامن اردو کے سبک، شیریں اور نرم آہنگ الفاظ سے مزین ہو رہا ہے۔

آزاد کشمیر کی ان ادبی انجمنوں کا موازنہ پاکستان کی نامور ادبی انجمنوں ''ترقی پسند تحریک'' اور ''حلقہ ارباب ذوق'' سے کیا جائے تو ہمیں ان انجمنوں پر'' حلقہ ارباب ذوق'' کے اثرات زیادہ دکھائی دیتے ہیں کیونکہ ''ترقی پسند تحریک'' شدت پسند تحریک تھی۔ اس نے ادب اور آرٹ کو رجعت پرست طبقوں کے چنگل سے نجات دلانے کے جوش میں اقبال کو فاشسٹ اور اکبرالٰہ آبادی کو رجعت پسند قرار دے کر یکسر نظر انداز کر دیا۔ اس تحریک نے اپنے ادب اور تہذیب و ثقافت کو غیر متمدن قرار دے کر غیر ملکی تہذیب و ثقافت (اشتراکی افکار) کو اپنانا شروع کر دیا تھا۔ واقعیت اور حقیقت نگاری پر زور دے کر اور ادب کو عوام کے قریب لانے کا نعرہ لگا کر ادب میں سستی جذباتیت جنس و فحاشی کو موضوع بنایا ۔ ان اسباب کے باعث ''ترقی پسند تحریک'' کشمیری تخلیق کاروں کے لیے قابل قبول نہ تھی۔ کیونکہ کشمیری تخلیق کار تو اقبال کی پیروی کو اپنا ایمان سمجھتے ہیں پھر وہ ایک ایسی تحریک کو کیسے قبول کر سکتے تھے جس نے اقبال کو فاشسٹ قرار دے دیا ہو۔ اس تحریک کی مذہبی بیزاری، جنسی تعفن اور اشتراکیت کے منشور کا پرچار کشمیر کی مذہبی، تہذیبی اور ثقافتی اقدار سے میل نہیں کھاتا۔ جبکہ ''حلقہ ارباب ذوق کی تحریک''، ''ترقی پسند تحریک'' کا ردعمل تھی۔

''حلقہ ارباب ذوق لاہور'' (پاکستان) کے قیام کے اغراض و مقاصد میں اردو کی ترویج و اشاعت کرنا، نوجوان لکھنے والوں کی تعلیم و ترویج کرنا، اردو لکھنے والوں کے حقوق کی حفاظت کرنا، تنقیدی ادب میں خلوص اور بے تکلفی پیدا کرنا، اردو ادب اور صحافت کے ناسازگار ماحول کو صاف کرنا شامل ہیں اور یہی اغراض و مقاصد آزاد کشمیر کی ہر ادبی انجمن کے بھی ہیں۔ مقاصد کی یکسانیت نے آزاد کشمیر کی ادبی انجمنوں کو ''حلقہ ارباب ذوق'' کے قریب کر دیا ہے۔ اب آزاد کشمیر کی ادبی انجمنوں کے ہاں بھی ''حلقہ ارباب ذوق'' کے تحت تخلیق ہونے والے ادب کی طرح پرانی سوچ کے ساتھ ساتھ نئی فکر اور نئے شعور کے سانچے بھی ملتے ہیں۔ غزلوں میں پرانے تلازموں کے بین بین اور نئے تلازمات بھی موجود ہیں۔ اس کے تخلیق کاروں کے ہاں ادب کو ادب کے حوالے سے پہچاننے اور ہیت اور اسلوب کو اہمیت دینے کا رجحان ملتا ہے۔ لیکن ''حلقہ

ارباب ذوق'' کو آزاد کشمیر کی ادبی انجمنوں پر فوقیت حاصل ہے۔ اس کے کئی اسباب ہیں۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

۲۹ اپریل ۱۹۳۹ء میں قائم ہونے والی یہ ادبی انجمن تاحال فعال ہے۔ جبکہ آزاد کشمیر کی انجمنوں میں سے ''ادبی و ثقافتی ادارہ تعبیر'' (میرپور) کو قائم ہوئے ۲۷ سال ''ایوان قرطاس وقلم'' (کوٹلی) کو ۲۹ سال اور ''ینگ میز لٹریری ایسوسی ایشن'' (مظفرآباد) کو ۲۳ سال ہو چکے ہیں۔ جبکہ اکثر انجمنیں چار پانچ سال گزرنے کے بعد یا تو ختم ہوگئیں یا غیر فعال ہوگئیں ہیں۔ ان میں کوئی بھی انجمن ایسی نہیں ہے جس کی اتنی طویل ادبی خدمات ہوں۔ جتنی ''حلقہ ارباب ذوق'' کی ہیں۔

O ''حلقہ ارباب ذوق'' کے جلسوں میں غزلیں، نظمیں، طنز ومزاح، افسانے، تنقیدی مقالات، گیت، تحقیقی مقالات، انشائیے اور ڈرامے پیش کیے جاتے ہیں۔ جبکہ آزاد کشمیر کی ادبی انجمنوں کے جلسوں میں بہت کم ادبی نشستیں ایسی ہیں جن میں ڈرامے اور تحقیقی مقالات پیش کیے گئے ہیں۔ اکثر انجمنوں کے زیر اہتمام مشاعروں کا ہی انعقاد کیا جاتا ہے۔ اس طرح آزاد کشمیر کی ادبی انجمنوں کے تحت متنوع قسم کا ادب تخلیق نہیں ہوتا۔

O ''حلقہ ارباب ذوق'' کے جلسوں میں پیش کی جانے والی تخلیقات پر بے لاگ تنقید کی جاتی ہے جس سے تخلیق کار کو تخلیق کی خوبیوں اور خامیوں سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ نیز اراکین حلقہ کے اندر بھی صحیح تنقیدی شعور پیدا ہوتا ہے۔ لیکن آزاد کشمیر کی ادبی انجمنوں میں تنقیدی نشست نہیں ہوتی۔ اگر تخلیق کار انجمن کے جلسے میں اپنی تخلیق تنقید کے لیے پیش کر بھی دے تو اراکین انجمن اس پر تنقید کے مغربی اصولوں کے مطابق تنقید نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جلسوں میں بے لاگ تنقید کے فقدان کے باعث یہ نقاد حضرات انتقادی سرمائے سے نابلد ہوتے ہیں۔

O ''حلقہ ارباب ذوق'' نے نئے لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم مہیا کیا جہاں کھلی فضاء میں تخلیقی اصناف کی پرکھ اور جانچ ہوتی ہے اور یہی پرکھ اس لکھاری کو خود سے روشناس کراتی ہے۔ آزاد کشمیر کے ادبی انجمنوں میں تنقیدی جلسوں کے فقدان کے باعث نئے لکھاریوں کے پاس ایسا کوئی پلیٹ فارم نہیں جہاں وہ اپنی تخلیقی اصناف کی جانچ پرکھ کر سکیں۔

O ''حلقہ ارباب ذوق'' کے جلسوں کی تمام کارروائیوں کا ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔ جلسوں کی آمدن اور خرچ کا بھی حساب کتاب لکھا جاتا ہے۔ جبکہ آزاد کشمیر کی صرف چند ایک انجمنیں جن میں ''بزم اقبال'' (مظفرآباد) ''شمع ادب سوسائٹی'' (مظفرآباد) اور ''ادبی و ثقافتی ادارہ تعبیر'' (میرپور) شامل ہیں۔ جو اپنے جلسوں کا باقاعدہ ریکارڈ رکھتی رہی ہیں۔ مگر ''بزم اقبال'' اور ''شمع ادب سوسائٹی'' کا ریکارڈ ۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء کے زلزلے کی نذر ہوگیا۔ ''جموں و کشمیر کلچرل اکیڈمی'' اور ''ادبی و ثقافتی ادارہ تعبیر'' کا ریکارڈ تو موجود ہے لیکن ان کے ریکارڈ کو اتنی باریک بینی اور احتیاط سے محفوظ نہیں کیا جاتا جتنا ''حلقہ ارباب ذوق'' کا ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔

آزاد کشمیر کی ادبی انجمنوں نے اردو زبان و ادب کو نئے اسالیب، مفاہیم، استعارے، رمزو ایمائیت، مصادر و ماخذ، اور تراکیب سے روشناس کیا۔ ان سے اردو زبان و ادب حلاوت و شیرینی کے نئے چٹخاروں سے آشنا ہوا۔ تحریک آزادی کشمیر کے حوالے سے مزاحمتی شاعری اور قومی مضامین اردو ادب کا ایک عظیم اثاثہ ہے۔

آزاد کشمیر کے تمام ادبی انجمنیں (وہ جو وقتاً فوقتاً بنتی رہیں اور اوجھل ہوجاتی رہیں) اور وہ جو تاحال فعال ہیں کی علمی و ادبی خدمات کا احاطہ مختصراً یوں کیا جاسکتا ہے:

۱۔ آزاد کشمیر کی تعلیم و تدریس کی روایات کا احیاء کیا۔

۲۔ ادب کے ذریعے عوام کی سماجی و معاشرتی حالت سدھارنے کی طرف توجہ دی۔

۳۔ عوام کی فلاح و بہبود کی پر توجہ دی۔

۴۔ حاکم و عام عوام کی فکری تضادات ختم کرنے کی کوشش کی۔

۵۔ انجمنوں نے اپنے ادبی جرائد کا اجراء کر کے اردو ادب کو بیش قیمت سرمایہ منتقل کیا۔

الف۔ اردو زبان میں مقامی الفاظ شامل کر کے اس کے ذخیرہ الفاظ کو وسعت دی۔

ب۔ لسانی مضامین کے ذریعہ مصادر و ماخذ کے عمدہ نمونے پیش کیے۔

ج۔ کشمیر کے حوالے سے روایتی کہانیوں کے تراجم کو اردو میں منتقل کر کے اردو ادب میں نثری سرمائے کو تقویت دی۔

ل۔ غزلیات میں کشمیر کے روایتی مضامین داخل کر کے اسے نئے خیالات و مفاہیم سے روشناس کرایا۔

م۔ اردو شاعری کو نیا اسلوب و آہنگ عطا کیا۔

ان انجمنوں نے علمی و ادبی سطح پر جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ان کے اثرات ہمیشہ اردو ادب پر محسوس کیے جائیں گے۔ ان انجمنوں کی علمی و ادبی خدمات اردو کے شعری ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں۔

ضمائم

طلوع ادب باغ کے زیر اہتمام

کی (تقریب رونمائی) بتاریخ 15/12/2004 بروز [illegible]

النور ہوٹل باغ کے ہال میں منعقد ہو رہی ہے۔ جس کے مہمان خصوصی

عزت مآب جناب عبدالرشید ترابی صاحب [illegible]

تقریب میں آپ کی شرکت کتاب کے خالق اور تمام ادب دوستوں کے لیے باعث مسرت ہوگی

منتظمین

[illegible]

مکرمی ---------------------------- السلام علیکم

اے کے ویمن ایسوسی ایشن باغ اور ادبی تنظیم طلوع کے زیر اہتمام

پروفیسر شفیق راجہ کے شعری مجموعے ''میں حرف حرف سمیٹوں'' کی **تقریب رونمائی**

مورخہ 22-05-03 بروز جمعرات بوقت 9.00 بجے **النور ہوٹل** باغ میں منعقد ہو رہی ہے۔

جس کے مہمان خصوصی عزت مآب جناب سردار سیاب خالد سپیکر آزاد جموں و کشمیر قانون ساز اسمبلی ہوں گے

تقریب میں آپ کی شرکت کتاب کے خالق اور تمام ادب دوستوں کیلئے باعث مسرت ہو گی

منتظم کمیٹی

پروین رمضان

سابق صدر نشین طلوع و چیئر پرسن اے کے ویمن ایسوسی ایشن

دلشاد احمد فراز ۔ ایس۔ایم۔بی کے چغتائی ۔ شہزاد محمود زرگر

از دفتر ''طلوع ادب'' ضلع باغ آزاد کشمیر

''طلوع ادب'' کے زیر اہتمام

''محفل مسالمہ''

مورخہ 18 فروری 2005ء بمطابق 8 محرم الحرام بروز جمعہ المبارک بعد نماز جمعہ پریس کلب باغ (پرانی کچہری) میں منعقد کیا جا رہا ہے۔

تقریب میں پاکستان اور آزاد کشمیر کے نامور شعراء کرام امام عالی مقام حسین علیہ السلام کے حضور اپنا منظوم نذرانہ عقیدت پیش کریں گے۔ آپ سے التماس کی جاتی ہے کہ ''محفل مسالمہ'' میں شرکت فرما کر اس کار خیر میں اپنا حصہ ڈالیں۔

والسلام

سید شہباز گردیزی

معتمد ''طلوع ادب'' باغ

از دفتر

معتمد "طلوع ادب" باغ آزاد کشمیر

محترمی! ---------------------------

سرزمین باغ کی اپنی ادبی تنظیم "طلوع ادب" کے زیر اہتمام شائع ہونے والا پہلا ادبی، تاریخی، ثقافتی جریدہ

"مطلع"

کا زلزلہ کے حوالے سے خصوصی شمارہ شائع ہو گیا ہے۔ جس میں ملک کے معروف ادباء و شعراء کی نگارشات شامل ہیں۔

"مطلع" کی تقریب رونمائی مورخہ یکم مارچ 2007ء بروز جمعرات بوقت 3 بجے بعد دوپہر مقامی "دیوان عزیز ہوٹل" میں منعقد ہو رہی ہے۔ اس تقریب رونمائی کے مہمان خصوصی آزاد جموں و کشمیر اسمبلی میں قائد حزب اختلاف

﴿شیر باغ جناب سردار قمر الزمان خان﴾

صاحب ہوں گے۔ اس کے علاوہ پاکستان اور آزاد کشمیر کے نامور دانشور، شاعر اور ادیب شرکت فرمائیں گے۔

آپ سے شرکت کی خصوصی درخواست ہے۔

معتمد

سید شہباز گردیزی

فون نمبر: 0302-5046939

"طلوع ادب" باغ کے زیر اہتمام

نامور شاعر "رازونیاز" کے خالق عبدالرزاق بے کل کے دوسرے شعری مجموعے

یہ ہوا کیا

کی تقریب رونمائی مورخہ 29 مارچ 2005ء بروز منگل بوقت 3:00 بجے انور ہوٹل باغ میں منعقد ہوگی اس تقریب کے مہمان خصوصی راجہ یسین خان وزیر حکومت سول سپلائی اینڈ پٹرولیم و ایم آئی اے سی ہوں گے۔ تقریب کی صدارت ممتاز مزاح نگار شاعر جناب انور مقصود کریں گے۔ تقریب سے آزاد کشمیر اور پاکستان کے ممتاز ادیب، شاعر، اور دانشور اظہار خیال فرمائیں گے۔ اس کے علاوہ لنچ کا بھی بطور خاص اہتمام کیا گیا ہے۔

آپ کو معہ احباب شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔

منتظر:

سید شہباز گردیزی معتمد طلوع ادب باغ

42929

"طلوع ادب باغ"

ضلع باغ کے نوجوان شاعر شہباز گردیزی کے اولین شعری مجموعے

"حقیقتوں کے عذاب"

کی تقریب پذیرائی میں ہم آپ کی شرکت کے خواہاں ہیں۔

17 اکتوبر 2003ء بروز منگل بوقت 9 بجے صبح
بمقام (ہال) بوائز پائلٹ ہائی سکول باغ۔

پہلی نشست

تقریب پذیرائی

مہمان خصوصی:

سردار قمر الزمان خان،
سابق وزیر تعلیم و سپورٹس آزاد کشمیر۔

زیر صدارت: خالد گیلانی صاحب سینئر سول جج

دوسری نشست

شام مشاعرہ

مہمان خصوصی

احمد عطاء اللہ
اسسٹنٹ کمشنر

آپ کے منتظر

پروفیسر شفیق راجہ،
صدر نشین طلوع ادب باغ۔

سردار ظہیر چغتائی
دلشاد احمد فراز۔
شاہد جعفری۔

مکرمی جناب　　　　　　　　　　　　　　　　السلام علیکم

مزاج بخیر

مورخہ 25 ستمبر بروز اتوار ۱۰ بجے دن شمس مارکیٹ کے چھت پر عباسپور کے ہر دلعزیز راہنما سردار محمد اقبال خان مرحوم کی یاد میں ایک طرحی مشاعرہ کا انعقاد کیا جا رہا ہے۔ جس میں آزاد کشمیر و پاکستان کے نامور شعراء تشریف لا رہے ہیں۔

طرح مصرع یہ ہے۔

"سردیوں کے چاند کو احساس تنہائی نہ ہو"

شعراء کرام اپنے کلام کے ساتھ تشریف لا کر شکریہ کا موقع دیں۔

منجانب:۔

ادارہ علم و فن عباسپور آزاد کشمیر

و

الرحمن کمپیوٹرز اکیڈی اینڈ سروسز

عباسپور آزاد کشمیر

از دفتر "طلوع ادب" باغ ریاست جموں کشمیر

محترم ----------------- السلام وعلیکم

خدا آپ کو خوش رکھے۔ ربیع الاول نبی پاک ﷺ کے اس دنیا میں ورودِ مسعود کے حوالے سے میرے اور آپ کے لیے اور پوری انسانیت کے لیے رحمت کا مہینہ ہے۔ نبی پاکؐ کے لیے نعت کہنا پڑھنا اور سننا باعث ثواب ہے۔ اس سلسلہ میں ادبی تنظیم "طلوع ادب" باغ کے زیر اہتمام ایک محفل نعت انشاء اللہ مورخہ 23 مئی 2004ء بروز اتوار بوقت 2:00 بجے بوقت دوپہر گورنمنٹ بوائز ہائی سکول باغ کے ہال میں منعقد ہو رہی ہے۔ جس میں شعراء اور نعت خواں حضرات نبی پاک ﷺ کی شان میں مدح سرائی فرمائیں گے۔ آپ تمام حضرات سے درخواست ہے کہ اس بابرکت محفل میں شریک ہوں۔ وقت کی پابندی آپ کے تعاون کا پہلا ثبوت ہوگا۔

معتمد

سید شہباز گردیزی

طلوع ادب باغ

از دفتر معتمد "طلوع ادب" باغ آزاد کشمیر

ملک کے نامور شاعر، ادیب، دانشور **ڈاکٹر صابر آفاقی** کے اعزاز میں "**طلوع ادب**" باغ کے زیر اہتمام ایک شعری نشست کا انعقاد مقامی دیوان عزیز ہوٹل میں مورخہ 09 مئی 2007ء بروز بدھ بوقت 7:30 شام کیا جا رہا ہے۔ جس میں آزاد کشمیر اور پاکستان کے نامور شعراء کرام شرکت فرمائیں گے۔

آپ سے شرکت کی استدعا ہے۔

دعا گو

سید شہباز گردیزی

معتمد "طلوع ادب" باغ آزاد کشمیر

۵

طلوع ادب باغ آزاد کشمیر

بخدمت محترم ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

آداب

باغ کی ادبی تنظیم طلوع ادب کے زیر اہتمام آزاد جموں و کشمیر کے معروف اردو

شاعر جناب **اسلم ظفر** کے اعزاز میں

ایک شعری نشست

آج 14 مارچ 2005 بروز سوموار بوقت 5 بجے شام

باغ انٹرنیشنل ہوٹل نزد نیشنل بینک باغ میں منعقد ہو رہی ہے

آپ سے اس نشست میں شرکت کی درخواست ہے

سید شہباز گردیزی

معتمد

از دفتر طلوع ادب باغ آزاد کشمیر۔

بخدمت جناب معزز ممبر طلوع ادب ___________

السلام علیکم!

گزارش خدمت ہے کہ آپ نے اپنی مرضی سے طلوع ادب کا ممبر شپ فارم پُر کیا تھا۔ آپ کا ممبر شپ نمبر ـــــــ ہے۔ جیسا کہ
آپ کے علم میں ہے کہ طلوع ادب کے زیر اہتمام بڑے پروگرامات بھی کیے جاتے ہیں۔ جس میں آزاد کشمیر اور پاکستان کے نامور اہل قلم
حضرات شرکت فرماتے ہیں۔ الحمد اللہ طلوع ادب ضلع باغ میں ادبی ماحول بنانے میں خاصی حد تک کامیاب ٹھہری ہے۔ مگر ابھی ہماری منزل اس
سے کہیں آگے ہے۔ تاکہ ہمارے نوجوان فضول وقت ضائع کرنے کے بجائے تخلیقی، تحقیقی کاموں میں حصہ لیں اور ماحول کی بہتری میں اپنا
کردار ادا کرسکیں مگر اس کے لیے تنظیم کو آپ کے تعاون کی اشد ضرورت ہے۔ اس وقت تنظیم کے مستقل ممبران کی تعداد تقریباً 45 تک ہے مگر
نشستوں میں چند ہی ممبران ایسے ہیں جو باقاعدہ تشریف لاتے ہیں۔ بعض ایسے ممبران بھی ہیں جو کہ آج تک نشستوں میں آئے تک نہیں۔
معزز ممبران طلوع ادب تنظیم کے بہت سے مسائل التواء کا شکار ہیں۔ مثلاً تنظیم کی رجسٹریشن، نئے عہدیداران کا انتخاب، مرکزی
آفس، مالیاتی اُمور، تنقیدی نشستوں کا باقاعدہ انعقاد، سٹڈی سرکل، اس طرح کے اور بہت سے معاملات ہیں جو آپ کے مشورے سے حل ہونے
ہیں۔

آپ تمام معزز ممبران طلوع ادب سے گزارش ہے کہ کم از کم پندرہ روزہ نشستوں میں شرکت کو یقینی بنائیں۔ آپ حضرات کی معلومات
میں اضافہ کے لیے ہم بتانے چلیں کہ 31 دسمبر 2004ء تک طلوع ادب کے زیر اہتمام 112 نشستیں مکمل ہو چکی ہیں۔
معزز ممبران طلوع ادب سن 2005ء کی نشستوں کا چارٹ لف ہذا ہے۔ ہم اس اُمید کیساتھ اجازت چاہیں گے کہ آپ حضرات آئندہ
نشستوں میں شرکت کو یقینی بنائیں گے۔

دعا گو۔

سید شہباز گردیزی

معتمد "طلوع ادب" باغ

مکرمی جناب ___________

السلام علیکم ___________

آداب!

باغ کی تین ادبی تنظیموں !! طلوع ادب !! !! کشمیر لٹریری سرکل !! اور !! ادبی پہاڑی سنگت !! کے زیر اہتمام
ایک محفل مشاعرہ مورخہ 16 جولائی 2004 کو بروز جمعہ بعد نماز عصر بوقت 5:30 ہوٹل النور باغ کے آڈیٹوریم
میں منعقد ہو رہی ہے جس میں آزاد کشمیر کے علاوہ کوہاٹ، راولپنڈی اور ٹیکسلا سے شعراء کرام تشریف لا رہے ہیں۔
آپ سے مع احباب شرکت کی استدعا ہے۔

منتظرین

سید شہباز گردیزی	سید فرہاد شاہ	سردار بشیر چغتائی
معتمد طلوع ادب	معتمد کشمیر لٹریری سرکل	معتمد ادبی پہاڑی سنگت

اغشتہ ایم ہر سر خار بخون دل | قانون باغبانی، صحرا نوشتہ ایم

آزاد کشمیر میں سالانہ صدارتی مشاعرے کی روایت کی تجدید میں

کشمیر لٹریری سرکل کے زیرِ اہتمام

سالانہ صدارتی مشاعرہ ۲۰۰۷ء

صدارت

جناب ظفر اقبال

مہمانِ خصوصی

عزت مآب

راجہ ذوالقرنین خان

صدر آزاد ریاست جموں و کشمیر



شرکت فرما کر ممنون فرمائیں۔

رابطہ:

0300-9735553

0345-5387740

0300-9166655

0348-9668933

پروفیسر اعجاز نعمانی

سیکرٹری کشمیر لٹریری سرکل مظفر آباد

کشمیر کلچرل اکیڈمی آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر

(تقریبات ہفتہ الحاق پاکستان)

محترم السلام علیکم!

کشمیر کلچرل اکیڈمی کے زیر اہتمام ہفتہ الحاق پاکستان کی تقریبات کے حوالے سے مورخہ ۱۳ جولائی ۲۰۰۷ء بوقت چار بجے دن بمقام اسمبلی ہاسٹل ہال مظفر آباد ایک قومی سیمینار بعنوان "مسئلہ کشمیر حل، امکانات، خدشات" منعقد ہوگا۔ عزت مآب سردار عتیق احمد خان وزیر اعظم آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر مہمان خصوصی ہوں گے۔ آپ سے بحیثیت مندوب شرکت کی استدعا ہے۔

احترامات فراواں کے ساتھ

جواد جعفری

چیئرمین

برائے رابطہ فون: 33045

کشمیر کلچرل اکیڈمی آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر

مکرمی جناب

السلام علیکم!

مشنۂ الحاق پاکستان کی تقریبات کا آغاز مورخہ 12 جولائی بوقت 10 بجے دن بمقام اے جے کے ٹیلی وژن سنٹر مظفرآباد ایک دعائیہ تقریب سے ہوگا جس میں ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کے شہداء کشمیر کے درجات کی بلندی کے لئے فاتحہ خوانی کے ساتھ ساتھ مقبوضہ کشمیر کی آزادی، آزاد کشمیر کی خوشحالی اور پاکستان کی ترقی و استحکام کی دعائیں کی جائیں گی۔ اس کے بعد ایک کل آزاد کشمیر محفل مشاعرہ منعقد کی جائیگی۔ تقریب کے مہمان خصوصی **عزت مآب سردار عتیق احمد خان** وزیراعظم آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر ہونگے۔

آپ سے خصوصی شرکت کی استدعا ہے۔

نوٹ: چونکہ یہ تقریب ٹیلی کاسٹ کی جانی ہے۔ اس لئے وقت کی پابندی آپ کی اور ہماری سہولت کا باعث ہوگی۔

احترامات فراواں کے ساتھ

جواد جعفری

چیئرمین

برائے رابطہ فون:33045

NAWA-I-WAQT

67 سال

نوائے وقت

4 جولائی 2007ء

بزم فکر و سخن پلندری

کا ماہانہ ادبی اجلاس

ممتاز شاعر، مصنف "ترجمان اقبال" پروفیسر عبدالعلیم صدیقی (تمغہ امتیاز) کی صدارت میں بزم فکر و سخن پلندری کا ماہانہ ادبی اجلاس ہوا۔ اعجاز بٹ نے تلاوت کلام پاک سے اجلاس کا آغاز کیا۔ کفیل تقیمی نے نعت پیش کی۔ نوجوان شاعروں، راشد علی عادل، ضیاالرحمن ضیاء، برکت حسین برق، سہراب کاوش نے اپنا تازہ کلام نظموں اور غزلوں کی شکل میں پیش کیا۔ آزاد کشمیر کے ممتاز شاعر گورنمنٹ سائنس کالج میرپور کے پروفیسر صغیر آسی نے ترنم کے ساتھ ایک نعت اور اپنی ایک نظم پیش کی جس پر سامعین نے زبردست داد دی۔ بزم فکر سخن کے سرپرست، صدر مجلس پروفیسر عبدالعلیم صدیقی [illegible] اردو [illegible] فارسی کلام [illegible] نظم [illegible] اردو [illegible] [illegible] دوران محفل کی اجلاس کے آخر میں کشمیر کی آزادی اور پاکستان کے استحکام کے لیے دعا کی گئی

رپورٹ عبدالرزاق، سیکرٹری نشرواشاعت، بزم فکر و سخن پلندری آزاد کشمیر

روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی / اسلام آباد ( ) 8 اگست 2007ء

NAWA-I-WAQT

67 سال

نوائے وقت

بزم فکر و سخن پلندری کا ماہانہ علمی و ادبی اجلاس

"بزم فکر و سخن پلندری" کا ماہانہ علمی و ادبی اجلاس ممتاز شاعر 'مصنف' علامہ اقبال کے ترجمان پروفیسر عبدالعلیم صدیقی کی صدارت میں ہوا۔ اجلاس کا آغاز پروفیسر مسعود احمد خان نے تلاوت کلام پاک سے کیا۔ ساجد عبدالرشید نے نعت پیش کی۔ تنویر نعیمی نے شاعر نصیر الدین نصیر گیلانی 'گولڑوی کی ایک 'نظم پڑھ کر سنائی۔ اعجاز بٹ نے مقبوضہ کشمیر کے حالات کی سیر اور اپنے رشتہ داروں سے ملاقاتوں پر مبنی روداد بیان کی۔ سیماب کاوش اور ضیاء الرحمن نے اپنا تازہ کلام غزلوں اور نظموں کی شکل میں پیش کیا۔ پروفیسر مسعود احمد خان نے میر تقی میر کا کلام سنایا۔ عبدالرزاق نے مرزا غالب کی ایک غزل سنائی۔ صدر اجلاس پروفیسر عبدالعلیم صدیقی نے اپنی ایک غزل پیش کرکے زبردست داد حاصل کی۔ عبدالرزاق نے کشمیر کی آزادی اور پاکستان کے استحکام کے لئے اختتامیہ دعا کی۔

(عبدالرزاق سیکرٹری نشر و اشاعت بزم فکر و سخن پلندری آزاد کشمیر)

NAWA-I-WAQT
۶۷ سال سے اشاعت پذیر
نوائے وقت

روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی / اسلام آباد 21 نومبر 2007ء

مظفر آباد میں کشمیر کلچرل اکیڈمی کے زیر اہتمام یوم اقبالؒ کی مرکزی تقریب

رپورٹ : عروج زاہرا جعفری

سارے ملک کی طرح آزاد کشمیر میں یوم اقبال عقیدت و احترام سے منایا گیا۔ مرکزی تقریب کشمیر کلچرل اکیڈمی کے زیر اہتمام مظفر آباد میں منعقد ہوئی۔ یوں تو اقبال حکیم الامت' شاعر مشرق اور مفکر پاکستان کی حیثیت سے پوری پاکستانی قوم بلکہ ملت مسلمہ کا مشترکہ سرمایہ ہیں لیکن یہ اعزاز صرف کشمیر کی سرزمین کو حاصل ہے کہ اسی دھرتی کی نسبت سے اقبال فرزند کشمیر کہلاتے ہیں اور اس تعلق پر اقبال کو خود بھی فخر ہے۔

؎ تنم گلے ز خیابان جنت کشمیر

کشمیر کلچرل اکیڈمی کے چیئرمین علامہ جواد جعفری ہر سال یوم اقبال کی تقریب بڑے اہتمام سے منعقد کرتے ہیں۔ ہمیں یاد ہے کہ جن دنوں وہ اکادمی کے سربراہ نہ تھے تب بھی وہ اقبال کو نہیں بھولے۔ اس سال یوم اقبال کی تقریب کسی مبالغے کے بغیر یادگار تھی۔ جس میں آزاد کشمیر کے بزرگ رہنما مجاہد اول سردار محمد عبدالقیوم خان' قائمقام صدر شاہ غلام قادر' وزیر جنگلات سید مرتضیٰ علی گیلانی' وزیر قانون عبدالرشید عباسی' چیئرمین وزیراعظم عملدرآمد کمیشن سردار گل خنداں کے علاوہ کثیر تعداد میں سرکاری افسران' ممبران اسمبلی' ادیبوں' شاعروں' دانشوروں' سماجی اور کاروباری تنظیموں کے نمائندوں' طلباء' وکلاء' علماء اور زندگی کے دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے شرکت کی۔

از دفتر طلوع ادب باغ آزاد کشمیر۔

پندرہ روزہ ادبی نشستوں کا شیڈول بابت سال 2005ء

مہینہ	جنوری 2005	فروری 2005	مارچ 2005	اپریل 2005	مئی 2005	جون 2005	جولائی 2005	اگست 2005	ستمبر 2005	اکتوبر 2005	نومبر 2005	دسمبر 2005
وقت	بعد از نماز جمعہ	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃
مقام	اقبال ہوٹل [illegible]	〃	〃	اقبال ہوٹل	〃	دربار ہوٹل	〃	〃				
۱	14 جنوری 2005 3 ذی الحج 1425	11 فروری یکم محرم 1426	11 مارچ 29 محرم	8 اپریل 28 صفر	6 مئی 26 ربیع الاول	3 جون 25 ربیع الثانی	1 جولائی 23 جمادی الاول	12 اگست 6 رجب	9 ستمبر 4 شعبان	7 اکتوبر 3 رمضان	4 نومبر 1 شوال	2 دسمبر 29 شوال
۲	28 جنوری 17 ذی الحج	25 فروری 15 محرم	25 مارچ 14 صفر	22 اپریل 12 ربیع الاول	20 مئی 11 ربیع الثانی	17 جون 9 جمادی الاول	15 جولائی 8 جمادی الثانی	26 اگست 20 رجب	23 ستمبر 18 شعبان	21 اکتوبر 17 رمضان	18 نومبر 15 شوال	16 دسمبر 3 ذوالقعد
۳							29 جولائی 22 جمادی الثانی					30 دسمبر 27 ذوالقعد

(نوٹ): تنظیم کے زیر اہتمام دیگر پروگرامات اس کے علاوہ کیے جائیں گے۔ جب تک تنظیم اپنا دفتر نہیں لے لیتی۔ اس وقت تک نشست کی جگہ کا تعین ممبران کی مشاورت سے ایک نشست پہلے کیا جائے گا۔

ممبران تمام نشستوں میں اپنی شرکت کو یقینی بنائیں۔ ہر نشست کی ادبی شخصیت کا تعین بھی اسی دن کیا جائیگا۔ اس کے علاوہ پندرہ روزہ نشستوں کے لیے الگ کوئی لیٹر جاری نہ کیا جائے گا۔

سید شہباز گردیزی

معتمد طلوع ادب باغ آزاد کشمیر

فون 42950

بخدمت جناب ڈپٹی کمشنر صاحب باغ آزاد کشمیر

عنوان: رجسٹریشن برائے (طلوع) ضلع باغ

جناب عالی!

عنوان الصدر میں تحریر خدمت ہے کہ (طلوع) تقریباً 6 سالوں سے باغ میں سماجی و عملی فلاح و بہبود کے کاموں میں شب و روز حصہ لے رہی ہے۔ تنظیم کا مقصد معاشرے سے جہالت اور فرسودگی کو دور کرنا ہے۔ اس کے علاوہ غریب طلبہ کی سرپرستی، عوامی لائبریری کا قیام باغ سے (مطلع) رسالے کا اجراء بھی تنظیم کا مقصد ہے۔

جناب والا!

(طلوع) باغ کے زیر اہتمام سیمینار، تعلیمی ورکشاپ، ادبی محافل کا بھی انعقاد کیا جاتا ہے۔ جس سے عام آدمی کو خاصہ فائدہ ہوتا ہے۔ جناب سے گزارش ہے کہ (طلوع) ضلع باغ کی رجسٹریشن کے لئے احکامات فرمائے جائیں۔ ہم جناب کے انتہائی مشکور رہیں گے۔

العارض

عہدے داران (طلوع) ضلع باغ آزاد کشمیر

عہدیداران:

۱: پروفیسر شفیق راجہ	صدر
۲: پروفیسر وجاہت گردیزی	نائب صدر اول
۳: تسکین اقبال راشدی	نائب صدر دوئم
۴: سید شہباز گردیزی	جنرل سیکرٹری
۵: سردار بشیر چغتائی	سیکرٹری نشر و اشاعت
۶: زبیر حسن زبیری	جوائنٹ سیکرٹری
۷: دلشاد احمد فراز	سیکرٹری مالیات

صدر	جنرل سیکرٹری	سیکرٹری مالیات
پروفیسر شفیق راجہ	سید شہباز گردیزی	دلشاد احمد فراز
صدر (طلوع) باغ	جنرل سیکرٹری (طلوع) باغ	سیکرٹری مالیات باغ
آزاد کشمیر	آزاد کشمیر	آزاد کشمیر

"طلوع ادب" باغ آزاد کشمیر خواتین ونگ

ممبر شپ فارم

نمبر فارم .... تاریخ ....

نام .... ولدیت ....

تاریخ پیدائش .... تعلیمی قابلیت ....

مستقل پتہ ....

....

موجودہ پتہ ....

ٹیلی فون نمبر گھر .... آفس ....

ممبر شپ فیس .... ماہانہ فیس ....

دستخط ممبر ....

دستخط جنرل سیکرٹری (طلوع)

دستخط صدر نشین (طلوع)

حلف نامہ:

میں خدا تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے یہ عہد کرتا / کرتی ہوں کہ میں فروغ ادب کے اس عظیم مقصد میں "طلوع ادب" کے ساتھ مل کر معاشرے سے فرسودگی، جہالت، جھوٹ، نفرت، مذہبی منافرت، قبائلی تعصب اور شعوری پس ماندگی کو مٹانے کے لیے علم، تعاون، سچ، امن، محبت اور آشتی کے لیے صدقِ دل سے کوشش کروں گا / گی۔

COMPOSED BY: SYED SAMAR KAZMI

مجلس ادب

کے عہدیدار

صدر	الحاج حافظ محمد یعقوب ہاشمی
نائب صدر	محمد اکرم خان ایڈووکیٹ
جنرل سیکرٹری	مسعود کشفی
سیکرٹری نشر و اشاعت	خواجہ غلام احمد ترابی
خزانچی	خواجہ غلام نبی مشکور

ناظم شعبہ پہاڑی پنجابی	مظفر احمد ظفر
ناظم شعبہ کشمیری	عبدالحفیظ سالب
ناظم شعبہ گوجری	ڈاکٹر صابر آفاقی

مسعود کشفی جنرل سیکرٹری مجلس ادب نے خورشید پرنٹرز اسلام آباد سے چھپوا کر شائع کیا۔

آئین

مجلس ادب

مرکز: مظفر آباد

شعبہ نشر و اشاعت مجلسِ ادب مظفر آباد آزاد کشمیر

منشور

قواعد و ضوابط

قائم شدہ 1991ء

کشمیر لٹریری سرکل مظفرآباد

جبر کمپوزنگ اینڈ ایڈورٹائزنگ سنٹر مظفرآباد فون 34689

(فرطاس رکنیت)

کشمیر لٹریری سرکل مظفرآباد

رکنیت: ....

تاریخ: ....

نام ______________ ولدیت ______________

تاریخ پیدائش ______________ شناختی کارڈ ______________

تعلیم ______________ روزگار ______________

رابطہ گھر ______________ فون نمبر ______________

رابطہ دفتر ______________ فون نمبر ______________

بیان حلفی

میں ______________ ولد ______________ ساکن ______________

کشمیر لٹریری سرکل کے اغراض و مقاصد سے کلی طور پر متفق ہوں اور اپنی بہترین صلاحیتوں کو اس کے مقاصد اور تکمیل کے لئے بروئے کار لاؤں گا۔

دستخط

تائید کنندہ

میں ______________ ولد ______________ رکنیت نمبر ______________ اپنی

رکنیت کی سفارش کرتا ہوں۔

دستخط

تائید کنندہ کی سفارش کی روشنی میں رکنیت دی جاتی ہے۔

صدر

کشمیر لٹریری سرکل مظفرآباد

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

(اقبال)

پاکستان نظام مصطفیٰ پارٹی

منشور

مجلس تحقیق فکر و فلسفہ پاکستان

مجلس تحقیق فکر و فلسفہ
ایک نظر میں

اس لئے کہ

تاریخ ____________

حوالہ نمبر ____________

بانی و صدر نشیں

سید ... اعجاز بخاری۔ سابق نگران کل پاکستان بزم فکر و نظر۔ مستقل معاون انجمن ترقی اردو پاکستان۔

اخبار نوائے وقت 3-اکتوبر 1976ء

کشتِ زعفران (مزاحیہ شعری مجموعہ) (۳۱۵)

شاعر: آزر عسکری ناشر: کشمیر نیشنل بک فاؤنڈیشن جیک روڈ، مظفرآباد صفحات: ۱۱۸ قیمت: ۱۰ روپے۔

یوں تو اردو میں مزاحیہ شاعری کی روایت بہت پرانی ہے لیکن مزاح و طنز کو نئے معاشرے کے رجحانات اور بوالعجبیوں کے حوالے سے جس شاعر نے سب سے پہلے دیکھا وہ اکبر الہ آبادی تھے معاشرتی اور تہذیبی شعور کے پس منظر میں اکبر الہ آبادی کے بعد کئی نام آتے ہیں لیکن ان میں سے اکبر مرحوم کی سی شہرت اور اہمیت کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔ آزر عسکری جو ایک عرصے تک گمنامی کے گوشے میں رہے ہیں۔ اکبر کی شعری روایت اور مسلک کے شاعر ہیں۔ ان کی شاعری میں معاشرے کے مختلف طبقوں کی منافقانہ اور مضحکہ خیز تصویروں کے ساتھ ساتھ حکومتی، حکمرانوں اور سرکاری اہل کاروں کے اقوال و افعال کے تضاد اور مضحکہ خیز پہلوؤں کی فن کارانہ عکاسی ملتی ہے۔ ان کی حس مزاح بہت لطیف ہے اور فن شعر پر انہیں معقول دسترس حاصل ہے "کشتِ زعفران" کی طباعت اگرچہ پرکشش نہیں ہے لیکن اس کے اشعار اتنے جاندار ہیں کہ وہ آزر عسکری کو ایک جاندار مزاحیہ شاعر تسلیم کرانے میں بڑی معاونت دیں گے۔ ایک قطعہ ملاحظہ ہو

جنرل کی جمعیت لفظی نہ پوچھو
خطیب جلسہ کا جھٹکا ہوا ہے
پڑے ہیں کل سے سی۔ ایم۔ ایچ میں حضرت
گلے میں جن کے الکسٹ اٹکا ہوا ہے!

تبصرہ نگار: گلزار داؤد چودھری

آذر عسکری کی تحریر

اقبال اور ہم

ذکر فانی کا چرچا جب بھی تو تھا وہ شاندار
اب تو مستقبل کا پیرایہ ہے تو فکر حال ہے

مجھ سے کہتے تھے یوں "پدرم سلطان بود"
یہ نہیں کہتے کہ اب تو جوتیوں میں دال ہے

وہ تفاخر ہم پرستی سے کوئی بھی باہر نہیں
کل تلک اسلام کا فخر اب اقبال ہے

اپنے گھر کو ہم سجا لیتے ہیں اُس کے نام سے
نام میرا سن کے گویا بڑا اقبال ہے

دس برس پہلے یہاں پر نام میرا اقبال کے
یادگاری طور پر بیت الکتب مقصود تھا

چار دیواری کا اُس کی افتتاح گو ہو گیا
چار دن کے بعد سارا سلسلہ مفقود تھا

کیا خبر تھی اب یہ فیصلہ ہوا ہو جائے گا
نام کا بیت الکتب - بیت الخلا ہو جائے گا

اقبال اور مجلس اقبال

یہ عرس جو ہر برس ہوتی ہے
نہیں پابند ماہ و سال کے ہم

تماشہ گاہ ہے دو چار افسر کلبا کی
ہیں واقف عرس کے احوال کے ہم

عوام الناس کو کیا اس سے مطلب
تھا ورنہ مقبرہ اقبال کے ہم

اقبال اور بزم فکر و دانش

یہ کیا رب فکر و دانش کی لگی ہے
کوئی بتلائے دانشور کہاں ہیں

سمجھ میں ہے یہی دانشوروں کا
ثبوت اُس کا بتا [illegible] ہیں

وہ [illegible]
یہ بزم فکر و دانش کو جنم دو

[illegible]
یہ حسینی ایڈیٹوریل کاری ادھر دو

آہستہ چل

اے حسین و حشر کے انداز چل - ذرا آہستہ چل
گھس نہ جائے یہ نئی دو جل - ذرا آہستہ چل

سبزہ زار عیش طے کرنے میں مجھ کو مشکلات ہیں
اس سے آگے مجھ کا ہے دلدل - ذرا آہستہ چل

[illegible] کر کے طے دل
کیا خبر آئے نہ آگے کل - ذرا آہستہ چل

آرزو عسکری کے نام حفیظ جالندھری کا لکھا ہوا خط

۱۲ ماڈل ٹاؤن - لاہور
23/9/76

جان برادر آرزو عسکری جی - السلام علیکم

کتاب زعفران وصول ہو گئی - اس دن سفر درپیش
تھا جب سنی سنی درست ہو گا مجھے سننے
پر کچھ میری زبان سے سنے - واقعی یہ کشت زعفران
اپنے پورے کھیت الحمدللہ ہے کہ یہ زمین
پر مثالی موسم میں کشت زعفران ہے
میں آپ کی طالبی صاحب کو عشق کا
شکرگزار ہوں کہ مجھے عالم نمود میں اس کشت
کی خبر سے نوازا — کچھ دیر کوئی
آواز دی - لیکن صدا الحوا میں گئی - خدا حافظ
ہے کہیے آخر کیا - یا آپ نے مجھ سے پوچھا
بہر حال آپ یہ سیر کیجیے گا تو

دیکھتے رہے ہو جو د رہا کرتی - اور عسکری سری تیر نہ سہی — منظوم یاد ہی سہی

کا سب سے بڑا شیدا کشمیر میں جا کر حاصل رہتا ہے

عسکری جی مجھے یہ الہامی داڑھی اس عسکری کی نو

ہیرواں ہے جو میرا جانی یار ہے —— لیکن میری ہو نہ

کہ یہ نہ کرے تو آدمی آخر کار بنے کیسے

عسکری جی

کشمیر ہے وہ جلوہ کہ اب جس کی راہ میں

فردوس کی وادیاں ہیں پیار انتظار کے

آپ کا یار مخلص
حفیظ

آزر عسکری کے نام لکھا ہوا کرنل محمد خان کا خط

[illegible] ضلع جہلم
۲۳ [illegible] ۱۹۸۱ء

محترم آزر صاحب سلام مسنون

عنایت نامہ ۱۷ [illegible] کا ملا۔ میں اپنے بیٹے کی طلب [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

آزر صاحب آپ سے ملاقات نہیں ہوئی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible]

والسلام مخلص
کرنل محمد خان



کشمیر ڈائجسٹ





بیادِ پیرِ طریقت رہبرِ کامل الحاج السید وزیر حسین شاہ کاظمی المشہدی

☆☆☆ آزاد کشمیر کا پہلا مکمل غیر سیاسی، علمی، ادبی، سماجی، ثقافتی مجلہ ☆☆☆

نگرانِ اعلیٰ اعزازی

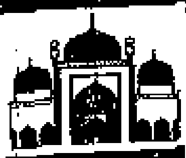
سید ظفر کاظمی

ادبیاتِ کاشر آزاد کشمیر

مدیر اعلیٰ

مظہر جاوید حسن

اہتمام اشاعت علمی ادبی تنظیم ادیکا آزاد کشمیر



فرمانِ پیرِ طریقت

وہ خود تنہا ہے
اس لیے اس نے
کائنات میں غم
بھر دیئے ہیں

مرشد کامل

السید وزیر حسین کاظمی المشہدی

جنوری 2007 زرِتعاون 10 روپے

کراچی کی معروف شاعرہ شہناز نور سے ایک مکالمہ ○ گفتگو: اوج کمال

: شہناز نور کا شمار کراچی ہی کی نہیں بلکہ پاکستان کی نمایاں ترین شاعرات میں ہوتا ہے۔ آپ شاعری کے ساتھ مخلص ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ ادبی سماجیات کی نمود و نمائش میں گم ہو کر نہیں رہ گئیں بلکہ حکومت پاکستان کے شعبہ اطلاعات میں ڈائریکٹر ہونے کے باوجود ذرائع ابلاغ کے اداروں سے قصداً دور ہیں۔ دراصل شاعری آپ کا مسئلہ ہے مشغلہ نہیں اور اسی وجہ نے آپ کو شعر لکھنے کی طرف راغب رکھا ہوا ہے۔ مشاعرہ بھی کبھی آپ کا مسئلہ نہیں رہا ہے حالانکہ آپ کل پاکستان مشاعروں، ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے مشاعروں اور دیارِ غیر میں منعقد ہونے والے مشاعروں میں مدعو کی جاتی رہتی ہیں تاہم وہ بے چینی تڑپ اور مشاعروں کے حصول کے لیے وہ غیر ادبی و غیر شاعرانہ طریقہ کار جو آج کل دیگر شاعرات نے اختیار کیا ہوا ہے، آپ کے پاس دیکھنے کو نہیں ملتا۔ گزشتہ برس آپ کا مجموعۂ کلام "نشاطِ ہجر" منظرِ عام پر آیا تو اس نے ایک عالم کو آپ کا گرویدہ بنا لیا۔ غمِ دوراں و غمِ جاناں کے مسائل جس شدت سے آپ کے مجموعۂ کلام میں ہیں اس ہی نے مجھے آپ سے ایک مکالمے پر اکسایا۔

☆ شہناز نور، آپ نے ۱۹۷۴ء میں پہلا مشاعرہ سکھر میں پڑھا۔ کیا اس وقت تک آپ کی شناخت بحیثیت

ہم پردے کے پیچھے بیٹھ کر کلام سناتے تھے یعنی مشاعروں میں بھی دو کمپارٹمنٹ ہوتے تھے مردانہ اور زنانہ۔ ۱۹۷۴ء کے مشاعرے کی جو آپ بات کر رہے ہیں اس میں کراچی سے حمایت بھائی (حمایت علی شاعر) اور محسن بھوپالی مدعو تھے باقی شعراء ضلع سکھر

سید، بچل نثار بلگی، کشور ناہید اور فہمیدہ ریاض کے نام بھی پڑھنے کو ملتے رہتے تاہم پروین شاکر کا نام اخبارات اور ریڈیو سے تواتر سے آرہا تھا جس نے ہم چھوٹے شہروں کے لکھاریوں کو اپنی جانب تیزی سے متوجہ کیا

☆ ان شاعرات کے کلام سے متاثر بھی ہوئی ہوں گی؟

□ متاثر ہونے کی صورت یوں نہیں بنی کہ کتابوں کا فقدان تھا اور متواتر کچھ چیزیں ملتی نہیں تھیں جن سے متاثر ہوتی، وہ چار غزلیں یا گیت سننے سے اثر انگیزی نہیں



اہلِ کشمیر اور کشمیری اہلِ قلم کا ادبی مجلّہ

ادبیاتِ کاشر

آزاد کشمیر

مدیر اعلیٰ .... مظہر جاوید حسن

علمی، ادبی، سماجی، ثقافتی تنظیموں، پرائیویٹ تعلیمی اداروں اور دوست احباب کے تعاون سے شائع ہوتا ہے۔

دسمبر 2007ء زرِ تعاون:- 10/ روپے

بدبخت ہے وہ شخص جس کے شر کے خوف سے اس کا احترام کیا جائے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

ایک عہد ساز روحانی شخصیت

حضرت واصف علی واصفؒ

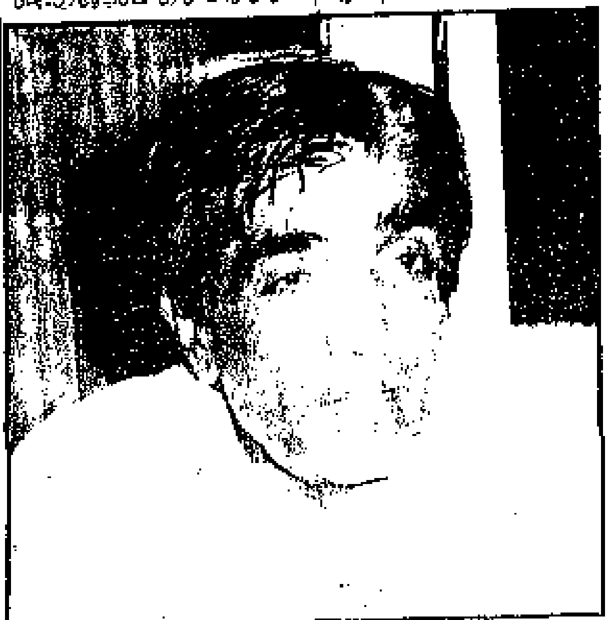
ریاض میاں ...... کبھی کبھی کائنات کا مالک اپنے بندے کو کائنات کی چابیاں بھی پکڑا دیتا ہے

اللہ تعالیٰ کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ پیدا ہوتے ہی ہم مسلمان ہوتے ہیں۔ الحمدللہ کانوں سے ہمارے وجود میں اترنے والی پہلی آواز اذان کی ہوتی ہے اور اپنے نبی کے صدقے ہم حبیب رب العالمین ﷺ کے ماننے والوں کی صف میں شامل ہو جاتے ہیں۔ سبحان اللہ

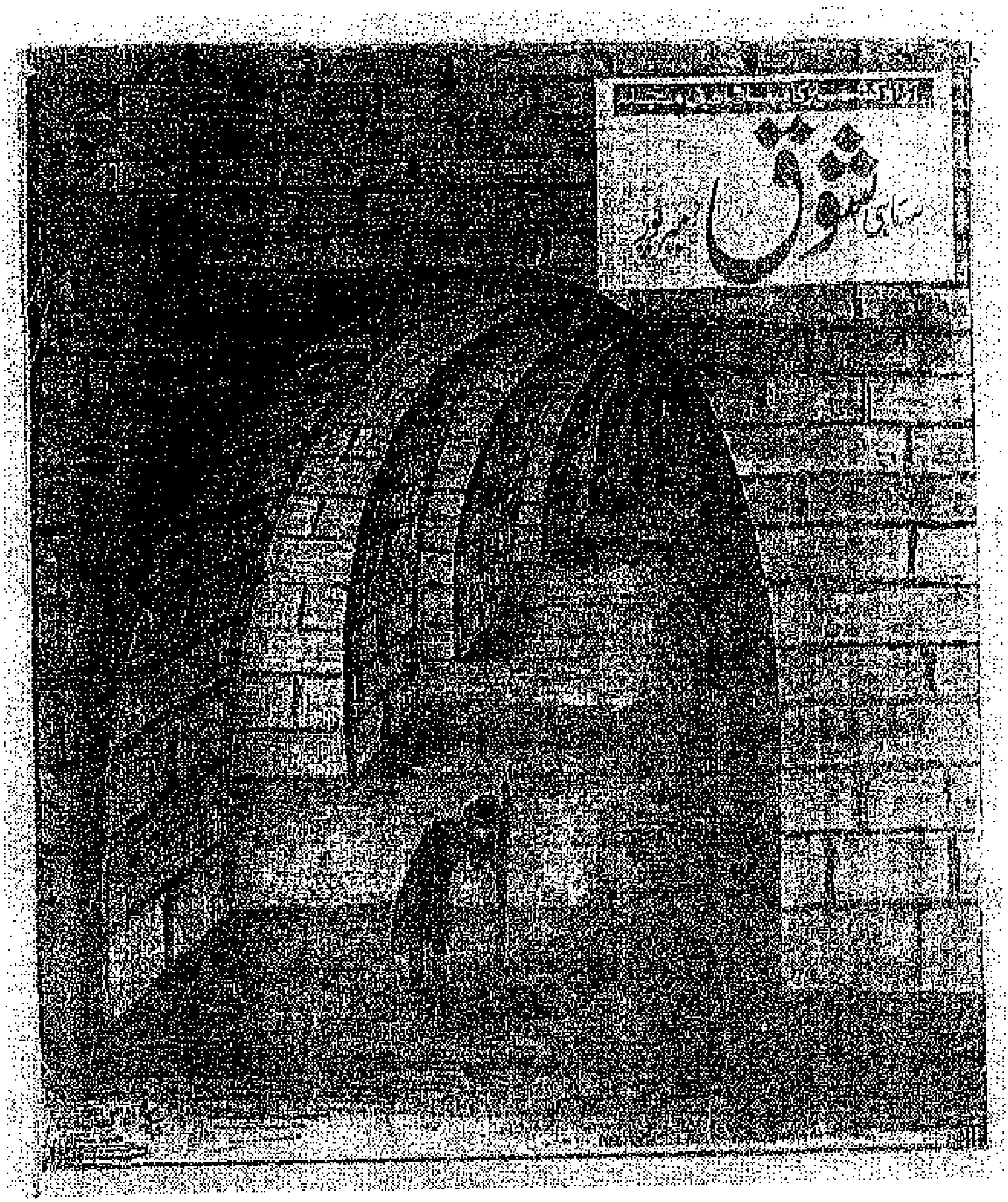
یہ تو ہمارے مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کا فخر ہے۔ اپنے طور پر ہم مسلمان ہونے کی اپنی مرضی بھلائے چلے جاتے ہیں لیکن عمر گزر جاتی ہے تمہیں عمریں گزر جاتی ہیں اور ہمیں مسلمانوں کا "گلی بال" "ہم مسلمانوں" کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ ہمارا دین اسلام ہے کیا۔ شاید اسی لیے بھی کہ بازار میں سادہ لوح مسلمانوں کے ہاتھ اسلام کے نام پر [illegible] کیا جا رہا ہے۔ ہمارے اور اسلام کے درمیان [illegible] فاصلہ قائم رہتا ہے جتنا دور ہے جتنا [illegible] ہمارے لیے انتہائی تکلیف دہ ہے جتنا فاصلہ ہمارے اور اسلام کے درمیان ہمیشہ رہتا ہے۔

جب مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ میں [illegible]

[illegible]

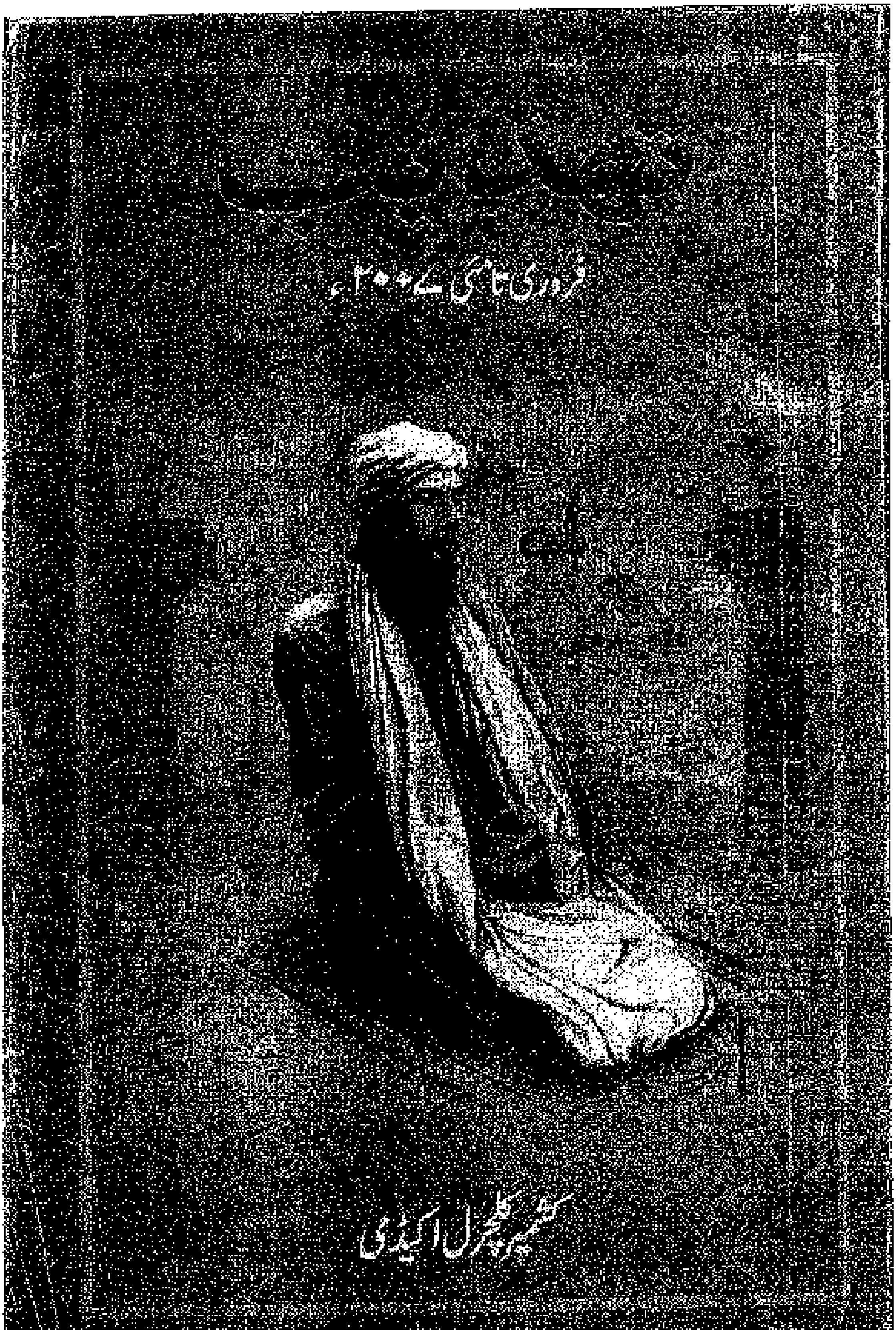


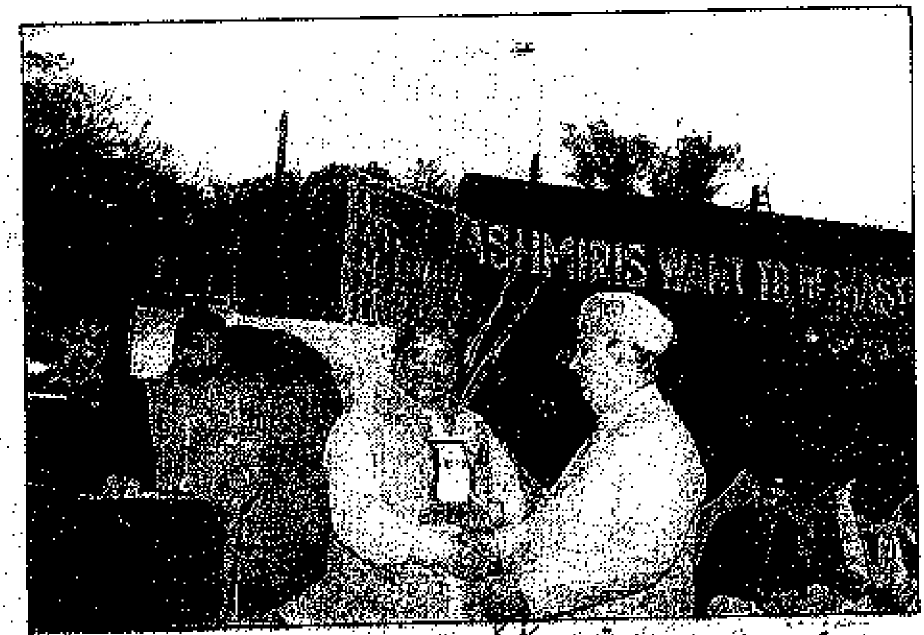
[illegible]




تہذیب
خصوصی کشمیر نمبر
اکادمی ادبیات کشمیر
(کشمیر اکیڈمی) آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر مظفرآباد


تہذیب
کشمیر اکیڈمی


فروری تا مئی ۲۰۰۷ء
کشمیر کلچرل اکیڈمی



اسلام آباد۔ ممتاز شاعر جناب صابر آفاقی چیئرمین کشمیر کلچرل اکیڈمی جناب جواد جعفری سے ایوارڈ وصول کر رہے ہیں۔



اسلام آباد۔ ممتاز شاعر ڈاکٹر نصر اللہ خان ناصر ایوارڈ وصول کرتے ہوئے۔



روزنامہ جموں وکشمیر کے چیف ایگزیکٹو چوہدری جہانگیر حسین ایوارڈ وصول کرتے ہوئے۔



ممتاز شاعر جناب انوار فیروز چیئرمین کشمیر کلچرل اکیڈمی سے ایوارڈ وصول کر رہے ہیں۔



بابائے گوجری حاجی رانا فضل حسین اپنا ایوارڈ وصول کر رہے ہیں



اسلام آباد۔ ممتاز شاعر اور کالم نگار ڈاکٹر افتخار مغل چیئرمین کشمیر کلچرل اکادمی جناب جواد جعفری سے ایوارڈ وصول کر رہے ہیں۔



اسلام آباد۔ ممتاز افسانہ نگار جناب امرال بیلا اپنا ایوارڈ وصول کر رہے ہیں۔



اسلام آباد۔ بزرگ شاعر اور دانشور جناب ڈاکٹر احسان اکبر چیئرمین کشمیر کلچرل اکیڈمی سے ایوارڈ وصول کر رہے ہیں۔


مطلع
باغ آزاد کشمیر


مطلع
سہ ماہی
عدم تحفظ کا احساس ایک معاشرتی المیہ
ایک پہلو یہ بھی ہے
کشمیر کی تصویر کا
نعیم میڈیکل سٹور


سہ ماہی
مطلع باغ
خصوصی اشاعت
جلد 2 شمارہ نمبر 2 جون تا اگست 2005
باغ ہسپتال کا سنگ بنیاد یکم جون 1905 کو رکھا گیا
الا وہی القلب
اسلامی اقدار اور جدید ادبی رجحانات
متوازن غذا
اسلامی اور جدید طبی تصور
AGING زندگی کا ایک ناگزیر مرحلہ



کتابیات

کتابیات

۱۔ آزر عسکری، ''کشت زعفران'' کشمیر نیشنل بک فاؤنڈیشن مظفر آباد، ۱۹۷۶ء

۲۔ آمنہ بہار روتا سیدہ، ''چناروں کی آگ''، ۱۹۸۷ء

۳۔ ابراہیم گل، ''محفل مشاعرہ (مرتب)'' بزم آزر مظفر آباد، ۱۹۸۶ء

۴۔ احسن ریاض سید، ''پاکستان ناگزیر تھا'' سن و سال ندارد

۵۔ احمد فراز، ''درد آشوب'' دوست پبلی کیشنز اسلام آباد، ۱۹۹۸ء

۶۔ اسد اللہ وانی ڈاکٹر، ''مقبوضہ کشمیر میں اردو مشمولہ بیرونی ممالک میں اردو'' مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۹۶ء

۷۔ اسرار ایوب، ''برف سے حرف''، ۱۹۹۵ء

۸۔ اسلم راجا، ''کونپل کا بدن'' ادارہ معاف کشمیر ہاڑی گہل باغ اے۔کے، ۱۹۸۴ء

۹۔ اعجاز نعمانی، ''اس گلی میں ہے نیل پھولوں کی'' (مرتب) شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، ۲۰۰۵ء

۱۰۔ افتخار حسین مغل، ڈاکٹر، ''انکشاف'' اساطیر لاہور، ۲۰۰۳ء

۱۱۔ ایچ بی خان، ڈاکٹر، ''تاریخ جہاد کشمیر'' الحمد اکادمی ناظم آباد کراچی، ۱۹۹۰ء

۱۲۔ ایم۔اے خان، ''کشمیر تاریخ کے آئینے میں''، لالہ زار پبلشرز میرپور اے۔کے، ۱۹۹۹ء

۱۳۔ ایم۔ایس ناز ڈاکٹر، ''تصویر کشمیر'' مقبول اکیڈمی لاہور، ۱۹۹۵ء

۱۴۔ ایوب صابر پروفیسر، ''آزاد کشمیر میں نفاذ اردو''، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۴ء

۱۵۔ بشیر احمد مغل پروفیسر، ''شام زندگی'' مغل برادرز چنڈی سہر وال میرپور، ۱۹۸۴ء

۱۶۔ '' '' ''صبح زندگی'' حلقہ ارباب ادب میرپور، ۱۹۸۴ء

۱۷۔ '' '' ''کشت لالہ و گل'' بھٹی پبلشرز میرپور، ۱۹۹۸ء

۱۸۔ بلبل کاشمیری، ''خندہ گل'' ادارہ فروغ اردو لاہور، ۱۹۹۸ء

۱۹۔ بوٹا خان راجس، ''کلیات راجس'' ریز پبلی کیشنز راولپنڈی، ۲۰۰۳ء

۲۰۔ پریم ناتھ بزاز، ''تاریخ جدوجہد آزادی کشمیر'' ندیم بک ہاؤس لاہور، ۱۹۹۴ء

۲۱۔ جواد جعفری، ''احتجاج'' نیلم ایونیو مظفر آباد، ۱۹۹۴ء

۲۲۔ '' '' ''قلم کے محاذ سے'' (مرتب) کشمیر اکیڈمی مظفر آباد، ۱۹۹۵ء

۲۳۔ '' '' ''شاہ ہمدان میر سید علی ہمدانی'' کشمیر اکیڈمی مظفر آباد، ۲۰۰۰ء

۲۴۔ جی ایم میر، ''چلین اور کشمیر'' مکتبہ رضوان میرپور، ۲۰۰۲ء

۲۵۔ '' '' ''کشور کشمیر کی پانچ سالہ تاریخ'' رضوان پبلشرز میرپور، ۲۰۰۴ء

۲۶۔ حبیب کیفوی، ''کشمیر میں اردو'' مرکزی اردو بورڈ لاہور، ۱۹۷۹ء

۲۷۔ '' '' ''میں اور میرا کشمیر'' جنگ پبلشرز لاہور، ۱۹۹۹ء

۲۸۔ خالد محمود جونوی، ''مدینہ المساجد کوٹلی قدیم و جدید کے آئینے میں'' میرپور، سن ندارد
۲۹۔ زاہد چودھری، ''پاکستان کی سیاسی تاریخ'' جلد سوم، ادارہ مطالعہ تاریخ پاکستان، ۱۹۹۰ء
۳۰۔ زاہد کلیم، ''نغمہ تار حیات'' نیلم پبلی کیشنز مظفرآباد، ۱۹۸۱ء
۳۱۔ ساجد محمود ساجد، ''آنکھیں صحرا ہوئیں'' پرفیکٹ ملٹی میڈیا سروسز میرپور، ۲۰۰۵ء
۳۲۔ ساگر کاشمری، ''ادھورے سپنے'' کاشر پبلشرز میرپور، ۱۹۹۹ء
۳۳۔ سرفراز حسین مرزا ڈاکٹر، ''پاکستان بھارت تنازعہ کشمیر'' سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۳ء
۳۴۔ سلام الدین نیاز ڈاکٹر، ''ان کہی داستان کشمیر'' کلاسک لاہور، ۱۹۹۲ء
۳۵۔ سلطان شاہ سید، ''میرپور ۴۷ سے قبل'' کاظمین پبلشرز میرپور، سن ندارد
۳۶۔ سلیم اختر (ڈاکٹر)، ''اردو زبان کی مختصر تاریخ'' مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۹۵ء
۳۷۔ سلیم خان گمی، ''اقبال اور کشمیر'' یونیورسل بکس لاہور، ۱۹۸۵ء
۳۸۔ " " ''کشمیر میں اشاعت اسلام'' یونیورسل بکس لاہور، ۱۹۸۶ء
۳۹۔ " " ''کشمیر ادب و ثقافت'' ادارہ مطبوعات پاکستان کراچی، ۱۹۶۳ء
۴۰۔ شفیق حسین مرزا، ''کشمیری مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد'' قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد، ۱۹۸۵ء
۴۱۔ شفیق راجہ پروفیسر، ''میں حرف حرف سمیٹوں'' طلوع ادب باغ اے۔کے، ۲۰۰۲ء
۴۲۔ صابر آفاقی ڈاکٹر، ''تاریخ کشمیر اسلامی عہد میں'' سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۲ء
۴۳۔ " " ''جلوۂ کشمیر'' سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۴ء
۴۴۔ " " ''نئے موسموں کی بشارت'' دستاویز مطبوعات لاہور، ۲۰۰۰ء
۴۵۔ " " ''خندہ ہائے بیجا'' الحمد پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۴ء
۴۶۔ " " ''شہر تمنا'' دستاویز مطبوعات لاہور، ۱۹۸۰ء
۴۷۔ صابر حسین صابر، ''دشت تنہائی'' بزم قلم و قرطاس پاکستان، ۱۹۸۴ء
۴۸۔ ضمیر جعفری سید، ''من مندری'' دوست پبلی کیشنز اسلام آباد، ۱۹۹۶ء
۴۹۔ " " ''آگ ستارہ'' دوست پبلی کیشنز اسلام آباد، ۲۰۰۱ء
۵۰۔ ضیاالحسن ضیاء، ''حرف و حکایت'' ارشد بک سیلرز میرپور، سن ندارد
۵۱۔ عارف کمپلوی، ''خون تحریریں ہیں'' کاشر پبلشرز میرپور، ۲۰۰۰ء
۵۲۔ عباس احمد آزاد، ''عالمی سامراج اور کشمیر'' کشمیر لٹریری اینڈ کلچر سوسائٹی، ۱۹۸۹ء
۵۳۔ عبدالحق مولوی، ''خطبات مولوی عبدالحق، جلد دوم'' سن ندارد
۵۴۔ عبدالرزاق بیکل، ''ہنگام جنوں'' سن و سال ندارد
۵۵۔ عبدالغنی اصغر ملک ڈاکٹر، ''کشمیر کا عروج و زوال'' ہمالیہ پبلشرز انٹرنیشنل، ۱۹۹۷ء
۵۶۔ عبدالقادر سروری پروفیسر ڈاکٹر، ''کشمیر میں اردو'' کشمیر اکیڈمی سرینگر، ۱۹۸۱ء
۵۷۔ عبداللہ ڈاکٹر سید، ''پاکستان میں اردو کا مسئلہ'' مکتبہ خیابان ادب لاہور، ۱۹۷۶ء

۵۸۔ عبدالمجید سالک، ''مسلم ثقافت ہندوستان میں'' ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۸۲ء
۵۹۔ عبدالواحد معینی سید، ''باقیات اقبال'' آئینہ ادب لاہور، ۱۹۷۸ء
۶۰۔ عصمت جاوید (ڈاکٹر)، ''نئی اردو قواعد'' ترقی اردو بیورو نئی دہلی، ۱۹۰۳ء
۶۱۔ غلام احمد پنڈت خواجہ، ''کشمیر آزادی کی دہلیز پر'' جنگ پبلشرز، ۱۹۹۵ء
۶۲۔ 〃 〃 ''اوراق پارینہ'' سنگھم پبلی کیشنز مظفرآباد، سن و سال ندارد
۶۳۔ غلام نبی خیال، ''فغان کشمیر'' (مرتب) اکادمی ادبیات کشمیر اسلام آباد، ۱۹۹۹ء
۶۴۔ فتح محمد ملک پروفیسر، ''سردار احمد پیرزادہ سید اور تجمل شاہ (مرتبین) ''پاکستان میں اردو'' جلد پنجم، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۲۰۰۶ء
۶۵۔ فرحت مشتاق، ''ایک شام پروفیسر محمد رفیق بھٹی کے نام'' پنجال پبلشرز میرپور، سن و سال ندارد
۶۶۔ فرمان فتح پوری ڈاکٹر، ''ادب اور ادب کی افادیت'' الوقار پبلی کیشنز لاہور، سن ندارد
۶۷۔ فیض احمد فیض، ''نسخہ ہائے وفا'' مکتبہ کارواں لاہور، سن و سال ندارد
۶۸۔ قدرت اللہ شہاب، ''شہاب نامہ'' سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۹ء
۶۹۔ کلہن پنڈت، ''راج ترنگی'' (مترجم ٹھاکر اچھر چند شاہپوریہ) ویری ناگ پبلشرز میرپور، سن و سال ندارد
۷۰۔ ماجد نذر، ''محبت پیراہن میرا'' خواب پبلشرز لاہور، ۱۹۹۶ء
۷۱۔ ماہر القادری مولانا، ''پاکستانی ادب'' سن و سال ندارد
۷۲۔ محمد افضل صابری، ''دھرتی ماں یہ عہد ہے میرا'' کشمیر نیوز پبلی کیشنز کوٹلی اے۔کے، ۲۰۰۶ء
۷۳۔ محمد اقبال علامہ، ''بانگ درا'' شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۷۱ء
۷۴۔ 〃 〃 ''بال جبریل'' ایضاً، ۱۹۷۲ء
۷۵۔ 〃 〃 ''ارمغان حجاز'' ایضاً، ۱۹۸۲ء
۷۶۔ 〃 〃 ''پیام مشرق'' ایضاً، ۱۹۷۱ء
۷۷۔ 〃 〃 ''جاوید نامہ'' ایضاً، ۱۹۷۴ء
۷۸۔ 〃 〃 ''کلیات اقبال (اردو)'' ایضاً، ۱۹۷۹ء
۷۹۔ 〃 〃 ''کلیات اقبال (فارسی)'' ایضاً، ۱۹۸۳ء
۸۰۔ محمد اکرام شیخ، ''آب کوثر'' ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۲۰۰۰ء
۸۱۔ محمد اکرم طاہر، ''شام کی دہلیز پر'' عمیر پبلشرز لاہور، ۱۹۹۶ء
۸۲۔ 〃 〃 ''خواب دیکھتے جاؤ'' خزینہ علم و ادب لاہور، ۲۰۰۴ء
۸۳۔ محمد امین پنڈت، ''مختصر تاریخ کشمیر'' کراس لائن مظفرآباد اے۔کے، ۱۹۹۰ء
۸۴۔ محمد حفیظ شاکر، ''کرب آرزو''، ۱۹۹۶ء
۸۵۔ محمد خالد کاشمیری، ''صدائے حق'' کاشر پبلشرز میرپور، ۲۰۰۱ء

۸۶۔ محمد خلیل ثاقب، ''ندائے حق'' الفضل کتاب گھر میرپور، ۱۹۹۶ء

۸۷۔ محمد خان نشتر، ''لمحات نشتر'' نیلم پبلی کیشنز مظفرآباد اے۔کے، ۲۰۰۲ء

۸۸۔ محمد دین فوق، ''مکمل تاریخ کشمیر، حصہ اول'' ویری ناگ پبلشرز میرپور اے۔کے، ۱۹۹۱ء

۸۹۔ 〃 〃 ''شباب کشمیر'' ویری ناگ پبلشرز میرپور، ۱۹۸۷ء

۹۰۔ 〃 〃 ''مشاہیر کشمیر'' ویری ناگ پبلشرز میرپور، ۱۹۳۶ء

۹۱۔ 〃 〃 ''تاریخ اقوام پونچھ'' ویری ناگ پبلشرز میرپور، ۱۹۳۶ء

۹۲۔ محمد رفیق بھٹی، ''ستون دار'' پنجال پبلشرز میرپور اے۔کے، ۱۹۹۴ء

۹۳۔ 〃 〃 ''لہونگر'' پنجال پبلشرز میرپور اے۔کے، ۱۹۹۷ء

۹۴۔ محمد سرور عباسی پروفیسر، ڈاکٹر، ''کشمیری مسلمانوں کی جدوجہد آزادی (۱۸۹۲ء تا ۱۹۴۷ء)'' انسٹی ٹیوٹ آف کشمیر سٹڈیز مظفرآباد، ۱۹۹۲ء

۹۵۔ محمد سعید اسعد، ''جموں و کشمیر بک آف نالج'' نیشنل انسٹیٹیوٹ آف کشمیر سٹڈیز میرپور اے۔کے، ۲۰۰۲ء

۹۶۔ 〃 〃 ''منگلا ڈیم۔۔۔خطرناک توسیعی منصوبہ'' کاشر پبلشرز میرپور اے۔کے، ۲۰۰۲ء

۹۷۔ محمد صغیر آسی، ''ہائیکو آسی'' الفضل کتاب گھر میرپور اے۔کے، ۱۹۹۱ء

۹۸۔ 〃 〃 ''شعرائے کشمیر'' الفضل کتاب گھر میرپور، ۱۹۹۳ء

۹۹۔ محمد عبداللہ شیخ، ''آتش چنار'' مکتب شعر و ادب لاہور، سن ندارد

۱۰۰۔ محمد عبداللہ قریشی، ''حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں'' بزم اقبال لاہور، ۱۹۸۲ء

۱۰۱۔ محمد یوسف بخاری ڈاکٹر، ''کشمیری اور اردو زبان کا تقابلی مطالعہ'' مرکزی اردو بورڈ لاہور، ۱۹۸۲ء

۱۰۲۔ محمود آزاد سید، ''تاریخ کشمیر'' ادارہ معارف کشمیر ہاڑی گہل باغ اے۔کے، ۱۹۷۰ء

۱۰۳۔ محمود شیرانی حافظ، ''مقالات محمود شیرانی، جلد دوم'' مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۹ء

۱۰۴۔ محی الدین حاجنی پروفیسر، ''کشمیر پر مغلوں کی جارحیت'' (مترجم جی۔ایم میر)، ۱۹۸۲ء

۱۰۵۔ مخلص وجدانی، ''صلیبوں کا شہر'' ادبیات مظفرآباد، ۲۰۰۶ء

۱۰۶۔ مسعود اعجاز بخاری سید، ''اس عہد کے ابراہہ کے لشکری'' مجلس تحقیق فکر و فلسفہ پاکستان، میرپور اے۔کے، ۲۰۰۳ء

۱۰۷ مسعود کشفی، ''کارواں'' بک سنٹر راولپنڈی، ۱۹۸۹ء

۱۰۸ مشتاق شاد، ''رنگ رنگ'' ماورا پبلشرز لاہور، ۱۹۹۲ء

۱۰۹ منصور راٹھور، ''چلو میں ہار جاتا ہوں'' ہم خیال پبلشرز فیصل آباد، ۱۹۹۹ء

۱۱۰ منور قریشی، ''دہلیز شب'' اتفاق پرنٹنگ پریس مظفرآباد، ۲۰۰۰ء

۱۱۱ منیر احمد یزدانی پروفیسر، ''شعور اقبال'' ادبستان لاہور، ۲۰۰۱ء

۱۱۲ میاں کریم اللہ قریشی، ''خضر دیکھتا ہے دلر کے کنارے'' بزم سوز کشمیر مظفرآباد اے۔کے، ۱۹۹۵ء

۱۱۳ نادرہ آرزو، ''درد کی سند''، ۱۹۹۹ء

۱۱۴ ناز مظفرآبادی، ''دسترس'' مثال پبلشرز فیصل آباد، ۲۰۰۴ء

۱۱۵ نثار حسین ہمدانی ڈاکٹر سید، ''چنار، چاندنی اور چنبیلی'' ویری ناگ پبلشرز میرپور اے۔کے، ۱۹۹۳ء

۱۱۶ نذیر انجم پروفیسر، ''پلک پلک زنجیر'' کاشر پبلشرز، میرپور اے۔کے، ۱۹۹۲ء

۱۱۷ " " ''قرض سخن'' ارشد بک سیلرز میرپور اے۔کے، ۱۹۹۸ء

۱۱۸ نصیر احمد ناصر، ''جدائی راستوں کے ساتھ چلتی ہے'' لیور بکس اسلام آباد، ۱۹۹۴ء

۱۱۹ واحد اعجاز ہمدانی میر، ''راستہ مت بدل'' خزینہ علم و ادب لاہور، ۲۰۰۴ء

۱۲۰ وجیہہ الحسن صفدر شفق، ''ویران گلیوں میں بارش'' آر پرنٹرز لاہور، ۲۰۰۷ء

۱۲۱ یعقوب طارق راجہ، ''تاریخ گکھڑان'' حق داد طارق اینڈ برادرز میرپور، سن و سال ندارد

۱۲۲ یونس جاوید ڈاکٹر، ''حلقہ ارباب ذوق تنظیم، تحریک، نظریہ'' دوست پبلی کیشنز اسلام آباد، ۲۰۰۳ء

۱۲۳ G.A Grierson, Linguistic Survay of India, Vol. IX, Part IV, Motilal Banarsidas,

۱۲۴ Maculay's Minutes on Education in India, Calcutta, 1862, Delhi, Varanasi

انٹرویوز

۱۔ مقالہ نگار ہمراہ، ابراہیم گل بمقام رہائش گاہ مدینہ مارکیٹ مظفرآباد کے۔کے، ۱۵ جولائی ۲۰۰۷ء

۲۔ مقالہ نگارہ ہمراہ، اعجاز نعمانی، بمقام رہائش گاہ دومیل سیداں مظفرآباد اے۔کے، ۲ اگست ۲۰۰۷ء

۳۔ مقالہ نگار ہمراہ، الطاف شاکر، بمقام رہائش گاہ الطاف شاکر محلہ جامع مسجد کوٹلی اے۔کے، ۱۵ جون ۲۰۰۶ء

۴۔ مقالہ نگار ہمراہ، افتخار حسین مغل ڈاکٹر، بمقام دومیل سیداں مظفرآباد، ۲ اگست ۲۰۰۷ء

۵۔ مقالہ نگار ہمراہ، افتخار حسین مغل ڈاکٹر، بمقام رہائش گاہ چھاڑ مغل آباد مشتبہ مظفرآباد، ۱۳ اگست ۲۰۰۷ء

۶۔ مقالہ نگار ہمراہ، بشیر بیگ، بمقام رہائش گاہ بشیر بیگ گلپور کوٹلی اے۔کے، ۳ نومبر ۲۰۰۷ء

۷۔ مقالہ نگار ہمراہ، جواد جعفری، بمقام دفتر کشمیر کلچرل اکیڈمی مظفرآباد، ۳۰ جولائی ۲۰۰۷ء

۸۔ مقالہ نگار ہمراہ، خورشید احمد خواجہ پروفیسر، بمقام رہائش گاہ، سیکٹر ا۔بی میرپور، ۲۹ اکتوبر ۲۰۰۷ء

۹۔ مقالہ نگار ہمراہ، زاہد کلیم، بمقام رہائش گاہ نزد گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج مظفرآباد، ۲۸ جولائی ۲۰۰۷ء

۱۰۔ مقالہ نگار ہمراہ، صابر آفاقی ڈاکٹر پروفیسر، بمقام رہائش گاہ ڈاکٹر صابر آفاقی لوئر پلیٹ مظفرآباد، ۱۲ جولائی ۲۰۰۷ء

۱۱۔ مقالہ نگار ہمراہ، عرفان صدیقی بمقام رہائش گاہ عرفان صدیقی محلہ شاہی مسجد کوٹلی اے۔کے، ۲ فروری ۲۰۰۶ء

۱۲۔ مقالہ نگار ہمراہ، محمد افضل صابری بمقام رہائش گاہ محمد افضل صابری محلہ پرتھان کوٹلی اے۔کے، ۱۱ نومبر ۲۰۰۷ء

۱۳۔ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۲۵ نومبر ۲۰۰۷ء

۱۴۔ مقالہ نگار ہمراہ، محمد خالد کاشمیری، بمقام رہائش گاہ خالد کاشمیری محلہ بلیاہ کوٹلی اے۔کے، ۱۰ جون ۲۰۰۷ء

۱۵۔ مقالہ نگار ہمراہ، محمد عالم چودھری ڈاکٹر، بمقام رہائش گاہ ڈاکٹر محمد عالم چودھری پنا کھہ کوٹلی اے۔کے، ۱۰ جون ۲۰۰۷ء

۱۶۔ مقالہ نگار ہمراہ، محمد منظور قریشی، بمقام رہائش گاہ محمد منظور قریشی محلہ شاہی مسجد کوٹلی اے۔کے، ۲۵ نومبر ۲۰۰۷ء

۱۷۔ مقالہ نگار ہمراہ، مسعود اعجاز بخاری سید، بمقام رہائش گاہ ۳۲۔اے سیکٹر بی۔۳ پارٹ سیکنڈ میرپور، ۲۸ اکتوبر ۲۰۰۷ء

۱۸۔ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 یکم نومبر ۲۰۰۷ء

۱۹۔ مقالہ نگار ہمراہ، منیر احمد یزدانی پروفیسر، بمقام رہائش گاہ ۳۲ بی۔۳ پارٹ سیکنڈ میرپور، ۳۰ اکتوبر ۲۰۰۷ء

۲۰۔ مقالہ نگار ہمراہ، میاں محمد اسحاق سوز، بمقام رہائش گاہ دومیل سیداں مظفرآباد، ۳۱ جولائی ۲۰۰۷ء

۲۱۔ مقالہ نگار ہمراہ، نثار ہمدانی ڈاکٹر سید، بمقام آزاد جموں و کشمیر یونیورسٹی کیمپس مظفرآباد، ۱۳ جولائی ۲۰۰۷ء

۲۲۔ 〃 〃 〃 بمقام رہائش گاہ نزد امام بارگاہ مظفرآباد، ۱۴ جولائی ۲۰۰۷ء

مکاتیب

۱۔ آمنہ بہار رونا سیدہ، بنام مقالہ نگار، مورخہ ۱۰ اپریل ۲۰۰۶ء،
اعجاز نعمانی، بنام مقالہ نگار، مورخہ ۲۰ جولائی ۲۰۰۶ء

۲۔ الطاف شاکر، بنام مقالہ نگار، مورخہ ۱۲ اپریل ۲۰۰۶ء

۳۔ شفیق راجہ پروفیسر، بنام مقالہ نگار، مورخہ ۳۱ اگست ۲۰۰۶ء

۴۔ شہباز گردیزی سید، بنام مقالہ نگار، مورخہ ۱۸ جولائی ۲۰۰۷ء

۵۔ صابر آفاقی ڈاکٹر، بنام مقالہ نگار، مورخہ ۲۲ نومبر ۲۰۰۵ء

۶۔ ایضاً، مورخہ ۸ اکتوبر ۲۰۰۶ء

۷۔ ایضاً، مورخہ ۱۱ اکتوبر ۲۰۰۷ء

۸۔ عبدالرشید ملک، بنام مقالہ نگار، مورخہ ۳ دسمبر ۲۰۰۵ء

۹۔ عمران حمید گیلانی، بنام مقالہ نگار، مورخہ ۲۰ جولائی ۲۰۰۷ء

۱۰۔ کوثر سلیمان، بنام مقالہ نگار، مورخہ ۱۴ جولائی ۲۰۰۷ء

۱۱۔ محمد اقبال میر، بنام مقالہ نگار، مورخہ ۱۸ نومبر ۲۰۰۷ء

۱۲۔ محمد صغیر خان ڈاکٹر سردار، بنام مقالہ نگار، مورخہ ۱۷ اکتوبر ۲۰۰۵ء

۱۳۔ مسعود احمد خان پروفیسر، بنام مقالہ نگار، مورخہ ۱۶ جولائی ۲۰۰۷ء

۱۴۔ مظہر جاوید حسن، بنام مقالہ نگار، مورخہ ۱۲ دسمبر ۲۰۰۷ء

۱۵۔ معصوم حسین زندہ سید، بنام مقالہ نگار، مورخہ ۷ نومبر ۲۰۰۷ء

۱۶۔ میاں محمد اسحاق سوز، بنام مقالہ نگار، مورخہ ۳ اگست ۲۰۰۷ء

۱۷۔ وجیہہ الحسن صفدر شفق، بنام مقالہ نگار، مورخہ ۳ جون ۲۰۰۷ء

جرائد و رسائل

	اخبار	ماہنامہ	جگہ	شمارہ
۱۔	اخبار اردو	ماہنامہ	اسلام آباد	شمارہ ۲ فروری ۲۰۰۵
۲۔	ادبیات	سہ ماہی	اسلام آباد	شمارہ ۲۰۰۵
۳۔	،،	،،	،،	شمارہ ۲۷ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۶
۴۔	،،	،،	،،	شمارہ ۲۶ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۷
۵۔	ادبیات کاشر	ماہنامہ	میرپور	شمارہ جنوری ۲۰۰۷
۶۔	ادبیات کاشر	،،	،،	شمارہ دسمبر ۲۰۰۷
۷۔	ادبی دنیا	کشمیر نمبر	لاہور	شمارہ ۱۹۲۲
۸۔	ارتعاش	ماہنامہ	میرپور	شمارہ جولائی۔اگست ۱۹۸۴
۹۔	انوار الاولیاء	،،	مظفرآباد	شمارہ اکتوبر ۲۰۰۶
۱۰۔	باغ و بہار	سہ ماہی	باغ	شمارہ اپریل تا جون ۲۰۰۷
۱۱۔	بانگ	ماہنامہ	ریڈیو مظفرآباد	شمارہ اکتوبر ۱۹۹۳
۱۲۔	بروشر	،،	میلہ مویشیاں کوٹلی	شمارہ ۱۹۸۶
۱۳۔	تسطیر	سہ ماہی	میرپور	شمارہ ۳۰ جولائی تا ستمبر ۱۹۹۷
۱۴۔	تہذیب	کشمیر نمبر	مظفرآباد	شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵
۱۵۔	،،	زلزلہ نمبر	،،	شمارہ دسمبر ۲۰۰۵
۱۶۔	،،	میاں محمد بخشؒ نمبر	،،	شمارہ فروری تا مئی ۲۰۰۷
۱۷۔	دی کوٹلینز	سالنامہ	کوٹلی	شمارہ ۲۰۰۵
۱۸۔	روابط انٹرنیشنل	ماہنامہ	راولاکوٹ	شمارہ ۹ اگست ۲۰۰۶
۱۹۔	شوق	سہ ماہی	میرپور	سن ندارد
۲۰۔	صدائے باغ	ماہنامہ	باغ	شمارہ ستمبر، اکتوبر ۲۰۰۷
۲۱۔	عزیمت	،،	مظفرآباد	شمارہ ۱۹۸۹
۲۲۔	،،	،،	،،	شمارہ ۱۹۹۹
۲۳۔	کشمیر ڈائجسٹ	،،	،،	شمارہ ۱۹۸۷
۲۴۔	ماہ نو	ماہنامہ	لاہور	شمارہ ۱ جنوری ۲۰۰۴

۲۵۔	〃	〃	〃	شمارہ ۱ جنوری ۲۰۰۵
۲۶۔	〃	〃	〃	شمارہ ۸ اگست ۲۰۰۵
۲۷۔	〃	〃	〃	شمارہ ۱۱ نومبر ۲۰۰۵
۲۸۔	〃	〃	〃	شمارہ ۱۲ دسمبر ۲۰۰۵
۲۹۔	〃	〃	〃	شمارہ ۳ مارچ ۲۰۰۷
۳۰۔	〃	〃	〃	شمارہ ۸/۹ اگست/ستمبر ۲۰۰۷
۳۱۔	مخزن	ماہنامہ	لاہور	شمارہ جون ۱۹۰۳
۳۲۔	مشیر	آزر عسکری نمبر	اسلام آباد	شمارہ ۱۹۸۷
۳۳۔	مطلع	ماہنامہ	باغ	شمارہ ۱ مارچ تا مئی ۲۰۰۵
۳۴۔	〃	〃	〃	شمارہ ۲ جون تا اگست ۲۰۰۵
۳۵۔	〃	〃	〃	شمارہ ۱ ستمبر تا نومبر ۲۰۰۵
۳۶۔	وجدان	ماہنامہ	مظفرآباد	شمارہ ۱۹۹۳
۳۷۔	ہمایوں	ماہنامہ	لاہور	شمارہ جون ۱۹۳۹
۳۸۔	〃	〃	〃	شمارہ ۱۹۴۰

کالج جرائد

	جریدہ	کالج	شمارہ
۱۔	آئینہ	گورنمنٹ ڈگری کالج مظفرآباد	شمارہ ۱۹۷۷
۲۔	پتن	گورنمنٹ ڈگری کالج بھمبر	شمارہ ۲۰۰۵
۳۔	تدریب	گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن برائے ایلیمنٹری باغ	شمارہ ۲۰۰۰
۴۔	رہبر	آزادکشمیر کالج ٹیچرز ایسوسی ایشن	شمارہ ۸۳ـ۱۹۸۴
۵۔	سروش	گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج میرپور	شمارہ ۵۷ـ۱۹۵۸
۶۔	،،	،،	شمارہ ۱۹۸۰ـ۱۹۹۷
۷۔	،،	،،	شمارہ ۱۹۹۶
۸۔	،،	،،	شمارہ ۱۹۹۸
۹۔	،،	،،	شمارہ ۲۰۰۰
۱۰۔	،،	،،	شمارہ ۲۰۰۵
۱۱۔	سنگرمال	پنجاب یونیورسٹی لاہور	شمارہ ۱۹۹۰
۱۲۔	ضوفشاں	گورنمنٹ ڈگری کالج پلندری	شمارہ ۱۹۹۵
۱۳۔	کاوش	گورنمنٹ ڈگری کالج کوٹلی	شمارہ ۲۰۰۷
۱۴۔	ماہل	گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج باغ	شمارہ ۲۰۰۷
۱۵۔	نردبان	گورنمنٹ بوائز ڈگری کالج اسلام گڑھ	شمارہ ۲۰۰۱
۱۶۔	نوید سحر	گورنمنٹ بوائز ڈگری کالج کوٹلی	شمارہ ۲۰۰۲

اخبارات

	اخبار	ماہنامہ	شمارہ
۱۔	آزاد کشمیر، مظفرآباد/راولپنڈی	ہفت روزہ	جون ۱۹۵۶
۲۔	پاکستان ٹائمز، لاہور	روزنامہ	۲۵ اکتوبر ۱۹۴۷
۳۔	پیسہ اخبار، لاہور	روزنامہ	۱۹ اگست ۱۹۰۹
۴۔	جنگ، راولپنڈی	روزنامہ	۱۷ ستمبر ۱۹۹۳
۵۔	شعور، مظفرآباد	ہفت روزہ	۲۲ جولائی ۱۹۹۰
۶۔	قلم، مظفرآباد	ہفت روزہ	۱۹ دسمبر ۱۹۹۷
۷۔	کشمیر نیوز انٹرنیشنل، کوٹلی	ہفت روزہ	۱۲ فروری ۱۹۹۵
۸۔	کشمیر نیوز انٹرنیشنل کوٹلی	ہفت روزہ	جون ۱۹۹۵
۹۔	کشمیر، راولپنڈی	ہفت روزہ	۲۴ اپریل ۱۹۸۴
۱۰۔	کوٹلی ٹائمز، کوٹلی	ہفت روزہ	اکتوبر ۲۰۰۷
۱۱۔	نوائے وقت، لاہور	روزنامہ	۱۰ جون ۲۰۰۳

غیر مطبوعہ مقالات

۱۔ افتخار حسین مغل (ڈاکٹر)، ''آزاد کشمیر میں اردو کا شعری ادب''، مقالہ پی۔ایچ۔ڈی اردو A.I.O.U اسلام آباد، غیر مطبوعہ، ۲۰۰۳ء

۲۔ محمد عالم چودھری (ڈاکٹر)، ''آزاد کشمیر میں اردو زبان و ادب کا فروغ'' مقالہ پی۔ایچ۔ڈی اردو جامعہ کراچی، غیر مطبوعہ، ۲۰۰۱ء